وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

إعلام المؤمنين على الحق المبين

ازتالیفات

صاحب العلم والذکاوۃ مالک الفہم والفطنۃ

حضرت العلامہ سید احمد شاہ مدظلہٗ

المعروف بہ

اخوندکلی میاں صاحب

بجواب

اصلاح الرسوم

ازعلامہ جوروی، ضلع سوات

مع حاشیہ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

الجزء الاول

تصنیف

بحر العلوم السید الشیخ المفتی العلامۃ

السید عبد الحق الشاہ

الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی

النقشبندی الجشتی القادری السہروردی

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: إعلام المؤمنین علی الحق المبین
از
حضرت العلامہ سید احمد شاہ مدظلۂ
المعروف بہ
اخوند کلی میاں صاحب
مع حاشیہ
سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین (الجزء الاول)

تصنیف و تالیف: بحر العلوم السید الشیخ المفتی العلامۃ السید عبد الحق الشاہ الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی النقشبندی الجشتی القادری السہروردی

باہتمام و فیضان نظر: العالم العلامہ العارف باللہ تعالیٰ مفسر کلام اللہ تعالیٰ و خادم حدیث رسول اللہ ﷺ الشیخ السید احمد علی الشاہ الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی النقشبندی الجشتی القادری السہروردی

طباعت اول: نومبر ۲۰۲۴ بمطابق جمادی الاول ۱۴۴۶

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	فہرست	۳
۲	خطبة الکتاب	۱۸
۳	انتساب	۲۰
۴	سبب تصنیف	۲۱
۵	متن اعلام المؤمنین: بحث البدعة (بدعت کی بحث)	۲۵
۶	بدعت کے لغوی معنی	۲۵
۷	بدعت کے اصطلاحی معنی	۲۵
۸	بدعت کی اقسام	۲۹
۹	بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ میں امتیاز ضروری ہے	۳۰
۱۰	اختیار افعال میں انسان کے مذاہب	۳۴
۱۱	متن اعلام المؤمنین (بندے (مخلوق) کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف خلق (مخلوق) کی حیثیت سے منسوب ہوتا ہے اور بندے کی طرف کسب (کام) کی حیثیت سے) پر حاشیۂ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۳۶
۱۲	ایّاک نعبد و ایّاک نستعین کا اقرار کرنے والا جبر و قدر سے بری	۳۷
۱۳	بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے	۳۷
۱۴	متن اعلام المؤمنین	۴۱
۱۵	اللہ تعالیٰ کے کامل ولی کا الہام خود اس کی ذات اور احترام کرنے والے کے لئے حجت ہے	۴۴
۱۶	نبی کریم ﷺ کا الہام وحی کی اقسام میں سے ایک قسم اور عام مخلوق کے لئے حجت ہے	۴۵
۱۷	عید کی نماز سے پہلے نفل کی کراہت خواص کے لئے ہے نہ کہ عوام کے لئے	۴۸

	علماء وعارفین کے ایجاد کردہ اعمال بدعت سیئہ و قبیحہ نہیں کہلائیں گے	
۱۸	غیرِ مجتہد پر مجتہد کی اتباع واجب ہے	۵۳
۱۹	ماتن کا قول جس نے گمان کیا	۵۴
۲۰	صاحبِ شریعت کا قول و فعل دلیل و حجتِ شرعی ہے اور تقلید حجتِ شرعی نہیں	۵۶
۲۱	مجتہدین کی اقتداء دراصل نبی کریم ﷺ کی پیروی ہے	۵۸
۲۲	متن اعلام المؤمنین بحث البدعة پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۵۹
۲۳	بدعت کا معنی و مفہوم	۵۹
۲۴	بدعت کا لغوی مفہوم	۶۰
۲۵	کائناتِ ارضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ بدعت ہے	۶۱
۲۶	بدعت کا اصطلاحی مفہوم	۶۲
۲۷	بدعت صرف وہ ہے جو کتاب و سنت کے احکامات سے متعارض ہو	۶۴
۲۸	بدعت کا حقیقی تصور	۶۶
۲۹	اَحْدَثَ کے بعد مَالَیْسَ مِنْهُ فرمانے میں حکمت	۶۷
۳۰	مَالَیْسَ فِیْهِ اور مَالَیْسَ مِنْهُ میں فرق	۶۷
۳۱	مغالطے کا ازالہ اور "فھو ردٌّ" کا درست مفہوم	۶۸
۳۲	بدعت آئمہ و محدّثین کی نظر میں تفصیلاً	۷۰
۳۳	متن اعلام المؤمنین: بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)	۱۲۸
۳۴	نفسِ فدیہ قرآن و سنت سے ثابت ہے	۱۲۸
۳۵	وجہ حصر	۱۲۸
۳۶	جس شخص پر فرائض وواجبات باقی ہوں اس پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا واجب ہے	۱۲۹

۳۷	ولی عام ہے خواہ وارث ہو یا وصی	۱۳۰
۳۸	مشائخ کے استحسان کی بناء پر نماز روزے کی طرح ہے	۱۳۲
۳۹	روزہ اور نماز دونوں کا فدیہ جائز ہے	۱۳۳
۴۰	ولی کی طرف سے میت کے لئے روزہ اور نماز ادا کرنا جائز نہیں	۱۳۳
۴۱	میت کی طرف سے روزہ رکھنے سے مراد میت کی طرف سے کھانا کھلانا ہے	۱۳۴
۴۲	قرآن مجید کو بھی حیلۂ اسقاط میں گھمایا جاسکتا ہے	۱۳۷
۴۳	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۱۳۸
۴۴	ایک اہم مسئلہ	۱۳۹
۴۵	قرآن مجید میراث میں بھی لیا جاسکتا ہے	۱۳۹
۴۶	مصحف کی تجارت	۱۴۰
۴۷	مصحف کی تجارت دراصل اوراق اور کاتب کی بیع ہے	۱۴۰
۴۸	متعدد فدیئے ایک ہی فقیر کو دینا جائز ہے	۱۴۲
۴۹	وارث کی ملکیت حکماً عین مؤرث کی ملکیت ہے	۱۴۳
۵۰	کیا کسی اور کے حیلے سے کسی اور کا حق ادا نہیں ہوتا؟	۱۴۵
۵۱	نمازوں کے فدیئے کی ادائیگی احتیاطاً کرنی چاہیئے نہ کہ وجوبًا	۱۴۶
۵۲	حیلہ ضرر نہیں ہے	۱۴۷
۵۳	زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ بلا کراہت جائز ہے	۱۴۸
۵۴	حیلۂ اسقاط پر تصریحاتِ فقہاء کرام	۱۴۹
۵۵	پُرامن حالات میں مسلمانوں کا بڑا لشکر قرآن مجید ساتھ رکھ سکتا ہے	۱۵۱
۵۶	امام کے قول کا اعتبار ہے مقلد کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں	۱۵۳
۵۷	فدیہ میت کی تدفین سے مقدم کیا جائے	۱۵۴
۵۸	میت کی تدفین کے بعد سات راتوں تک صدقہ کرنے کا مسئلہ	۱۵۶

نمبر	عنوان	صفحہ
۵۹	صدقہ کرنے سے میت کو فائدہ ملتا ہے	۱۵۶
۶۰	میت کی ارواح ہر جمعہ کی رات ودن کو گھروں کے باہر کھڑی ہو کر پکارتی ہیں	۱۵۷
۶۱	جمعہ کی شب اپنے اوراد اور وظائف میں اضافہ کرنا چاہیئے	۱۵۹
۶۲	شرعی کام سے روکنے کی بجائے بُری نیت کی اصلاح ضروری ہے	۱۶۲
۶۳	مستحب ایک حکمِ شرعی اور اللہ تعالیٰ کے قُرب کا سبب ہے	۱۶۵
۶۴	تمام مسلمانوں کی خدمت میں	۱۶۶
۶۵	متن اعلام المؤمنین بحث الاسقاط پر حاشیہ سيف المؤمنين على أعناق المنكرين	۱۶۸
۶۶	حیلہ کے معنی ومفہوم	۱۷۰
۶۷	جواز حیلہ میں قرآن مجید ومفسرین حضرات کی تصریحات	۱۷۲
۶۸	والاحادیث فی جواز الحیلة (حیلہ کے جواز میں احادیث مبارکہ)	۱۷۵
۶۹	جواز حیلہ از کتب فقہاء کرام	۱۷۸
۷۰	فدیہ کا ثبوت قرآن مجید سے	۱۸۱
۷۱	فدیہ کا ثبوت احادیث نبوی ﷺ سے	۱۸۲
۷۲	فدیہ کا ثبوت از فقہائے کرام	۱۸۳
۷۳	جمع بین اباحت وتملیک کے معنی	۱۸۹
۷۴	میت کی وصیت تیسرے حصے میں جاری ہو گی	۱۹۱
۷۵	فدیہ کی مقدار اور صاع کی تحقیق	۱۹۲
۷۶	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۲۰۸
۷۷	قرآن مجید کا رکھنا مال اسقاط میں	۲۱۰
۷۸	امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن عمر الواقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۲۲۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۹	حیلۂ اسقاط پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۲۳۰
۸۰	متن اعلام المؤمنین: "بحث الدعاء" (دعا کی بحث)	۲۴۴
۸۱	احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دلائل	۲۴۴
۸۲	عبادت پر عمل کرنا عمل نہ کرنے سے بہتر ہے	۲۵۹
۸۳	نماز کے بعد دعا اور ہاتھ چہرے پر ملنا سنت ہے	۲۵۹
۸۴	دعا کے آداب	۲۶۰
۸۵	فضیلت والے اوقات کو تلاش کرنا آداب دعا میں سے ہے	۲۶۴
۸۶	دعا کا طریقہ	۲۶۴
۸۷	دعا میں وسیلہ	۲۶۵
۸۸	درود شریف ایک مقبول وظیفہ ہے	۲۶۶
۸۹	دعا کے فوائد	۲۶۶
۹۰	دعا نہ کرنے پر مرتب ہونے والے اثرات	۲۶۷
۹۱	دعا کی اجابت کی شروط	۲۶۷
۹۲	دعا کی اقسام	۲۶۸
۹۳	دعا کی کیفیت	۲۶۹
۹۴	دعا میں ہاتھ اٹھانا فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں	۲۷۰
۹۵	دعا میں ہاتھ اٹھانا فقہاء کرام، مفسرین اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں	۲۷۱
۹۶	فقہاء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی یہ علت ذکر کی	۲۷۲
۹۷	دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے	۲۷۲
۹۸	ہاتھوں کو چہرے پر ملنے کی حکمت	۲۷۳
۹۹	آیات واقوال مفسرین سے دلائل	۲۷۳
۱۰۰	متن اعلام المؤمنین بحث الدعاء پر	۲۷۹

	حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	
۱۰۱	فرض نماز کے بعد دعائیں مقبول ہوتی ہیں	۲۷۹
۱۰۲	مسجد میں اجتماعی دعا کے استحباب پر متقدمین ومتاخرین علماء کرام کا اجماع ہے	۲۸۱
۱۰۳	دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان	۲۹۰
۱۰۴	تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان	۲۹۹
۱۰۵	افعال متماثلہ کو اوقاتِ متعددہ میں کرنا تکرار ہے	۳۰۳
۱۰۶	دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا	۳۰۶
۱۰۷	فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرنے کا بیان	۳۰۸
۱۰۸	جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان سے فراغت سنن کی ادائیگی کے بعد حاصل ہوتی ہے	۳۰۹
۱۰۹	متن اعلام المؤمنین: بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)	۳۱۸
۱۱۰	زیارتِ قبور مستحب ہے	۳۱۸
۱۱۱	زیارت القبور برائے خواتین میں فقہاء کا اختلاف	۳۱۹
۱۱۲	فریقِ اول (عدم جواز) کی دلیل	۳۱۹
۱۱۳	زیارت القبور کے آداب	۳۲۲
۱۱۴	زیارت القبور کے فوائد	۳۲۳
۱۱۵	دعا میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا وسیلہ پیش کرنا	۳۲۴
۱۱۶	اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں پر حاشیہ سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین	۳۲۵
۱۱۷	مسلمان اولیاء کرام کو بالذات وبالفعل والاستقلال نہیں سمجھتے	۳۲۵
۱۱۸	متن اعلام المؤمنین	۳۲۶
۱۱۹	بارگاہِ خداوندی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام	۳۲۶

	علیہم الرضوان کا وسیلہ پکڑنا جائز اور مشروع امر ہے	
۳۲۹	بعض مغرورین کا اعتراض کہ عوام لوگ ولی پر (خدائی کا) اعتقاد رکھتے ہیں پر حاشیہ سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین	۱۲۰
۳۲۹	اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کے ہاتھوں پر وہ تمام امور پیدا فرماتا ہے جو مقدر ہو چکے ہیں	۱۲۱
۳۳۱	غیر شرعی توہمات کی وجہ سے اصلاً نیکی کا کام ترک کرنا مناسب نہیں	۱۲۲
۳۳۲	متن اعلام المؤمنین	۱۲۳
۳۳۲	جس نے نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے نبی کریم ﷺ کی بحالتِ حیات زیارت کی	۱۲۴
۳۳۲	قبولیتِ دعا کے لئے کچھ خاص مقامات ہیں	۱۲۵
۳۳۳	زیارت القبور کی بابت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ	۱۲۶
۳۳۳	زیارت القبور کی بابت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ	۱۲۷
۳۳۳	ہر جمعہ والدین کی قبور کی زیارت کرنے والا والدین کا فرمانبردار لکھا جائے گا	۱۲۸
۳۳۶	فقہاء کرام کے اطلاقات کو محض فہمِ مستقیم رکھنے والے علماء ہی جانتے ہیں	۱۲۹
۳۳۸	اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی حیات و ممات برابر ہے	۱۳۰
۳۴۰	صالحین وفات کے بعد بھی اپنے زائرین کی مدد کرتے ہیں	۱۳۱
۳۴۱	حیات الاولیاء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت	۱۳۲
۳۴۳	متن اعلام المؤمنین بحث وسیلہ پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۱۳۳
۳۴۳	ولی کسے کہتے ہیں؟	۱۳۴
۳۴۳	کرامت کسے کہتے ہیں؟	۱۳۵
۳۴۴	توسل، استمداد اور استغاثہ کے معنیٰ	۱۳۶

۱۳۷	وسیلہ کا معنی	۳۴۴
۱۳۸	اے اللہ کے بندو مجھے راستہ دکھاؤ!	۳۴۵
۱۳۹	آیات القرآن فی جواز الوسیلة	۳۴۸
۱۴۰	امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول استمداد کی تائید میں	۳۵۰
۱۴۱	اللہ تعالیٰ کا نعمتیں عطا کرنے میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ شریک کرنا	۳۵۴
۱۴۲	اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کو اپنے کاموں میں شریک کرنا	۳۵۴
۱۴۳	اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے میں جبرئیل علیہ السلام اور صالحین کو شریک فرمانا	۳۵۴
۱۴۴	اللہ تعالیٰ کا اپنے ساتھ دوستی میں رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو شریک کرنا	۳۵۵
۱۴۵	الاحادیث النبوی ﷺ فی جواز الوسیلة	۳۵۶
۱۴۶	مزید احادیث	۳۶۵
۱۴۷	مطلق استمداد و امداد کی مشروعیت کی تائید احادیث سے	۳۷۰
۱۴۸	ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغاثہ کیا	۳۷۲
۱۴۹	سائل کو جھڑکنے کی نہی سے استمداد کے جواز پر استدلال	۳۷۳
۱۵۰	شرک کی تشریح	۳۷۴
۱۵۱	شرک کی تشریح اور معیار	۳۷۶
۱۵۲	توسل و استمداد کی اقسام اور اُن کی تشریح	۳۷۸
۱۵۳	توسل اور امداد کی تین قسمیں ہیں	۳۷۸
۱۵۴	خدمت والدین، پاک دامنی اور ادائے حق کے توسل سے قبولیت دعاء	۳۷۸
۱۵۵	عبادت صبح و شام سے استعانت کرنا	۳۸۰
۱۵۶	سحری اور قیلولہ سے استعانت کرنا	۳۸۰
۱۵۷	عورتوں کی سادہ پوشی سے استعانت کرنا	۳۸۱

۱۵۸	صبر اور نماز کے توسل سے امداد طلب کرنا	۳۸۱
۱۵۹	**توسل بالجاہ**	۳۸۲
۱۶۰	حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت محمد ﷺ کے توسل سے مغفرت چاہنا	۳۸۲
۱۶۱	ایک نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ ﷺ کے توسل سے بینا ہو جانا	۳۸۳
۱۶۲	دعا میں حق سائلین سے توسل کرنا	۳۸۷
۱۶۳	خود رسول اللہ ﷺ کا فقرائے مہاجرین کے توسل سے دعا کرنا	۳۸۸
۱۶۴	آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کا توسل	۳۸۹
۱۶۵	بارش کے لئے حضور ﷺ سے طلب امداد	۳۸۹
۱۶۶	رسول اللہ ﷺ کا اپنے توسل پر مہر تصدیق ثبت فرمانا	۳۹۰
۱۶۷	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ کے توسل سے دعا کرنا	۳۹۱
۱۶۸	چیونٹی کے توسل سے دعا کا قبول ہونا	۳۹۱
۱۶۹	**توسل بالدعا**	۳۹۲
۱۷۰	بزرگان دین کی حیات و ممات میں توسل جائز ہے	۳۹۳
۱۷۱	حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توسل کے قائل ہیں	۳۹۴
۱۷۲	روضہ پاک میں توسل کا مشروع طریقہ	۳۹۴
۱۷۳	ایک مشہور اعتراض کا جواب	۳۹۵
۱۷۴	آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کا توسل	۳۹۶
۱۷۵	یہودیوں کا آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کے توسل سے فتح و نصرت طلب کرنا	۳۹۷
۱۷۶	حضرت محمد ﷺ کے نام کی برکت سے درندوں کا ایذاء نہ دینا	۳۹۸
۱۷۷	میدان جہاد میں توسل بالنبی ﷺ کا کرشمہ	۳۹۸
۱۷۸	آنحضرت ﷺ کا انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا	۳۹۹

۱۷۹	ایک اعرابی کا آپ ﷺ کے روبرو آپ کو وسیلہ قرار دینا	۴۰۰
۱۸۰	علامہ شامی علیہ الرحمہ کا قول نداء واستمداد کی تائید میں	۴۰۱
۱۸۱	سید محمد غمری رحمہ اللہ تعالیٰ کو نداء کرنے کا واقعہ	۴۰۱
۱۸۲	خاصان حق سے ان کی حیات میں مدد مانگنے کا ثبوت	۴۰۲
۱۸۳	آنحضرت ﷺ بفضل خدا ہر سائل کا سوال پورا کر سکتے ہیں	۴۰۲
۱۸۴	ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا میں آپ ﷺ سے شفاعت کا سوال کیا	۴۰۴
۱۸۵	خود رسول اللہ ﷺ کا استعانت فرمانا	۴۰۴
۱۸۶	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام سے مدد مانگنا	۴۰۴
۱۸۷	رسول اللہ ﷺ کا قبائل عرب کو مدد دینا	۴۰۵
۱۸۸	غیر اللہ سے استمداد کے جواز کا ثبوت	۴۰۵
۱۸۹	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدہا میل سے مجاہدین کو مدد دی	۴۰۶
۱۹۰	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں بیٹھے اپنی روحانیت سے اہل مصر کی مدد کی	۴۰۸
۱۹۱	مجاز اور حقیقت کے دلائل	۴۱۵
۱۹۲	توسل بالغیر کی قسمیں	۴۲۲
۱۹۳	حکم اقسام مذکور	۴۲۳
۱۹۴	استعانت کی جائز وناجائز صورتیں	۴۲۴
۱۹۵	استعانت از ارواح کے جواز پر مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ	۴۲۴
۱۹۶	استمداد وتوسل کی تین صورتیں	۴۲۹
۱۹۷	اہل اللہ کے تصرفات اور خداداد اختیارات	۴۳۱
۱۹۸	ابدال اقطاب اوتاد و نجباء	۴۳۳
۱۹۹	اولیاء اللہ کا تصرف	۴۳۹
۲۰۰	قرب نوافل	۴۴۰

۲۰۱	اولیائے کرام میں تکوین اور کن فیکون کی طاقت	۴۴۱
۲۰۲	اولیاءاللہ کو تصرف کی طاقت عطاہونا	۴۴۲
۲۰۳	نیک روحیں ان فرشتوں میں جاتی ہیں جو مدبر عالم ہیں	۴۴۳
۲۰۴	تائید دوم از امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۴۵
۲۰۵	تائید سوم از حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ	۴۴۶
۲۰۶	حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرشتوں کے ساتھ دنیامیں آنا	۴۴۷
۲۰۷	شہیدوں کی اعانت اپنے متعلقین کو	۴۴۸
۲۰۸	شہداء کا شعور وادراک	۴۴۸
۲۰۹	چند شہیدوں کی ملاقات اپنے ایک زندہ رفیق سے	۴۴۹
۲۱۰	انبیاء علیہم السلام کی دعوات مستجابہ	۴۵۱
۲۱۱	حضرت ﷺ کا فریادرس ہونا، جانوروں کا آپ ﷺ سے فریاد کرنا	۴۵۲
۲۱۲	انبیاءکرام علیہم السلام واولیاء عظام وصلحاء عالی مقام سے غائبانہ استمداد کرنے کا جواز	۴۵۳
۲۱۳	اولیاءاللہ کی برکت سے عذاب کا ٹلنا، فتح پانا، بادلوں کا آنا	۴۵۴
۲۱۴	حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاءاللہ کو نداا اور اُن سے استمداد جائز ہے	۴۵۵
۲۱۵	انبیاء علیہم السلام کی قبروں کا فیض	۴۵۶
۲۱۶	حضرت دانیال علیہ السلام کے تابوت سے توسل	۴۵۶
۲۱۷	حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی برکت	۴۵۷
۲۱۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبر سے نکل کر سائل کے لئے دعاکرنا	۴۵۸
۲۱۹	عام موتیٰ کے لئے انبیاء علیہم السلام واولیاءکرام کے مزاروں کے پاس دفن ہونے کی برکت	۴۵۹
۲۲۰	شیخ جمال موصلی کی آرزوروضہ ءمقدسہ کے پاس دفن ہونا	۴۵۹

۲۲۱	فوت شدہ بزرگان دین ک قبور سے استمداد اور اس کی اجابت کے واقعات	۴۵۹
۲۲۲	نداء الاولیاء کا جواز	۴۶۰
۲۲۳	حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روضہء رسول ﷺ پر جا کر اپنے مصائب کی شکایت کرنا	۴۶۰
۲۲۴	قبور اکابر سے استفادہ جمہور کے نزدیک مشروع ہے	۴۶۱
۲۲۵	تشفع و توسل آئمہ دین کا معمول ہے	۴۶۱
۲۲۶	حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر اہل روم استمداد و استسقاء کرتے ہیں	۴۶۲
۲۲۷	اہل اللہ کی قبر پر منہ رکھنے کا ثبوت	۴۶۲
۲۲۸	انبیاء علیہم السلام کے مزارات سے استعانت عام شائع ہے	۴۶۳
۲۲۹	ایک بھوکے نابینا کو روضہ پاک پر شکایت کرنے سے روٹی ملی	۴۶۴
۲۳۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار پر ایک مظلوم کی دادرسی	۴۶۴
۲۳۱	حضرت دانیال علیہ السلام کے جسم سے توسل	۴۶۵
۲۳۲	قبولیت دعا کی تریاق بزرگوں کی قبریں ہیں	۴۶۶
۲۳۳	اہل اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنانے اور ان سے روحانی استمداد کا جواز	۴۶۷
۲۳۴	انبیاء اور اولیاء اللہ کو وسیلہ بنانا اور ان سے مدد مانگنا جائز ہے	۴۶۹
۲۳۵	متن اعلام المؤمنین	۴۷۲
۲۳۶	دعا کی مقبولیت قبروں کے پاس جانے پر منحصر نہیں	۴۷۴
۲۳۷	قبورِ صالحین کے پاس بھی دعا کی مقبولیت مجرب ہے پر حاشیۂ سیف المؤمنین علی أعناق المنكرين	۴۷۴
۲۳۸	أولیاءاللہ أحیاء فی قبورھم	۴۷۷
۲۳۹	اولیاء کرام کا بعد الوفات توجہ اور تصرف اور مقامات طے کروانا	۴۷۸

۲۴۰	متن اعلام المؤمنین	۴۸۲
۲۴۱	قبر پر چادریں ڈالنے پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۴۸۳
۲۴۲	متن اعلام المؤمنین	۴۸۵
۲۴۳	امت محمدیہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کفار سے تشبیہ دینے پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۴۸۶
۲۴۴	کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے	۴۸۶
۲۴۵	متن اعلام المؤمنین	۴۸۷
۲۴۶	کسی بھی مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یا فتویٰ دیتے ہوئے احتیاط کا بیان پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أ۲۴۷عناق المنکرین	۴۸۹
۲۴۷	اصول الافتاء	۴۸۹
۲۴۸	متی یحرم الافتاء: (فتویٰ دینا کب منع ہے؟)	۴۹۱
۲۴۹	الرجوع عن الفتوی: (اگر غلط فتویٰ دے دیا تو کیا کرے)	۴۹۲
۲۵۰	اپنے فتویٰ سے رجوع کے بارے میں مستفتی کو خبر دینا	۴۹۲
۲۵۱	متن اعلام المؤمنین	۴۹۳
۲۵۲	مسلمان پر بدگمانی کی ممانعت	۴۹۳
۲۵۳	مسلمانوں پر بدگمانی کرنے پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۴۹۵
۲۵۴	متن اعلام المؤمنین	۴۹۶

۴۹۶	شرعی حکم میں غیر مجتہد کا قول حجت نہیں ہے	۲۵۵
۴۹۶	اصولِ دین کے خلاف عقلی دلائل استعمال کرنا باعثِ ہلاکت ہے	۲۵۶
۴۹۷	غیر مجتہد کا قول احکامِ شرعیہ میں حجت نہیں ہے اور اس کے لئے خواہشاتِ نفسانی کی تابعداری حرام ہے پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۲۵۷
۵۰۰	خواہشات کی پیروی نہ کرو	۲۵۸
۵۰۱	تحقیق بغیر علم کا انجام	۲۵۹
۵۰۱	خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے والوں کا انجام	۲۶۰
۵۰۲	اہل ہوی گمراہ ہیں	۲۶۱
۵۰۸	متن اعلام المؤمنین بحث زیارۃ القبور پر حاشیہ سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین	۲۶۲
۵۰۸	زیارۃ القبور روایات صحیحہ سے بھی ثابت ہے	۲۶۳
۵۱۰	استحباب زیارۃ القبور	۲۶۴
۵۱۲	زیارۃ القبور کی اقسام	۲۶۵
۵۱۳	مقصد تانیس وانس اور رحمت ہو تو اس کو دوست اور محب کی قبر پر جانا چاہیئے	۲۶۶
۵۱۴	اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنے رفقاء کی امداد بھی کرتے ہیں	۲۶۷
۵۱۴	عورتوں کا قبروں پر جانا	۲۶۸
۵۱۶	اہل قبور سے خطاب اور ان کا اُنس ورَدِّ سلام	۲۶۹
۵۱۸	سماع موتی	۲۷۰
۵۲۱	قبر میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی نماز اور تلاوت قرآن شریف	۲۷۱
۵۲۷	حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام و شہداء و اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ	۲۷۲

۲۷۳	شہداء کے اجسام کا مشاہدہ	۵۲۹
۲۷۴	اکابرین دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اور عقیدہ	۵۳۱
۲۷۵	آداب زیارت قبور	۵۳۵

إعلام المؤمنين على الحق المبين

خطبة الكتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نستعینه و نصلي علی من هو رسوله و أمینه و علی آله و أصحابه الذین هم ارا کین الحق و أساطینه

تمام حمد محمود و شکر مسعود اس مربی اور معبود کے لئے لائق و سزاوار ہے کہ جس نے وجود کا فیضان ہر موجود پر فرمایا ہے اور جس نے بنی نوع انسان کو انواعِ مخلوقات میں معزز و مکرم بنایا ہے۔ اور پھر تمام مخلوقات میں اولادِ آدم علیہ السلام کو دینِ قویم (مستقیم) کے احکامات اور ان کی حدود کی حفاظت پر مکلف فرمایا ہے۔ چونکہ جب تمام اشیاء کی دو قسمیں تھیں: حَسن طیب اور قبیح خبیث۔ جلالِ ربانی اور جمالِ سُبحانی حَسن اور طیب کا تقاضا کرتا ہے، لیکن عقلِ انسانی مستقل طور پر حَسن اور قبیح کی معلومات کے لئے کافی نہیں۔ بعثت انبیاء کرام علیہم السلام کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم علیہ السلام کو انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کے ذریعے مشرف و معزز فرمادیا، حتّٰی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ سلسلۂ نبوت کا اکمال واتمام فرمادیا، کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تشریف آوری سے جہالت، ظلم اور کفر کے گھٹاٹوپ اندھیرے اور تاریکیاں ختم ہو گئیں اور انوار و تجلیات سے کون و مکان جگمگانے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے احکاماتِ اسلامیہ کی اشاعت اور اجراء کے لئے اپنی ذاتِ مبارکہ (جسمِ اطہر) پر ہر قسم کی مشقتیں اور تکالیف برداشت فرمائیں، حتّٰی کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اس دُنیا سے پردہ فرمانے کا وقت آیا تو اُمورِ دینیہ کی تبلیغ واشاعت کی ذمہ داری خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سونپی گئی۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد یہ ذمہ داری تابعین اور مجتہدین کو سونپی گئی۔ مجتہدین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی مساعی اور کوششوں سے نصوصِ قطعیہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) سے احکامات کا استخراج واستنباط فرمایا۔ اور دلائل اور براہین کی روشنی میں ان مسائل کا اثبات فرمایا اور اپنی تصانیف میں احکامِ شرعیہ اور مسائلِ دینیہ کو تحریر فرمایا، جس کی وجہ سے کسی عقل مند کی رائے اور کسی مقلد کے قیاس کی ضرورت باقی نہ رہی۔

شعر:

لم یدع من مضی للدین قد غبر — نقل علم سوی اخذهم بالاثر

اب ان مجتہدین نے اثر (احادیث) کے علاوہ دین کی ترویج واشاعت میں کوئی اور قول نقل نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ان آئمہ دین و مجتہدین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو اپنی رحمتوں اور غفران کی خلعتوں میں ڈھانپے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی کامل اتباع نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین!

انتساب

فقیر اس تالیف کو اپنے سیّدی وسندی قلبی وروحی فداہ، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدّدِ دین وملّت، غوث الامّت امام العلماء، مخدوم الاولیاء والفقراء، محور الاتقیاء، عاملِ قرآن، منبع علم وعرفان، مظہر فیوضِ یزدان، سلطان العارفین والمجذوبین، شمس المسلمین، حاجی الحرمین الشریفین، جناب حضرت شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ ومولانا محمد روشن صدیقی کوکاروی نور اللہ مرقدہٗ کی بارگاہ عالیہ میں بصد عقیدت واحترام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ جنہوں نے ایمان کے ڈاکوؤں، مکرو فریب کے پتلوں اور نام نہاد علماء ومفتیوں سے مسلمانوں کی ایمان جیسی قیمتی دولت کو بچانے کے لئے اپنے علمی وروحانی جواہرات کے ذریعے صحیح مسلکِ حق اہل سنت والجماعت پیش کرکے دینِ اسلام کی آبیاری فرمائی اور مذہب کے دشمنوں اور راہزنوں کے ارادوں کو خاک میں ملادیا۔ جن کی مبارک زندگی اسوۂ حسنہ کا آئینہ دار، قرآن مجید کی عملی تفسیر اور احادیث نبویہ کی صحیح تشریح ہے۔ جن کی خداداد صلاحیتِ عمل واخلاص نے لاکھوں مردہ دل زندہ کئے۔ ہزارہا فاسق وفاجر، جابر اور ظالم قسم کے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔ تہہ دل سے دعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت جناب حضرت مولانا محمد روشن صدیقی کوکاروی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر انور کو نور سے بھر دے، ان کے درجاتِ عالیہ میں مزید ترقیاں عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات سے عالمِ اسلام کو بہرہ ور ہونے کی توفیق فرمائے۔ آپ کی تبلیغی سعی کو روز افزوں ترقی سے ہمکنار کرکے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

آمین بجاہ النبیّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فقیر سید عبد الحق شاہ نقشبندی مجددی سیفی
بانی ومہتمم
جامعہ اسلامیہ عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما
گھگھر پھاٹک زیرو پوائنٹ، دیوان سیمنٹ فیکٹری روڈ،
ضلع ملیر، کراچی

سبب تصنیف

یہ بات تمام قارئین (خواص وعوام) کو معلوم ہے کہ ضلع سوات، گاؤں جورہ کے مولوی صاحب (مفتاح الدین) نے ایک رسالہ بنام "اصلاح الرسوم" تالیف کیا ہے، نام "اصلاح الرسوم" ہے مگر عنوان اس کتاب کا فقہی قواعد ومسائلِ شرعیہ کے بالکل مخالف ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے کثیر مقامات پر اقوالِ فقہاء پر لعن وطعن اور ملامت کے نشتر چلائے اور زبان درازی کی ہے۔ اور فقہاء اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی کثیر تعداد کے افعالِ حسنہ کو رسومِ فاسدہ کہا ہے۔ اور فقہاء ومجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں موجود وہ امورِ شرعیہ جو تواتر سے منقول ہیں ان کو بدعتِ سیئہ (بُری بدعت) قرار دیا ہے۔ (العیاذ باللہ، سبحان اللہ)

موصوف نے اسلام کی شان میں جو بے ادبی وگستاخی کی ہے یہ نہ تو دلیری ہے اور نہ بہادری ہے، بلکہ دوسروں کی توہین کرنا، اپنے آپ کو ذلیل ورسوا بنانے کے مترادف ہے۔ کسی بے ادب اور گستاخ شخص کی گستاخی سے اللہ والوں کی شان میں کوئی کمی ونقص نہیں آتا۔ بلکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جو آسمان کی طرف تھوکے گا تو تھوک اس کے چہرے پر آکر گرے گا۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　　خطا بر بزرگان گرفتن خطا است

ترجمہ: اہلِ دل (علماء واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ) کی بات کے بارے میں مت کہو کہ غلط ہے، بلکہ بزرگوں کو خطاکار سمجھنا خود خطا اور غلطی ہے۔

موصوف (مولوی مفتاح الدین) نے بہت سے ایسے مسائل (جن کی شریعت میں اصل موجود ہے) کو حرام وممنوع کہا ہے۔

قولہ تعالیٰ: قُلْ آٰللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُونَ (یونس ۵۹)

تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟

موصوف نے اپنے جادو اور سحر انگیز انداز سے اپنی باتیں اس انداز سے تحریر کی ہیں کہ عوام الناس کے دلوں میں نقش کر دیا، کیونکہ اس آخر دور میں سوات میں جس کو صاحبِ سوات (سیدو بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے شمکلے فرمایا ہے نفسانی خواہشات کا اتنا غلبہ ہو چکا ہے کہ اطاعت وعبادت کی ادائیگی کے سلسلے میں دلی جذبہ بہت کم ہو چکا ہے اور مصنفِ "اصلاح الرسوم" کو بھی بہانہ مل گیا کہ فوراً کتاب لکھی اور ماحول کے تقاضا کے مطابق فساق وفجار نے تحسین وآفرین کے نعرے بلند کر دیئے، موصوف

کی مثال ”خصلت بری تو بہانہ بسیار“ کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں حق پرست خواص وعوام کم ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ حق کو افراد کی وجہ سے جانتے ہیں، حالانکہ افراد حق کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

کقولہ: انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال۔

جو کہا جارہا ہے اس کو دیکھو، اس کو نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے؟

(یہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا مقولہ ہے)

مولوی مفتاح الدین آپ جورہ، سوات کے اوہامِ فاسدہ، شکوک وشبہات کاسدہ کے ازالے اور حق وحقیقت کے اظہار کے لئے جنابِ فضیلت مآب، معدنِ علومِ ربانی، مخزنِ فنونِ حقانی، محققِ بے بدل، مدقق بے مثال، میاں صاحب سید احمد شاہ، ساکن قریہ اخون کلے، نیکی خیل، سوات نے انتہائی عرق ریزی اور جان فشانی سے اس خدمتِ اسلام کے مشکل اور کٹھن کام کے لئے کمر کس لی، اور کتبِ شریعت (خاص کر مذہبِ حنفی کی کتب) سے ان مسائل کی مناسب طور پر خدمت فرمائی، صرف اور صرف مولوی مفتاح الدین، مصنف ”اصلاح الرسوم“ کی طرح پشتو زبان کے قصوں اور محاورات پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ہر بات پر کتاب کا حوالہ بھی دیا اور عبارت بھی نقل فرمائی۔ اب ناظرین کو چاہیئے کہ انصاف کی نظر سے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں اور بوقتِ مطالعہ دل سے مسلکی اور فرقہ پرستی کا تصور اور خیال دل سے نکال دیں۔

حضرت مصنف میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس کتاب کے لکھنے سے کوئی ناموری یا کسی سے بغض اور عداوت کا خیال وتصور تک نہیں، بلکہ صرف اور صرف حق کا اظہار کرنا ہے اور اس وعید سے بچنے کی نیت ہے کہ حق کے بیان سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ مصنف علام (حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو اس سعی وکوشش کا دونوں جہانوں میں اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین یارب العالمین!

---

[1] السکوت عن الحق

ان السکوت عن الحق حرام قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم الساکت عن الحق شیطان اخرس کذافی الاسرار۔

(المستصفی للامام النسفی، کتاب الصلاۃ، ج ۱، ص۳۵۷، ص۵۰۸، شرح النووی علی صحیح مسلم، ج۲، ص ۲۰، شذرات الذهب، ج۳، ص ۱۸۰، نور الانوار، ص ۲۱۹، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۰، باب الحث علی اکرام الجار، سنگین فتنه، ص ۹۵، اصول تکفیر جدید ایڈیشن، ص ۱۷۱، التفسیر الکاشف، ج۵، ص ۳۲، الرسالة القشیریة، ج ۱، ص ۱۵۶، تذكرة الأبرار والأشرار، ص ۴، طبع پشاور، نامی شرح حسامی، ص ۱۹۹، الصحو المطابع، نور محمد کراچی، طریقه محمدیه، ج ۲، ص ۸۶)

اور تلویح میں ہے:

فَإِنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ أَنْ يُبَيِّنَ مَذْهَبَهُ وَمَاهُوَ حَقٌّ عِنْدَهُ لِئَلَّايَكُونُ شَيْطَانًا أَخْرَسَ ؛ لِسُكُوتِهِ عَنْ الْحَقِّ۔

(معدن الاصول شرح اصول الشاشی، ص ۳۵۲، طریقه محمدیه، ج ۲، ص ۸۶، شرح التلویح علی التوضیح، ج۳، ص ۲۰)

سببِ تصنیف

اس کتاب کے دلائل کا مأخذ و منبع کتبِ احادیث وفقہ اور تفاسیر ہیں۔ مؤلف مرحوم (میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے کوشش فرمائی کہ ہر بات کی دلیل معتبر کتب سے دی جائے۔ جبکہ بعض مسائل کی دلیل ایسی کتب سے بھی دی ہے کہ جن کتب کو بعض علماء کرام ضعیف سمجھتے ہیں، مگر اس کتاب کا حوالہ اس سے اوپر والی قوی کتاب سے دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ضعیف قول معتبر ہو جاتا ہے، اور قابلِ اعتماد ہو جاتا ہے۔

یا اس وجہ سے میاں صاحب مؤلف مرحوم نے کتبِ ضعیفہ سے حوالہ دیا ہے کہ مؤلف اصلاح الرسوم مولوی مفتاح الدین نے اپنی کتاب میں کسی مسئلے کا دعویٰ کیا ہے اور اس کی دلیل عوام الناس کے محاورات اور حکایات کو بنایا ہے اور کسی قوی یا ضعیف کتاب کی عبارت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا۔ تو اب محاورات اور حکایات کے مقابلے میں اگر کوئی ضعیف قول اور روایت نقل کی جائے تو مقلد کے لئے وہ بھی بطور دلیل وسند کافی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب بھی کوئی ضعیف قول کسی قوی ومضبوط قول کے ساتھ متعارض (مقابل) نہ ہو تو وہ ضریف قول قابلِ قبول اور واجب العمل ہوتا ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک یہ کتاب (اعلام المؤمنین علی الحق المبین) آٹھ ابحاث وابواب پر مشتمل ہے:

۱۔ بدعت کی بحث ۲۔ اسقاط الصلوٰۃ والصوم کی بحث ۳۔ دعا کی بحث

۴۔ زیارت القبور کی بحث ۵۔ قرآن سننے کی بحث ۶۔ فرضِ احتیاطی کی بحث

۷۔ قضاء عمری کی بحث ۸۔ ضاد اور ظاء کی بحث

زیرِ نظر کتاب کا نام "اعلام المؤمنین علی الحق المبین" رکھا گیا ہے۔

تمام اہل اسلام کی خدمت میں عرض ہے کہ جب میں نے یہ کتاب "اعلام المؤمنین علی الحق المبین" بے شمار کتابوں سے نقل کر کے لکھی اور کتاب مرتب ہوئی اور میں نے یہ کتاب ضلع سوات، مردان اور پشاور کے حقانی علماء کرام کی خدمت میں پیش کی تو ان تمام علماء کرام نے اس کتاب کو حق اور صواب (صحیح) کہا اور اس کی اشاعت کا مشورہ دیا اور ترغیب دلائی، جس کی وجہ سے میں نے اس کتاب کو چھاپنے کا ارادہ کیا۔

ناچیز (میاں صاحب مرحوم) تمام اہلِ علم کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اگر مجھ سے اس کتاب میں کسی کتاب کی عبارت نقل کرتے وقت یا حوالہ دیتے وقت یا استدلال کے طریقے میں کوئی غلطی وخطا واقع ہوئی ہو یا میری نقل کردہ عبارت کے مقابلے میں کسی عالمِ دین کو کسی معتبر کتاب میں کوئی قوی دلیل ملی ہو تو صرف اور صرف اظہارِ حق کے لئے وہ عالمِ دین میری عبارت کے مقابلے میں اس قوی دلیل وعبارت کو لکھ لے (پیش کرے)، اور میری غلطیوں کی اصلاح فرماتے ہوئے مجھ پر

سببِ تصنیف

مہربانی فرمائے، کیونکہ میں (میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک کم فہم وکم علم انسان ہوں۔ غلطیوں اور خطاؤں سے پاک ومبرا نہیں ہوں، کیونکہ معصوم عن الخطاء شانِ انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔

گزارش ہے کہ میری کتاب پر کسی قسم کا اعتراض بوجہ تعصّب یا فرقہ پرستی نہ کریں کیونکہ اس میں جتنے بھی اقوال ہیں وہ تمام کے تمام یا تو احادیث مبارکہ ہیں یا مفسرین کرام وفقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ہیں، میں تو صرف ایک ناقل اور جامع ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ متعصب و معترض کسی گناہِ عظیمہ میں واقع نہ ہو۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ دینی اور اسلامی مسائل میں نہایت احتیاط سے قدم اٹھائے، کیونکہ بے احتیاطی کرنا ایمان کے لئے نقصان اور خطرہ ہے۔ میری توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔

متن اعلام المؤمنین

بحث البدعة(بدعت کی بحث)

بدعت کے لغوی معنیٰ

بدعت لغت میں مطلقاً کسی بھی نئے کام کو کہا جاتا ہے، خواہ عادات میں سے ہو یا عبادات میں سے۔

بدعت کے اصطلاحی معنیٰ

شریعت میں بدعت کا معنی ہے دینی امور میں زیادتی (اضافہ) کرنا یا کمی کرنا اور یہ کمی وزیادتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے کے بعد وجود میں آئی ہو، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس نئے کام کے کرنے کی نہ قولاً اجازت دی ہو اور نہ فعلاً اور نہ صریحاً اور نہ اشارتاً۔

مجالس الابرار نامی کتاب کے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدعت کے معانی بیان فرمائے ہیں:

پس جان لو کہ بعض ایسے علماء کرام کہ جو اپنے آپ کو مجدد کہلاتے ہیں اور مذہبِ حنفی کی کتابوں کی رعایت نہیں کرتے۔ وہ ہر اس کام کو بدعتِ سیئہ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے کے بعد ایجاد ہوا ہو۔ خواہ اس نیک کام کے لئے شریعتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں اصل ہو یا نہ ہو، خواہ وہ نئے کام قواعدِ شرعیہ کے تحت آتے ہوں یا نہ، خواہ وہ نئے کام قرآن وسنت کے مخالف ہوں یا نہ ہوں۔

جیسے کتاب "اصلاح الرسوم" کے مصنف (مولوی مفتاح الدین آف جورہ، سوات) نے ص ۱۳ میں لکھا ہے، لکھتے ہیں:

حدیث: "کل بدعة ضلالة" میں عمومیت اور کلیت معنیٔ شرعی کے اعتبار کی حیثیت سے ہے اور "کل بدعة ضلالة" میں ایجابِ کُلی کی تخصیص کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے، انتھیٰ۔ اور موصوف (مولوی مفتاح الدین) ان امور (آٹھ مسائل جو اجمالی طور پر مقدمہ میں گزر چکے ہیں) کی قباحت پر کوئی دلیلِ شرعی قائم نہیں کرتے، سوائے ان احادیث کے (جو نیچے آرہی ہیں)، اور ان احادیث مبارکہ کے ظاہری الفاظ سے عمومیت اور کلیت ثابت کرتے ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رد۔

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں ایسا نیا کام (طریقہ، عمل) ایجاد کیا جو اس میں سے نہ ہو تو وہ نیا کام (بدعت) مردود ہے (اس کو رد کیا جائے گا)۔[1]

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۱، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

اور دوسری یہ حدیث نبوی ہے:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

امابعد، بہترین بات (کلام) کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے، اور بہترین ہدایت (رہنمائی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کی ہدایت (رہنمائی) ہے، اور سب کاموں میں برا (ناجائز) کام نئے ایجاد کردہ کام (بدعت) ہیں، اور تمام (ہر) بدعت گمراہی ہے۔(رواہ مسلم)[1]

دوسری حدیث شریف درج ذیل ہے:

من يَعش مِنْكُم يرى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجه۔

میرے (پردہ فرمانے کے) بعد جو شخص زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، پس تم لوگوں پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی اتباع لازم ہے، میری سُنت کو مضبوطی سے پکڑو اور اس پر داڑھ (دانت) لگاؤ (مضبوطی سے پکڑے رکھو) اور نئے نئے ایجاد کردہ کاموں (بدعات) سے دور رہو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(رواہ احمد، ابو داؤد، الترمذی، ابن ماجہ)[2]

ہم (میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علماء اہل سنت) کہتے ہیں کہ ان مذکورہ احادیث میں محدثات (بدعات) سے مراد مطلق محدثات (بدعات) مراد نہیں بلکہ مراد وہ بدعات (نئے طریقہ کار) ہیں کہ جو اپنی رائے سے (خلافِ شرع) ایجاد کی گئی ہوں۔ اور ان کے لئے شریعتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم میں کوئی اصل نہ ہو، اور نہ شریعت کے قواعد کے تحت مندرج (مذکور) ہوں۔ اور جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کے خلاف و مخالف ہوں۔

جیسا کہ عینی، شرح بخاری میں لکھا ہے:

والمراد به ما أحدث وليس له أصل في الشرع وسمي في عرف الشرع بدعة وما كان له أصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة۔

---

[1] (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۵۱، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

ترجمہ: مراد اس سے وہ نیا کام ہے کہ جس کی شریعت میں اصل نہ ہو، اور عرف میں اس کو بدعت کا نام دیا جاتا ہے، اور جس عمل کے لئے شریعت میں اصل ہو تو وہ بدعت نہیں ہے۔[1]

روح البیان میں ہے:

ثم ان البدعۃ و الھوی عندنا معاشر الصوفیۃ خلاف العمل بسنۃ النبي علیہ السلام و سنۃ الاصحاب العظام و سنۃ المشایخ الکرام و الاتباع بالعقل الجزئی و الطبع فی کل فعل۔

ترجمہ: ہم اہل تصوف (صوفیاء) کے نزدیک بدعت اور نفسانی خواہش وہ عمل ہوتا ہے کہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے عمل کے خلاف ہو، اور عقل جزئی اور طبیعت کے موافق (شریعت کے خلاف) عمل کی اتباع کو بدعت کہا جاتا ہے۔[2]

اشعۃ اللمعات میں ہے:

بدانکہ ہر چہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر بدعت است وآنچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ است بر آن آنرا بدعتِ حسنہ گویند وآنچہ مخالف آن باشد بدعت وضلالت خوانند، الخ۔

ترجمہ: جان لو کہ جو عمل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پیدا (ایجاد) ہوا، وہ بدعت ہے۔ اور ہر وہ عمل کہ جو اصول اور قواعد سنت کے موافق ہو اور سنت پر قیاس کیا گیا ہو، تو اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں، اور جو اس کے مخالف ہو وہ بدعت و گمراہی کہلائی جاتی ہے، الخ۔[3]

اسی طرح اشعۃ اللمعات میں ہے:

ومراد از محدثات چیزیست کہ مخالف ومغیر آن باشد یعنی کتاب وسنت، الخ۔

محدثات (بدعات) سے مراد وہ عمل ہے کہ جو قرآن وسنت (کے احکامات) کو بدلنے والا ہو۔[4]

وسیلۂ احمدیہ میں ہے:

یعنی شر الأمور التي لا أصل لها فی الشرع رأسًا، إلخ۔

---

[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج۳۵، ص ۳۸۲)
[2] (روح البیان، ج۴، ص ۱۹۲، الناشر: دار الفکر - بیروت)
[3] (اشعۃ اللمعات، ص ۱۳۵)
[4] (اشعۃ اللمعات، ص ۱۳۴)

ترجمہ: شر الامور (برے اعمال) سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جن کی شریعت میں بالکل اصل نہ ہو۔[1]

اور رسالہ اقامۃ الحجۃ میں ہے:

وأما الحادث بعد الازمنة الثلاثة فيعرض على ادلة الشرع فإن وجد نظيره في العهود الثلاثة أو دخل في قاعدة من قواعد الشرع لم يكن بدعة لأنها عبارة عما لا يوجد في القرون الثلاثة وليس له أصل من أصول الشرع وإن اطلقت عليه البدعة قيدت بالحسنة وإن لم يجد له أصل من أصول الشرع صارت بدعة ضلالة, الخ۔

ترجمہ: ہر وہ کام جو تین فرمانوں (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، صحابہ کرام، تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بعد پیدا ہوا ہو تو اس کو ادلۂ شرعیہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) پر پیش کیا جائے، اگر اس نئے کام کی کوئی مثال ان درج بالا تینوں زمانوں میں پائی جاتی ہو یا قواعدِ شرعیہ میں سے کسی قاعدے کے تحت داخل ہو تو وہ بدعت نہیں ہو گا (بدعت نہیں کہلایا جائے گا)، اور اگر اس پر بدعت کا اطلاق ہو گا تو اس بدعت کو حسنہ کے ساتھ مقید کیا جائے گا۔ اور اگر اس نئے کام کے لئے اصولِ شرع میں سے اصل نہ پائی جاتی ہو تو پھر وہ نیا کام بدعت ضلالۃ (گمراہی والی بدعت) کہلایا جائے گا۔ اور کسی حکم کا قواعد شرعیہ کے تحت داخل ہونا عمل کے لئے کافی ہے۔ اور اس کے لئے کسی خاص دلیل اور خاص نقل (عبارت) کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔[2]

جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

يكفي الإندراج تحت قواعد الشريعة وإن لم يرد دليل خاصٌ, الخ۔

ترجمہ: قواعدِ شرعیہ کے تحت داخل ہونا کافی ہے اگرچہ کوئی خاص دلیل وارد نہ ہو۔[3]

مزید لکھتے ہیں:

ماتقضى به القواعد الشرعية الصريحة يحكم به من دون حاجته إلى خصوص النقل, إلخ۔

ترجمہ: جس عمل کا تقاضا قواعد شرعیہ کرتا ہے تو اس پر (جواز کا) حکم لگایا جائے گا، کسی دلیلِ خاص کی ضرورت نہیں رہے گی۔[4]

---

[1] (وسیلۂ احمدیہ، ص ۹۵)
[2] (رسالہ اقامۃ الحجۃ)
[3] (ج ۱، ص ۳۲۸)
[4] (ج ۲، ص ۲۵۱)

پس جب کتبِ معتبرہ سے یہ معلوم و ثابت ہوا کہ تیسری حدیث میں بدعت سے مراد مطلق بدعت نہیں بلکہ اس میں تقیید و تخصیص کی گئی اور پھر اس پر حکم لگا دیا گیا تو اس سے مراد بدعتِ سیئہ ہے جس پر گمراہی اور ضلالت کا حکم لگایا گیا ہے۔ کیونکہ نفسِ بدعت سے مراد وہ امور ہیں کہ جو نئے نئے پیدا (ایجاد) ہوئے ہوں۔

جیسے کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

بدعت عبارت از آن است یعنی چیزے نو پیدا کردہ شدہ، الخ۔

بدعت سے مراد وہ امور (چیزیں) ہیں جو نئے نئے پیدا کردہ ہوں۔[1]

اور اس مقام پر بدعت سے مراد معنٰی لغوی نہیں بلکہ معنی شرعی ہے، کیونکہ بحث کے دوران بحث سے مراد و مقصود معنٰی شرعی ہوتا ہے نہ کہ لغوی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بعثت احکامِ شرعیہ کی تعلیم کے لئے تھی نہ کہ لغت کے سکھانے کے لئے۔

اور بدعت سے مراد معنٰی شرعی ہوتا ہے نہ کہ لغوی، اس پر دلیل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ قول مبارک ہے:

عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المديين۔

ترجمہ: آپ لوگوں پر میری اور میرے ہدایت یافتہ وہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے خلفاء کی سُنت لازم ہے۔

بدعتِ شرعی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بدعتِ حسن　　　　۲۔ بدعتِ قبیح

بدعت کی اقسام

جیسے علامہ عینی نے شرح البخاری میں فرمایا ہے:

ثم البدعة على نوعين إن كانت مما يندرج تحت مستحسن في الشرع فهي بدعة حسنة و إن كانت مما يندرج تحت مستقبح في الشرع فهي بدعة مستقبحة۔

پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو شریعت کے کسی مستحسن کام کے نیچے مندرج ہو تو وہ بدعتِ حسنہ ہے۔

۲۔ ایک وہ جو شریعت کے کسی مستحسن کام کے نیچے مندرج ہو تو وہ بدعتِ مستقبحہ وسیئہ ہے۔[1]

---

[1] (اشعۃ اللمعات، ص ۱۳۵)

اب ان احادیث میں (کہ جن کو مولوی مفتاح الدین نے ذکر کیا ہے) جس بدعت کا ذکر ہوا تو اس سے مراد بدعتِ سیئہ مستقبحہ ہے نہ کہ بدعتِ حسنہ۔ تو اب ان احادیث کا معنی یہ ہوا کہ "**کل بدعة سیئة ضلالة**" ہر بری بدعت گمراہی ہے۔

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ میں امتیاز ضروری ہے

جیسے کہ مجالس الابرار کے مصنف نے لکھا ہے:

و المراد بالبدعة المذكورة في هذين الحديثين البدعة السيئة التي ليس لها من الكتاب و السنة أصل و سند ظاهر وخفي ملفوظ و مستنبط لا البدعة الغير السيئة التي يكون على أصل و سند ظاهر أو خفي فإنها لا تكون ضلالة بل هي قد تكون مباحة أو مستحبة أو واجبة، كذا في اللمعات، ص ١٣٥ ۔

ان دونوں حدیثوں میں مذکور سے بدعت سے مراد وہ بدعتِ سیئہ ہے کہ جس کے لئے قرآن و سنت میں نہ کوئی دلیل ہو، نہ اصل ہو، نہ کوئی ظاہری یا خفی سند ہو جو ملفوظ یا مستنبط ہو، اس سے بدعتِ غیر سیئہ (حسنہ) مراد نہیں ہے، جو کسی اصل اور ظاہری یا خفی سند پر قائم ہو۔ کیونکہ یہ بدعتِ حسنہ گمراہی اور ضلالت نہیں ہوتی بلکہ یہ بدعت حسنہ کبھی مباح ہوتی ہے اور کبھی مستحب اور کبھی واجب۔ اسی طرح کی عبارت لمعات میں صفحہ نمبر ۱۳۵ پر بھی ہے۔[2]

مجالس الابرار اور لمعات کی عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ "**کل بدعة ضلالة**" میں موجبہ کلیہ (ایجابِ کلی) بدعتِ سیئہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ مطلقاً کہ تمام بدعات (خواہ بدعتِ حسنہ ہو) کو شامل ہو جائے۔ کیونکہ بدعتِ حسنہ تو دین کی تقویت کا سبب ہے۔

جیسے لمعات میں ہے:

بہ خلاف بدعتِ حسنہ کے کہ اس بدعتِ حسنہ میں دین کی مصلحت، تقویت اور ترویج ہوتی ہے۔ اس بناء پر ایجاب کلی (موجبہ کلیہ) میں تخصیص کی حاجت پیش آئی۔[3]

مصنفِ لمعات نے کیا خوب تصریح کی ہے کہ موجبہ کلیہ (ایجاب کلی) میں تخصیص ہے، لکھتے ہیں:

وکلیت کل بدعة ضلالة محمول بر این است یعنی بر بدعتِ سیئہ، الخ۔

کل بدعة ضلالة میں کلیت، بدعتِ سیئہ پر محمول ہے۔[4]

---

[1] (عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی، ج۵، ص ۳۵۶، ج ۱۱، ص ۱۲۶، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)
[2] (مجالس الابرار، مجلس نمبر ۱۸، ص ۱۲۴)
[3] (لمعات، ص ۱۵۲)
[4] (لمعات، ص ۱۳۵)

اس کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی بدعت کو مقید فرمایا ہے، فرمایا:

من ابتدع بدعة ضلالة لا ترضی اللہ ورسوله کان علیه مثل آثام من عمل بها لا ینقص ذلک من اوزار الناس شیئا۔

جس نے کوئی گمراہی کی بدعت ایجاد کی، جو اللہ اور اس کے رسول کو راضی نہیں کرتی، اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جنہوں نے اس بدعت پر عمل کیا لیکن اس سے لوگوں کے گناہوں سے کچھ کم نہیں ہوگا (انہیں اپنے گناہ مکمل ملیں گے لیکن اتنا گناہ بدعت ایجاد کرنے والے کو بھی ملتا رہے گا۔[1]

معلوم ہوا کہ اگر بدعت سے مراد مطلق بدعت ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کو لفظِ ضلالت سے مقید نہ فرماتے۔

اس وجہ سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَیدُ الْبِدْعَةِ بِالضَّلَالَةِ لِإِخْرَاجِ الْبِدْعَةِ الْحَسَنَةِ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بدعت کو ضلالۃ کے ساتھ مقید کیا تاکہ بدعتِ حسنہ نکل جائے۔[2]

پس جب "**کل بدعة ضلالة**" میں ایجابِ کلی میں تخصیص، معتبر کتب اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ثابت ہوا۔

تو "اصلاح الرسوم" نامی کتاب کے مصنف کا وہ قول صحیح نہیں ہوا جو اس نے اصلاح الرسوم، ص ۱۳ میں ذکر کیا ہے کہ:

ان کے مابین کوئی تناقض نہیں آیا تاکہ "**کل بدعة ضلالة**" میں ایجابِ کُلی کی تخصیص کی ضرورت اور حاجت آجائے۔

اسی طرح موصوف کا یہ قول جو اصلاح الرسوم، صفحہ ۱۴ میں ہے وہ بھی صحیح نہیں ہوا کہ:

"جس نے کسی بدعت والی عبادت کے حسن (اچھا) ہونے کا قول کیا یا "**کل بدعة ضلالة**" کو سیئہ کے ساتھ مخصوص کیا"۔

کیونکہ "**کل بدعة ضلالة**" سے عمومیت مراد لینا ممنوع ہے کیونکہ بدعت سیئہ کی قید کے ساتھ مقید ہے، جیسے کہ آپ نے ماقبل تفصیل و تحقیق سے جان لیا ہے۔

---

[1] (ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع)

[2] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۵۶، الناشر: دار الفکر، بیروت – لبنان، تحفة الاحوذی شرح سنن الترمذی، ج ۷، ص ۳۶۹، الناشر: دار الکتب العلمیة – بیروت، مرشد ذوي الحجا والحاجة إلی سنن ابن ماجه والقول المکتفی علی سنن المصطفی، ج ۲، ص ۲۳۷، الناشر: دار المنهاج، المملکة العربیة السعودیة – جدة)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ایجابِ کلی (کل بدعۃ ضلالۃ) میں تخصیص نہیں کریں گے جیسے کہ بعض منکرین کہتے ہیں تو پھر درج بالا مذکورہ احادیث میں اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس قول مبارک میں تناقض اور تضاد آئے گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔

ترجمہ: جس نے اسلام میں نیا اچھا طریقہ (عمل) جاری کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا، اور اس کا اجر بھی ملے گا جو اس پر عمل کرے گا۔[1]

الحاصل یہ کہ احادیث مبارکہ میں مذکور بدعت اور محدثات مقید ہیں نہ کہ مطلق۔ تو جس نے اپنی رائے سے مقید کو مطلق بنادیا تو اس اطلاق کی وجہ سے وہ دین سے خارج ہو گیا کیونکہ مطلق کا حکم اس لحاظ سے کہ وہ مطلق ہے مقید کے حکم کا غیر ہے۔

جان لو کہ اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۱۰ میں لکھا ہے:

ابلیس (شیطان) نے کہا کہ میں نے انسانوں کے لئے کچھ ایسے گناہ کے کام پیدا کئے ہیں کہ وہ انسان ان بدعات سے توبہ بھی نہیں کرتے کہ وہ گناہ کے کام عبادات کی شکل میں ہیں۔

قلنا: ہم کہتے ہیں کہ اس قولِ مذکورہ کا قائل (مولوی مفتاح الدین) خالی نہیں ہو گا، یا تو اس کا یہ قول شیطان پر بدعت کے خالق (پیدا کرنے والا) ہونے پر تصدیق کرے گا (جیسے کہ مولوی مفتاح الدین کے قول سے ظاہر ہے کہ شیطان نے پیدا کئے ہیں) یا تصدیق نہیں کرے گا۔ اگر تصدیق کرے گا تو یہ باطل ہے کئی وجوہ کی بناء پر۔

وجہ اول

(مولوی مفتاح الدین کا) یہ قول اللہ تعالیٰ کے فرمان اور کتب معتبرہ کے مخالف ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَيْءٍ (الرعد ۱۶)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا خالق ہے جو ممکن ہو، پس تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور بندے کا فعل (کام) بھی شئ (چیز) ہے۔

---

[1] (مشکوۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۲، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

یا فرمان الٰہی ہے:

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ (النحل ١٧)

ترجمہ: تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے۔

اور یہ آیت خالقیت کی مدح اور تعریف کے مقام پر ہے۔

یا فرمان الٰہی ہے:

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصافات ٩٦)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

شرح العقائد میں ہے:

و اللہ تعالیٰ خالق الافعال العباد من الکفر و الایمان و الطاعۃ و العصیان, الخ۔

اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے جیسے کفر اور ایمان، اطاعت و نافرمانی۔

شرح العقائد میں ہے:

و کفعل العبد ینسب إلی اللہ تعالیٰ بجھۃ الخلق و إلی العبد بجھۃ الکسب, إلخ۔

بندے (مخلوق) کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف خلق (مخلوق) کی حیثیت سے منسوب ہوتا ہے اور بندے کی طرف کسب (کام) کی حیثیت سے۔[1]

اسی طرح التفسیرات الاحمدیہ، ص ۴۲۰ میں بھی ہے۔

وجہ ثانی

ابلیس کی خالقیت کی تصدیق کرنا کئی بدعات کو مشتمل و مستلزم ہے۔ کیونکہ ابلیس کو خالقِ بدعات ماننا اس بات کو مستلزم ہے کہ ابلیس لائقِ عبادت (معبود) ہے۔

جیسا کہ شرح العقائد کے شارح مصنف نبراس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

یہ قول "زید خالق لفعلہ کقولہ زید مستحق للعبادۃ"[2] کہ زید اپنے فعل کا خالق ہے یہ اس طرح ہے کہ زید عبادت کا مستحق ہے (یعنی معبود ہے)۔

---

[1] (شرح العقائد, ص ٦٦)

[2] (نبراس, ص ٢٦)

وجہ ثالث

یہ ہے کہ جو کسی چیز کا خالق ہوتا ہے تو وہ اس چیز (مخلوق) کی تمام تفصیلات کا عالم (جاننے والا) بھی ہوتا ہے۔ اب اگر ابلیس بدعت کا خالق ہے (جو بدعت انسان کا فعل ہے) جیسے کہ مولوی جورہ (مفتاح الدین) کے قول سے شیطان بدعت کا خالق ہے، معلوم ہوا ہے۔ تو اب شیطان بندے کے تمام افعال کا عالم (جاننے والا) بھی ہوگا، یہ عقیدہ و قول باطل ہے۔

جیسا کہ شرح العقائد میں ہے:

أن العبد لو كان خالقاً لأفعاله لكان عالماً بتفاصيلها، ضرورة أن إيجاد الشيء بالقدرة والاختيار لا يكون إلا كذلك، واللازم باطل۔

اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو پھر بندہ ان افعال کی تفاصیل کا جاننے والا (عالم) بھی ہوگا، کیونکہ کسی چیز کا اپنی قدرت سے ایجاد کرنا اور اختیار کرنا اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کی تفاصیل کا جاننے والا بھی ہوتا ہے، لیکن لازم باطل ہے (یعنی جب بندہ اپنے افعال کی تفاصیل کا جاننے والا نہیں ہے تو وہ اپنے افعال کا خالق بھی چیز ہے)۔[1]

لہٰذا مولوی جُورہ مفتاح الدین کا یہ قول وعقیدہ باطل ٹھہرا۔ فافهم ان كنت من العاقلين۔

اور اگر مراد ثانی ہو، یعنی ابلیس کو اپنی بدعات کا خالق نہیں مانتا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نصوص سے ثابت ہے کہ مخلوق خالق نہیں ہو سکتا، تو پھر اس صورت میں اصلاح الرسوم کے مصنف (مولوی جُورہ) پر لازم ہے کہ وہ مجالس الابرار نامی کتاب کے بعض قواعد کو ترک کر دے، کیونکہ اس کے اکثر قواعد صریح نصوص اور معتبر کتب کے مخالف ہیں، جن میں پہلا یہ ہے کہ ابلیس اپنی بدعات کا خالق ہے۔ پھر دوم یہ کہ اجتہاد منقطع ہو گیا۔ اور تیسرا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید گاہ میں ایک شخص کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ اور تینوں مقدمات اصلاح الرسوم نامی کتاب میں مذکور ہیں۔

اختیار افعال میں انسان کے مذاہب

الحاصل یہ کہ بندوں کے اختیاری افعال میں تین مذاہب ہیں:

۱۔ مذہبِ اہل سنت ۲۔ مذہبِ معتزلہ ۳۔ مذہبِ مجوس

اہل سنت فرماتے ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق فقط اللہ تعالیٰ ہے، مگر شیطان کی طرف نسبتِ مجازی کے طور پر اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ہدایت کی نسبت مجازاً کی جاسکتی ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں فقط۔

---

[1] (شرح العقائد، ص ۶۰)

مجوس کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں:

۱۔ یزدان: جو خیر کا خالق ہے، جس کو اہل سنت "اللہ" کہتے ہیں۔

۲۔ اھرمن: جو شر و نقصان کا خالق ہے، جس کو اہل سنت "شیطان" کہتے ہیں۔

اور یہ تینوں اقوال علم الکلام کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اور مجوس کے اس قول و عقیدے کو مفسر روح البیان نے آیت: وَجَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (الأنعام ۱۰۰) (ترجمہ: اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو) کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔

مفسر روح البیان آیت کریمہ: وَجَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (الأنعام ۱۰۰) کے تحت لکھتے ہیں:

أنها نزلت في الزنادقة، أعني: المجوس ويقال لهم الثنوية أيضاً قالوا إن الله تعالى وإبليس أخوان فالله تعالى خالق الناس والدواب والأنعام وكل خير ويعبرون عن الله بيزدان وإبليس خالق السباع والحيات والعقارب وكل شر ويعبرون عن إبليس باهرمن۔

یہ آیت ان مجوس کے بارے میں نازل ہوئی جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور شیطان دو بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں، مخلوق اور جانوروں کو پیدا فرمانے والا ہے، اسی طرح ہر خیر کو پیدا فرمانے والا ہے، اور اس اللہ تعالیٰ کی تعبیر یزدان سے کرتے ہیں۔

اور شیطان ابلیس درندوں، سانپوں اور بچھوؤں کو پیدا کرنے والا ہے، جس کی تعبیر اھرمن سے کرتے ہیں۔[1]

درج بالا تفصیل اور مولوی مفتاح الدین کے عقیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی مفتاح الدین نے مجوس کا قول و عقیدہ اپنایا ہے تاکہ اس کا مقصود حاصل ہو سکے۔ اور اہل سنت کا قول و عقیدہ ترک کر دیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ترک کیا ہے کہ فرمانِ الٰہی ہے:

اللّٰہُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد ۱۶)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے۔

مولوی مفتاح الدین کی مہارتِ علمی اور دعویٰ مجددیت پر افسوس ہے کہ اپنے فاسد عقیدے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کلام سے عدول (اعراض) کر کے اقوال ضعیفہ (جو قرآن کے خلاف ہیں) کو قبول کر لیا، اور سلف صالحین کے متفقہ اقوال کو پس پُشت ڈال دیا (اور یہود کی روش اختیار کی ہے فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ (آل عمران ۱۸۷) وَاللّٰہُ يَهْدِي إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ اللہ تعالیٰ ہی حق راستے کی ہدایت عطا کرتا ہے۔

[1] (تفسیر روح البیان، ج۳، ص ۵۸، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

متن اعلام المؤمنین (بندے (مخلوق) کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف خلق (مخلوق) کی حیثیت سے منسوب ہوتا ہے اور بندے کی طرف کسب (کام) کی حیثیت سے) پر

حاشیہ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

عمدۃ المحدثین، فخر المفسرین الشیخ عبد الحق الحقانی الدہلوی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں رقم فرمایا ہے کہ، دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں اور جبریہ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ اختیار نہیں جو کچھ کرتا ہے وہی (اللہ تعالیٰ) کرتا ہے ہم تو لکڑی کی طرح بے اختیار ہیں۔ دوم قدریہ کہ جو ہر چیز میں اپنے آپ کو فاعل مختار اور موجد و قادر سمجھتے ہیں۔ سوم اہل حق ہیں کہ جو نہ بندے کو مختار محض کہتے ہیں اور نہ ہی بے اختیار محض، کیونکہ وہ دونوں فریق غلطی پر ہیں کیونکہ گروہ اول شریعت بلکہ کل معاملات دنیاوی کا ابطال کرتے ہیں اور خدا کی ذات مقدس میں عیب ثابت کرتے ہیں لہٰذا ان کے رد میں تو(إِيَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحۃ ۵)) فرمایا جس سے بندہ کو عبادت کرنے کا اختیار ثابت ہوتا ہے اور دوسرا فریق کارخانۂ خالقیت میں حصہ پیدا کرتا ہے ان کی اصلاح کیلئے إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحۃ ۵) فرمایا جس سے بندے کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ الخ۔[1]

امام فخر الدین رازی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہوتا ہے:

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (یونس ۵۲) المسألة الثالثة: الآية تدل على كون العبد مكتسباً خلافاً للجبرية ، وعندنا أن كونه مكتسباً معناه أن مجموع القدرة مع الداعية الخالصة يوجب الفعل والمسألة الطويلة معروفة بدلائلها۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کو صرف اپنے کیے ہوئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کسب کرنے والا ہے یعنی بندہ کاسب ہے جبکہ جبریہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔[2]

اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے:

أما الأعمال التي يأتي بها العبد فلها ركنان: أحدهما: إتيانه بالعبادة وإليه الإشارة بقوله: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ}۔ والثاني: علمه بأن لا يمكنه الإتيان بها إلا بإعانة الله وإليه الإشارة بقوله: {وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} وههنا ينفتح البحر الواسع في الجبر والقدر۔

یعنی انسان جو عمل کرتا ہے اس کے دو رکن ہیں۔

---

[1] (تفسیر حقانی، ج۲، ص۲۷)

[2] (تفسیر کبیر ج۴، ص۵۸۲)

۱۔ اس کا عبادت کرنا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے {إِيَّاکَ نَعْبُدُ} ارشاد فرمایا۔

۲۔ اس کا عمل ہے جس کا کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس لئے ممکن نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد {وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ} سے واضح فرمایا ہے اور یہاں سے ایک بڑا دریا جبر و قدر کے مابین کھل جاتا ہے۔[1]

ایّاک نعبد و ایّاک نستعین کا اقرار کرنے والا جبر و قدر سے بری

اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن الانصاری القرطبی اپنی تفسیر تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

من أقرب "إياک نعبد و إياک نستعين" فقد بریٔ من الجبر و القدر۔

یعنی جس نے "إياک نعبد و إياک نستعين" کا اقرار کیا وہ جبر و قدر سے بری ہو گیا۔[2]

بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے

مزید فرماتے ہیں:

وَفِي هَذَا دَلِيل عَلَى أَنَّ الْعَبْد يُضَاف إِلَيْهِ أَعْمَال وَأَكْسَاب , وَإِنْ كَانَ اللّٰهَ تَعَالَى أَقْدَرَهُ عَلَى ذَلِکَ , إِنْ كَانَ خَيْرًا فَبِفَضْلِهِ وَإِنْ كَانَ شَرًّا فَبِعَدْلِهِ, وَهَذَا مَذْهَب أَهْل السُّنَّة, وَالْآي فِي الْقُرْآن بِهَذَا الْمَعْنَى كَثِيرَة۔

فَالْعَبْد مُكْتَسِب لِأَفْعَالِهِ , عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ خُلِقَتْ لَهُ قُدْرَة مُقَارِنَة لِلْفِعْلِ , يُدْرِک بِهَا الْفَرْق بَيْن حَرَكَة الِاخْتِيَار وَحَرَكَة الرَّعْشَة مَثَلًا, وَذَلِکَ التَّمَكُّن هُوَ مَنَاط التَّكْلِيف۔

وَقَالَ الْجَبْرِيَّة بِنَفْيِ اِكْتِسَاب الْعَبْد, وَإِنَّهُ كَالنَّبَاتِ الَّذِي تَصْرِفهُ الرِّيَاح۔

وَقَالَتْ الْقَدَرِيَّة وَالْمُعْتَزِلَة خِلَاف هَذَيْنِ الْقَوْلَيْنِ, وَإِنَّ الْعَبْد يَخْلُق أَفْعَاله۔

مطلب یہ ہے کہ (ولکم ما کسبتم) میں دلیل ہے کہ اعمال اور کسب کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے اگرچہ اس پر اسے اللہ تعالیٰ نے ہی قادر بنایا ہے اگر اس کا عمل نیک ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اگر عمل بد ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے عدل سے ہے اور یہ مذہب اہل سنت وجماعت کا ہے اور اس بارے میں قرآن حکیم میں بہت سی آیات موجود ہیں تو بندہ اپنے افعال کا کسب کرنے والا ہے۔ (یہاں تک فرمایا) اور جبریہ نے بندے سے کسب کی نفی کی ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ بندہ نباتات کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر اڑا کر لے جائے جب کہ قدریہ و معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کو خود پیدا کرتا ہے۔[3]

---

[1] (تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۱۳۹)
[2] (تفسیر قرطبی، ج ۱، ص ۱۴۵)
[3] (تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۱۳۹)

تفسیر قرطبی میں ہے:

و أما أهل البدع من أهل الاهواء كالمعتزلة و الجهمية و غيرهما أهل الاهواء۔

میں سے مبتدعین یعنی بدعتی جو ہیں جیسے کہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ۔ الخ۔[1]

تفسیر روح البیان میں ہے:

و فيه ايضا تحقيق لمذهب اهل السنة و الجماعة إذ فيه اثبات الفعل من العبد و التوفيق من الله كالخلق ففيه رد الجبرية النافين للفعل من العبد بقوله إياك نعبد و رد المعتزلة النافين للتوفيق و الخلق من الله بقوله إياك نستعين۔

یعنی اس میں بھی اہل سنت وجماعت کے مذہب کا ثبوت ہے کیونکہ اس میں بندہ کے لیے کرنے کا ثابت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق کا ملنا ہے جیسے پیدا کرنا۔ تو اس میں جبریہ کا رد ہے جو بندہ سے کرنے کی نفی کرتے ہیں اور یہ رد اللہ تعالیٰ کے قول إياك نعبد سے ہے اور إياك نستعين۔ سے معتزلہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے پیدا کرنے کی نفی کرتے ہیں۔[2]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ:

عندی أن الآية إن إستدل بها على شيء من بحث خلق الأفعال فليستدل بها على أن العباد قدرا مؤثرة بإذن الله تعالى لا بالإستقلال، الخ۔ (إلى أن قال) أنهم ليس لهم قدرة أصلا بل جميع أفعالهم كحركة المرتعش كما يقوله الجبرية إذا الضرورة تكذبه۔ الخ۔

یعنی اگر اس آیت سے افعال کی تخلیق میں سے کسی چیز پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مستقل طور پر بندے کے لیے قدرت مؤثر ہے۔ (یہاں تک فرمایا کہ) اس طرح نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے کو بالکل قدرت نہیں ہے بلکہ بندے کے تمام افعال فالج زدہ کی حرکات کی طرح ہیں کیونکہ اس کا بدیہی ہونا ان کی تکذیب کرتا ہے۔[3]

اسی طرح آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إن للعبد قدرة خلقها الله تعالى له مؤثرة بإذنه فما شاء الله سبحانه كان و ما لم يشأ لم يكن لا أنه لا قدرة له أصلا كما يقول الجبرية۔

---

[1] (تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۳۵۲)
[2] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۰)
[3] (تفسیر روح المعانی، ج ۱، ص ۸۷)

یعنی میں کہتا ہوں کہ بندے کیلئے قدرت وطاقت ثابت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے حکم سے موئثر ہے تو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہو گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوا ایسا نہیں کہ بندے کو بالکل کوئی قدرت حاصل نہیں ہے جیسا کہ جبریہ اس کے قائل ہیں۔[1]

اور علامہ ابن ابی المعز نے شرح العقیدہ الطحاویۃ میں لکھا ہے کہ:

وَالْجَبْرِيَّةُ: أَصْلُ قَوْلِهِمْ مِنَ الْجَهْمِ بْنِ صَفْوَانَ، كَمَا تَقَدَّمَ، وَأَنَّ فِعْلَ الْعَبْدِ بِمَنْزِلَةِ طُولِهِ وَلَوْنِهِ۔

یعنی جبریہ کے عقیدے کی بنیاد (جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ) جہم بن صفوان نے رکھی اور وہ یہ ہے کہ بندے کا فعل اس کی لمبائی اور اس کے رنگ کی طرح ہے۔ الخ۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ فرقہ جبریہ کا بانی اور مقتداء جہم بن صفوان ہے اس لیے اس فرقے کو جہم بن صفوان کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے فرقہ جہمیہ بھی کہتے ہیں اور اسی طرح انہیں جبریہ بھی کہتے ہیں۔

لامع الدراری شرح بخاری میں ہے:

قال الحافظ قال الکرمانی الجھمیة فرقة من المبتدعة ینتسبون الی جھم بن صفوان مقدم الطائفة القائلة ان لاقدرة للعبد اصلا وھم الجبریة۔الخ۔

یعنی حافظ نے فرمایا کہ کرمانی فرماتے ہیں کہ جہمیہ بدعتیوں کا ایک فرقہ ہے ان کی نسبت جہم بن صفوان کی طرف ہے جو اس فرقے کا بانی ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کو بالکل قدرت نہیں ہے اور وہ جبریہ ہی ہے۔[3]

اور شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے کہ:

حدثوا بعد الفتنة الثالثة۔

"یہ فرقہ تیسرے فتنے کے بعد پیدا ہوا"۔[4]

اور تمہید ابو الشکور السالمی میں ہے:

ان الجبریة اعتقدوا ان افعال العباد کلھا من اللہ تعالیٰ والعبد مجبور فی ذلک۔الخ۔

---

[1] (تفسیر روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۶)
[2] (شرح العقیدہ الطحاویة، ج ۱، ص ۵۲۴)
[3] (لامع الدراری شرح صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۳۶)
[4] (شرح العقیدہ الطحاویة، ج ۱، ص ۵۲۵)

یعنی جبریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ سب افعال اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے۔[1]

پھر یہ بھی فرمایا:

ثم من کلام الجبریة والمرجئة ماھو کفر مثل قولھم فانه لیس للعباد افعال علی الحقیقة لافی الخیر ولافی الشر ومایفعل العبد فالفاعل ھو اللہ تعالیٰ لذلک وھذا کفر لانھم وصفو اللہ تعالیٰ بالقبائح والزنا۔الخ۔

یعنی جبریہ اور مرجیہ کے اقوال میں سے بعض کفر ہیں جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ بندے کیلئے حقیقتاً کوئی فعل نہیں نہ خیر میں اور نہ شر میں بلکہ جو کام بندہ کرتا ہے اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قبائح اور زنا کے ساتھ کے موصوف کیا ہے۔[2]

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

لا کمازعمت الجبریة القاعدون بنفل الکسب والاختیار بالکلیة ففی قوله تعالیٰ إیاک نعبد و إیاک نستعین رد علی الطائفتین فی ھذہ القضیة۔

یعنی حق ایسا نہیں جیسا کہ جبریہ گمان کرتے ہیں اور بندوں کے کسب اور اختیار کی بالکل نفی کے قائل ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد إیاک نعبد و إیاک نستعین میں دونوں فرقوں (جبریہ اور قدریہ) کا رد ہے۔[3]

صاحب شرح العقائد رقم طراز ہیں:

لا کمازعمت الجبریة من أنه لا فعل للعبد أصلاً وأن حرکاته بمنزلة حرکات الجمادات لا قدرة للعبد علیھا ولا قصد ولا اختیار۔وھذا باطل۔الخ۔

یعنی ایسا نہیں جیسے جبریہ نے گمان کیا کہ بندہ بالکل کچھ نہیں کر سکتا اور اس کی حرکات وسکنات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں اور اس پر اس کی نہ کوئی قدرت ہے اور نہ ارادہ اور نہ ہی کوئی اختیار اور یہ رائے باطل ہے۔[4]

و ایضاً جبریة خالصة لایثبت للعبد قدرة لامؤثرة ولا کاسبة بل یجعلوہ بمنزلة الجمادات کالجھمیة۔

خالص جبریہ بندے کے لئے نہ قدرت مؤثرۃ ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی کسب ثابت کرتے ہیں بلکہ جہمیہ کی طرح انہیں بمنزلہ جمادات ثابت کرتے ہیں۔[5]

---

1 (تمهیدلابی شکورسالمی، ص ۱۸۴)
2 (تمهیدلابی شکورسالمی، ص ۱۸۵)
3 (شرح فقه اکبر لملاعلی قاری، ص ۵۹)
4 (حاشیه شرح العقائد، ص ۲۴)
5 (نبراس، ص ۲۷۲)

فقہ اکبر مع شرح ابوالمنتہیٰ میں ہے:

ولم یجیر احدامن خلقہ علی الکفر ولاعلی الایمان۔الخ۔

اوربعینہ یہی عبارت فقہ اکبر میں بھی ہے:"اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں فرمایا۔[1] انتھی عبارتہ۔

متن اعلام المؤمنین

مصنف اصلاح رسوم صفحہ نمبر ۷ا پر لکھتا ہے کہ:

جب بعض سلاطین (بادشاہوں) نے نمازِ عید کے لئے اذان دینا جاری کیا تو علماء نے ان کے خلاف اٹھ کر انکار کیا اور اس اذان کو مکروہ قرار دیا۔ تو اگر یہ بدعت کسی کام کی خرابی کی دلیل نہ ہوتی تو بجائے اس اذان کو منع کرنے کے جاری رکھتے، انتھیٰ۔

ہم جواباً یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ عید کی اذان کو روکنا بوجہ بدعت کے تھا بلکہ اس اذان کو روکنے کی علتِ صریحی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول تھا جس پر حضرت ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول دلالت کرتا ہے:

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ جَابِرِ ابْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَا: لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَ لَا يَوْمَ الْأَضْحَى ثُمَّ سَأَلْتُهُ يَعْنِي عَطَاءً بَعْدَ حِينٍ عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرَنِي قَالَ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنْ لَا أَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ وَ لَا بعدمَا يَخْرُجُ وَ لَا إِقَامَةَ وَ لَا نِدَاءَ وَ لَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَئِذٍ وَ لَا إِقَامَةَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبد اللہ روایت فرماتے ہیں کہ دونوں عیدوں کے دل اذان نہ ہوتی تھی عید کی نماز کے لئے۔ پھر میں نے چند دن بعد حضرت عطاء سے پوچھا تو انہوں نے خبر دی کہ حضرت جابر نے خبر دی کہ عید کے دن نمازِ عید کے لئے اذان نہیں ہے جب امام خطبہ کے لئے نکلے اور نہ خطبہ کے بعد اذان ہے، اور نہ اقامت ہے اور نہ اذان ہے۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)[2]

درج بالا حدیث کہ عید کے لئے نہ اذان ہے اور نہ اقامت، یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے جو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لئے آواز دی جائے کہ آجاؤ نماز تیار ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی نمازِ عید کے لئے اذان کی نفی صریحی ثابت ہے۔

---

[1] (فقہ اکبر مع شرح ابو المنتھیٰ ص ۱۸)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۴۵۵، الناشر: المکتب الإسلامي - بيروت)

جیسا کہ کشف الغمہ نامی کتاب کے باب العیدین میں ہے:

و کان صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم یصل العیدین بغیر أذان و إقامة ثم یخطب بعدهما و یقول لیس في العیدین أذان و الإقامۃ اھ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بغیر اذان واقامت کے نمازِ عید پڑھاتے تھے اور اس کے بعد خطبہ دیتے تھے، اور فرماتے: عید کی اذان واقامت نہیں ہے۔[1]

مولوی مفتاح الدین اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۱۷ پر لکھتے ہیں:

سنت عمل وہ ہے کہ جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کیا ہو، اور یہ بھی سُنت ہے کہ اس کام کو ترک کر دیا جائے جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نہیں کیا ہو، انتھٰی۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کوئی عمل کرنا یا نہ کرنا، اس کام کے سُنت ہونے پر بطریقِ عموم کے دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ مقدمہ کے صاحب نے یہ گمان کیا ہے۔ بلکہ یہ دونوں (کرنا یا نہ کرنا) اس فعل (کے کرنے یا نہ کرنے) کے استحباب (مستحب ہونے) پر دلالت کرتا ہے۔

جیسا کہ مصنف ہدایہ نے فرمایا:

ویستحب في یوم الفطر أن یطعم قبل الخروج إلی المصلی، لما روي أنه صلی الله علیه و سلم کان یطعم في یوم الفطر قبل أن یخرج إلی المصلی۔

مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھالے جیسے کہ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ تناول فرماتے تھے۔[2]

ہدایہ میں ہے:

ویستحب في یوم الأضحی أن یؤخر الأکل حتی یفرغ من الصلاة لما روي أن النبي صلی الله علیه و سلم کان لا یطعم في یوم النحر حتی یرجع۔

عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ کھایا جائے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عید الاضحیٰ کے دن نماز سے واپس آنے کے بعد کو تناول فرماتے۔[3]

---

[1] (کشف الغمہ، باب العیدین، ص ۱۲۳)
[2] (الهدایة شرح بدایة، ج ۱، ص ۸۴، الناشر: دار احیاء التراث العربي - بیروت - لبنان)
[3] (الهدایة فی شرح بدایة، ج ۱، ص ۸۵، الناشر: دار احیاء التراث العربي - بیروت - لبنان)

درج بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عید الفطر کے دن نماز سے پہلے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کچھ کھانا ثابت ہوا، تو دونوں (عید الفطر سے پہلے کھانا، عید الاضحیٰ سے پہلے نہ کھانا) سے اس عمل (کرنے اور نہ کرنے) کا استحباب ثابت ہوتا ہے نہ کہ سُنیت (سُنت ہونا)۔

ایسی مجددیت ومہارت پر آفرین ہے کہ یہ قواعد مولوی مفتاح الدین نے کس ملک ووطن سے سیکھے۔ اس طرح اس بات پر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کوئی فعل کرنا یانہ کرنا اس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتا ہے بروایت:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ، وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عید الفطر کی نماز کے لئے اس وقت تک باہر نہ جاتے جب تک کچھ تناول نہ فرماتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک نہ کھاتے جب تک عید سے واپس نہ آتے۔ علماء کی جماعت نے یہ مستحب قرار دیا کہ عید الفطر کے دن نماز سے پہلے کچھ کھایا جائے اور مستحب یہ ہے کہ وہ کھجور ہو، اور عید الاضحیٰ کے دن نماز سے واپس آنے تک نہ کھانا مستحب ہے۔ (ترمذی)[1]

دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کسی فعل (کام) کا نہ کرنا اگر اس سے اُس فعل کے نہ کرنے کا سُنت ہونا ثابت ہوتا ہو، جیسے کہ یہ قول مقدمے کے قائل کا ہے (کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کوئی فعل نہ کرنا یہ بھی سُنت ہے) تو پھر سُنت کا حرف دو قسموں میں منحصر ہونا صحیح نہیں ہوگا کہ سُنت یا تو قول ہوگا یا فعل۔ حالانکہ سُنت کا دو قسموں فعل اور قول میں منحصر ہونا بالاتفاق ثابت ہے۔

جیسا کہ مولوی یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حسامی کی شرح میں سُنت کی اقسام کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

وهي شاملة لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم وفعله، إلخ۔

سُنت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول اور فعل کو شامل ہے۔

اس کے علاوہ میں (سید احمد شاہ) یہ بھی کہتا ہوں کہ مقدمہ کے قائل (مولوی مفتاح الدین) نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطلق فعل کو سُنت اور دلیلِ سُنت قرار دیا ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے افعال بہ نسبت چار اقسام پر مشتمل ہیں۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۴۲۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

جیسے مصنف منار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

افعال النبی سوی الزلۃ اربعۃ اقسام مباح و مستحب و واجب و فرض۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے افعال سوائے زلۃ (خلافِ اولیٰ) کے چار اقسام ہیں: مباح، مستحب، واجب اور فرض۔

اور علماء کرام کا اس فعل کے بارے میں اختلاف ہے کہ جو فعل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے نہ سہواً (بھول کر) صادر ہوا ہو اور نہ طبعی طور پر صادر ہوا ہو اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خاصہ ہو۔

جیسا کہ نور الانوار میں ہے:

إختلفوا في إقتداء أفعال لم تصدر عنه سهوا و لم تكن له طبعا و لم تكن مخصوصة به فقال بعضهم يجب التوقف فيه حتىٰ يظهر ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آلهٖ و اصحابهٖ و سلم على أي وجه فعله من الاباحة أو الندب أو الوجوب و قال بعضهم، إلخ۔ كذا في التلويح، بحث الأمر، ص ۱۴۸۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان افعال کی اقتداء کی جائے گی یا نہیں کہ جو افعال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے نہ سہواً (بھول کر) صادر ہوئے ہوں اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے طبعًا صادر ہوئے ہوں اور نہ وہ افعال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خصوصیات میں سے ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس بارے میں اس وقت تک توقف (خاموشی) واجب ہے جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ افعال کس وجہ سے ادا فرمائے تھے۔ آیا اباحت (مباح ہونے) کی وجہ سے، یا مستحب ہونے کی وجہ سے یا واجب ہونے کی وجہ سے۔ اسی طرح تلویح میں صفحہ نمبر ۱۴۸ پر بھی ہے۔[1]

اصلاح الرسوم کے مصنف (مولوی مفتاح الدین) نے صفحہ نمبر ۲۰ میں لکھا ہے کہ قیاس کے بعد کسی دلیل کا احتمال نہیں ہے، سوائے الہام کے، اور الہام شریعت میں دلیل نہیں ہے۔ علماء حق کے نزدیک سوائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے الہام کے کہ وہ دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کامل ولی کا الہام خود اس کی ذات اور احترام کرنے والے کے لئے حجت ہے

ہم کہتے ہیں کہ ہم مولوی مفتاح الدین کی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ غیر نبی کا الہام مطلقًا دلیل و حجت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے کسی کامل ولی کا الہام خود اس کی ذات کے لئے دلیل و حجت ہے، اسی طرح اس دوسرے شخص کے لئے

[1] (نور الانوار، ص ۲۱۱)

بھی ولیٔ کامل کا الہام حجت ودلیل ہے کہ جو بوجہ ادب واحترام کے اس ولی اللہ کے قول پر عمل کرنا چاہتا ہے اور وہ الہامِ ولی شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ موافق بھی ہو۔ البتہ کسی بھی ولی اللہ کا الہام اس طرح غلطی اور خطاء کا احتمال رکھتا ہے کہ جس طرح غیر نبی کے اجتہاد میں غلطی اور خطاء کا احتمال ہو سکتا ہے۔ جبکہ انبیاء کرام کا الہام عوام کے حق میں حجتِ قطعی ہوتا ہے اور انبیاء کرام کے الہام میں سوائے صواب ودرستگی کے غلطی کو کوئی احتمال نہیں ہوتا، جیسا کہ مصنف نور الانوار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صفحہ نمبر ۲۱۳ میں لکھا ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا الہام وحی کی اقسام میں سے ایک قسم اور عام مخلوق کے لئے حجت ہے

بحث السنۃ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے افعال کی بحث میں لکھا ہے:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا الہام وحی کی اقسام میں ایک قسم ہے جو عام مخلوق کے لئے حجت ہے۔ اور اولیاء کرام کا الہام صرف ان کے لئے حجت ودلیل ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو۔ اور یہ الہام ان اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ہم ان اولیاء کرام کے الہام کو عمل کرنے کے لئے قبول کرتے ہیں تو یہ صرف ادب واحترام کا معاملہ ہوگا (ویسے ان کے الہام کو قبول نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، سواتی عفی عنہ)۔

مقدمے کے مصنف نے اپنے مقدمے کے اثبات کے لئے عقائدِ نسفی کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

و الإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق۔

ترجمہ: اہل حق (اہل سنت) کے نزدیک الہام کسی چیز کی صحت کی معرفت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ اس قول سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ ماتن (علامہ ابو البرکات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ الہام ایسی چیز نہیں ہے کہ جو عام لوگوں کے لئے علم کے حصول کا سبب بنے۔ ماتن کی یہ مراد نہیں کہ الہام علم کے لئے مطلقاً سبب ہے۔

جیسا شرح العقائد میں ہے:

ثم الظاهر أنه أراد أن الإلهام ليس سبباً يحل به العلم لعامة الخلق و يصلح للإلزام على الغير، و غلا فلا شك أنه قد يحصل به العلم، و قد ورد القول به۔

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۸۶، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كره- الهند)

ترجمہ: پھر ظاہر یہ ہے کہ مصنف نے ارادہ فرمایا یعنی مصنف کی مراد یہ ہے کہ الہام عام مخلوق کے لئے علم کے حصول کا سبب نہیں ہے، اور نہ کسی اور پر کسی چیز کو لازم کرنے والا ہے۔ ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ الہام سے علم حاصل ہوتا ہے اور اس پر قول (دلیل) بھی وارد ہے، الخ۔[1]

اصلاح الرسوم کے مصنف (مولوی جورہ) نے صفحہ نمبر ۳۱ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے عید کے دن عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ یہ نماز عبث (فضول) ہے اور نماز سے روک دیا۔ کیونکہ عبث (فضول) کام حرام ہے، انتھی۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو نماز سے روکا اور نہ نماز کو عبث اور فضول کہا جیسے مولوی مفتاح الدین عرف جورہ کہتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے م کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صراحتًا نہی (روکنا) ثابت نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کے امور میں انتہائی احتیاط فرمائی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ادبِ جمیل (اچھے طریقے) کی اتباع حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی (کہ کسی کو نماز پڑھنے سے نہیں روکا)۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

روی عن علی رضی اللہ عنہ انہ رأی فی المصلی أقواما یصلون قبل صلاۃ العید فقال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذلک فقیل لہ ألا ننھاھم فقال أخشی أن ندخل تحت وعید قولہ تعالی أرأیت الذي ینھی عبدا إذا صلی فلم یصرح بالنھی عن الصلاۃ احتیاطا وأخذ ابو حنیفۃ ھذا الأدب الجمیل حتی قال لہ ابو یوسف أیقول المصلی حین یرفع رأسہ من الرکوع اللھم اغفر لی قال یقول ربنا لک الحمد ویسجد ولم یصرح بالنھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید گاہ میں چند لوگوں کو دیکھا جو عید کی نماز سے پہلے نماز (نفل) پڑھ رہے تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اس طرح (عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھتے) کرتے نہیں دیکھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ کیا ہم ان لوگوں کو نفل پڑھنے سے منع کر دیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم اس آیت (ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص (ابو جہل) کو جو اللہ تعالیٰ کے بندے (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔) کے تحت داخل نہ ہو جائیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احتیاط کے طور پر نماز (نفل) پڑھنے سے صراحتًا نہیں روکا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس بہترین ادب کو اختیار فرمایا، حتیٰ کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ

---

[1] (شرح العقائد، ص ۱۸)

تعالیٰ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا: کہ میں کہتا ہوں کہ جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو یہ کہے: یا اللہ میری مغفرت فرما۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: نمازی یہ کہے "ربنا لک الحمد" اور صراحتًا اس قول "اللھم اغفر لی" سے نہیں روکا۔[1]

اسی طرح رد المحتار شامی، باب العیدین اور کشف الغمہ میں ہے:

وكان إبن عمر لا يكره التنفل قبل صلاة العيد ويقول الله لا يرد على عبد حسنة عملها، ورأي علي رضي الله تعالیٰ عنه رأي رجلا يصلي قبل العيد فقيل أما تمنعه يا أمير المؤمنين فقال أخاف أن أدخل تحت الوعيد، قال الله تعالیٰ: أرأيت الذي ينهى عبدًا إذا صلى۔ ولكن ساجدته بما شاهدنا من رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وآلہٖ واصحابه وسلم فلما فرغ قال يا هذا أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وآلہٖ واصحابه وسلم لم يكن يصلي قبل العيد ولا بعده شيئًا فكان أي علي رضی الله تعالیٰ عنه لا ينهى أحدا تطوع بشيء زائد على السنة ويقول فمن تطوع خيرا فهو خير۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کو مکروہ نہیں کہتے ہیں اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اس کے اگلے عمل کو واپس نہیں لوٹاتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی شخص کو عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ آیا آپ اس شخص کو نماز سے نہیں روکیں گے؟ تو فرمایا کہ اگر میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکوں تو اس آیت کے حکم میں داخل ہو جاؤں گا:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى (٩) عَبْدًا إِذَا صَلَّى (العلق ١٠)

ترجمہ: بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے، بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔

لیکن میں اس شخص کو وہ حالات بتاؤں گا کہ جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زندگی میں مشاہدہ فرمائے ہیں، جب وہ شخص نماز پڑھنے سے فارغ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے آدمی! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نہ نمازِ عید سے پہلے نفل نماز پڑھی اور نہ عید کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کو بھی نفل پڑھنے سے نہیں روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے اچھائی میں اضافہ کیا تو وہ اس لئے بہتر اور خیر ہے۔[2]

درج بالا عبارات و مضمون سے ثابت ہوا کہ اصلاح الرسوم کا مقدمہ مذہبِ حنفی کے مخالف ہے۔ حالانکہ مذہب کی پیروی اور اتباع ضروری ہے، کیونکہ مذہب شریعت ہے اور یہ کتب سے دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔

---

[1] (روح البیان، ج۲، ص۲۷۷)

[2] (ردالمحتار، ص۸۷۰، باب العیدین، کشف الغمہ، ص۱۲۷)

ناظم (شاعر) نے کیا خوب فرمایا ہے:

دنیا میں وہ شخص کامیاب وکامران نہیں ہوا، جس نے اپنے مذہب کا لحاظ نہ رکھا۔

عید کی نماز سے پہلے نفل کی کراہت خواص کے لئے ہے نہ کہ عوام کے لئے

ناچیز یہ عرض کرتا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے نفل کی کراہت خواص (علماء کرام ومشائخ عظام) کے لئے ہے نہ کہ عوام مسلمانوں کے لئے۔

جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا:

وَهَذَالِلْخَوَاصِ أَمَّاالْعَوَامُّفَلَايُمْنَعُونَ مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ أَصْلًالِقِلَّةِرَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَحْرٌ۔

ترجمہ: یہ کراہت کا حکم خواص کے لئے ہے، رہی بات عوام کی تو عوام کو تکبیر اور نفل قبل العید سے نہیں روکا جائے گا کیونکہ ان کے اچھے کاموں میں رغبت کم رہتی ہے (توجب بھی ادا کریں توان کے لئے جائز ہے)۔[1]

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۲۳ میں لکھا ہے:

فمارا ہ المسلمون، الخ۔ اس عبارت میں "المسلمون" پر الف لام برائے عہد ہے جس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، انتھی۔

ہم موصوف کو کئی وجوہ (انداز) سے جواب دیتے ہیں:

وجہ اول

یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ المسلمون میں الف لام برائے عہد ہے اور اس سے مراد صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کا آخری حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ امور اور اعمال جائز ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں نہیں تھے۔ اور وہ احکامِ شرعیہ کہلائے جاتے ہیں اور متأخرین علماء نے ان کو حَسن سمجھا اور بتایا ہے، جیسے کہ تثویب اور حمام کی اجرت وغیرہ وغیرہ۔

جیسا کہ شامی میں ہے:

قَالَ فِي الْعِنَايَةِ: أَحْدَثَ الْمُتَأَخِّرُونَ التَّثْوِيبَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوهُ فِي جَمِيعِ الصَّلَوَاتِ سِوَى الْمَغْرِبِ مَعَ إبْقَاءِ الْأَوَّلِ يَعْنِي الْأَصْلَ وَهُوَ تَثْوِيبُ الْفَجْرِ وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ، اھ۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص ۱۷۱، الناشر: دارالفکر-بیروت)

عنایہ میں فرمایاہے: متاخرین علماء نے اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کا نیا طریقہ جاری کیا اس طریقے کے مطابق جو انہوں نے جاری کیا کہ مغرب کے علاوہ تمام اذانوں اور اقامت کے مابین تثویب کو جاری کیا، اور اول یعنی اصل کو بر قرار رکھا جو فجر کی اذان اور اقامت کے مابین تثویب تھی، اور جس عمل کو مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ [1]

اور صاحبِ ہدایہ نے فرمایا:

ویجوز أخذ أجرة الحمام والحجام أما الحمام فلتعارف الناس ولم تعتبر الجهالة جماع المسلمين قال عليه الصلاة والسلام مار آه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن۔

حمام اور حجام کا اجرت لینا جائز ہے، حمام کی اجرت کا جواز عوام میں متعارف ہونے کی بناء پر جائز ہے، اور اجماع المسلمین سے جاہل شخص کی بات کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہوتا ہے۔

اب اگر المسلمون سے مراد صحابہ کرام ہی کو لیا جائے جیسا کہ اصلاح الرسوم کے مصنف نے دعویٰ کیا ہے تو پھر وہ تمام احکامات باطل اور ناجائز قرار دیئے جائیں گے کہ جو صرف عام کی حیثیت سے ثابت ہیں۔ حالانکہ جو عرفِ عام شریعت کے موافق ہو تو وہ اجماع کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔

جیسا کہ فصول میں ہے:

والتعامل انمایکون باتفاق آراء الناس علی شئ فکان ملحقا بالاجماع۔

وہ تعامل (معاملات) جو لوگوں کی آراء (رائے) کے اتفاق سے کسی چیز (عمل) پر متفق ہو جائے تو وہ اجماع کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔

اسی طرح نور الانوار اور ہدایہ، باب المسلم میں بھی ہے۔

وجہ ثانی

یہ ہے کہ "ما راہ المسلمون" میں "مسلمون" جمع ہے، اور جمع کا صیغہ خواہ معرفہ ہو یا نکرہ ہو، عام کی اقسام میں سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ نور الانوار میں ہے:

فالأول مثاله رجال ونساء وغيرهما من الجموع المنكرة والمعرفة والقلة والكثرة، إلخ۔

---

[1] (ردالمحتار، ص ۴۰۴)

پس پہلے کی مثال رجال اور نساء وغیرہ جمع کے صیغے ہیں خواہ نکرہ ہو یا معرفہ، خواہ جمع قلت ہو یا جمع کثرت۔[1]

تو اب اگر درج بالا عبارت "ما راہ المسلمون" میں الف لام سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم لئے جائیں تو عام کی تخصیص لازم آئے گی، کیونکہ اصولی علماء کے نزدیک اصطلاح میں تخصیص عام کو بعض افراد کے ساتھ قصر (مقید) کرنا ہے، اور عام کی تخصیص بغیر مستقل دلیل کے جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ نور الانوار میں ہے:

و التخصيص في الإصطلاح هو قصر العام على بعض مسمياته بكلام مستقل، إلخ۔

اصطلاح میں تخصیص عام کو اپنے چند مسمیات کے ساتھ مستقل کلام کے ذریعے قصد (مقید) کرنا ہے، تو اب اگر المسلمون میں الف لام سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم لئے جائیں تو عام کی تخصیص بلا دلیل مستقل ہو جائے گی (جو نا جائز ہے)۔[2]

وجہ ثالث

یہ ہے کہ اگر المسلمون میں الف لام سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی لئے جائیں تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ کسی اور کے لئے دین میں کسی بھی اچھے عمل کے اضافے کا جواز نہیں ہو گا۔ حالانکہ ہر وہ عمل جس کو علماء حقانی (اہلِ سُنت) یا عارفانِ کاملاں (اولیاء و مشائخ) نے ایجاد کیا (داخل کیا دین میں) اور وہ نیا عمل سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے مخالف نہ ہو تو اس نئے عمل کو امر محمودہ (اچھا عمل) کہا گیا ہے۔ اور وہ شریعت میں مندرج (درج) ہے، کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ عام اجازت ملی ہے کہ دین میں اچھے اعمال درج اور داخل کیا کرو۔

علماء و عارفین کے ایجاد کردہ اعمال بدعت سیئہ و قبیحہ نہیں کہلائیں گے

جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے:

جميع ما ابتدعه العلماء و العارفون مما لم تصرح الشريعة بالأمر به لا يكون بدعة إلا أن خالف صريح السنة فإن لم يخالفها فهو محمود فقد علمت أن طريق القوم صادرة عن الله و لكن من غير الطريق الصريح النبوي و لو لا أنه عليه السلام فتح لأمته باب الاستنان ما اجترأ أحد منهم على أن يزيد حكماً و لا وضعاً ففي الصحيح من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها۔

---

[1] (نور الانوار، ص ۷۲)

[2] (نور الانوار، ص ۶۹)

ایسے ہی تمام وہ اعمال جن کو علماء وعارفین (اولیاء) نے ایجاد کیا (نیا کام کیا) جن کا شریعت نے صراحت کے ساتھ حکم نہیں دیا تو وہ بدعت (سیئہ و قبیحہ) نہیں کہلائی جائیں گی، ہاں اگر وہ نیا کام صریح سُنت کے خلاف ہو تو پھر وہ بدعتِ قبیحہ وسیئہ کہلائی جائے گی۔ اور اگر وہ نیا کام سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف نہ ہوں تو وہ (شرعًا) محمود اور اچھا ہے۔[1]

آپ نے جان لیا کہ علماء کا یہ طریقہ (اچھا اور محمود کام ایجاد کرنا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہے، مگر یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صریح طریقے کے علاوہ (علیحدہ) ہے، اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی امت کے لئے باب الاستینان (یعنی اچھے طریقے کے ایجاد کرنے کا دروازہ) نہ کھولتے تو کوئی بھی اُمتی کوئی حکم یا کوئی مسئلہ وضع نہ کرتا، اور اضافہ نہ کرتا۔

صحیح روایت میں ہے: جس شخص نے دین میں اچھا طریقہ جاری (ایجاد) کیا تو اس جاری کرنے والے کے لئے اس کا اجر ہے اور اس پر عمل کرنے والے کے برابر اجر بھی اس جاری کرنے والے کو ملے گا، اور عمل کرنے والے کا ثواب کم نہیں ہو گا۔

پس لازم ہے اصلاح الرسوم کے مصنف (مولوی مفتاح الدین آف جورہ) پر کہ وہ درج بالا عبارت میں لفظ "قوم" سے "امت" اور کلمہ "مَنْ" سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا خواص مراد لے لے۔ تا کہ یہ حدیث مذکورہ اس حدیث کے ساتھ مناقض اور مخالف نہ ہو، جو یہ ہے کہ: من سن فی الاِسلام سنۃ حسنۃ، الخ۔ (الحدیث) کہ جو اسلام میں نیا اچھا طریقہ ایجاد کرے، الخ۔ اور اسی طرح وہ درج بالا حدیث روح البیان کی عبارت کے ساتھ بھی مناقض (مخالف و متضاد) نہ ہو کہ جس میں لفظ قوم اور امت ہے۔

وجہ چہارم

یہ ہے کہ **المسلمون** جمع ہے جو الف لام کے ساتھ معرفہ ہے، اور جب جمع کا صیغہ الف لام کے ساتھ آجائے اور الف لام سے مراد عہدی نہ ہو، یعنی اس جمع کے بعض افراد لینے کے لئے کوئی قرینہ نہ ہو تو پھر یہ جمع عموم اور شمول پر دلالت کرتا ہے۔

جیسا کہ روح البیان میں اس آیت: وَمَاأَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الأنبیاء ۱۰۷) کی تفسیر میں ہے:

قولہ تعالی وما أرسلناک الا رحمۃ للعالمین ای من عالمی زمانہ وما کان بعدہ وما کان قبلہ لأن العالمین جمع محلی بالألف واللام فیدل علی العموم والشمول کما فی قولہ تعالی الحمد للہ رب العالمین, کذا في نور الأنوار۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۹، ص ۳۱۴، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

یعنی آپ زمانے اور مابعد اور ماقبل کے زمانے کے لئے رحمت ہیں۔ کیونکہ العالمین جمع ہے جو الف لام کے ساتھ مزیّن ہے، جو عموم اور معمول پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ اس فرمانِ الٰہی میں ہے، الحمدللہ رب العالمین۔ اسی طرح نور الانوار میں ہے۔[1]

اس درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ "المسلمون" میں الف لام برائے استغراق حقیقی ہے۔

تو حدیث کا معنٰی یہ ہوا:

ماراہ جمیع المسلمین حسنا فھو عنداللہ حسن، و ماراہ جمیع المسلمین قبیحا فھو عنداللہ قبیح۔

جس عمل کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ عمل عند اللہ اچھا ہے اور جس عمل کو تمام مسلمان قبیح (بُرا) سمجھیں تو وہ عند اللہ بُرا ہے اور قبیح ہے۔

اصلاح الرسوم کے مصنف (مولوی مفتاح الدین جورہ) نے صفحہ نمبر ۲۲ میں لکھا ہے:

یا الف لام سے مُراد مجتہدین ہیں کیونکہ وہ صفت العموم میں کامل ہیں، کیونکہ مطلق سے مراد فردِ کامل ہوتا ہے، یعنی جب کوئی چیز مطلق ذکر کی جائے تو اس سے مراد فردِ کامل ہوتا ہے، انتہٰی۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ لفظ "مسلمون" کو مطلق کہنا جہالت، نادانی اور کتبِ اصول سے چشم پوشی ہے۔ کیونکہ علماءِ اصولیین نے لفظ "مسلمون" کو عام کی اقسام سے بتایا ہے، جیسے کہ ماسبق دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے۔ جبکہ مطلق خاص کی اقسام میں سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل اور ماننے والے نہیں ہیں کہ جب کوئی شے مطلق ذکر کی جائے تو اس سے مراد فردِ کامل ہوتا ہے، بلکہ کمال سے مراد ذات کے اعتبار سے کمال ہوتا ہے۔ یعنی اجزاء کی حیثیت سے کمال مراد ہوتا ہے نہ کہ اوصاف کی حیثیت سے۔

جیسا کہ نور الانوار میں ہے:

ولنا في هذا المقام ضابطتان إحدهما أن المطلق يجري على إطلاقه والثانية أن المطلق ينصرف إلى الفرد الكامل فالأول في حق الأوصاف كالإيمان والكفر والثاني في حق الذات كالزمانة والعمر، إلخ۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج١٠، ص٥٠٦، الناشر: دار الفکر–بیروت، نور الأنوار، ص٨٠)

اس مقام پر ہمارے دو ضوابط ہیں۔ ایک ضابطہ یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ مطلق فردِ کامل کی طرف منصرف ہوتا (لوٹتا) ہے۔ پہلا والا ضابطہ اوصاف کے حق میں ہے، جیسے ایمان و کفر۔ اور دوسرا والا ذات کے حق میں ہے (جیسے بڑھاپا اور نابینا ہونا)۔[1]

اے مقدمہ لکھنے والے میرے بھائی (مولوی مفتاح الدین صاحب) آپ کے قاعدے و قانون کے لحاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کے کفارے میں عرف مؤمن غلام آزاد کرنا ہے، اس طرح اندھا اور لنگڑا غلام آزاد کرنا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ بشر طیکہ وہ ورع (تقویٰ و ایمان) میں کامل ہو۔ کیونکہ فرمان الٰہی: فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (النساء ۹۲) مطلق ہے۔ اور مطلق سے مراد فردِ کامل ہوتا ہے، اور یہ مؤمن مگر لنگڑا، اندھا، غلام، کامل ہے اصلاح الرسوم کے قاعدے و قانون کے تحت اور اعتبار سے، کہ مطلق کو فردِ کامل کی طرف لوٹایا جائے گا، اور اس آیت میں کمال (کامل ہونے) کا اعتبار ایمان و اسلام کی حیثیت سے ہے۔

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۲ے میں لکھا ہے:

ہمارے زمانے میں چونکہ اجتہاد ختم ہو چکا ہے (منقطع ہو چکا ہے) اور ہمارا زمانہ مجتہدین کے زمانے سے بہت دور ہو چکا ہے، انتھٰی۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ اجتہاد سے منقطع ہو چکا ہے، بلکہ اجتہاد آخری زمانے تک باقی ہے، اور مجتہدین کی تقلید واجب ہے۔

غیرِ مجتہد پر مجتہد کی اتباع واجب ہے

جیسا کہ مصنفِ نبراس نے لکھا ہے:

ثم من لم یکن مجتهدا وجب علیه إتباع المجتهد لقوله تعالٰی فاسئلوا اهل الذكر إن كنتم لا تعلمون ولإجماع السلف على ذلک وهذا الإجماع يسمي تقليدا والإجتهاد باقٍ إلي اخر الدهر ومن زعم أنه لا يمكن في هذه الازمنة فقد تحكم ونفي علی غيره بجهل نفسه، إلخ۔ قوله ومن زعم أن زاعمه إستدل بهذا الحديث قال رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالما إتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا افافتوا بغير علم فضلوا او اضلوا متفق عليه (مشكوٰة، ص ۳۳) قال أي الزاعم هذا يدل على عدم عالم في الأرض أقول فيه ما فيه لأن غاية ما يلزم منه خلو الزمان عن العالم والنزاع انما وقع في خلوه قبل وقوع اشراط الساعة فعلم أن هذا النزاع من الذين حكم الحديث بأنهم افتوا بغير علم فضلوا واضلوا او لا يرى قول رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لا يزال طائفة من الناس ظاهرين على الحق حتى يأتي امر الله أو حتى

---

[1] (نور الانوار، ص ۷۷)

يظهر الدرجال وهو الحق المبين وفي التفسيرات الأحمدية، ص ۳۴۱: فمن اين يعلم إنحصار المذاهب في الأربعة مع ان المجتهدين كانوا قريبا من المأة أو أكثر كأبي يوسف والغزالي ومحمد وإمثالهم ولم يختم الإجتهاد بعد، إلخ، وأيضًا في ص ۲۴۳: وأما الثالث فلان الإجتهاد وإن كان لم يختم ويحتمل أن يوجد مجتهد اخر يجتهد على خلافهم بل قدوقع كذلك، إلخ۔

پھر جو مجتہد نہ ہو تو اس پر مجتہد کی اتباع واجب ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (الأنبياء۷)

ترجمہ: اہل علم سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے۔

اور سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور اس اجماع کو تقلید کہا جاتا ہے، اور اجتہاد کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے، اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ ان زمانوں میں اجتہاد ممکن نہیں ہے تو وہ سینہ زوری کرتا ہے، اور اپنی جہالت کی وجہ سے دوسرے پر انکار کرتا ہے، الخ۔

ماتن کا قول جس نے گمان کیا

گمان کرنے والے نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ علم اس طرح نہیں اٹھایا جائے گا کہ لوگوں کے سینوں سے اٹھایا جائے، بلکہ علماء کے قبض ہونے (فوت ہونے) سے علم اٹھایا جائے گا۔

پس جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار (امیر، مفتی) بنالیں گے۔ پھر ان جاہل امیروں سے سوالات کئے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، ص ۳۳)

اس گمان کرنے والے نے کہا کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ روئے زمین پر کوئی عالم باقی نہیں ہوگا۔ میں اس میں وہ کہتا ہوں جو اس میں ہے۔ کیونکہ اس کا نہایہ وانتہاء یہیں ہے کہ زمانہ عالم سے خالی ہو جائے گا۔ اور دلوں سے علم کا اٹھ جانا قیامت کی نشانیوں کے آنے سے پہلے ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء کے سینوں سے علم کا اُٹھ جانا حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس قول مبارک کو مہیز دیکھیں گے کہ لوگوں میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے یا دجال ظاہر ہو جائے۔ اور یہ ظاہر حق ہے۔

تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

یہ کہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب چار ہیں؟ حالانکہ مجتہدین سو (۱۰۰) سے بھی زیادہ ہیں۔ جیسے امام ابویوسف، غزالی، محمد، اور ان کی طرح دیگر رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور ان کے بعد اجتہاد ختم نہیں ہوا۔ [1]

تفسیراتِ احمدیہ میں ایک اور جگہ ہے:

اور تیسری یہ کہ اجتہاد اگرچہ ختم نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ کوئی مجتہد پایا جائے جو ان کے خلاف اجتہاد کرلے بلکہ اس طرح واقع بھی ہوا ہے۔ [2]

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۲۵ میں لکھا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ قول مبارک کہ: من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ۔ (الحدیث) کہ جس نے اسلام میں ایک اچھا طریقہ و عمل رائج کیا۔ اور اس حدیث سے یہ معنی اخذ کیا ہے کہ جس سے مولوی مفتاح الدین کے قول کے لئے دلیل ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ سنت ترک کئے جانے کے بعد اسی سُنت کو زندہ اور رائج کیا جائے، انتھٰی۔

ہم کہتے ہیں کہ مولوی مفتاح الدین کی یہ تمثیل اور تشریح صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص جو اسلام میں ایک اچھا اور نیا طریقہ بنائے، ایجاد کرے اچھی نیت اور ارادے سے اور اچھے قاعدے کے تحت تو یہ ہر شخص کے لئے جائز ہے، کیونکہ یہ طریقہ ہر اس شخص کا ہے جو حدیث میں "مَنْ" کے تحت آتا ہے۔ اور جو یہ کہے کہ ترک کردہ سنت کو زندہ کرے تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ معنی "مَنْ" کا ہے۔

کیونکہ ترک کردہ سُنت کو زندہ کرنے والی بات کی نسبت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی طرف یوں منسوب فرمایا ہے:

من أَحيا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔

جس نے میری وہ ایک سُنت زندہ کر دی جو میرے بعد مر گئی تھی (چھوڑ دی گئی تھی) تو اس کو ہر عمل کرنے والے کے برابر اجر ملے گا۔ [3]

---

[1] (تفسیراتِ احمدیہ، ص ۳۴۱)

[2] (تفسیراتِ احمدیہ، ص ۳۴۳)

[3] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۵۹، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

(مَنْ أَحْيَاسُنَّةً)، أَيْ: مَنْ أَظْهَرَهَا وَأَشَاعَهَا بِالْقَوْلِ أَوِ الْعَمَلِ۔

جس نے سنت زندہ کی، یعنی اس کو ظاہر کیا اور قول و فعل کے ذریعے شائع کیا۔[1]

قارئین کرام! ذرا سوچیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پہلی حدیث کا معنی نہادن (بنایا اور وضع کرنا) ہے جو اس عمل کا پہلے سے ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور دوسری حدیث کا معنی اظہار (ظاہر کرنا، شائع کرنا) ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ یہ عمل پہلے سے چلتا ہوا آرہا تھا۔ تو دونوں احادیث کے بارے میں تباین (الگ الگ ہونا) ثابت ہوا۔ اور ایک متباین مثال کو دوسری مثال بنانا، علماء کے قواعد واصول سے چشم پوشی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۲۷ میں لکھا ہے کہ دین میں کسی انسان کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے سوائے کسی کی تقلید کے کہ جو صاحبِ شریعت ہیں، انتہٰی۔

صاحبِ شریعت کا قول و فعل دلیل و حجتِ شرعی ہے اور تقلید حجتِ شرعی نہیں

ہم کہتے ہیں کہ اگر تقلید سے مراد تقلید کا حقیقی معنٰی ہے، جیسے کہ قائل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو پھر صاحبِ شریعت کی متابعت پر تقلید کا اطلاق صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ صاحبِ شریعت کا قول و فعل، دلیل اور حجتِ شرعی ہے، اور تقلید حجتِ شرعی نہیں ہے۔

جیسا کہ فصول میں لکھا ہے:

و أما قول من غيره وهو التقليد وهو قبول قول الغير بلا دليل فلا يكون حجة في الشرع، إلخ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ کسی اور کا قول، تو وہ تقلید ہے، اور تقلید کا معنی ہے کسی اور کا قول بغیر دلیل کے قبول کرنا، لہٰذا تقلید شریعت میں حجت نہیں ہے۔ اور اگر تقلید سے مراد مطلق اتباع اور پیروی کرنا ہے تو پھر تقلید صاحبِ شریعت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ ہی قرونِ ثلاثہ کے ساتھ خاص ہے۔[2]

کیونکہ صاحبِ شریعت اور خلفاءِ راشدین کی اتباع اس حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موافق ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

ترجمہ: تم لوگوں پر میری اور خلفاءِ راشدین کی جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کی اتباع لازم ہے۔[3]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۵۶، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)
[2] (فصول، ص ۱۷۰)
[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۲۵۱، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

تو اس طرح ان صاحبانِ فضل وبہتری وبرتری کی اتباع بھی لازمی ہے کہ جو خلفاء راشدین کے تابع ہیں اور سنت کے موافق عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات بھی خلفاء راشدین کے حکم میں ہیں۔

جیسا کہ لمعات میں ہے:

ہر کہ بر سیرتِ ایشان برود وموافقِ سنت عمل کند حکمِ ایشان دارد نہ کہ بر ہوائے نفس خود بدعتی پیدا کند۔

جو عالم ان خلفاء راشدین کے طریقے پر چلے اور سنت کے موافق عمل کرے تو وہ بھی ان خلفاء راشدین کے حکم میں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے نفسانی خواہشات کی بناء پر بدعت پیدا کی ہے۔[1]

اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے درج ذیل قول سے بھی صاحبِ شریعت کے علاوہ دیگر علماء کی اتباع کا جواز عموم کے طریقہ سے معلوم ہوتا ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔

ترجمہ: جس نے اسلام میں اچھا طریقہ (عمل) جاری کیا تو اس کو اپنا اور عمل کرنے والے کے برابر اجر ملے گا۔[2]

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۲۴ میں لکھا ہے کہ جس کام (عمل) میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر قرونِ ثلاثہ کا اعتبار ہو گا، انتھیٰ۔

ہم کہتے ہیں کہ موصوف (مولوی مفتاح الدین) نے خلاف اور اختلاف میں فرق نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اختلاف قرونِ ثلاثہ کے بعد موجود نہیں ہوتا تو اس میں قرونِ ثلاثہ کا اعتبار کیسے کیا جائے گا؟ بلکہ ہمارے مابین خلاف موجود اور پایا جاتا ہے جو قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

وفيما اجتمع عليه الجمهور لا يعتبر مخالفة البعض وذلک خلاف وليس باختلاف والمعتبر الاختلاف في الصدر الأول۔

جس عمل پر جمہور متفق اور جمع ہوں تو اس مسئلے میں کسی کا بعض عالم کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جائے اور یہ خلاف ہو گا اختلاف نہیں ہو گا۔ اختلاف کا اعتبار صدرِ اول میں ہوتا ہے۔[3]

---

[1] (لمعات، ص ۱۵۰)

[2] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۷۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[3] (ھدایہ، ص ۱۴۱)

خلاصہ

تمام مسلمانوں کی خدمت میں ناچیز کی یہ عرض ہے کہ ان امورِ مستحسنہ (جو سلف صالحین کا معمول رہا ہے) پر بدعت سیئہ کا اطلاق کرنا اور حکم لگانا یہ محض تعصب، مخالفت اور چشم پوشی ہے۔ جیسا کہ اصلاح الرسوم کے مصنف نے لگایا ہے۔ ان کی یہ روش آئمہ، مجتہدین اور خصوصًا مذہب حنفی کے قواعد و قوانین سے چشم پوشی ہے۔ حالانکہ یہ مولوی مفتاح الدین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی تقلید کا دعویٰ ایک زبانی دعویٰ ہے، یہ حقیقت میں تقلید سے منکر اور آئمہ کرام کے اصول کا مخالف ہے۔ حالانکہ تمام امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ "حق" ان چار مذاہب کے بین ہی دائر ہے، کیونکہ یہ مذاہب اربعہ ہدایت کے راستے ہیں، پانچواں کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

مجتہدین کی اقتداء دراصل نبی کریم ﷺ کی پیروی ہے

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

و لیس لغیرھم ممن بعدھم الی یوم القیام بدون الاقتداء بھم اھتداء الی طریق الجنۃ و الرؤیۃ و من اقتدی بھم فی الشریعۃ و الطریقۃ و الحقیقۃ و علم علومھم و عمل أعمالھم و تأدب بآدابھم علی مذھب أیھم کان بحسب وسعہ فلا شک انہ اقتفی اثر رسول اللہ علیہ السلام و من لم یقتد بھم فی ذلک فلا شک انہ ضل عن اثر الرسول و خرج عن دائرۃ القبول۔

ان مجتہدین کے بعد قیامت تک کوئی اور ایسا شخص نہیں کہ جس کی اقتداء کرنے سے کوئی جنت میں جائے گا، جس نے ان مجتہدین کی اقتداء کی، شریعت، طریقت اور حقیقت میں اور ان کے علوم حاصل کئے اور ان کے اعمال پر عمل کیا اور ان کے آداب پر چلتے ہوئے باادب بنا، تو کوئی شک نہیں کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کی۔ اور جس نے ان آئمہ حضرات کی اقتداء (تقلید) نہیں کی تو بے شک اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیروی نہیں کی، اور قبول کے دائرے سے خارج ہو گیا۔[1]

جب آپ قارئین حضرات کو بدعت کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درج بالا احادیث کہ جن میں بدعات کی مذمت کی گئی ان سے مراد بدعتِ سیئہ ہے تو آپ یہ سمجھ لیں کہ بدعتِ سیئہ کا مصداق یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے شریعت کی جو مقدار اور اندازہ لگایا اور اعمال مقرر کئے اور ان کی مقدار مقرر فرمائی تو ان میں کمی وزیادتی بدعتِ سیئہ ہے۔ جیسے

---

[1] (روح البیان، ص ۱۵۰)

کہ کوئی شخص رمضان کے روزوں کی تعداد کی فرضیت ستائیس، اٹھائیس یا اکتیس یا بتیس بتائے اور اس کا عقیدہ رکھے، یا کوئی شخص چار رکعت والی نماز کو تین یا پانچ رکعت بتائے اور اس کی فرضیت کا عقیدہ رکھے یا فطرہ میں ایک پاؤ یا چار کلو گندم کی فرضیت کا عقیدہ رکھے، یا کوئی شخص اعضاء وضوء کے دھونے کے بارے میں تین سے زیادہ بار نئے پانی بہانے کے ساتھ فرضیت یا سُنّیت کا عقیدہ رکھے۔ یا اس طرح دیگر مقدرات کہ جو شریعت نے مقرر کئے اور کوئی اس میں کمی زیادتی کرے تو وہ بدعتِ سیئہ کہلائے گا۔

متن اعلام المؤمنین بحث البدعة پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

بدعت کا معنی و مفہوم:

ہمارے ہاں عام طور پر ایک خاص نقطۂ نظر اور مذہبی پس منظر رکھنے والے طبقے کی طرف سے "**شرک**" اور "**بدعت**" کی دہ اصطلاحات کو بہت زیادہ بے محل اور غلط طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ناجائز، غیر مستحسن، غیر ثابت، مکروہ اور حرام، ہر قسم کے اُمور پر لفظ شرک اور بدعت کو منطبق کر کے امت کی بھاری اکثریت کو مشرک، بدعتی اور گمراہ قرار دے دیا جاتا ہے اور وہ آیات مقدمہ اور احادیث مبارکہ جو کفارہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں اُنہیں بڑی بیباکی سے اُمت مسلمہ پر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔[1] جو کہ ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ طرز عمل ہے۔ اس کتاب میں تصور بدعت کے حوالے سے پائے جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔

شرک اور توحید کے حوالے سے راقم کی دوسری ضخیم تصنیف "**کتاب التوحید**" میں مکمل تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

---

[1] امام بخاری ترجمۃ الباب کے طور پر آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ، وَقَالَ: إِنَّهُمْ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

١۔فتاوی في الرد علی الشبه وتصحیح المفاهیم۔

٢۔بخاری، الصحیح، کتاب استتابة المرتدین و المعاندین وقتالهم، باب قتل الخوارج و المحلدین بعد إقامة الحجة علیهم، ٦: ٢٥٣٩،
مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب الخوارج شر الخلق ه الخلعقة، ٢: ٧٥٠، رقم: ١٠٦٧۔

٣۔أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج۔ ٤/٢٤٣ الرقم: ٤٧٦٥۔

٤: نسائی، السنن، کتاب تحریم الدم، باب من شهر سیفه ثم وضعه فی الناس، ٧/١١٩، رقم ٤١٠٣۔

بدعت کا لغوی مفہوم:

"البِدْعَة" عربی زبان کا لفظ ہے جو "بَدَعَ" سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کسی سابقہ مادہ، اصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی شئے کو نیست سے ہست کرنے اور عدمِ محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں "اِبداع" کہتے ہیں۔ ذیل میں ہم اہم لغات اور اقوالِ محدثین سے بدعت کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ابنِ فارس (۱۰۰۴ھ) اپنی معروف لُغت "معجم مقاييس اللغة" میں بدعت کا لُغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ابتداء الشيء وصنعُه لا عَنْ مِثال۔

"کسی سابقہ مثال کے بغیر کسی چیز کا آغاز کرنا یا بنانا "بدعت" کہلاتا ہے۔"[1]

۲۔ امام ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) اپنی معروف شرح "فتح الباری شرح صحیح البخاری" میں لفظِ بدعت کی لُغوی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

البدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق۔

"بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہے۔"[2]

۳۔ امام مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمت اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لغت کی معروف کتاب "تاج العروس من جواهر القاموس" میں لفظ بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا لغوی معنیٰ "الجدید" ہے پھر اِس معنیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کما یقال جئت بأمر بدیع ای محدث عجیب، لم یعرف قبل ذالک۔

"جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "میں ایک نیا کام لایا یعنی ایسی عجیب جدّت جو اس سے قبل معروف نہیں تھی۔"[3]

۴۔ خلیل بن احمد الفراھیدی (۷۸۶ھ) لغت کی کتاب "العین" بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إحداثُ شيءٍ لم يكن له من قبلُ خلقٌ ولا ذكرٌ ولا معرفةٌ۔[4]

"بدعت سے مراد کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا ہے کہ اس سے قبل نہ وہ چیز تخلیق کی گئی ہو اور نہ ہی اس کا ذکر اور معرفت ہو۔"[1]

---

[1] (معجم مقاييس اللغة المؤلف: أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكريا الناشر: دار الفكر الطبعة: ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹م. ج ۱ ص ۲۰۹)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري الناشر: دار المعرفة - بيروت، ج۴ ص ۲۵۳)

[3] (زبیدی، تاج العروس ج۸ ص ۱۱)

[4] العين الخليل بن أحمد ج ۱ ص ۹۷

۴۔المنجد فی اللّغة میں لفظِ بدعت کا لغوی معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

اخترعه و صنعه لا علی مثال۔

"بدعت کا معنی کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بنانا ہے۔"[2]

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر لفظِ بدعت کے مُشتقات بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ معنی کی توثیق ہوتی ہے، چند مقامات درج ذیل ہیں۔

و۔ یہ کائنات نیست اور عدم محض تھی، اس کو اللہ رب العزت نے کسی مثالِ سابق کے بغیر خِلعتِ وجود عطا کیا تو لُغوی اعتبار سے یہ بھی "بدعت" کہلاتی اور اس بدعت کا خالق خود اللہ رب العزت ہے جو اپنی شانِ تخلیق بیان کرتے ہوئے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (البقرہ:۱۱۷)

ترجمہ: "نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے"۔

ب۔ یہی بیان دوسرے مقام پر سورۃ الانعام میں بھی ہے۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الانعام ۱۰۱)

ترجمہ: "بے کسی نمونے کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ۔"

ج۔ اِسی تصور کو سورۃ الحدید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید۲۷)

ترجمہ: " اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ۔"

کائناتِ ارضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ بدعت ہے

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے ثابت ہو گیا کہ کائناتِ اَرضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ بدعت کہلاتا ہے اور وہ ہستی جو کسی ایسی چیز کو وجود عطا کرے جو پہلے موجود نہ ہو۔ "بدیع" کہلاتی ہے۔ پس قرآن اعلان کرتا ہے کہ خالقِ کائنات صرف صانع ہی نہیں بلکہ "بدیع " بھی ہے کیونکہ اس نے زمین و آسمان کو بغیر کسی سابق مادہ کے محض اپنے ارادہ سے پیدا فرما دیا۔

---

[1] (العین الخلیل بن أحمد ج ا ص۹۷)

[2] (لوئس معلوف، المنجد: ص ۲۹)

ہ۔ بدعت کے اس لغوی مفہوم کی وضاحت درج ذیل آیت تصور سے بھی ہوتی ہے۔

قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًامِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۰۹)

ترجمہ: تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں۔

ان آیاتِ مبارکہ سے بدعت کا لُغوی معنی خوب واضح ہو گیا ہے کہ ہر وہ نئی چیز بدعت کہلاتی ہے جس کی مثل، مادہ، نمونہ اور نظیر پہلے سے موجود نہ ہو۔

بدعت کا اصطلاحی مفہوم:

بدعت کا اصطلاحی مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاء اُمت اور ائمہ حدیث نے اس کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ امام یحییٰ بن شرف نووی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۶۷۷ھ) بدعت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

البِدعةهي إحداث مالم يكن في عهدرسول الله - صلى الله عليه وسلم۔

"بدعت سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔"[1]

۲۔ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) بدعت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ "مجموع الفتاویٰ" میں لکھتے ہیں:

والبدعة ما خالفت الكتاب والسنة وإجماع سلف الأمة من الإعتقادات والعبادات كاقوال الخوارج والروافض والقدرية والجهمية۔

"بدعت" سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات و عبادات میں کتاب و سنت اور اخیارِ امت کے اجماع کی مخالفت کرے۔ جیسے خوارج، روافض، قدریۃ اور جہمیۃ کے عقائد۔[2]

۳۔ شیخ ابنِ رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنی کتاب "جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم" میں بدعت کی اصطلاح تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمراد بالبدعة: ما أُحْدِثَ مِمَّا لا أصل له في الشريعة يدلُّ عليه، فأمّا ما كان له أصلٌ مِنَ الشَّرع يدلُّ عليه، فليس ببدعةٍ شرعاً، وإنْ كان بدعةً لغةً۔

---

[1] (تهذيب الأسماء واللغات ج۳ ص ۲۹۸)

[2] (مجموع الفتاوى - ابن تيمية ج ۱۸ ص ۳۴۶)

"بدعت سے مراد ہر وہ دنیا کا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لُغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔"[1]

علامہ ابنِ رجب حنبلی بدعت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فكل من أحدث شيئا و نسبه إلى الدين و لم يكن له أصل من الدين يرجع إليه فهو ضلالة و الدين بريء منه و سواء في ذلک مسائل الاعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة و الباطنة و أما ما وقع في كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنما ذلک في البدع اللغوية لا الشرعية۔

"جس کسی نے بھی کوئی نئی چیز ایجاد کی پھر اس کی نسبت دین کی طرف کر دی درآنحالیکہ وہ چیز دین کی اصل میں سے نہ ہو تو وہ چیز اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور وہی گمراہی ہو گی اور دین اس چیز سے بری ہو گا۔ اس میں اعتقادی، عملی، قولی، ظاہری و باطنی تمام مسائل برابر ہیں۔ اور بعض اچھی چیزوں میں سے جو کچھ اسلاف کے کلام میں گزر چکا ہے پس وہ **بدعت لغویہ** میں سے ہے، **بدعت شرعیہ** میں سے نہیں ہے۔"[2]

۴۔ امام ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) بدعت اور اِحداث کا اصطلاح مفہوم بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

محدثة و المراد بها ما أحدث و ليس له أصل في الشرع و يسمى في عرف الشرع بدعة و ما كان له أصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة فالبدعة في عرف الشرع مذمومة بخلاف اللغة فان كل شيء أحدث على غير مثال يسمى بدعة سواء كان محمودا أو مذموما۔

"محدثہ سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اُسی محدثہ کو اصطلاحِ شرع میں "بدعت" کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط بدعتِ مذمومہ کو کہتے ہیں بدعتِ لغویہ کو نہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ محمودہ ہو یا بدعت مذمومہ۔"[3]

علامہ ابن حجر عسقلانی بدعتِ حسنہ سیئہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و التحقيق أنها أن كانت مما تندرج تحت مستحسن في الشرع فهي حسنة و أن كانت مما تندرج تحت مستقبح في الشرع فهي مستقبحة۔

---

[1] (جامع العلوم و الحكم في شرح خمسين حديثاً من جوامع الكلم ج ۳۰ ص ۲۴)

[2] (جامع العلوم و الحكم - ابن رجب الحنبلي الناشر: دار المعرفة – بيروت ج ۱ ص ۲۶۶)

[3] (فتح الباري شرح صحيح البخاري الناشر: دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹ ج ۱۳ ص ۲۵۳)

"تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت شریعت میں کسی مستحسن کے تحت داخل ہے تو وہ **حسنہ** ہے اور اگر وہ شریعت کی ناپسندیدگی کے تحت آتی ہے تو وہ **مستقبحة** (غیر پسندیدہ) ہوگی۔"[1]

بدعت صرف وہ ہے جو کتاب و سنت کے احکامات سے متعارض ہو

۵۔ سید شریف جرجانی (المتوفی ۸۱۲ھ) اپنی کتاب "التعریفات" میں بدعت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

البدعة هي الفعلة المخالفة للسنة سميت البدعة لأن قائلها ابتدعها من غير مقال إمام۔

"بدعت (صرف) وہ کام ہے جو سنت کے مخالف ہو اور اس کو بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا قائل امام کے قول کے بغیر اسکی اِختراع کرتا ہے۔"[2]

علامہ جرجانی کی اس تعریف سے واضح ہوگیا کہ شرعی اعتبار سے بدعت صرف وہی کام ہوگا جو کتاب و سنت کے احکامات سے متعارض ومتناقض ہو، لہٰذا بے شمار وہ اُمور جن کا اگرچہ کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو اور وہ شریعت کی کسی حد کو بھی نہ توڑیں تو وہ جائز مباح اور مشروع ہونگے۔

علامہ جرجانی بدعت کی ایک اور تعریف کرتے ہوئے اس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں:

البدعة: هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون، ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي۔

"بدعت وہ نیا کام ہے جس کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ کیا ہو اور نہ ہی وہ دلیلِ شرعی کا تقاضا ہو۔"[3]

٦۔ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح صحیح بخاری (المتوفی ۸۵۵ھ) بدعت کی تعریف اور تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة في الأصل أحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله ثم البدعة على نوعين إن كانت مما يندرج تحت مستحسن في الشرع فهي بدعة حسنة وإن كانت مما يندرج تحت مستقبح في الشرع فهي بدعة مستقبحة۔

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري الناشر: دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹ ج۴ ص۲۵۳)

[2] (التعريفات — الجرجاني الكتاب التعريفات الناشر: دار الكتاب العربي — بيروت ج ۱ ص ٦۲)

[3] (كتاب التعريفات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت — لبنان ج ۱ ص ۴۳)

"بدعت اصل میں ایسے نئے کام کا بجالانا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو، پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر یہ شریعت کے مُستحسنات کے تحت آجائے تو یہ **بدعتِ حسنة** ہے اور اگر یہ شریعت کے **مستقبحات** کے تحت آجائے تو یہ **بدعتِ مستقبحة** ہو گی۔"[1]

۷۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۳۷ھ) بھی بدعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدعت صرف اُس عمل کو کہا جائے گا جو سنتِ رسول یا عملِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہو، فرماتے ہیں:

لأن البدعة هي الفعلة المخترعة في الدين على خلاف ما كان عليه النبي عليه السلام و كانت عليه الصحابة و التابعون رضي الله عنهم۔

"بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے اور وہ عمل صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔"[2]

مُتذکرہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت مُترشح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ "بدعت" ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز و حرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہو گی جو کتاب و سنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقص ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیئہ یا بدعت ضلالۃ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ ناجائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم **نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ)** لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر ملعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو۔ جو نیا کام کسی امر شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب **هدية المهدی** کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها و التی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔

رہی وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت داخل ہے، اور وہ قرآن و حدیث کے کسی حکم سے ٹکراتی بھی نہیں تو وہ مشروع، مباح اور جائز ہے، اسے محض بدعت یعنی نیا کام ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب و سنت کے ساتھ ناانصافی ہے۔[3]

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج۱۷ ص ۱۵۵)

[2] (تفسير روح البيان-موافق للمطبوع دار النشر/دار إحياء التراث العربی ج ۹ ص ۲۱)

[3] (وحيد الزمان, هدية المهدی:۱۱۷)

بدعت کا حقیقی تصور:

ذیل میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جارہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ "احادیثِ بدعت" کا حقیقی اطلاق کن کن بدعات پر ہوتا ہے۔

ا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدَثَ في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ۔

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"[1]

صحیح البخاری میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ حضور بنی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدَثَ في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ۔

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"[2]

ان اَحادیث میں لفظِ "اَحدَثَ" کے بعد "مَا لَيْسَ مِنْهُ" یا "مَا لَيْسَ فِيْهِ" کے الفاظ قابل غور ہیں۔ عرفِ عام میں "اَحْدَثَ" کا معنی "دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا" ہے اور لفظ "مَا لَيْسَ مِنْهُ" "اَحْدَثَ" کے مفہوم کو واضح کررہا ہے کہ "اَحْدَثَ" سے مراد وہ نئی چیز ہوگی جو اس دین میں ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ:

اگر "اَحْدَثَ" سے مراد "دین میں کوئی بھی نئی چیز پیدا کرنا" ہے تو جب ایک چیز نئی پیدا ہورہی ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی "مَالَيْسَ مِنْهُ" یا "مَالَيْسَ فِيْهِ" کیونکہ اگر وہ دین کا حصہ تھی تو اس کو نئی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جس کو نئی چیز کہہ دیا تو لفظ "اَحْدَثَ" ذکر کردینے کے بعد اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ "مَا لَيْسَ مِنْهُ" کا اضافہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دین میں سے ہو تو نئی (مُحْدَثَهُ) نہ رہی اور اگر وہ نئی ہے تو "مَا لَيْسَ مِنْهُ" کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ نئی چیز تو کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔ ذیل میں "اَحْدَثَ" کے بعد "مَا لَيْسَ مِنْهُ" ذکر کرنے کی حکمت بیان کی جاتی ہے۔

---

[1] (المنۃ الکبری شرح وتخریج السنن الصغری ج ۹ ص ۴۰)

[2] (المنۃ الکبری شرح وتخریج السنن الصغری ج ۹ ص ۴۰)

اَحْدَثَ کے بعد مَالَیْسَ مِنْہُ فرمانے میں حکمت:

متذکرہ بالا حدیث پر فکر و تدبر کرنے اور اس میں "اَحْدَثَ" کے بعد "مَالَیْسَ مِنْہُ" کے اضافہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلک صرف وہ نیا کام مردود ہو گا کہ جس کے لئے دین میں سرے سے کوئی اصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ ہی نہ ہو اور اسے دین میں یعنی ضروریاتِ دین واجباتِ اسلام اور اُساسی عقائدِ شرعیہ میں یوں داخل کیا جائے کہ وہ "اساسیاتِ دین میں اضافہ" بن جائے۔ جس سے دینِ اسلام کے بنیادی اُصولوں میں اصلاً کمی یا بیشی واقع ہو جائے۔ یہ اِحداث دینِ اسلام کی مخالفت اور دین میں "فتنہ" تصور ہو گا۔

اسی لیے علامہ ابنِ اَثیر جزریؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) احداث کا معنٰی متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعَلَی هذا التأویل یُحمل الحدیث الآخر < کل مُحْدَثة بدعةٌ > إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق السُّنَّة۔[1]

"اِن دلائل کی بنا پر حدیث "**کل مُحْدَثة بدعةٌ**" کی وضاحت یوں ہو گی کہ اس سے مراد ہر وہ نیا کام ہو گا جو اصولِ شریعت کے مخالف ہو اور سنت سے کوئی مطابقت نہ رکھتا ہو۔"[2]

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کے نزدیک بھی جب تک یہی دو شرائط (**احداث** اور **مالیس منه**) نہ پائی جائیں کوئی نیا کام بدعتِ مذمومہ نہیں ہو سکتا، وہ لکھتے ہیں:

فلیس کل ما أبدع منهیا بل المنهي بدعة تضاد سنة ثابتة وترفع أمرا من الشرع مع بقاء علته۔

"ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف وہ بدعت ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اُٹھا دے۔"[3]

مَالَیْسَ فِیْہِ اور مَالَیْسَ مِنْہُ میں فرق:

ہر کام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک اس کی اصل اور دوسری اس کی ہیئت۔ جیسے نماز کی اصل ذکرِ الٰہی ہے اور اس کی ہیئت مخصوص اُوقات میں خاص طریق سے عبادت کرنا ہے۔ اسی طرح روزہ کی اصل حصول تقویٰ ہے مگر ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرنا اسکی ہیئت کذائیہ ہے۔ پس "مَالَیْسَ فِیْہِ" اور "مَالَیْسَ مِنْہُ" میں "ہ"

---

[1] الکتاب: النهایة في غریب الحدیث والأثر ج۴ ص۱۱۷

[2] (النهایة في غریب الحدیث والأثر ج۴ ص۱۱۷)

[3] (إحیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۴۲)

ضمیر کا مرجع "امرنا هذا" ہے۔یعنی ایسا کام ایجاد کیا جو ضروریات دین میں نہ تھا مگر اسے دین کے واجبات اور بنیادی اُصولوں میں داخل کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے اَساسی عقائد میں اِضافہ کر دیا یا دین کے بنیادی اُصولوں میں کوئی کمی کر دی۔ احکام دین کو توڑا یا دین کی مخالفت کر دی جس سے دینِ اسلام کی شکل بدل جائے تو ایسے اِحداث کو فتنہ اور بدعتِ سَیِّیہ کہا جائے گا۔

مذکورہ حدیث (من أحْدَثَ في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ) کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہے کہ اسے اِمام ابن ماجہؒ نے "باب تعظیم حدیث رسول ﷺ کے ذیل میں درج کیا ہے"۔[1]

ہر محدِّث، حدیث کا جو مفہوم سمجھتا ہے اُسے ایک عنوان قائم کر کے اُس کے تحت لاتا ہے۔امام ابن ماجہؒ کا اس حدیث کو "باب تعظیم حدیث رسول ﷺ" کے تحت لانے کا تصور یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کیا جائے۔وہ "من أحدث فی أمرنا هذا" سے حضور ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کرنا مراد لے رہے ہیں یعنی اگر کسی نے کوئی آیت گھڑی اور قرآن کی طرف منسوب کر دی یا کوئی حدیث گھڑی اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی تو وہ مردود ہو گی۔

مغالطے کا ازالہ اور "فهو ردٌّ" کا درست مفہوم:

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد۔[2]

اس حدیث میں "ليس عليه أمرنا" سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً ایصال ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن وحدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور مردود ہیں۔یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات کا کیا ہو گا کیونکہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا شریعت میں حکم نہ ہو۔

---

[1] (ابن ماجه، السنن، المقدمه ج ۱ ص ۷ باب تعظيم حديث رسول الله رقم: ۱۴)

[2] (الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم دار النشر / دار ابن حزم - لبنان / بيروت - ۱۴۲۳ هـ - ۲۰۰۲م ج ۴ ص ۲۳)

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی مذکورہ دونوں روایات میں "فھو رد " کا اطلاق نہ صرف "ما لیس منه" پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط "احدث ' ' پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اُس صورت میں ہو گا جہاں یہ دونوں چیزیں (احدث اور مالیس منه) جمع ہو جائیں یعنی مردود فقط وہی عمل ہو گا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل ، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی وہ تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی "محدثه" کے بدعت وضلالت قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے۔

ا۔دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل ، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکامِ سنت کو توڑے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں اور اس کو ضروریاتِ دین۔[1] میں شمار کر لیا جائے جس سے دین کی مخالفت بھی ہو ، ایسی بدعت کو "بدعت سیئه" اور "بدعت ضلاله" کہتے ہیں اور حضور ﷺ کے ارشاد "کل بدعة ضلالة" سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو "ضلالة" کہا جائے گا۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بدعت کے اِسی تصور کو واضح کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان (المتوفی ۱۳۲۸ھ) نے علامہ بھوپالی کے حوالے سے اپنی کتاب "هدية المهدی" میں لکھا ہے کہ:

"بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔"

---

[1] ضروریات دین اس چیز کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر بن جاتا ہے۔

بدعت آئمہ و محدّثین کی نظر میں تفصیلاً

۱۔ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی (۲۰۴ھ):

اُصول دین اور اصولِ شرعیہ میں بدعت کی تقسیم کو سب سے پہلے متعارف کروانے والے اِمام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۴۵۸ھ) نے اپنی سند کے ساتھ "مناقبِ شافعی" میں روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی تقسیم اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

و المحدثات من الأمور ضربان: أحدهما ما أحدث مخالفا كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا، فهذه البدعة الضلالة. و الثانية ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا، و هذه محدثة غير مذمومة و قد قال عمر رضي الله عنه في قيام شهر رمضان: نعمت البدعة هذه يعني: أنها محدثة لم تكن و إذ كانت فليس فيها رد لما مضى۔

"محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت یا آثارِ صحابہ یا اِجماع اُمت کے خلاف ہوں وہ بدعتِ ضلالہ کے زمرے میں آتے ہیں، اور دوسری قسم میں وہ نئے اُمور ہیں جن کو بھلائی اور خیر خواہی کے لیے انجام دیا جائے درآں حالیکہ کوئی ان میں سے کسی (امر شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور یعنی نئے کام محدثہ غیر مذمومہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ "یہ کتنی اچھی بدعت ہے" یعنی یہ ایک ایسا محدثانہ ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔"[1]

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۹۵ھ) اپنی کتاب جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم میں تقسیمِ بدعت کے تناظر میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

و قد روى الحافظ أبو نعيم ١ بإسناده عن إبراهيم بن الجنيد، حدثنا حرملة ابن يحيى قال: سمعتُ الشافعي - رحمة الله عليه - يقول: البدعة بدعتان: بدعةٌ محمودةٌ، و بدعة مذمومةٌ، فما وافق السنة فهو محمودٌ، و ما خالف السنة فهو مذمومٌ. و احتجَّ بقول عمر: نعمت البدعة هي. و مراد الشافعي - رحمه الله - ما ذكرناه مِنْ قبلُ: أنَّ البدعة المذمومة ما ليس لها أصل منَ الشريعة يُرجع إليه، و هي البدعةُ في إطلاق الشرع، و أما البدعة المحمودة فما وافق السنة، يعني: ما كان لها أصلٌ مِنَ السنة يُرجع إليه، و إنَّما هي بدعةٌ لغةً لا شرعاً، لموافقتها السنة. و قد رُوي عَنِ الشَّافعي كلام آخر يفسِّرُ هذا، و أنَّه قال: و المحدثات ضربان: ما أُحدثَ مما يُخالف كتاباً، أو سنةً، أو أثراً، أو إجماعاً، فهذه البدعة الضلال، و ما أُحدِث مِنَ الخير، لا خِلافَ فيه لواحدٍ مِنْ هذا، و هذه محدثة غيرُ مذمومة ٢. و كثير من الأمور التي حدثت، و لم يكن قد اختلفَ العلماءُ في أنَّها هل هي بدعةٌ حسنةٌ حتّى ترجع إلى السُّنة أم لا؟ فمنها: كتابةُ الحديث

[1] (معرفة السنن و الآثار دار النشر: جامعة الدراسات الإسلامية + دار و الوعي + دار قتيبة ج ۴ ص ۴۰۸)

، نهى عنه عمرُ وطائفةٌ مِنَ الصَّحابة ، ورخّص فيها الأكثرون ، واستدلوا له بأحاديث من السُّنَّة .ومنها : كتابة تفسير الحديث والقرآن ، كرهه قومٌ من العُلماء ، ورخَّصَ فيه كثيرٌ منهم .وكذلك اختلافُهم في كتابة الرَّأي في الحلال والحرام ونحوه ،وفي توسِعَةِ الكلام في المعاملات وأعمالِ القلوب التي لم تُنقل عَنِ الصحابة والتابعين۔

”حافظ ابو نعیم نے ابراہیم بن جنید کی سند سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔بدعت محمودہ

۲۔بدعت مذمومہ

بدعتَ محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے مطابق وموافق ہو اور جو بدعت سنت کے مخالف ومتناقض ہو وہ مذموم ہے۔ انہون نے حضرت عمر فاروق کے قول (نعمت البدعة هذه) سے استدلال کیا ہے اور امام شافعی کی مراد بھی یہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے بے شک بدعت مذموہہ وہ ہے جس کی کوئی اصل اور دلیل شریعت میں نہ ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہے ۔اسی پر بدعتِ شرعی کا اطلاق ہوتا ہے۔اس کے برعکس بدعتِ محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے موافق ہو یعنی شریعت میں اس کی اصل ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہو یہی بِدعت لُغوی ہے شرعی نہیں۔اس کی وضاحت میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دوسری دلیل یہ ہے کہ محدثات کی دو اقسام ہیں۔پہلی وہ بدعت جو کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اجماع اُمت کے خلاف ہو یہ بدعت ضلالہ ہے اور ایسی ایجاد جس میں خیر ہو اور وہ ان چیزوں (یعنی قرآن وسنت،اثر اور اجماع) میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو ایسی بدعت، بدعتِ غیر مذمومہ ہے اور بہت سارے اُمور ایسے ہیں جو ایجاد ہوئے جو کہ پہلے نہ تھے، ان میں علماء نے اختلاف کیا کہ کیا یہ بدعت حسنہ ہیں یا نہیں اور یہ سنت کی طرف لوٹتے ہیں یا کہ نہیں۔اور ان اُمور میں سے ایک کتابت حدیث ہے جس سے حضرت عمر فاروق اور صحابہ کے ایک گروہ نے منع کیا ہے جبکہ اکثر نے اس کی اجازت دی اور استدلال کے لیے انہوں نے کچھ احادیث پیش کی ہیں اور بدعاتِ حسنہ میں سے قرآن اور حدیث کی تفسیر وتشریح کرنا بھی ہے جسے قوم کے کچھ علماء نے ناپسند کیا ہے اور ان میں سے کثیر تعداد میں علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔اسی طرح حلال وحرام اور اس جیسے معاملات میں اپنی رائے سے لکھنے میں علماء کا اختلاف ہے اور اسی طرح معاملات اور دل کی باتیں جو کہ صحابہ اور تابعین سے صادر نہ ہوئی ہوں ان کے بارے میں گفتگو کرنے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔“[1]

---

[1] (في "الحلية" ۹/۱۱۳ .۲۲ أخرجه: البيهقي في "مناقب الشافعي" ۱/۴۶۸-۴۶۹ .۱۳الكتاب: تحقيق جامع العلوم والحكم ج۷۳ص ۲۶)

ان تمام تفصیلات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "کل بدعۃ ضلالۃ" کے مفہوم کو بعض اُمور سے مختص اور مشروط کر دیا۔ ان کے نزدیک صرف وہ بدعت، بدعت ضلالۃ ہو گی جو چار چیزوں یعنی قرآن، حدیث آثارِ صحابہ اور اجماع اُمت کی مخالف ہو اور جو ان چار چیزوں کی اُصولی طور پر مخالف نہ ہو وہ محدثہ غیر مذمومہ یعنی بدعتِ حسنہ ہو گی۔

مزید بر آں اِمام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدعت کی اس تقسیم کی بنیاد حدیثِ بخاری نعم البدعۃ ھذہ۔[1] پر رکھی۔

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۳۸۰ھ):

معروف مفسر قرآن امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی مختلف اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" جسے عرف عام میں تفسیر قرطبی کہتے ہیں میں فرماتے ہیں:

كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يجوز أن يكون لها أصل في الشرع أو لا ، فإن كان لها أصل كانت واقعة تحت عموم ما ندب الله إليه و خص رسول عليه ، فهي في حيز المدح. وإن لم يكن مثاله موجودا كنوع من الجود و السخاء و فعل المعروف ، فهذا فعله من الأفعال المحمودة ، و إن لم يكن الفاعل قد سبق إليه. و يعضد هذا قول عمر رضي الله عنه : نعمت البدعة هذه ، لما كانت من أفعال الخير و داخلة في حيز المدح ، و هي و إن كان النبي صلى الله عليه و سلم قد صلاها إلا أنه تركها و لم يحافظ عليها ، و لا جمع الناس ، عليها ، فمحافظة عمر رضي الله عنه عليها ، و جمع الناس لها ، و ندبهم إليها ، بدعة لكنها بدعة محمودة ممدوحة. و إن كانت في خلاف ما أمر الله به و رسول فهي في حيز الذم و الإنكار ، قال معناه الخطابي و غيره.

قلت : و هو معنى قوله صلى الله عليه و سلم في خطبته : "و شر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة" يريد ما لم يوافق كتابا أو سنة ، أو عمل الصحابة رضي الله عنهم ، و قد بين هذا بقول : "من سن في الإسلام سنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء و من سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء". و هذا إشارة إلى ما ابتدع من قبيح و حسن۔

"ہر بدعت جو مخلوق سے صادر ہوتی ہے دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی وہ یہ کہ اس کی اصل شریعت میں ہوتی ہے یا نہیں اگر اس کی اصل شریعت میں ہو تو پھر وہ لازمی طور پر عموم کے تحت واقع ہو گی جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلمنے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو پس یہ بدعت مقام مدح میں ہو گی اور اگر ان کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو جیسے جود و سخاء وغیرہ کی اقسام اور معروف کام تو ایسے امور کا سر انجام دینا افعال محمودہ میں سے ہے چاہے کسی نے یہ کام پہلے نہ کئے ہوں اور یہ عمل حضرت عمر فاروق کے قول، "نعمت البدعۃ ھذہ" کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے

[1] (عمدۃ القاري شرح صحيح البخاري ج ۷ ا ص ۱۵۳)

کاموں میں سے تھی اور وہ محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا پس (بعد میں مصلحت وقت کے تحت) حضرت عمر نے اس (نماز تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعت محمودہ اور ممدوحہ ہے۔ اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مقامِ ذم میں ہو گی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وشر الأمور محدثاتها و کل بدعة ضلالة'' اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ''جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور ان کے اجر میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہو گی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتدا کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہو گا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی'' اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔''[1]

۳۔ امام علی بن احمد ابن حزم الأندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۴۵۶ھ):

امام ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''الأحکام فی أصول الاحکام'' میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و البدعة کل ما قیل أو فعل مما لیس له أصل فیما نسب إلیه صلی الله علیه و سلم وهو في الدین کل ما لم یأت في القرآن ولا عن رسول الله صلی الله علیه و سلم إلا أن منها ما یؤجر علیه صاحبه ویغدر بما قصد إلیه من الخیر و منها ما یؤجر علیه صاحبه ویکون حسنا وهو ما کان أصله الإباحة کما روي عن عمر رضي الله عنه نعمت البدعة هذه وهو ما کان فعل خیر جاء النص بعموم استحبابه وإن لم یقرر عمله في النص ومنها ما یکون مذموما ولا یعذر صاحبه وهو ما قامت به الحجة علی فساده فتمادی علیه القائل به۔

''بدعت ہر اس قول اور فعل کو کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل یا دلیل نہ ہو اور اس کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف کی جائے لہٰذا دین میں ہر وہ بات بدعت ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت پر نہ ہو مگر جس

---

[1] (الجامع لأحکام القرآن الناشر: دار عالم الکتب، الریاض، المملکة العربیة السعودیة ج ۲ ص ۸۷)

نئے کام کی بنیاد خیر پر ہو تو اس کے کرنے والے کو اس کے اِرادۂ خیر کی وجہ سے اَجر دیا جاتا ہے اور یہ بدعت حسنہ ہوتی ہے اور یہ ایسی بدعت ہے جس کی اصل اباحت ہے۔ جس طرح کہ حضرت عمر فاروق کا نعمت البدعۃ ھذہ قول ہے۔ اور یہ وہی اچھا عمل تھا جس کے مستحب ہونے پر نص وارد ہوئی اگرچہ پہلے اس فعل پر صراحتاً نص نہیں تھی اور ان (بدعات) میں سے بعض افعال مذموم ہوتے ہیں لہٰذا اس کے عامل کو معذور نہیں سمجھا جاتا اور یہ ایسا فعل ہوتا ہے جس کے ناجائز ہونے پر دلیل قائم ہوتی ہے اور اس کا قائل پر سختی سے عامل ہوتا ہے۔"[1]

۴۔ اِمام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۴۵۸ھ):

امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "المدخل الی السنن الکبریٰ" میں ربیع بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: الْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْأُمُورِ ضِرْبَانِ: أَحَدُهُمَا: مَا أُحْدِثَ يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْ سَنَةً أَوْ أَثَرًا أَوْ إِجْمَاعًا, فَهَذِهِ لَبِدْعَةُ الضَّلَالَةِ. وَ الثَّانِيةُ: مَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيهِ لِوَاحِدٍ مِنْ هَذَا, فَهَذِهِ مُحْدَثَةٌ غَيْرُ مَذْمُومَةٍ وَقَدْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ: «نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ» يَعْنِي أَنَّهَا مُحْدَثَةٌ لَمْ تَكُنْ, وَإِنْ كَانَتْ فَلَيْسَ فِيهَا رَدٌّ لِمَا مَضَى۔

"محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت یا اثر صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہوں وہ بدعت ضلالہ ہے، اور دوسری قسم میں وہ نئے امور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی (امرِ شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور محدثہ غیر مذمومۃ ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ "یہ کتنی اچھی بدعت ہے"۔ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ یعنی نیا عمل ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔"[2]

۵۔ اِمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ):

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "إحياء علوم الدين" میں بدعت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهي بدعة تضاد سنة ثابتة و ترفع أمرا من الشرع مع بقاء علته بل الإبداع قد يجب في بعض الأحوال إذا تغيرت الأسباب و ليس في المائدة إلا رفع الطعام عن الأرض لتيسير الأكل و أمثال ذلک مما لا

---

[1] (الإحكام في أصول الأحكام الناشر: دار الحديث — القاهرة ج ١ ص ٤٧)

[2] (المدخل إلى السنن الكبرى الناشر: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي — الكويت ج ١ ص ٢٠٦)

كراهة فيه والأربع التي جمعت في أنها مبدعة ليست متساوية بل الأشنان حسن لما فيه من النظافة فإن الغسل مستحب للنظافة والأشنان أتم في التنظيف وكانوا لا يستعملونه لأنه ربما كان لا يعتاد عندهم أو لا يتيسر أو كانوا مشغولين بأمور أهم من المبالغة في النظافة فقد كانوا لا يغسلون اليد أيضا وكانت مناديلهم أخمص أقدامهم وذلك لا يمنع كون الغسل مستحبا وأما المنخل فالمقصود منه تطييب الطعام وذلك مباح ما لم ينته إلى التنعم المفرط وأما المائدة فتيسير للأكل وهو أيضا مباح ما لم ينته إلى الكبر والتعاظم وأما الشبع فهو أشد هذه الأربعة فإنه يدعو إلى تهييج الشهوات وتحريك الأدواء في البدن فلتدرك التفرقة بين هذه المبدعات۔

”ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف بدعت وہ ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اٹھادے (مزیں بر آں) بعض احوال میں جب اسباب متغیر ہو جائیں تو بدعت واجب ہو جاتی ہے اور بلند دستر خوان میں یہی بات تو ہے کہ کھانے کی آسانی کے لیے کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے اور قسم کے کاموں میں کراہت نہیں ہوتی۔ جن چار باتوں کو جمع کیا گیا کہ یہ بدعت ہیں تو یہ سب برابر بھی نہیں ہیں بلکہ اُشنان (ایک بوٹی جو صفائی کے کام آتی ہے) اچھی چیز ہے کیونکہ اس میں نظافت ہے۔ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل مستحب ہے اور اُشنان اس نظافت کو مکمل کرتی ہے اور اسے لوگ اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ ان کی عادت نہیں تھی یا انہیں حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یا وہ نظافت سے زیادہ اہمیت کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے۔ اسی طرح چھلنی سے مقصود کھانے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے جب تک حد سے متجاوز عیاشی کی طرف نہ لے جائے۔ اونچے دستر خوان سے چونکہ کھانا کھانے میں آسانی ہوتی ہے لٰہذا یہ بھی جائز ہے جب تک تکبر اور بڑائی پیدا نہ کرے شکم سیری ان چاروں میں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے خواہشات ابھرتی ہیں اور بدن میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو ان چارون بدعات میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔“[1]

۶۔ اِمام مبارک بن محمد اِبن اَثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ):

علامہ ابنِ اثیر جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیثِ عمر ”نِعْمَت البِدْعة هذه“ کے تحت بدعت کی اقسام اور ان کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة بِدْعَتَان: بدعة هُدًى وبدعة ضلال فما كان في خلاف ما أَمَر اللّٰہ به ورسوله صلى الله عليه وسلم فهو في حَيِّز الذّم والإنكار وما كان واقعا تحت عُموم ما نَدب اللّٰہ إليه وحَضَّ عليه اللّٰہ أو رسوله فهو في حيز المدح وما لم يكن له مثال موجود كنَوْع من الجُود والسخاء وفعْل المعروف فهو من الأفعال المحمودة ولا يجوز أن يكون ذلك في خلاف ما وَرَدَ الشرع به لأن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قد جَعل له في ذلك ثوابا فقال [من سَنّ سُنة حسَنة كان له أجْرها

[1] (إحياء علوم الدين ج ۲ ص ۳۱۳)

وأجرُ من عَمِلَ بها] وقال في ضِدّه [ومن سنّ سُنة سيئة كان عليه وِزْرُها وَوِزْرُ من عَمِلَ بها] وذلك إذا كان في خلاف ما أمر الله به ورسوله صلى الله عليه وسلم . ومن هذا النوع قولُ عمر رضي الله عنه : نِعْمَت البدعة هذه . لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة في حيز المدح سماها بدعة ومدَحها لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يَسَنَّها لهم وإنما صلاّها لَيالِيَ ثم تَركَها ولم يحافظ عليها ولا جَمع الناسَ لها ولا كانت في زمن أبي بكر وإنما عمر رضي الله عنه جمع الناس عليها ونَدَبهم إليها فبهذا اسمّاها بدعة وهي على الحقيقة سُنّة لقوله صلى الله عليه وسلم [عليكم بسُنَّتي وسنَّة الخلفاء الراشِدين من بعْدي] وقوله [اقتدُوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر] وعَلَى هذا التأويل يُحمل الحديث الآخر [كل مُحْدَثة بدعةٌ] إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السُّنَّة۔

”بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس حکم پر راغب کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے اچھے کاموں کی ابتداء اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے برعکس جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو اور اسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ کے بارے میں سیدنا عمر فاروق کا یہ قول: ”نعمت البدعة هذه“ ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے باجماعت نماز تراویح کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر باجماعت پڑھنا ترک کر دیا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہ محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر کے دور میں باجماعت پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق (کا دور آیا تو) آپ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول ” عليكم بسُنَّتي وسنَّة الخلفاء الراشِدين من بعْدي “اور اس قول ” اقتدُوا

باللذين من بعدي أبي بكر وعمر " کی وجہ حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث "کل محدثة بدعة" کو اُصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔[1]

۷۔ اِمام عزالدین عبد العزیز بن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ السلمی الشافعی (۶۶۰ھ):

امام عزالدین عبد العزیز بن عبد السلام السلمی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے اُصولی، محدّث اور امام تھے۔ اھل زمانہ نہیں "سلطان العلماء" کے نام سے پکارتے تھے۔[2]

وہ اپنی کتاب "قواعد الأحکام فی مصالح الأنام" میں بدعت کی پانچ اقسام اور ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الْبِدْعَةُ فِعْلُ مَا لَمْ يُعْهَدْ فِي عَصْرِ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -. وَهِيَ مُنْقَسِمَةٌ إلَى: بِدْعَةٌ وَاجِبَةٌ، وَبِدْعَةٌ مُحَرَّمَةٌ، وَبِدْعَةٌ مَنْدُوبَةٌ، وَبِدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ، وَبِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ، وَالطَّرِيقُ فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَنْ تُعْرَضَ الْبِدْعَةُ عَلَى قَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ: فَإِنْ دَخَلَتْ فِي قَوَاعِدِ الْإِيجَابِ فَهِيَ وَاجِبَةٌ، وَإِنْ دَخَلَتْ فِي قَوَاعِدِ التَّحْرِيمِ فَهِيَ مُحَرَّمَةٌ، وَإِنْ دَخَلَتْ فِي قَوَاعِدِ الْمَنْدُوبِ فَهِيَ مَنْدُوبَةٌ، وَإِنْ دَخَلَتْ فِي قَوَاعِدِ الْمَكْرُوهِ فَهِيَ مَكْرُوهَةٌ، وَإِنْ دَخَلَتْ فِي قَوَاعِدِ الْمُبَاحِ فَهِيَ مُبَاحَةٌ، وَلِلْبِدَعِ الْوَاجِبَةِ أَمْثِلَةٌ. أَحَدُهَا: الِاشْتِغَالُ بِعِلْمِ النَّحْوِ الَّذِي يُفْهَمُ بِهِ كَلَامُ اللهِ وَكَلَامُ رَسُولِهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وَذَلِكَ وَاجِبٌ لِأَنَّ حِفْظَ الشَّرِيعَةِ وَاجِبٌ وَلَا يَتَأَتَّى حِفْظُهَا إلَّا بِمَعْرِفَةِ ذَلِكَ، وَمَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ. الْمِثَالُ الثَّانِي: حِفْظُ غَرِيبِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ اللُّغَةِ. الْمِثَالُ الثَّالِثُ: تَدْوِينُ أُصُولِ الْفِقْهِ. الْمِثَالُ الرَّابِعُ: الْكَلَامُ فِي الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ لِتَمْيِيزِ الصَّحِيحِ مِنْ السَّقِيمِ، وَقَدْ دَلَّتْ قَوَاعِدُ الشَّرِيعَةِ عَلَى أَنَّ حِفْظَ الشَّرِيعَةِ فَرْضُ كِفَايَةٍ فِيمَا زَادَ عَلَى الْقَدْرِ الْمُتَعَيِّنِ، وَلَا يَتَأَتَّى حِفْظُ الشَّرِيعَةِ إلَّا بِمَا ذَكَرْنَاهُ. وَلِلْبِدَعِ الْمُحَرَّمَةِ أَمْثِلَةٌ. مِنْهَا: مَذْهَبُ الْقَدَرِيَّةِ، وَمِنْهَا مَذْهَبُ الْجَبْرِيَّةِ، وَمِنْهَا مَذْهَبُ الْمُرْجِئَةِ، وَمِنْهَا مَذْهَبُ الْمُجَسِّمَةِ، وَالرَّدُّ عَلَى هَؤُلَاءِ مِنْ الْبِدَعِ الْوَاجِبَةِ. وَلِلْبِدَعِ الْمَنْدُوبَةِ أَمْثِلَةٌ. مِنْهَا: إحْدَاثُ الرُّبُطِ وَالْمَدَارِسِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ، وَمِنْهَا كُلُّ إحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الْعَصْرِ الْأَوَّلِ، وَمِنْهَا: صَلَاةُ التَّرَاوِيحِ، وَمِنْهَا الْكَلَامُ فِي دَقَائِقِ التَّصَوُّفِ، وَمِنْهَا الْكَلَامُ فِي الْجَدَلِ فِي جَمْعِ الْمَحَافِلِ لِلِاسْتِدْلَالِ عَلَى الْمَسَائِلِ إذَا قُصِدَ بِذَلِكَ وَجْهُ اللهِ سُبْحَانَهُ. وَلِلْبِدَعِ الْمَكْرُوهَةِ أَمْثِلَةٌ. مِنْهَا: زَخْرَفَةُ الْمَسَاجِدِ، وَمِنْهَا تَزْوِيقُ الْمَصَاحِفِ، وَأَمَّا تَلْحِينُ الْقُرْآنِ بِحَيْثُ تَتَغَيَّرُ أَلْفَاظُهُ عَنْ الْوَضْعِ الْعَرَبِيِّ، فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مِنْ الْبِدَعِ الْمُحَرَّمَةِ. وَلِلْبِدَعِ الْمُبَاحَةِ أَمْثِلَةٌ. مِنْهَا: الْمُصَافَحَةُ عَقِيبَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ، وَمِنْهَا التَّوَسُّعُ فِي اللَّذِيذِ مِنْ الْمَآكِلِ وَالْمَشَارِبِ وَالْمَلَابِسِ وَالْمَسَاكِنِ، وَلُبْسِ الطَّيَالِسَةِ، وَتَوْسِيعِ الْأَكْمَامِ. وَقَدْ يُخْتَلَفُ فِي بَعْضِ ذَلِكَ، فَيَجْعَلُهُ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ مِنْ الْبِدَعِ

---

[1] (النهاية في غريب الحديث والأثر الناشر: المكتبة العلمية - بيروت، ١٣٩٩هـ - ١٩٧٩م ج ١ ص ٢٦٧)

[2] (ابن سبكی، طبقات الشافعية ج ٨ ص ٢٠٩)

الْمَكْرُوهَةِ, وَيَجْعَلُهُ آخَرُونَ مِنَ السُّنَنِ الْمَفْعُولَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَمَا بَعْدَهُ, وَذَلِكَ كَالِاسْتِعَاذَةِفِي الصَّلَاةِوَالْبَسْمَلَةِ۔

"بدعت سے مراد وہ فعل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے میں نہ کیا گیا ہو، بدعت کی حسبِ ذیل اقسام ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراھت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن وحدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن وحدیث کا علم حاصل کیے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کیلیئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ، جبریہ، مرجیہ ٔاور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں باجماعت) نماز تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلیئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعاتِ مکروہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب وزینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سُر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ درست یہ ہے کہ بدعتِ محرمہ ہے۔ بدعات مباحۃ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر (کی نماز) کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیص پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوّذ وتسمیہ جھراً پھڑنے کے سنت ہونے میں یا نہ ہونے کا اختلاف ہے۔"[1]

---

[1] (قواعدالأحكام في مصالح الأنام الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية – القاهرة ج ٢ ص ٢٠٥، ٢٠٤)

۸۔ امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ):

اِمام اَبوزکریا محی الدین بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اعتقاد اور مذہب بھی یہی ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ وہ بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "تهذيب الأسماء واللغات" میں فرماتے ہیں:

البِدعة في الشرع هي إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وهي منقسمة إلى: حسنة وقبيحة. قال الشيخ الإمام المجمع على إمامته وجلالته وتمكنه في أنواع العلوم وبراعته أبو محمد عبد العزيز بن عبد السلام رحمه الله ورضي عنه في آخر كتاب "القواعد": البدعة منقسمة إلى: واجبة، ومحرمة، ومندوبة، ومكروهة، ومباحة. قال: والطريق في ذلك أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة، فإن دخلت في قواعد الإيجاب فهي واجبة، أو في قواعد التحريم فمحرمة، أو الندب فمندوبة، أو المكروه فمكروهة، أو المباح فمباحة، وللبدع الواجبة أمثلة منها: الاشتغال بعلم النحو الذي يفهم به كلام الله تعالى وكلام رسول الله - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وذلك واجب؛ لأن حفظ الشريعة واجب، ولا يتأتى حفظها إلا بذلك وما لا يتم الواجب إلا به، فهو واجب، الثاني حفظ غريب الكتاب والسنة في اللغة، الثالث تدوين أصول الدين وأصول الفقه، الرابع الكلام في الجرح والتعديل، وتمييز الصحيح من السقيم، وقد دلت قواعد الشريعة على أن حفظ الشريعة فرض كفاية فيما زاد على المتعين ولا يتأتى ذلك إلا بما ذكرناه، وللبدع المحرمة أمثلة منها: مذاهب القدرية والجبرية والمرجئة والمجسمة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة، وللبدع المندوبة أمثلة منها إحداث الرُبط والمدارس، وكل إحسان لم يعهد في العصر الأول، ومنها التراويح، والكلام في دقائق التصوف، وفي الجدل، ومنها جمع المحافل للاستدلال إن قصد بذلك وجه الله تعالى. وللبدع المكروهة أمثلة: كزخرفة المساجد، وتزويق المصاحف، وللبدع المباحة أمثلة: منها المصافحة عقب الصبح والعصر، ومنها: التوسع في اللذيذ من المآكل، والمشارب، والملابس، والمساكن، ولبس الطيالسة، وتوسيع الأكمام. وقد يختلف في بعض ذلك فيجعله بعض العلماء من البدع المكروهة، ويجعله آخرون من السنن المفعولة في عهد رسول الله - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فما بعده، وذلك كالاستعاذة في الصلاة والبسملة فيها۔

"شریعت میں بدعت سے مراد وہ امور ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے میں نہ تھے، بدعت کو بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور شیخ عبد العزیز بن عبد السلام "كتاب القواعد" میں فرماتے ہیں۔ بدعت کو بدعت واجبۃ، محرمۃ، مندوبۃ، مکروھۃ اور مباحۃ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعدِ شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراھت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن وحدیث کا علم

حاصل کیے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا ہے جبکہ چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ، جبریہ ،مرجیہ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند منزلہ عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں) باجماعت تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعات مکروھہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب وزینت، (متاخرین فقہاء نے ااس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ بدعت محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیض پہننا، ان امور میں اختلاف ہے بعض علماء نے ان امور کو بدعاتِ مکروھۃ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہد رسالت او رعہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوّذ وتسمیہ جھراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔"[1]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **شرح صحیح مسلم** میں بدعت کی اقسام اور پھر ان میں سے ہر قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله: "وكلُّ بدعة ضلالة" هذا عامّ مخصوص، والمراد: غالب البِدَع, قال أهل اللغة: هي كلُّ شيءعُمِل على غير مثال سابق. قال العلماء: البدعة خمسة أقسام: واجبة، ومندوبة، ومُحَرَّمة، ومكروهة، ومباحة، فمن الواجبة نظم أدلة المتكلمين للردّ على الملاحدة والمبتدعين، وشبه ذلک، ومن المندوبة تصنيف كتب العلم، وبناء المدارس والربط، وغير ذلک، ومن المباح التبسط في ألوان الأطعمة، وغير ذلک، والحرام والمكروه ظاهران. فإذا عُرِف ما ذكرته عُلِم أن الحديث من العام المخصوص، وكذا ما أشبهه من الأحاديث الواردة, ويؤيد ما قلناه قول عمر بن الخطاب -رضي اللهَ عنه- في التراويح: نعمت البدعة، ولا يَمنَع من كون الحديث عامًا مخصوصًا قوله: "كل بدعة" مؤكدًا "بكل" بل يدخله التخصيص مع ذلک، كقوله تعالى: {تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ} (الأحقاف: ٢٥)

---

[1] (تهذيب الأسماء واللغات ج٣ص٢٣, ٢٢)

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان کہ ''ہر بدعت ضلالت ہے'' عام مخصوص ہے۔ عام طور پر اس سے مراد بدعتِ سیئہ لیا جاتا ہے اہل لغت نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس پر مثالِ سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ بدعت ہے۔ علماء نے بدعت کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ بیان کہ ہیں۔ بدعت واجبہ کی مثال متکلمین کے دلائل کو ملحدین، مبتدعین اور اس جیسے دیگر امور کے رد کے لئے استعمال کرنا ہے اور بدعتِ مستحبہ کی مثال جیسے کتب تصنیف کرنا، مدارس، سرائے اور اس جیسی دیگر چیزیں تعمیر کرنا۔ بدعت مباح کی مثال یہ ہے کہ مختلف انواع کے کھانے اور اس جیسی چیزوں کو اپنانا ہے جبکہ بدعت حرام اور مکروہ واضح ہیں اور اس مسئلہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ میں نے ''تهذيب الأسماء واللغات'' میں واضح کر دیا ہے۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اگر اس کی پہچان ہو جائے گی تو پھر یہ سمجھنا آسان ہے کہ یہ حدیث اور دیگر ایسی احادیث جو ان سے مشابہت رکھتی ہیں عام مخصوص میں سے تھیں اور جو ہم نے کہا اس کی تائید حضرت عمر فاروق کا قول: ''نعمت البدعة'' کرتا ہے اور یہ بات حدیث کو عام مخصوص کے قاعدے سے خارج نہیں کرتی۔ قول ''كل بدعة'' لفظ ''كل'' کے ساتھ مؤکد ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تخصیص شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ} (الأحقاف: ٢٥) کہ (وہ ہر چیز کو اُکھاڑ پھینکے گی) میں تخصیص شامل ہے۔[1]

۹۔ امام شہاب الدین احمد القرافی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۶۸۴ھ):

معروف مالکی فقیہ امام شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفصیل کے ساتھ بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''انوار البروق فی انوار الفروق'' میں رقمطراز ہیں:

الْبِدَعِ خَمْسَةُ أَقْسَامٍ (قِسْمٌ) وَاجِبٌ ، وَهُوَ مَا تَتَنَاوَلُهُ قَوَاعِدُ الْوُجُوبِ وَأَدِلَّتُهُ مِنْ الشَّرْعِ كَتَدْوِينِ الْقُرْآنِ وَالشَّرَائِعِ إذَا خِيفَ عَلَيْهَا الضَّيَاعُ فَإِنَّ التَّبْلِيغَ لِمَنْ بَعْدَنَا مِنْ الْقُرُونِ وَاجِبٌ إجْمَاعًا، وَإِهْمَالُ ذَلِكَ حَرَامٌ إجْمَاعًا فَمِثْلُ هَذَا النَّوْعِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُخْتَلَفَ فِي وُجُوبِهِ (الْقِسْمُ الثَّانِي): مُحَرَّمٌ، وَهُوَ بِدْعَةٌ تَنَاوَلَتْهَا قَوَاعِدُ التَّحْرِيمِ وَأَدِلَّتُهُ مِنْ الشَّرِيعَةِ كَالْمُكُوسِ وَالْمُحْدَثَاتِ مِنْ الْمَظَالِمِ الْمُنَافِيَةِ لِقَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ كَتَقْدِيمِ الْجُهَّالِ عَلَى الْعُلَمَاءِ وَتَوْلِيَةِ الْمَنَاصِبِ الشَّرْعِيَّةِ مَنْ لَا يَصْلُحُ لَهَا بِطَرِيقِ التَّوَارُثِ وَجَعْلِ الْمُسْتَنَدِ لِذَلِكَ كَوْنُ الْمَنْصِبِ كَانَ لِأَبِيهِ، وَهُوَ فِي نَفْسِهِ لَيْسَ بِأَهْلٍ (الْقِسْمُ الثَّالِثُ) مِنْ الْبِدَعِ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ، وَهُوَ مَا تَنَاوَلَتْهُ قَوَاعِدُ النَّدْبِ وَأَدِلَّتُهُ مِنْ الشَّرِيعَةِ كَصَلَاةِ التَّرَاوِيحِ وَإِقَامَةِ صُوَرِ الْأَئِمَّةِ وَالْقُضَاةِ وَوُلَاةِ الْأُمُورِ عَلَى خِلَافِ مَا كَانَ عَلَيْهِ أَمْرُ الصَّحَابَةِ بِسَبَبِ أَنَّ الْمَصَالِحَ وَالْمَقَاصِدَ الشَّرْعِيَّةَ لَا تَحْصُلُ إلَّا بِعَظَمَةِ الْوُلَاةِ فِي نُفُوسِ النَّاسِ، وَكَانَ النَّاسُ فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ مُعْظَمُ تَعْظِيمِهِمْ إنَّمَا هُوَ بِالدِّينِ وَسَابِقِ الْهِجْرَةِ ثُمَّ اخْتَلَّ النِّظَامُ وَذَهَبَ ذَلِكَ الْقَرْنُ وَحَدَثَ قَرْنٌ آخَرُ لَا يُعَظِّمُونَ إلَّا بِالصُّوَرِ فَيَتَعَيَّنُ تَفْخِيمُ الصُّوَرِ حَتَّى تَحْصُلَ الْمَصَالِحُ، وَقَدْ

---

[1] (البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج الناشر: دار ابن الجوزي ج ١٧ ص ٢٦٤)

كَانَ عُمَرُ يَأْكُلُ خُبْزَ الشَّعِيرِ وَالْمِلْحَ وَيَفْرِضُ لِعَامِلِهِ نِصْفَ شَاةٍ كُلَّ يَوْمٍ لِعِلْمِهِ بِأَنَّ الْحَالَةَ الَّتِي هُوَ عَلَيْهَا لَوْ عَمِلَهَا غَيْرُهُ لَهَانَ فِي نُفُوسِ النَّاسِ، وَلَمْ يَحْتَرِمُوهُ وَتَجَاسَرُوا عَلَيْهِ بِالْمُخَالَفَةِ فَاحْتَاجَ إِلَى أَنْ يَضَعَ غَيْرَهُ فِي صُورَةٍ أُخْرَى لِحِفْظِ النِّظَامِ، وَلِذَلِكَ لَمَّا قَدِمَ الشَّامَ وَوَجَدَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ قَدْ اتَّخَذَ الْحُجَّابَ وَأَرْخَى الْحِجَابَ، وَاتَّخَذَ الْمَرَاكِبَ النَّفِيسَةَ وَالثِّيَابَ الْهَائِلَةَ الْعَلِيَّةَ، وَسَلَكَ مَا يَسْلُكُهُ الْمُلُوكُ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: إِنَّا بِأَرْضٍ نَحْنُ فِيهَا مُحْتَاجُونَ لِهَذَا فَقَالَ لَهُ لَا آمُرُكَ، وَلَا أَنْهَاكَ وَمَعْنَاهُ أَنْتَ أَعْلَمُ بِحَالِكَ هَلْ أَنْتَ مُحْتَاجٌ إِلَى هَذَا فَيَكُونُ حَسَنًا أَوْ غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَيْهِ فَدَلَّ ذَلِكَ مِنْ عُمَرَ وَغَيْرِهِ عَلَى أَنَّ أَحْوَالَ الْأَئِمَّةِ وَوُلَاةِ الْأُمُورِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَعْصَارِ وَالْأَمْصَارِ وَالْقُرُونِ وَالْأَحْوَالِ فَلِذَلِكَ يَحْتَاجُونَ إِلَى تَجْدِيدِ زَخَارِفَ وَسِيَاسَاتٍ لَمْ تَكُنْ قَدِيمًا وَرُبَّمَا وَجَبَتْ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ (الْقِسْمُ الرَّابِعُ) بِدَعٌ مَكْرُوهَةٌ، وَهِيَ مَا تَنَاوَلَتْهُ أَدِلَّةُ الْكَرَاهَةِ مِنْ الشَّرِيعَةِ وَقَوَاعِدِهَا كَتَخْصِيصِ الْأَيَّامِ الْفَاضِلَةِ أَوْ غَيْرِهَا بِنَوْعٍ مِنْ الْعِبَادَاتِ وَمِنْ ذَلِكَ فِي الصَّحِيحِ مَا خَرَّجَهُ مُسْلِمٌ وَغَيْرُهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {نَهَى عَنْ تَخْصِيصِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ أَوْ لَيْلَتِهِ} بِقِيَامٍ، وَمِنْ هَذَا الْبَابِ الزِّيَادَةُ فِي الْمَنْدُوبَاتِ الْمَحْدُودَاتِ كَمَا وَرَدَ فِي التَّسْبِيحِ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ ثَلَاثَةً وَثَلَاثِينَ فَيُفْعَلُ مِائَةٌ وَوَرَدَ صَاعٌ فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ فَيُجْعَلُ عَشَرَةُ آصُعٍ بِسَبَبِ أَنَّ الزِّيَادَةَ فِيهَا إظْهَارُ الِاسْتِظْهَارِ عَلَى الشَّارِعِ، وَقِلَّةُ أَدَبٍ مَعَهُ بَلْ شَأْنُ الْعُظَمَاءِ إذَا حَدَّدُوا شَيْئًا وُقِفَ عِنْدَهُ، وَالْخُرُوجُ عَنْهُ قِلَّةُ أَدَبٍ وَالزِّيَادَةُ فِي الْوَاجِبِ أَوْ عَلَيْهِ أَشَدُّ فِي الْمَنْعِ، لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى أَنْ يُعْتَقَدَ أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْأَصْلُ، وَالْمَزِيدُ عَلَيْهِ وَلِذَلِكَ نَهَى مَالِكٌ عَنْ إيصَالِ سِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ لِئَلَّا يُعْتَقَدَ أَنَّهَا مِنْ رَمَضَانَ وَخَرَّجَ أَبُو دَاوُد فِي سُنَنِهِ {أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ إلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ فَصَلَّى الْفَرْضَ وَقَامَ لِيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اجْلِسْ حَتَّى تَفْصِلَ بَيْنَ فَرْضِكَ وَنَفْلِكَ فَبِهَذَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا فَقَالَ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَصَابَ اللَّهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ} يُرِيدُ عُمَرُ أَنَّ مَنْ قَبْلَنَا وَصَلُوا النَّوَافِلَ بِالْفَرَائِضِ فَاعْتَقَدُوا الْجَمِيعَ وَاجِبًا، وَذَلِكَ تَغْيِيرٌ لِلشَّرَائِعِ، وَهُوَ حَرَامٌ إجْمَاعًا (الْقِسْمُ الْخَامِسُ) الْبِدَعُ الْمُبَاحَةُ، وَهِيَ مَا تَنَاوَلَتْهُ أَدِلَّةُ الْإِبَاحَةِ وَقَوَاعِدُهَا مِنْ الشَّرِيعَةِ كَاتِّخَاذِ الْمَنَاخِلِ لِلدَّقِيقِ فَفِي الْآثَارِ أَوَّلُ شَيْءٍ أَحْدَثَهُ النَّاسُ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتِّخَاذُ الْمَنَاخِلِ لِلدَّقِيقِ، لِأَنَّ تَلْيِينَ الْعَيْشِ وَإِصْلَاحَهُ مِنْ الْمُبَاحَاتِ فَوَسَائِلُهُ مُبَاحَةٌ۔

"بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد وجوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔ بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعاً حرام ہے۔ اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔ دوسری قسم بدعت محرومہ ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔ جیسے ٹیکس اور ایسے نئے ظالمانہ امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔ جیسے جہلا کو علماء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو وراثتی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باپ کے لیے تھا اور وہ بذات خود اس منصب کا اہل نہ ہو اور تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو

قواعد استحباب پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت و خیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویروں کو آویزاں کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابق الھجرہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے پھر نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آگیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہٰذا تصویروں کی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔ یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہو گئیں اور اسی طرح حضرت عمر خود تو جو کی روٹی اور نمک کھایا کرتے تھے جبکہ اپنے عاملین کے لئے آدھی بکری روزانہ مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہٰذا یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کئے ہوئے اور پردہ لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح پیش آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق نے ان سے کہا کہ نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر اور دوسروں کے نظائر سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور امور سلطنت، زمانے، شہروں، صدیوں کے بدل جانے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح انہیں حسن معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ احوال پرانے نہ ہو جائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہو جاتی ہیں اور چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائلِ کراہت پر مشتمل ہوتی ہے جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت اَیام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے مختص کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تینتیس بار تسبیح کرنا آیا ہے پھر ان کو سو بار کیا جائے، اور اسی طرح زکوٰۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعات بنا دیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع پر جرأت اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے روکا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سرتابی سوءِ ادب ہے لہٰذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی

سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پنپتا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے شوال کے چھ (روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اس طرح امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں داخل ہوا پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ ہم سے پہلے لوگوں نے نوافل کو فرائض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ اجماعاً حرام ہے اور پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد وضوابط میں اباحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آٹا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آثار میں پہلی چیز جو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد ایجاد کی وہ تھی "اتخاذ المناخل للدقیق" یعنی آٹا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس کے تمام وسائل بھی مباح میں سے ہیں۔[1]

۱۰۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۷۱۱ھ):

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی اپنی معروف کتاب "لسان العرب" میں علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۶۰۶ھ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حدیث پاک "کل محدثۃ بدعۃ" سے مراد صرف وہ کلام ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور وہ بدعت جو شریعت سے متعارض نہ ہو وہ جائز ہے، لکھتے ہیں:

والبدعة: الحدث وما ابتدع من الدين بعد الإكمال ابن السكيت البدعة كل محدثة وفي حديث عمر رضي الله عنه في قيام رمضان نعمت البدعة هذه ابن الأثير البدعة بدعتان بدعة هدى وبدعة ضلال فما كان في خلاف ما أمر الله به ورسوله صلى الله عليه وسلم فهو في حيز الذم والإنكار وما كان واقعا تحت عموم ما ندب الله إليه وحض عليه أو رسوله فهو في حيز المدح وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسخاء وفعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة ولا يجوز أن يكون ذلك في خلاف ما ورد الشرع به لأن النبي صلى الله عليه وسلم قد جعل له في ذلك ثوابا فقال من سن سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها وقال في ضده من سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من

---

[1] (أنوار البروق في أنواع الفروق ج٨ص٢١٧، ٢١٨، ٢١٩)

عمل بها وذلک إذا كان في خلاف ما أمر الله به ورسوله قال ومن هذا النوع قول عمر رضي الله عنه نعمت البدعة هذه لما كانت من أفعال الخير وداخلة في حيز المدح سماها بدعة ومدحها لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يسنها لهم وإنما صلاها ليالي ثم تركها ولم يحافظ عليها ولا جمع الناس لها ولا كانت في زمن أبي بكر وإنما عمر رضي الله عنهما جمع الناس عليها وندبهم إليها فبهذا سماها بدعة وهي على الحقيقة سنة لقوله صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي وقوله صلى الله عليه وسلم اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر وعلى هذا التأويل يحمل الحديث الآخر كل محدثة بدعة إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السنة۔

بدعت سے مراد اِحداث ہے یاہر وہ کام جو اِکمال دین کے بعد کسی دینی مصلحت کے پیشِ نظر شروع کیا گیا ہو۔ ابن سکیت کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جیسا کہ قیام رمضان کے حوالے سے حضرت عمر کی حدیث میں ہے **نعمت البدعة هذه** ابن اثیر کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ جو کلام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو تو یہ امر محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجز بھی ملے گا اور اس کے برعکس یہ بھی فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برای کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو۔ اور اسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ میں سے سیدنا عمر فاورق کا یہ قول ”**نعمت البدعة هذه**“ ہے پس جب کوئی کام افعال خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے تو بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (باجماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر مخالفت نہ فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا بعد ازاں نہ ہی یہ صدیق اکبر کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول ”**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء**

الراشدين من بعدي " اور اس قول "اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر " کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث "كل محدثة بدعة" کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔[1]

۱۱۔علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ):

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "منهاج السنة" میں لغوی بدعت اور شرعی بدعت کو واضح کرتے ہوئے "نعمت البدعة هذه" کے ذیل میں بیان کرتے ہیں:

إنما سماه بدعة لأن ما فعل ابتداءً يسمى بدعة في اللغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإن البدعة الشرعية التي هي ضلالة هي ما فعل بغير دليل شرعي۔

"اسے بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اس انداز میں نہیں ہوا تھالہٰذا یہ بدعتِ لغوی ہے بدعتِ شرعی نہیں ہے کیونکہ بدعتِ شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیل شرعی کے بغیر سرانجام دی جائے۔"[2]

علامہ ابن تیمیہ "بدعت حسنه" اور "بدعت ضلالة" کے مفہوم کو مزید واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن هنا يعرف ضلال من ابتدع طريقا أو اعتقادا زعم أن الايمان لا يتم الا به مع العلم بأن الرسول لم يذكره وما خالف النصوص فهو بدعة باتفاق المسلمين وما لم يعلم أنه خالفها فقد لا يسمى بدعة قال الشافعي رحمه الله البدعة بدعتان بدعة خالفت كتابا وسنة وإجماعا وأثرا عن بعض (أصحاب) رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذه بدعه ضلاله وبدعه لم تخالف شيئا من ذلک فهذه قد تكون حسنة لقول عمر نعمت البدعة هذه هذا الكلام أو نحوه رواه البيهقي باسناده الصحيح في المدخل۔

"اور اس کلام سے لفظ "ضلال" کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسے بیان نہیں کیا کسی طریقے یا عقیدے کی ابتدا اس گمان سے کی کہ بے شک ایمان اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تو یہ "ضلال" ہے اور جو چیز نصوص کے مخالف ہو وہ مسلمانوں کی اِتفاق رائے کے ساتھ بدعت ہے۔ اور جس چیز کے بارے یہ معلوم نہ ہو کہ اس سے کتاب و سنت کی مخالفت ہوتی ہے ایسی چیز کو بدعت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اور امام شافعی نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ بدعت جو قرآن و سنت، اجماع اور بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اقوال کے خلاف ہو تو وہ بدعت ضلالہ ہے۔ اور جو بدعت ان تمام چیزوں (یعنی قرآن و سنت، اجماع اور آثارِ

---

[1] (لسان العرب-ابن منظور الافريقى الكتاب: لسان العرب الناشر: دار صادر-بيروت ج۸ ص ۲)

[2] (مختصر منهاج السنة ج۲ ص ۱۹۴)

صحابہ) میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہی بدعت حسنہ ہے۔ جیسے حضرت عمر کا قول ہے "نعمت البدعة هذه" یہ یا اس جیسا دوسرا بیان اسے امام بیہقی نے اپنی صحیح اسناد کے ساتھ "المدخل" میں روایت کیا ہے۔"[1]

۱۲۔ امام حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۷۴ھ):

حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن کثیر اپنی تفسیر "تفسیر القرآن العظیم" میں بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة على قسمين: تارة تكون بدعة شرعية, كقوله: «فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة», وتارة تكون بدعة لغوية, كقول أمير المؤمنين عمر بن الخطاب عن جمعه إياهم على صلاة التراويح واستمرارهم: نعمت البدعة هذه۔

"بدعت کی دو قسمیں ہیں بعض اوقات یہ بدعت شرعیۃ ہوتی ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے کہ "فإن کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة" اور بعض اوقات یہ بدعت لغویہ ہوتی ہے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق کا لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کرتے اور دوام کی ترغیب دیتے وقت فرمان "نعمت البدعة هذه" ہے۔"

مذکورہ بحث میں حافظ ابنِ کثیر نے بدعت کو بدعتِ شرعیہ اور بدعت لغویۃ میں تقسیم کر دیا۔ اس میں بدعتِ ضلالۃ کو بدعتِ شرعیہ کا نام دیا ہے ان کے نزدیک ہر بدعت ضلالت و گمراہی نہیں بلکہ صرف "کل بدعة سيئة ضلالة" ہے۔ بصورت دیگر وہ اُسے بدعت لغویہ کہتے ہیں۔ وہ اس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق کے قول "نعمت البدعة هذه"[2] میں بدعت سے مراد بدعتِ لغوی ہے نہ کہ بدعت ضلالۃ۔[3]

اہم نکتہ:

اِبن تیمیہ اور حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عمر فاروق کے فرمان "نعمت البدعة هذه" میں بدعت کو بدعتِ لغوی شمار کیا ہے حالانکہ سیدنا عمر فاروق نے کہیں نہیں فرمایا کہ "هذه بدعة لغوية" بلکہ انہوں نے بدعت کے ساتھ

---

[1] (کتب ورسائل وفتاوی شیخ الإسلام ابن تیمیة الناشر مکتبة ابن تیمیة ۲۰ ص ۱۶۳)

[2] (بیهقی، شعب الایمان ج۳ ص۱۷۷ رقم ۳۲۶۹)

[3] (تفسیر القرآن العظیم-ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۵)

لفظ "نعم" استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اسے نعم البدعۃ یا بدعتِ حسنہ کہا ہے۔ اِس مفہوم کی شہادت قرآن میں بھی موجود ہے۔

سورۃ ص میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ سورۃ ص: ۳۰

ترجمہ: " سلیمان عطا فرمایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا۔"

اس آیتا میں لفظ "نِعْمَ" استعمال ہوا ہے اس کا معنی لغوی نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی "اچھا" یعنی "حسنہ" ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ سیدنا عمر فاروق نے جسے "نعم البدعۃ ھذہ" کہا ہے لغت ہی کی رو سے اُس کا معنی بدعت حسنہ بنتا ہے۔ یعنی باعتبارِ لغت بدعتِ لغوی سے مراد بدعتِ حسنہ ہے۔

۱۳۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۷۹۰ھ):

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے اُصولی، محدّث اور فقیہ ہیں۔ آپ کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے جدید فکر کے حامل فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ اپنی معروف کتاب "الاعتصام" میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الباب يضطر إلى الكلام فيه عند النظر فيما هو بدعة وما ليس ببدعة فإن كثيراً من الناس عدوا أكثر المصالح المرسلة بدعاً، ونسبوها إلى الصحابة والتابعين، وجعلوها حجة فيما ذهبوا إليه من اختراع العبادات. وقم جعلوا البدع تنقسم بأقسام أحكام الشريعة، فقالوا: إن منها ما هو واجب ومندوب، وعدوا من الواجب كتب المصحف وغيره، ومن المندوب الاجتماع في قيام رمضام على قارىء واحد. وأيضاً، فإن المصالح المرسلة يرجع معناها إلى اعتبار المناسب الذي لا يشهد له أصل معين، فليس له على هذا شاهد شرعي على الخصوص، ولا كونه قياساً بحيث إذا عرض على العقول تلقته بالقبول. وهذا بعينه موجود في البدع المستحسنة، فإنها راجعة إلى أمور في الدين مصلحية ـ في زعم واضعيها ـ في الشرع على الخصوص وإذا ثبت هذا، فإن كان اعتبار المصالح المرسلة حقاً، فاعتبار البدع المستحسنة حق، لأنهما يجريان من وادواحد. وإن لم يكن اعتبار البدع حقاً، لم يصح اعتبار المصالح المرسلة۔

"اس باب میں یہ بحث کرنا ضروری ہے کہ کیا چیز بدعت ہے اور کیا چیز بدعت نہیں، کیونکہ زیادہ لوگوں نے بہت سی مصالح مرسلہ کو بدعت قرار دیا ہے اور ان بدعات کو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان سے اپنی من گھڑت عبادات پر استدلال کیا ہے۔ اور ایک قوم نے بدعات کی احکام شرعیہ کے مطاطق تقسیم کی ہے اور انہوں نے کہا کہ بعض

بدعات واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں، انہوں نے بدعات واجبہ میں قرآن کریم کی کتاب کو شمار کیا ہے اور بدعات مستحبہ میں ایک امام کے ساتھ تراویح کے اجتماع کو شامل کیا ہے۔ مصالح مرسلہ کا رجوع اس اعتبار مناسب کی طرف ہوتا ہے جس پر کوئی اصل معین شاہد نہیں ہوتی اس لحاظ سے اس پر کوئی دلیل شرعی بالخصوص نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی ایسے قیاس سے ثابت ہے کہ جب اسے عقل پر پیش کیا جائے تو وہ اسے قبول کرے ار یہ چیز بعینہ بدعات حسنہ میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ بدعات حسنہ کے ایجاد کرنے والوں کے نزدیک ان کی بنیاد دین اور بالخصوص شریعت کی کسی مصلحت پر ہوتی ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو مصالح مرسلہ اور بدعات حسنہ دونوں کا مال ایک ہے اور دونوں برحق ہیں اور اگر بدعات حسنہ کا اعتبار صحیح نہ ہو تو مصالح مرسلہ کا اعتبار بھی صحیح نہیں ہوگا۔"[1]

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "بدعت حسنہ" کے جواز پر دلائل دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم اتفقوا على جمع المصحف و ليس ثم نص على جمعه و كتبه أيضا بل قد قال بعضهم: كيف نفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه و سلم؟ فروي عن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: ارسل إلي أبو بكر رضي الله عنه [بعد] مقتل (أهل) اليمامة وإذا عنده عمر رضي الله عنه قال أبو بكر: (إن عمر أتاني فقال): إن القتل قد استحر بقراء القرآن يوم اليمامة وإني أخشى أن يستحر القتل بالقراء في المواطن كلها فيذهب قرآن كثير وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن قال: فقلت له: كيف أفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه و سلم؟ فقال لي: هو ـ والله ـ خير فلم يزل عمر يراجعني في لذلک حتى شرح الله صدري له ورأيت فيه الذي رأى عمر قال زيد فقال أبو بكر: إنک رجل شاب عاقل لا نتهمک قد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه و سلم فتتبع القرآن فاجمعه قال زيد: فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي من ذلک فقلت: كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه و سلم؟ فقال أبو بكر: هو والله خير فلم يزل يراجعني في ذلک حتى شرح الله صدري للذي شرح صدريهما فتتبعت القرآن أجمعه من الرقاق والعسب واللخاف ومن صدور الرجال فهذا عمل لم ينقل فيه خلاف عن أحد من الصحابة ـــــــــــ حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف بعث عثمان في كل أفق بمصحف من تلك المصاحف التي نسخوها ثم أمر بما سوى ذلک من القراءة في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق ـــــــــــــــ ولم يرد نص عن النبي صلى الله عليه و سلم بما صنعوا من ذلک ولكنهم رأوه مصلحة تناسب تصرفات الشرع قطعا فإن ذلک راجع إلى حفظ الشريعة والأمر بحفظها معلوم وإلى منع الذريعة للإختلاف في أصلها الذي هو القرآن وقد علم النهي عن الإختلاف في ذلک بما لا مزيد عليه وإذا استقام هذا الأصل فاحمل عليه كتب العلم من السنن وغيرها إذا خيف عليها الاندراس زيادة على ما جاء في الأحاديث من الأمر بكتب العلم۔

---

[1] (كتاب الاعتصام للشاطبي ج ا ص ۴۰۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔۔۔۔۔۔لیکن بعض نے کہا کہ ہم اس کام کو کس طرح کریں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہیں کیا حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے مجھے بلایا جبکہ یمامہ والوں سے لڑائی ہو رہی تھی اور اس وقت حضرت عمر فاروق بھی ان کے پاس تھے حضرت ابو بکر نے کہا کہ حضرت عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے کتنے ہی قاری شہید ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ قراء کے مختلف جگہوں پر شہید ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میرے رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے کا حکم دین حضرت ابو بکر کہتے ہے کہ میں نے حضرت عمر سے کہا کہ میں وہ کام کس طرح کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہیں کیا تو انہوں نے مجھے کہا خدا کی قسم یہ اچھا ہے پھر حضرت عمر اس بارے میں مجھ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں میرا سینہ کھول دیا۔ میں نے بھی وہ کچھ دیکھ لیا جو حضرت عمر نے دیکھا تھا۔ حضرت زید کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر نے مجھے فرمایا آپ نوجوان آدمی اور صاحب عقل ودانش ہیں اور آپ کی قرآن فہمی پر کسی کو اعتراض بھی نہیں اور آپ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو وحی بھی لکھ کر دیا کرتے تھے۔ آپ قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کر دیں تو حضرت زید نے کہا خدا کی قسم اگر آپ مجھے پہاڑوں میں کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیں تو وہ میرے لیے اس کام سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کام کو کیوں کر رہے ہیں جسے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہیں کیا تو حضرت ابو بکر نے کہا خدا کی قسم اس میں بہتری ہے۔ تو میں برابر حضرت ابو بکر سے بحث کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر و عمر کا سینہ کھولا تھا۔ پھر میں نے قرآن مجید کو کھجور کے پتوں، کپڑے کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کر دیا۔ یہ وہ عمل ے جس پر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا گیا۔۔۔۔۔۔ حتی کہ جب انہوں نے (لغت قریشی پر) صحائف لکھ لیے تو حضرت عثان نے تمام شہروں میں ان مصاحف کو جلا دیا جائے۔۔۔ حالانکہ اس معاملہ میں ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا کوئی حکم نہیں تھا لیکن انہوں نے اس اقدام میں ایسی مصلحت دیکھی جو تصرفات شرعیہ کے بالکل مناسب تھی کیونکہ قرآ کریم کو مصحف واحد میں جمع کرنا شریعت کے تحفظ کی خاطر تھا اور یہ بات مسلم اور طے شدہ ہے کہ ہمیں شریعت کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور ایک لغت پر قرآن کریم کو جمع کرنا اس لیے تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کی قرأت کی تکذیب نہ کریں اور ان میں اختلاف نہ پیدا ہو اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ ہمیں اختلاف سے منع کیا گیا ہے اور جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو جان لو کہ

احادیث اور کتب فقہ کو مدون کرنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ شریعت محفوظ رہے، علاوہ ازیں احادیث میں علم کی باتوں کو لکھنے کا بھی حکم ثابت ہے۔"[1]

۱۴۔ امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۹۴ھ):

علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "المنثور فی القواعد" میں بدعت لغویۃ اور بدعت شرعیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فأما في الشرع فموضوعه للحادث المذموم وإذا أريد الممدوح قيدت ويكون ذلك مجازا شرعيا حقيقة لغوية۔

"شرح میں عام طور پر لفظ بدعت، محدثہ مذمومہ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن جب بدعت ممدوحہ مراد ہو تو اسے مقید کیا جائے گا لہٰذا یہ بدعت مجازاً شرعی ہوگی اور حقیقتاً لغوی ہوگی۔"[2]

۱۵۔ اِمام عبد الرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۹۵ھ):

علامہ ابن رجب حنبلی بغدادی اپنی کتاب "جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم" میں بدعت کی اقسام اور اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه وأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا وإن كان بدعة لغة۔

"بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔"[3]

---

[1] (الاعتصام-الشاطبي الباب ولنقتصر على عشر أمثلة للمصالح المرسلة أحدها ج ۱ ص ۳۷۶)

[2] (المنثور-الزركشي الكتاب: المنثور في القواعد الناشر: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية—الكويت ج ۱ ص ۲۱۷)

[3] (جامع العلوم والحكم-ابن رجب الحنبلي الناشر: دار المعرفة—بيروت ج ۱ ص ۲۶۶)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

من أحدث في أمرنا ما ليس منه فهو رد فكل من أحدث شيئا ونسبه إلى الدين ولم يكن له أصل من الدين يرجع إليه فهو ضلالة والدين بريء منه وسواء في ذلك مسائل الاعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة والباطنة وأما ما وقع في كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنما ذلك في البدع اللغوية لا الشرعية۔

"حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (چیز) مردود ہے ۔پس جس کسی نے بھی کوئی نئی چیز ایجاد کی اور پھر اس کی نسبت دین کی طرف کردی اور وہ چیز دین کی اصل میں سے نہ ہو تو وہ چیز اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور وہی گمراہی ہوگی اور دین اس چیز سے بری ہوگا اور اس میں اعتقادی، عملی قولی، ظاہری وباطنی تمام مسائل برابر ہیں۔اور بعض اچھی چیزوں میں سے جو کچھ اسلاف کے کلام میں گزر چکا ہے پس وہ بدعت لغویہ میں سے ہے، بدعت شرعیہ میں سے نہیں ہے۔"[1]

علامہ ابن رجب بدعاتِ حسنہ کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمن ذلك قول عمر رضي الله عنه لما جمع الناس في قيام رمضان على إمام واحد في المسجد وخرج ورآهم يصلون كذلك فقال نعمت البدعة هذه وروى عنه أنه قال إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة وروى عن أبي بن كعب قال له إن هذا لم يكن فقال عمر قد علمت ولكنه حسن ومراده أن هذا الفعل لم يكن على هذا الوجه قبل هذا الوقت ولكن له أصل في الشريعة يرجع إليها فمنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحث على قيام رمضان ويرغب فيه وكان الناس في زمنه يقومون في المسجد جماعات متفرقة ووحدانا وهو صلى الله عليه وسلم صلى بأصحابه في رمضان غير ليلة ثم امتنع من ذلك معللا بأنه خشي أن يكتب عليهم فيعجزوا عن القيام به وهذا قد أمن بعده صلى الله عليه وسلم وروى عنه صلى الله عليه وسلم أنه كان يقوم بأصحابه ليالي الإفراد في العشر الأواخر ومنها أنه صلى الله عليه وسلم أمر باتباع سنة خلفائه الراشدين وهذا قد صار من سنة خلفائه الراشدين فإن الناس اجتمعوا عليه في زمن عمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم ومن ذلك أذان الجمعة الأول زاده عثمان لحاجة الناس إليه وأقره واستمر عمل المسلمين عليه وروى عن ابن عمر أنه قال هو بدعة ولعله أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان ومن ذلك جمع المصحف في كتاب واحد توقف فيه زيد بن ثابت وقال لأبي بكر وعمر رضي الله عنهما كيف تفعلان ما لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ثم علم أنه مصلحة فوافق على جمعه وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يأمر بكتابة الوحي ولا فرق بين أن يكتب مفرقا أو مجموعا بل جمعه صار أصلح وكذلك جمع عثمان الأمة على مصحف وإعدامه لما خالفه خشية تفرق

---

[1] (جامع العلوم والحكم -ابن رجب الحنبلي الكتاب: جامع العلوم والحكم الناشر: دار المعرفة—بيروت ج ١ ص ٢٦٦)

الأمة وقد استحسنه علي وأكثر الصحابة رضي الله عنهم وكان ذلك عين المصلحة وكذلك قتال من منع الزكاة توقف فيه عمر وغيره حتى بين له أبو بكر أصله الذي يرجع إليه من الشريعة فوافقه الناس على ذلك۔

''بدعتِ حسنہ کے اثبات میں حضرت عمر فاروق کا قول ہے کہ جب آپ نے قیام رمضان کے لیے تمام لوگوں کو مسجد میں ایک امام کی اقتداء میں جمع کیا اور پھر جب انہیں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ ''نعمت البدعة هذه'' یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور آپ سے کچھ اس طرح بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة'' اگر یہ بدعت ہے تو پھر یہ اچھی بدعت ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کو کہا کہ اگرچہ یہ اس طرح نہ بھی ہو، تو اس پر حضرت عمر نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ اچھی بدعت ہے اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ عمل اس سے پہلے اس صورت میں نہیں تھا۔ لیکن اس کی اصل شریعت میں موجود تھی جو کہ اس فعل کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آقا علیہ السلام قیامِ رمضان پر اُبھارتے اور اس کی ترغیب دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانہ میں بھی لوگ متفرق صورت میں قیام کیا کرتے تھے اور اکیلے اکیلے بھی قیام کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ ایک رات سے زیادہ راتوں میں رمضان میں نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کسی علت کے باعث اس سے منع فرمادیا اور وہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو خوف ہونے لگا کہ کہیں یہ ان پر فرض نہ کر دی جائے اور وہ لوگ اس قیام سے عاجز آجائیں گے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کی تصدیق بھی کر دی، اور آقا علیہ السلام سے روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اپنے بعض صحابہ کرام کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کام (یعنی قیام رمضان تراویح کی صورت) خلفاء راشدین کی سنت میں سے ہو گیا۔ اور اسی طرح لوگ حضرت عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ کے زمانے میں ہی اس چیز پر مجتمع ہو گئے تھے اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کا اضافہ حضرت عثمان نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر کیا اور پھر حضرت علی اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی۔ اور اسی میں سے مصحف کو ایک کتاب میں جمع کرنا ہے۔ اس پر زید بن ثابت نے توقف کیا اور آپ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق سے کہا کہ آپ نے جان لیا کہ اس میں مصلحت ہے۔ تو پھر آپ اس کو جمع کرنے پر راضی ہو گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے وحی کو لکھنے کا حکم دیا تھا اور اس میں کوئی فرق نہیں

کہ اسے متفرق یا مجموعہ کی صورت میں لکھا جائے۔ لیکن اس کو جمع کرنا زیادہ مبنی بر مصلحت ہے۔ اور اسی طرح حضرت عثمان غنی نے امتِ مسلمہ کو ایک مصحف پر جمع کیا اور آپ نے اس حقیقت کو پالیا جس کے لوگ مخالف تھے اور جو امت میں تفرقہ ڈالنے والی تھی اور اسے حضرت علی اور اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے درست جانا ہے اور یہ مصلحت کے عین مطابق تھا۔ اور اسی طرح زکوۃ نہ دینے والوں کے بارے میں (حضرت ابو بکر کا) فیصلہ اس میں عمر اور دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے توقف اختیار کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر نے اس اصل کا بتادیا جو کہ شریعت میں سے اس کی طرف لوٹتی ہے پھر اس پر لوگ آپ سے متفق ہو گئے۔"[1]

۱۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۷۹۶ھ):

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تصور بدعت اور اس کی تقسیم بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "الکوکب الدراری فی شرح صحیح البخاری" میں لکھتے ہیں:

{البدعة} كل شيء عمل على غير مثال سابق وهي خمسة أقسام واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة ومباحة وحديث كل بدعة ضلالة من العام المخصوص ـــــــــــــــــــــــ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يسنها ولا كانت في زمن أبي بكر ورغب فيها بقوله نعم ليدل على فضلها ولئلا يمنع هذا اللقب من فعلها ويقال نعم كلمة تجمع المحاسن كلها وبئس كلمة تجمع المساوئ كلها وقيام رمضان في حق تسمية سنة غير بدعة لقوله عليه الصلاة والسلام «اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر» رضي الله عنهما, قوله {ينامون عنها} أي فارغين عنها أي صلاة أول الليل أفضل من الصلاة في آخر الليل وبعضهم عكسوا وبعضهم فصلوا بين من يستوثق بالانتباه من النوم وغيره, فإن قلت هذه الصلاة ليست بدعة لما ثبت من فعله صلى الله عليه وسلم لها, قلت لم يثبت كونها أول الليل أو كل ليلة أو بهذه الصفة۔

"ہر وہ چیز جس پر مثال سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ "بدعت" کہلاتی ہے اور اس کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، بدعت مندوبۃ، بدعت محرمہ، بدعت مکروہ اور بدعت مباحہ ہیں اور "كل بدعة ضلالة" والی حدیث عام مخصوص کے قاعدے کے تحت ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس چیز کو مسنون نہیں کیا اور نہ ہی یہ کام حضرت ابو بکر کے زمانہ میں ہوا اسی وجہ سے اس کو "بدعت" کا نام دیا گیا ہے اور لفظ "نعم" کے ذریعے ایسے (احسن) اُمور کی ترغیب دی گئی تاکہ یہ لفظ ان امور کی فضیلت پر دلالت کرے تاکہ محض لفظ بدعت کی وجہ سے ایسے احسن امور کے کرنے سے منع نہ کیا جائے اور جب کسی امر کے ساتھ کلمہ "نعم" لگادیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ امر تمام برائیوں کا جامع ہے۔" اور قیام رمضان حقیقت میں سنت کا

---

[1] (جامع العلوم والحكم-ابن رجب الحنبلي الناشر: دار المعرفة–بيروت ج ۱ ص ۲۶۷,۲۶۶)

ہی نام ہے نہ کہ بدعت کا جس طرح آقا علیہ السلام نے اپنے ایک قول میں ارشاد فرمایا"اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر وعمر" میرے بعد میں آنے والے یعنی ابو بکر اور عمر کی پیروی کرنا۔ حضرت عمر کے قول "ینامون عنھا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس نماز سے محروم رہتے ہیں یعنی وہ اس نماز سے خالی ہیں یعنی اول وقت میں نماز پڑھنا آخر وقت میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا اور بعض نے فرق کیا ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ نماز بدعت نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فعل ثابت ہے تو میں کہتا ہوں کہ اول رات میں ہر رات میں یا اس صفت کے ساتھ اس کام کا ہونا ثابت نہیں ہے۔"[1]

۱۷۔علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ الوشتانی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۸۲۸ھ):

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن وشتانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اکمال اکمال المعلم" میں حدیث شریف "من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ" کی شرح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

اتعبیر بلفظ السنۃ فی الشر مجاز من مجاز المقابلۃ کقولہ تعالیٰ: وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (سورۃ آل عمران: ۵۴) ویدخل فی السنۃ الحسنۃ البدع المستحسنۃ کقیام رمضان و التحضیر فی المنار أثر فراغ الأذان وعند أبواب الجامع و عند دخول الإمام و کالتصبیح عند طلوع الفجر کل ذلک من الأعانۃ علی العبادۃ التی یشھد الشرع باعتبارھا وقد کان علی وعمر یوقظان الناس لصلاۃ الصبح بعد طلوع الفجر واتفق أن إمام الجامع الأعظم بتونس وأظنہ البرجینی حین أتی لیدخل الجامع سألتہ إمرأۃ أن یدعو لابنھا الأسیر وکان المؤذنون حینئذ یحضرون فی المنار فقال لھا ما أصاب الناس فی ھذا یعنی التحضیر أشد من أمر ابنک فکان الشیخ ینکر ذلک علیہ ویقول لیس انکارہ بصحیح بل التحضیر من البدع المستحسنۃ التی شھد الشرع باعتبارھا و مصلحتھا ظاھرۃ قال وھو اجماع من الشیوخ اذلم ینکروہ کقیام رمضان والا جماع علی التلاوۃ ولاشک أنہ لا وجہ لأنکارہ اِلا کونہ بدعۃ ولکنھا مستحسنۃ ویشھد لاعتبارھا الأذان والإقامۃ فإن الأذان للأغلام بدخول الوقت والأقامۃ بحضور الصلاۃ وکذلک التحضیر ھو اعلام بقرب حضور الصلاۃ (قولہ ومن سن فی الإسلام سنۃ سیئہ)۔

(قلت) ھذہ لا یشترط فیھا أن ینوی الاقتداء بہ بدلیل حدیث ابن آدم القاتل لأخیہ ان علیہ کفلا من کل نفس قتلت لأنہ أول من سن القتل۔

"لفظ سنت کی تعبیر کچھ اس طرح ہے کہ سنت کا لفظ جو "شرٌ" کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے جو کہ مجاز کے مقابلہ میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (آل عمران: ۵۴)" اور اسی

---

[1] (الکواکب الدراري في شرح صحیح البخاري الناشر: دار إحیاء التراث العربي، بیروت-لبنان ج ۹ ص ۱۵۴، ۱۵۵)

طرح بدعت حسنہ سنت مستحسنہ میں داخل ہے جیسے رمضان المبارک میں قیام کرنا اَذان کے لئے منار اور مساجد کے دروازوں پر جانا اور امام کے آنے پر کھڑا ہونا اور اسی طرح صبح کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرنا یہ اور اس جیسے دوسرے اُمور عبادت پر مدد گار ہیں اور شرع ان کی تائید کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر ، اور سیدنا علی طلوع فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتے تھے اور اس امر پر اتفاق ہے کہ تیونس کے عظیم امام (شارع کہتا ہے کہ)میرے گمان میں وہ شیخ البر جینی تھے جب وہ جامع مسجد کی طرف آئے تو ایک عورت نے ان سے استدعا کی کہ وہ اس کے قیدی بیٹے کے لئے دعا کریں اس زمانے میں مؤذن مینار میں حاضر ہو کر اذان دیتے تھے تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ میں لوگ کتنا عجیب معاملہ کرتے ہیں یعنی مینار پر حاضر ہونا تیرے بیٹے کے معاملے سے بھی زیادہ عجیب تر ہے شیخ نے اس چیز کا انکار کر دیا انہوں نے کہا کہ اُن کا انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ تحضیر بدعت مستحسنتہ میں سے ہے شروع نے اس کے اعتبار اور ظاہری مصلحت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے مزید کہا کہ جب انہیں انکار نہیں ہے تو پھر اس پر شیوخ کا اجماع ہے جیسے قیام رمضان اور تلاوت کے لئے مجتمع ہونا اور بلاشبہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ یہ بدعت ہے لیکن یہ بدعت مستحسنتہ ہے اور اذان واقامت کا اعتبار اس کے بدعت حسنہ ہونے کی گواہی ہے کیونکہ اذان دخولِ وقت کا اعلان ہے اور اِقامت نماز میں حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ اسی طرح تحضیر نماز کے قریب آنے کا اعلان ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرمان "قوله ومن سن في الإسلام سنة سيئة" کی اقتدا شرط نہیں ہے۔[1]

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کا اپنے بھائی کو قتل کرنا تو اس قاتل پر ہر اس قتل کا بوجھ بھی ہو گا جو بعد میں ہو گا کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس نے قتل کا آغاز کیا۔"[2]

۱۸۔ اِمام ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ):

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "فتح الباری شرح صحیح البخاری" میں بدعت کی تعریف اور تقسیم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

والبدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل السنة فتكون مذمومة والتحقيق أنها أن كانت مما تندرج تحت مستحسن في الشرع فهي حسنة وأن كانت مما تندرج تحت مستقبح في الشرع فهي مستقبحة وإلا فهي من قسم المباح وقد تنقسم إلى الأحكام الخمسة۔

---

[1] (ابن ماجه، السنن، ج ۱ ص ۷۴ مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة رقم: ۲۰۳، كشف المشكل من حديث الصحيحين ج ۱ ص ۱۸۸)

[2] (وشتانی، إكمال إكمال المعلم ج ۷ ص ۱۰۹)

"بدعت سے مراد ایسے نئے اُمور کا پیدا کیا جانا ہے جن کی مثال سابقہ دور میں نہ ملے اور ان اُمور کا اطلاق شریعت میں سنت کے خلاف ہو پس یہ ناپسندیدہ عمل ہے، اور بالتحقیق اگر وہ بدعت شریعت میں مستحسن ہو تو وہ "**بدعت حسنہ**" ہے اور اگر وہ بدعت شریعت میں ناپسندیدہ ہو تو وہ "**بدعت مستقبحہ**" یعنی بری بدعت کہلائے گی اور اگر ایسی نہ ہو تو اس کا شمار بدعت مباحہ میں ہو گا۔ بدعت کو شریعت میں پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے (واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ)۔"[1]

۱۹۔ اِمام ابو محمد بدر الدین محمود العینی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ):

امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی تعریف اور اس کی تقسیم بیان کرتے ہوئے "**عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری**" میں رقمطراز ہیں:

البدعة في الأصل أحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله ثم البدعة على نوعين إن كانت مما يندرج تحت مستحسن في الشرع فهي بدعة حسنة وإن كانت مما يندرج تحت مستقبح في الشرع فهي بدعة مستقبحة۔

"بدعت اصل میں اُس نئے کام کو بجالانا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو یہ "**بدعت حسنہ**" ہے اور اگر یہ شریعت کے "**مستقبحات**" کے تحت آجائے تو یہ "**بدعتِ مستقبحة**" ہے۔"[2]

۲۰۔ اِمام محمد بن عبد الرحمٰن شمس الدین محمود السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۰۲ھ):

علامہ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب "**القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع**" کے صفحہ ۱۹۳ پر رقمطراز ہیں:

وقد اختلف في ذلک هل هو مستحب أو مكروه أو بدعة أو مشروع وأستدل للأول بقوله تعالى: {وَافْعَلُوا الْخَيْرَ} (الحج: ۷۷)، ومعلوم أن الصلاة والسلام من أجل القرب لا سيما وقد تواردت الأخبار على الحث على ذلک مع ما جاء في فصل الدعاء عقب الأذان والثلث الأخير من الليل وقرب الفجر والصواب أنه بدعة حسنة يؤجر فاعله بحسن نيته۔

"اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے مستحب، مکروہ، بدعت یا جائز ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کے استحباب پر اللہ تعالیٰ کے اس قول **وَافْعَلُوا الْخَيْرَ** سے استدلال کیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ صلوٰۃ وسلام (حضور اکرم صلی اللہ علیہ

---

[1] (فتح الباري-ابن حجر الكتاب: فتح الباري شرح صحيح البخاري الناشر: دار المعرفة-بيروت، ۱۳۷۹ ج۴ ص ۲۵۳)

[2] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج۷ ص ۱۵۵)

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے) قرب کے قصد سے پڑھا جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب میں کثیر احادیث وارد ہیں، علاوہ ازیں اذان کے بعد دعا میں فصل کرنے اور تہائی رات کے اخیر میں دعا کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے فاعل کو حسن نیت کی وجہ سے اجر ملے گا۔"[1]

۲۱۔ اِمام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ):

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ "الحاوی للفتاوی" میں علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأن البدعة لم تنحصر في الحرام والمكروه بل قد تكون أيضاً مباحة ومندوبة وواجبة. قال النووي في تهذيب الأسماء واللغات: البدعة في الشرع هي إحداث مالم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلّم وهي منقسمة إلى حسنة وقبيحة، وقال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة ومحرمة. ومندوبة ومكروهة ومباحة، قال: والطريق في ذلك أن نعرض البدعة على قواعد الشريعة فإذا دخلت في قواعد الإيجاب فهي واجبة، أو في قواعد التحريم فهي محرمة، أو الندب فمندوبة، أو المكروه فمكروهة، أو المباح فمباحة، وذكر لكل قسم من هذه الخمسة أمثله إلى أن قال: وللبدع المندوبة أمثلة، منها أحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد في العصر الأول، ومنها التراويح والكلام في دقائق التصوف وفي الجدل، ومنها جمع المحافل للاستدلال في المسائل إن قصد بذلك وجه الله تعالى۔

"بدعت حرام اور مکروہ تک ہی محصور نہیں ہے بلکہ اسی طرح یہ مباح، مندوب اور واجب بھی ہوتی ہے جیسے کہ امام نووی اپنی کتاب "تھذیب الاسماء واللغات" میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانہ میں نہ ہوا ہو اور یہ بدعت، بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم ہوتی ہے اور شیخ عز الدین بن عبد السلام اپنی کتاب "قواعد الاحکام فی مصالح الانام" میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بدعت کی تقسیم واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم بدعت کو شریعت کے قواعد پر پیش کریں اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہو تو واجب ہے اور اگر قواعد تحریم کے تحت داخل ہو تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہو تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہو تو مکروہ اور اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے اور انہوں نے ان پانچ اقسام کی مثالیں بیان کی ہیں جیسے کہ بدعت مندوبہ کی مثال سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھا کام جو پہلے زمانے میں نہیں ہوا جیسے کہ نماز تراویح اور علم التصوف کے متعلق گہری معلومات اور

---

[1] (القَولُ البَدِيعُ في الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ الناشر: دار الريان للتراث ج ۱ ص ۱۹۶)

مجادلہ سے متعلق معلومات وغیرہ اور اسی میں سے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مسائل میں استدلال کے لئے محافل کا انعقاد کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔"[1]

سیدنا عمر فاروق کے قول "**نعمت البدعة هذه**" کے ذیل میں نماز تراویح کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

عن عمر أنه قال في التراويح نعمت البدعة هذه والتي ينامون عنها أفضل فسماها بدعة يعني بدعة حسنة وذلك صريح في أنها لم تكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد نص على ذلك الإمام الشافعي وصرح به جماعات من الأئمة منهم الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قسم البدعة إلى خمسة أقسام وقال ومثال المندوبة صلاة التراويح ونقله عنه النووي في تهذيب الأسماء واللغات، ثم قال وروى البيهقي بإسناده في مناقب الشافعي عن الشافعي قال المحدثات في الأمور ضربان أحدهما ما أحدث مما خالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا فهذه البدعة الضلالة والثاني ما أحدث من الخير وهذه محدثة غير مذمومة وقد قال عمر في قيام شهر رمضان نعمت البدعة هذه يعني أنها محدثة لم تكن۔

"حضرت عمر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تراویح کے بارے میں فرمایا یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں یہ حصہ اس سے بہتر ہے آپ نے اسی وجہ سے اسے بدعت یعنی بدعت حسنہ کا نام دیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ چیز آقا علیہ السلام کے زمانے میں نہیں تھی اور اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نص پیش کی ہے اور پھر ائمہ کی جماعتوں نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے ایک شیخ عزالدین بن عبد السلام ہیں جنہوں نے بدعت کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے اور انہوں نے مندوب کی مثال نمازِ تراویح سے بیان کی ہے اور ان سے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "**تہذیب الاسماء واللغات**" میں نقل کیا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا ہے۔ امام شافعی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا محدثات الامور کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک احداث ایسا ہے جو کہ کتاب، سنت، اثر صحابہ (یعنی قول صحابہ) اور اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسرا احداث جو کہ خیر میں سے ہے اور یہ احداث غیر مذموم ہے جیسے کہ حضرت عمر نے ماہ رمضان میں قیام (یعنی نماز تراویح) کے بارے میں کہا "**نعمتِ البدعة هذه**" یہ کتنی اچھی بدعت ہے، یعنی یہ ایسا محدثہ ہے جو پہلے نہیں تھا۔"[2]

---

[1] (الحاوي للفتاوي في الفقه وعلوم التفسير والحديث والأصول والنحو والإعراب وسائر الفنون دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت/لبنان - ١٤٢١هـ - ٢٠٠٠م ج ١ ص ١٨٤)

[2] (الحاوي للفتاوي للسيوطي ج ١ ص ٤١٦)

۲۲۔اَمام ابو العباس أحمد بن محمد شہاب الدین القسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۱۱ھ):

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی حضرت عمر کے فرمان "نعم البدعۃ ھذہ" کے ضمن میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(نعم البدعة هذه)، سماها بدعة لأنه -صلى الله عليه وسلم- لم يسن لهم الاجتماع لها ولا كانت في زمن الصديق ولا أول الليل ولا كل ليلة ولا هذا العدد. وهي خمسة واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة ومباحة. وحديث "كل بدعة ضلالة" من العام المخصوص، وقد رغب فيها عمر بقوله: نعم البدعة وهي كلمة تجمع المحاسن كلها كما أن بئس تجمع المساوئ كلها وقيام رمضان ليس بدعة لأنه -صلى الله عليه وسلم- قال: "اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر" وإذا أجمع الصحابة مع عمر على ذلك زال عنه اسم البدعة۔

"نعم البدعۃ ھذہ" کے تحت نمازِ تراویح کو بدعت کا نام دیا گیا کیونکہ آقا علیہ السلام نے تراویح کے لئے اجتماع کو مسنون قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس طریقے سے حضرت ابو بکر کے زمانے میں (پابندی کے ساتھ) رات کے ابتدائی حصے میں تھی اور نہ ہی مستقلاً ہر رات پڑھی جاتی تھی اور نہ ہی (تراویح کی رکعات کا) یہ عدد متعین تھا اور بدعت کی درج ذیل پانچ اقسام واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروھہ، اور مباحہ ہیں اور جیسا کہ حدیث میں ہے۔ "کل بدعۃ ضلالۃ" یعنی ہر بدعت گمراہی ہے یہ حکم عام ہے مگر اس سے مراد مخصوص قسم کی بدعات ہیں اور سیدنا عمر فاروق نے اپنے قول "نعم البدعۃ ھذہ" سے اس (بدعت حسنہ) کی ترغیب دی ہے اور یہ کلمہ (یعنی لفظ نعم) اپنے اندر تمام محاسن سموئے ہوئے ہے جس طرح کہ لفظ بئس اپنے اندر، تمام برائیاں سموئے ہوئے ہے۔ رمضان المبارک میں (نماز تراویح) کا قیام بدعت (یعنی بدعت سیئۃ) نہیں ہے کیونکہ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابو بکر اور عمر کی پیروی کرنا اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق کے ساتھ قیام رمضان پر اتفاق کیا تو اس طرح قیام رمضان سے بدعت کا اطلاق ختم ہو گیا۔"[1]

[1] (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر ج۳ ص ۴۲۶)

۲۳۔امام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف صالحی الشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۴۲ھ):

امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنیں معروف کتاب "سبل الهدی و الرشاد" میں علامہ تاج الدین فاکہانی کے اس مؤقف "ان الابتداع فی الدین لیس مباحًا" کا محاکمہ کرتے ہیں اور اس ضمن میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لأن البدعة لم تنحصر في الحرام والمكروه، بل قد تكون أيضا مباحة ومندوبة وواجبة. قال النووي - رحمه الله تعالى - في "تهذيب الأسماء واللغات: البدعة في الشرع: هي ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي منقسمة إلى حسنة وقبيحة". وقال الشيخ عز الدين بن عبد السلام - رحمه الله تعالى - في القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة وإلى محرمة ومندوبة ومكروهة ومباحة۔

"بدعت کا انحصار صرف حرام اور مکروہ پر نہیں ہے بلکہ بدعت اسی طرح مباح مندوب اور واجب بھی ہوتی ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "تهذيب الأسماء واللغات" میں فرماتے ہیں شریعت میں بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں نہ ہوا ہو اور یہ بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کی جاتی ہے شیخ عز الدین بن عبد السلام اپنی کتاب "قواعد الاحکام" میں فرماتے ہیں بدعت واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح میں تقسیم ہوتی ہے۔"[1]

۲۴۔امام عبد الوھاب بن احمد علی الشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۷۳ھ):

اِمام عبد الوھاب بن احمد علی الشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأکابر" میں ایک اِستفتاء کے جواب میں بدعتِ حسنہ کے شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(فإن قلت): فهل يلحق بالسنة الصحيحة فی وجوب الإذعان لها ما ابتدعه المسلمون من البدع الحسنة؟ (فالجواب): كما قاله الشيخ فی الباب الثانی والستين ومائتين: إنه يندب الإذعان لها ولا يجب كما أشار اليه قوله تعالیٰ: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِم (الحديد:۲۷) وكما أشار إليها قوله صلی اللہ علیه وآله واصحابه وبارک وسلم: (من سن سنة حسنة) فقد أجاز لنا ابتداع كل ما كان حسناً وجعل فيه الأجر لمن ابتدعه ولمن عمل به مالم يشق ذلک على الناس۔

"اگر تو اعتراض کرے کہ بدعت حسنہ میں سے جو نئی چیز مسلمانوں نے اختیار کی ہے کیا وہ وجوب اُقرار میں سنت صحیحہ کے ساتھ (درجہ میں) مل جاتی ہے؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس نئی چیز یعنی بدعت حسنہ کا اقرار کرنا مندوب ہے نہ کہ

---

[1] (سبل الهدی والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد ج ۱ ص ۳۷۰)

واجب جیسا کہ اس چیز کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول ارشاد کراتا ہے "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِم۔" انہوں نے اس رہبانیت کو از خود شروع کر لیا تھا یہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی" اور جیسا کہ اسی چیز کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے (من سنة حسنة) جس نے کوئی اچھا طریقہ شروع کیا۔[1]

اور ہر وہ چیز جو اچھی ہو اسے شروع کرنا ہمارے لیے جائز ہے اور اس میں شروع کرنے والے کے لئے اور اس پر عمل کرنے والے کے لئے اجر رکھ دیا گیا ہے جب تک اس اچھی چیز پر عمل کرنا لوگوں کو مشقت میں نہ ڈالے۔"[2]

۲۵۔ امام احمد شہاب الدین ابن الحجر المکی الہیتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۷۴ھ):

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الفتاویٰ الحدیثیه" میں ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

وقول السائل نفع الله به: وهل الاجتماع للبدع المباحة جائز؟ جوابه: نعم هو جائز. قال العز الن عبد السلام رحمه الله تعالى: البدعة فعل ما لم يعهد في عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وتنقسم إلى خمسة أحكام يعني الوجوب والندب الخ، وطريق معرفة ذلك أن تعرض البدعة على قواعد الشرع فأي حكم دخلت فيه فهي منه، غمن البدع الواجبة تعلم النحو الذي يفهم به القرآن والسنة، ومن البدع المحرمة مذهب نحو القدرية، ومن البدع المندوبة إحداث نحو المدارس والاجتماع لصلاة التراويح ، ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة ومن البدع المكروهة زخرفة المساجد والمصاحف أي بغير الذهب وإلا فهي محرمة، وفي الحديث "كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار" وهو محمول على المحرمة لا غير۔

" اور سائل کا یہ قول (اللہ تعالیٰ اس سائل کو نفع دے) کہ کیا بدعت مباحہ کے لئے اجتماع جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایسا کرنا جزئز ہے، شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے ہیں: بدعت ایسا فعل ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے میں نہ تھا اور بدعت کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی واجب اور ندب۔۔۔۔۔الخ، اور اس کی پہچان کا طریقہ کار یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شرعیہ پر پرکھا جائے گا پس جس حکم میں وہ بدعت داخل ہوگی تو وہ حکم اس پر لاگو ہوگا الغرض بدعت واجبہ میں سے نحو کا علم سیکھنا ہے جس سے قرآن اور سنت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور بدعت محرمہ میں سے نئے مذہب کا ایجاد کرنا جیسے قدریہ، اور بدعت مندوبہ میں سے قیام مدارس اور نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا، اور

---

[1] (ابن ماجه، السنن، ج ۱ ص ۷۴ مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳)

[2] (شعرانی، الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأکابر ج ۲ ص ۲۸۸)

بدعت مباحہ میں نماز کے بعد مصافحہ کرنا، اور بدعت مکروہہ میں سے مساجد اور قرآن کی تزئین وآرائش کرنا یعنی سونا استعمال کئے بغیر بصورت دیگر یہ بدعت محرمہ ہوگی اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ "کل بدعة ضلالة" اور "کل ضلالة فی النار" اس سے مراد بدعت محرمہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں ہے۔"[1]

۲۶۔ شیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۷۷ھ):

دسویں صدی ہجری کے معروف شافعی عالم دین الشیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیب اپنی کتاب "مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج" میں لفظ "وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ مُبْتَدِعٍ لَا نُكَفِّرُهُ" کے ذیل میں شیخ عز الدین بن عبد السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

البدعة منقسمة إلى واجبة ومحرمة ومندوبة ومكروهة ومباحة قال والطريق في ذلك أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فإن دخلت في قواعد الإيجاب فهي واجبة كالاشتغال بعلم النحو أو في قواعد التحريم فمحرمة كمذهب القدرية والمرجئة والمجسمة والرافضة قال والرد على هؤلاء من البدع الواجبة أي لأن المبتدع من أحدث الشريعة ما لم يكن في عهده صلى الله عليه وسلم أو في قواعد المندوب فمندوبة كبناء الربط والمدارس وكل إحسان لم يحدث في العصر الأول كصلاة التراويح أو في قواعد المكروه فمكروه كزخرفة المساجد وتزويق المصاحف أو في قواعد المباح فمباحة كالمصافحة عقب الصبح والعصر والتوسع في المآكل والملابس وروى البيهقي بإسناده في مناقب الشافعي رضي الله تعالى عنه أنه قال المحدثات ضربان أحدهما ما خالف كتابا أو سنة أو إجماعا فهو بدعة وضلالة والثاني ما أحدث من الخير فهو غير مذموم۔

"بدعت کی تقسیم واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ اور محرمہ میں ہوتی ہے اور انہوں نے کہا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شریعت کے مطابق پر کھا جائے گا۔ اگر وہ وجوب کے قواعد میں داخل ہوئی تو وہ بدعت واجبہ ہوگی جیسے علم النحو کے حصول میں مشغول ہونا یا وہ بدعت قواعد تحریم میں داخل ہوگی تو پھر وہ بدعت محرمہ ہوگی جیسے مذہب قدریہ، مرجئہ، مجسمہ اور رافضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان تمام (باطل مذاہب) کا رد کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ مبتدع (بدعتی) نے شریعت میں ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی یا پھر وہ مستحب کے قواعد میں داخل ہوگئی تو وہ بدعت مستحبہ ہوگی جیسے سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھی چیز جو پہلے زمانے میں ایجاد نہ ہوئی ہو جیسے نماز تراویح وغیرہ۔ یا پھر وہ قواعد مکروہ میں داخل ہوگی تو وہ بدعت مکروہ ہوگی جیسے مسجدوں کی تزئین اور مصاحف پر نقش نگار کرنا یا وہ قواعد مباح میں داخل ہوگی تو وہ مباح کہلائے گی جیسے (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے اور پینے میں وسعت (اختیار) کرنا اور

---

[1] (الفتاوی الحدیثیة لابن حجر الهیتمي الباب مطلب في تفریق البدعة وأنها تعتریها الأحكام الخمسة ج ۱ ص ۳۲۶)

اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ محدثات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جو کتاب و سنت یا اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسری وہ جو خیر میں سے ایجاد کی گئی ہو پس وہی بدعت غیر مذموم ہے۔"[1]

۲۷۔ امام ملا علی بن سطان محمد القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۱۴ھ):

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" میں بدعت کی اقسام اور ان کی تفصیلات کے باب میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في آخر كتاب القواعد البدعة إما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله ورسوله وكتدوين أصول الفقه والكلام في الجرح والتعديل وإما محرمة كمذهب الجبرية والقدرية والمرجئة والمجسمة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة لأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية وإما مندوبة كإحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد في الصدر الأول وكالتراويح أي بالجماعة العامة والكلام في دقائق الصوفية وإما مكروهة كزخرفة المساجد وتزويق المصاحف يعني عند الشافعية وأما عند الحنفية فمباح وأما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والعصر أي عند الشافعية أيضا وإلا فعند الحنفية مكروه والتوسع في لذائذ المآكل والمشارب والمساكن وتوسيع الأكمام۔

"شیخ عزالدین بن عبد السلام "القواعد البدعة" کے آخر میں فرماتے ہیں۔ بدعت واجبہ میں قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کلام کو سمجھنے کے لیے نحو کا سیکھنا، اصول فقہ کی تدوین کرنا اور علم جرح وتعدیل کا حاصل کرنا ہے، جبکہ بدعت محرمہ میں نئے مذاہب کا وجود ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور مجسمہ اور ان تمام کا رد بدعت واجبہ سے کیا جائے گا کیونکہ اسی بدعت سے شریعت کی حفاظت کرنا فرض کفایہ ہے، جبکہ بدعت مندوبہ میں سرائے اور مدارس کا قیام اور ہر قسم کی نیکی کا فروغ جو اسلام کے ابتدائی دور میں نہ تھی جیسے باجماعت نماز تراویح اور تصوف کے پیچیدہ نکات ورموز پر گفتگو کرنا شامل ہیں۔ بدعت مکروھہ میں شوافع کے ہاں مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا ہے جبکہ احناف کے ہاں یہ مباح ہے، اور بدعت مباحہ میں شوافع کے ہاں فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور احناف کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور اسی طرح لذیذ کھانے، پینے اور گھروں اور آستینوں کو وسیع کرنا (بھی بدعت مباحہ) میں شامل ہے۔"[2]

---

[1] (مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج الناشر دار الفكر ج ۴ ص ۴۳۶)

[2] (مرقاۃ المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج ۱ ص ۴۸۶، ۴۸۵)

کل بدعة ضلالة کی شرح:

۱۔امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث مبارکہ ”کل بدعة ضلالة“ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَيْ: كُلُّ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ ضَلَالَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: "مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا". وَجَمَعَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ الْقُرْآنَ، وَكَتَبَهُ زَيْدٌ فِي الْمُصْحَفِ، وَجُدِّدَ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔

”یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے ”جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس عمل کا اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر ملے گا۔“ اور یہ کہ حضرت شیخین ابو بکر اور عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن کریم کو جمع کیا اور حضرت زید نے اس کو صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اس کی تجدید کی گئی۔“[1]

۲۔امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۶ھ) اسی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفي الحديث (كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار) وهو محمول على المحرمة لا غير۔

”اور جو حدیث میں ہے کہ ”ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی“ اس حدیث کو بدعت محرمہ پر محمول کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔“[2]

۲۸۔الشیخ عبد الحمید الشروانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

علامہ شیخ عبد الحمید الشروانی اپنی کتاب ”حواشي الشرواني“ میں بدعت کا حکم اور اس کی تفصیلات نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

قوله: (لا نكفره ببدعته) قال الزركشي ولا نفسقه بها (فائدة) قال ابن عبد السلام البدعة منقسمة إلى واجبة ومحرمة ومندوبة ومكروهة ومباحة قال والطريق في ذلك أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فإن دخلت في قواعد الايجاب فهي واجبة كالاشتغال بعلم النحو أو في قواعد التحريم فمحرمة كمذهب القدرية والمرجئة والمجسمة والرافضة قال والرد على هؤلاء من البدع الواجبة أي لان المبتدع من أحدث في الشريعة ما لم يكن في عهده (ص) أو في قواعد المندوب فمندوبة كبناء الربط والمدارس وكل إحسان لم يحدث في العصر الاول كصلاة التراويح أو في قواعد المكروه فمكروهة كزخرفة المساجد وتزويق المصاحف أو في قواعد المباح فمباحة كالمصافحة عقب الصبح والعصر والتوسع في المآكل والملابس وروى البيهقي بإسناده في مناقب الشافعي رضي

---

[1] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح الناشر: دار الفكر، بيروت—لبنان ج ۱ ص ۲۲۳)

[2] (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمي ج ۱ ص ۱۱۰)

الله تعالى عنه أنه قال المحدثات ضربان أحدهما ما خالف كتابا أو سنة أو إجماعا فهو بدعة وضلالة والثاني ما أحدث من الخير فهو غير مذموم۔

"شارح علامہ عبد الحمید الشروانی مبتدع کے بارے میں مؤلف کی عبارت "لا نكفره ببدعته" اور امام زرکشی کے الفاظ "ولا نفسقه بها" کے حوالے سے بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عز الدین بن عبد السلام نے کہا ہے کہ بدعت واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ اور محرمہ کے تحت تقسیم ہوتی ہے اور انہوں نے کہا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شریعت کے مطابق پر کھا جائے گا۔ اگر وہ وجوب کے قواعد میں داخل ہوئی تو وہ بدعت واجبہ ہو گی جیسے علم النحو کے حصول میں مشغول ہونا یا وہ بدعت قواعد تحریم میں داخل ہو گی تو پھر وہ بدعت محرمہ ہو گی جیسے مذہب قدریہ، مرجئہ، مجسمہ اور رافضہ (کو رواج دینا بدعت محرمہ) ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان تمام (باطل مذاہب) کا رد کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ مبتدع (بدعتی) نے شرعیت میں ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی یا پھر وہ مستحب کے قوعد میں داخل ہو گئی تو وہ بدعت مستحبہ ہو گی جیسے سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھی چیز جو پہلے زمانے میں ایجاد نہیں ہوئی ہو جیسے نماز تراویح وغیرہ یا پھر وہ قواعد مکروہ میں داخل ہو گی تو وہ بدعت مکروہہ ہو گی جیسے مسجدوں کی تزئین اور مصاحف پر نقش نگار کرنا یا وہ قواعد مباح میں داخل ہو گی تو وہ چیز مباح کہلائے گی جیسے (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے میں وسعت (اختیار) کرنا اور اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ محدثات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جو کتاب وسنت یا اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسری وہ جو خیر میں ہو پس وہی پسندیہ ہے۔"[1]

۲۹۔ امام محمد عبد الرؤوف زین الدین المناوی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۳۱ھ):

امام محمد عبد الرؤوف المادی اپنی کتاب "فیض القدیر شرح الجامع الصغیر" میں بدعت کی تقسیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة هنا اعتقاد مذهب القدرية أو الجبرية أو المرجئة أو المجسمة ونحوهم فإن البعة خمسة أنواع: محرمة وهي هذه وواجبة وهي نصب أدلة المتكلمين للرد على هؤلاء وتعلم النحو الذي به يفهم الكتاب والسنة ونحو ذلك ومندوبة كإحداث نحو رباط ومدرسة وكل إحسان لم يعهد في الصدر الأول ومكروهة كزخرفة

---

[1] (حواشي الشرواني والعبادي ج۱۰ ص۲۳۵)

مسجد وتزويق مصحف ومباحة كالمصافحة عقب صبح وعصر وتوسع في لذيذ مأكل وملبس ومسكن ولبس طيلسان وتوسيع أكمام (قوله وتوسيع أكمام: ذكره النووي في تهذيبه۔

"بدعت سے مراد مذہب قدریہ، جبریہ، مرجئہ، مجسمہ اور دیگر مذاہب باطلہ کے عقائد ہیں۔ بے شک بدعت کی پانچ اقسام ہیں اور وہ یہ ہیں پہلی بدعت واجبہ ہے اور وہ یہ کہ ان تمام مذاہب کو رد کرنے کے لئے متکلمین کے دلائل پیش کرنا اور اسی طرح علم نحو کا سیکھنا تاکہ قرآن و سنت کو سمجھا جاسکے اور اس جیسے دیگر علوم کا حاصل کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے اور اسی طرح سرائے اور مدارس وغیرہ بنانا اور ہر اچھا کام جو کہ زمانہ اول میں نہ تھا اسے کرنا بدعت مستحبہ میں شامل ہے اور اسی طرح مسجد کی تزئین اور قرآن مجید کے اوراق کو منقش کرنا بدعت مکروھہ میں شامل ہے اور اسی طرح (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور لذیذ کھانے، پینے، پہننے، رہنے اور سبز چادر استعمال کرنے میں توسیع کرنا اور آستینوں کا کھلا رکھنا بدعت مباحہ میں سے ہے۔ اس کو امام نووی نے اپنی "تہذیب" میں بیان کیا ہے۔"[1]

۳۰۔ امام علی بن برھان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۴۴ھ):

علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قیامِ تعظیمی اور انعقادِ محفلِ میلاد کی بحث میں بدعتِ حسنہ اور بدعتِ مذمومہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذا القيام بدعة لا أصل لها: أي لكن هي بدعة حسنة، لأنه ليس كل بدعة مذمومة. وقد قال سيدنا عمر رضي الله تعالى عنه في اجتماع الناس لصلاة التراويح: نعمت البدعة. وقد قال العز بن عبد السلام: إن البدعة تعتريها الأحكام الخمسة، وذكر من أمثلة كل ما يطول ذكره. ولا ينافي ذلك قوله صلى الله عليه وسلم: «إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل بدعة ضلالة» وقوله صلى الله عليه وسلم: «من أحدث في أمرنا. أي شرعنا - ما ليس منه فهو رد عليه» لأن هذا عام أريد به خاص. فقد قال: إمامنا الشافعي قدس الله سره: ما أحدث وخالف كتابا أو سنة أو إجماعا أو أثرا فهو البدعة الضلالة، وما أحدث من الخير ولم يخالف شيئا من ذلك فهو البدعة المحمودة. وقد وجد القيام عند ذكر اسمه صلى الله عليه وسلم من عالم الأمة ومقتدي الأئمة دينا وورعا الإمام تقي الدين السبكي، وتابعه على ذلك مشايخ الإسلام في عصره، فقد حكى بعضهم أن الإمام السبكي اجتمع عنده جمع كثير من علماء عصره فأنشد منشد قول الصرصري في مدحه صلى الله عليه وسلم:

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب ۔۔۔ على ورق من خط أحسن من كتب

وأن تنهض الأشراف عند سماعه ۔۔۔ قياما صفوفا أو جثيا على الركب

---

[1] (فيض القدير شرح الجامع الصغير المؤلف: عبدالرؤوف المناوي الناشر: المكتبة التجارية الكبرى – مصر ج ۱ ص ۴۳۹)

فعند ذلک قام الإمام السبکي رحمه الله وجميع من في المجلس، فحصل أنس كبير بذلک المجلس، ويكفي مثل ذلک في الاقتداء وقد قال ابن حجر الهيتمي: والحاصل أن البدعة الحسنة متفق على ندبها، وعمل المولد واجتماع الناس له كذلک أي بدعة حسنة۔

"یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی۔ سیدنا عمر فاروق نے لوگوں کے نماز تراویح کے لیے جمع ہونے کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ عزبن عبد السلام بیان کرتے ہیں کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں اور پھر انہوں نے ہر ایک کی مختلف مثالیں بھی بیان کی ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث بنے گا۔ یہ چیز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان "ایاکم ومحدثات الأمور فإن كل بدعة ضلالة" اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان "من أحدث في أمرنا (اى شرعنا) ماليس منه فهو رد" کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ وہ عام ہے جس سے مراد خاص ہے۔ پس ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے کوئی احداث کیا اور کتاب، سنت اور اجماع یا اثر کی مخالفت کی تو اس کا یہ عمل "بدعت ضلالہ" قرار پائے گا اور جس نے کسی نیک کام کی پہلی کی اور کتاب، سنت اور اجماع یا اثر کی مخالفت نہ کی تو اس کا یہ عمل "بدعت محمودہ" کے زمرے میں آئے گا۔ تحقیق آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے نام نامی کے ذکر جمیل کے وقت اس اُمت کے ایک جید عالم اور دین وورع میں ائمہ کے امام امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قیام ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں مشائخِ اسلام نے اس عمل میں آپ کی اتباع کی ہے۔ اور بعض نے یہ حکایت بھی بیان کی ہے کہ امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں آپ کے زمانے کے علماء کا ایک جم غفیر جمع تھا پس پڑھنے والے نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مدح میں صرصری کے یہ اشعار پڑھے۔"

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب

على ورق من خط أحسن من كتب

وأن تنهض الأشراف عند سماعه

قياما صفوفا أو جثيا على الركب

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مدح میں ورق پر سونے کے خط کے ساتھ نہایت خوبصورت انداز میں لکھنا بھی کم ہے اور یہ بھی کم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذکر جمیل کے وقت سردار صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں یا گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں۔"

یہ سن کر امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کھڑے ہوگئے اور وہ تمام لوگ بھی کھڑے ہوگئے جو اس مجلس میں موجود تھے۔ پس اس مجلس میں ایک اُنس ومحبت کی فضا پیدا ہوگئی اور اس طرح کی مثال اقتداء و پیروی کے لئے کافی ہے اور ابن حجر ہیثمی بیان کرتے ہیں کہ بدعتِ حسنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے۔ اور مولد منانے کا عمل اور لوگوں کا اس کے لئے اکٹھا ہونا بدعت حسنہ ہے۔"[1]

۳۱۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ):

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "أشعة اللمعات" میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض بدعتھا ست کہ واجب است چنانچہ تعلم و تعلیم صرف و نحو کہ بداں معرفت آیات و احادیث حاصل گردد وحفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیزھائیکہ حفظ دین وملت برآں موقوف بود، وبعض مستحسن و مستحب مثل بنائے رباطھا ومدرسھا، وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض و بعض مباح مثل فراخی در بعامھائے لذیذہ ولباسھاے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند و باعث طغیان وتکبر و مفاخرت نشوند، ومباحات دیگر کہ درزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نبودند چنانکہ بیری وغربال ومانند آن، وبعض حرام چنانکہ مذاھب اھل بدع واھوا بر خلاف سنت وجماعت وآنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند۔

"بعض بدعتیں ایسی ہیں جو کہ واجب ہیں مثلاً علمِ صرف ونحو کا سیکھنا اور سکھانا کہ ان کے ذریعے آیات واحادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے، اسی طرح کتاب وسنت کے غرائب اور دوسری بہت سی چیزوں کو حفظ کرنا جن پر دین وملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات مستحسن اور مستحب ہیں جیسے سرائے اور دینی مدرسے تعمیر کرنا، اور بعض بدعات علماء کے نزدیک مکروہ ہیں جیسے مساجد اور قرآن حکیم کی آرائش وزیبائش کرنا۔ بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور لباس فاخرہ کی فراوانی کا حسب ضرورت استعمال، لیکن شرط یہ ہے کہ حلال ہوں اور سرکشی، تکبر ورعونت اور فخر کا باعث نہ ہوں، اور دوسری ایسی مباحات جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے میں نہ تھیں جیسے کہ آٹے کو چھلنی

---

[1] (السيرة الحلبية،إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون الناشر: دار الكتب العلمية بيروت ج ۱ ص ۱۲۳)

سے چھاننا وغیرہ۔ بعض بدعات حرام ہیں ان میں اہلِ بدعت کے نفسانی خواہشات کی اتباع میں نئے مذاہب ہیں جو سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ،جماعت اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقوں کے خلاف ہیں۔"[1]

۳۲۔علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۸۸ھ):

علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئۃ میں کرتے ہیں لہٰذا اذان کے بعد سلام پڑھنے کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سنة سبعمائة وإحدى وثمانين في عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث في الكل إلا المغرب (ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة)۔

"اذان کے بعد سلام پڑھنے کی ابتداء سات سو اکیاسی ہجری (۷۸۱ھ) کے ربیع الآخر میں پیر کی شب عشاء کی اذان سے ہوئی، اس کے بعد جمعہ کے دن اذان کے بعد سلام پڑھا گیا اس کے دس سال بعد مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو مرتبہ سلام پڑھا جانے لگا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔"[2]

۳۳۔امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۱۲۲ھ):

امام محمد عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے محدث اور شارح گزرے ہیں وہ حدیث "**نعمت البدعة هذه**" کے ذیل میں بدعت کا مفہوم اور اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سماها بدعة لأنه صلى الله عليه وسلم لم يسن الاجتماع لها ولا كانت في زمان الصديق وهو لغة ما أحدث على غير مثال سبق وتطلق شرعا على مقابل السنة وهي ما لم يكن في عهده صلى الله عليه وسلم ثم تنقسم إلى الأحكام الخمسة وحديث كل بدعة ضلالة عام مخصوص وقد رغب فيها عمر۔

"باجماعت نماز تراویح کو بدعت سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کے لئے اجتماع سنت قرار نہیں دیا اور لغوی اعتبار سے بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا گیا ہو اور شرعی طور پر بدعتِ سیئۃ کو سنت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہوتا ہے جسے عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1] (عبد الحق محدث دهلوى، أشعة اللمعات، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ج ۱ ص ۱۲۵)

[2] (الدر المختار الناشر دار الفكر ج ۱ ص ۳۹۰)

واصحابہ وبارک وسلم میں نہ کیا گیا ہو پھر بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں اور حدیث "کل بدعة ضلالة" عام مخصوص ہے اور سیدنا عمر فاروق نے اس (نماز تراویح) کی ترغیب دی ہے۔"[1]

۳۴۔ علامہ مرتضیٰ حسینی الزبیدی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۲۰۵ھ):

علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ معروف ماہر لغت ہیں وہ اپنی شہرہ آفاق لغت "تاج العروس من جواھر القاموس" میں بدعت کی تعریف اور تقسیم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقالَ ابنُ السِّكِّيت: البِدْعَةُ: كُلُّ مُحْدَثَةٍ. وفي حَدِيثِ «1» قِيامِ رَمَضَانَ «نِعْمَت البِدْعَةُ هذِه» وقالَ ابنُ الأَثِير: البِدْعَةُ بِدْعَتَانِ: بِدْعَةُ هُدًى، وبِدْعَةُ ضَلالٍ، فَمَا كانَ في خِلافِ ما أَمَرَ اللّٰهُ به فهو في حَيِّزِ الذَّمِّ والإِنْكارِ، وما كانَ وَاقِعاً تَحْتَ عُمُومِ ما نَدَبَ اللّٰهُ إِلَيْهِ، وحَضَّ عَلَيْه، أَوْ رَسُولُه، فهو في حَيِّزِ المَدْحِ، وما لَمْ يَكُنْ لَهُ مِثَالٌ مَوْجُودٌ كنَوعٍ مِن الجُودِ والسَّخَاءِ، وفِعْلِ المَعْرُوفِ، فهو من الأَفْعَالِ المَحْمُودَةِ، ولا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ذلِک في خِلَافِ مَا وَرَدَ الشَّرْعُ به، لأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلّم قد جعَلَ له في ذلِک ثَوَاباً، فقال: «مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ أَجْرُها وأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا». وقال في ضِدِّهِ: «مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئةً كَانَ عليهِ وِزْرُهَا ووِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا»، وذلِک إِذا كانَ في خِلافِ ما أَمَرَ اللّٰهُ به ورَسُولُه، قال: «ومن هذا النَّوْعِ قَوْلُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعالَى عنه: «نِعْمَتِ البِدْعَةُ هذِه» لمّا كانَتْ من أَفْعَالِ الخَيْرِ، ودَاخِلَةً في حَيِّزِ المَدْحِ سَمّاها بِدْعَةً ومَدَحَهَا، لإنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلّم لَمْ يَسُنَّهَا لَهُمْ، وإِنَّمَا صَلَّاهَا لَيَالِيَ ثُمَّ تَرَكَهَا، ولَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا، ولا جَمَعَ النّاسَ لَهَا، ولا كَانَتْ في زَمَنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه، وإِنَّمَا عُمَرُ جَمَعَ النّاسَ عَلَيْهَا ونَدَبَهُمْ إِلَيْهَا، فَبِهذَا سَمّاهَا بِدْعَةً، وهي على الحَقِيقَةِ سُنَّةٌ لِقَوْلِه صلى الله عليه وآله وسلّم: «عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي» وقَوْلُه صلى الله عليه وآله وسلّم: «اقْتَدُوا باللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وعُمَرَ!». وعَلَى هذا التَّأْوِيلِ يُحمَلُ الحَدِيثُ الآخَرُ: «كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ» إِنّمَا يُرِيدُ ما خَالَفَ أُصُولَ الشَّرِيعَةِ ولَمْ يُوافِقِ السُّنَّةَ۔

ابنُ السِّکِّیت نے کہا ہے کہ بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اور جیسا کہ حدیث قیام رمضان میں "نعمتِ البدعة ھذہ" ہے اور ابن اثیر نے کہا ہے بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت ھدی اور بدعت ضلال جو کام اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے جود وسخاء کی اقسام اور دوسرے نیک کام، پس وہ اچھے کاموں میں سے ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

---

[1] (شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالک ج ۱ ص ۳۴۰)

وسلم نے فرمایا:"جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو۔ اور اسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سیدنا عمر فاروق کا یہ قول "نعمت البدعة هذه" ہے پس جب کوئی کام افعال خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا مگر ایسے کام کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (باجماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت نہ فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِ" اور اس قول "اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وعُمَرَ "کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث "کل محدثة بدعة" کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔"[1]

۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۲۵۲ھ):

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "رد المختار علی در المختار" میں لفظ "صاحب بدعة" کا مفہوم ومراد واضح کرتے اور بدعت کی متعدد اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قوله أي صاحب بدعة) أي محرمة، وإلا فقد تكون واجبة، كنصب الأدلة للرد على أهل الفرق الضالة، وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة ومندوبة كإحداث نحو رباط ومدرسة وكل إحسان لم يكن في الصدر الأول، ومكروهة كزخرفة المساجد. ومباحة كالتوسع بلذيذ المآكل والمشارب والثياب كما في شرح الجامع الصغير للمناوي عن تهذيب النووي، وبمثله في الطريقة المحمدية للبركلي۔

"(قوله أي صاحب بدعة) ان کے قول صاحب بدعت سے مراد بدعت محرمہ ہے اور اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر بدعت واجبہ مراد ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رد میں دلائل قائم کرنا اور علم النحو کا سیکھنا جو کہ کتاب وسنت کو سمجھانے کا باعث ہے اور

---

[1] (تاج العروس من جواهر القاموس الناشر: دار الفكر–بيروت ج ۱۱ ص ۹)

اسی طرح بدعت مندوبہ ہوتی ہے جیسے سرحدی چوکیوں، مدارس کی تعمیر اور وہ اچھے کام جو پہلے زمانہ میں نہ تھے ان کا ایجاد کرنا وغیرہ اور اسی طرح مساجد کی تزئین کرنا بدعت مکروہ ہے۔ اور اسی طرح لذیذ کھانے، مشروبات اور ملبوسات وغیرہ میں وسعت اختیار کرنا بدعت مباحہ ہے اور اسی طرح امام مناوی کی "جامع الصغیر" میں، امام نووی کی "تهذيب" میں اور امام برکلی کی "الطريقه المحمديه" میں بھی ایسے ہی درج ہے۔"[1]

۳۶۔ شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۵۵ھ):

یمن کے معروف غیر مقلد عالم شیخ شوکانی جنہیں اہلِ حدیث اور سلفی اپنا امام مانتے ہیں، وہ حدیثِ عمر "نعمت البدعة هذه" کے ذیل میں فتح الباری کے حوالے سے بدعت کی پانچ اقسام بیان کرتے ہیں:

الْبِدْعَةُ أَصْلُهَا مَا أُحْدِثَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ، وَتُطْلَقُ فِي الشَّرْعِ عَلَى مُقَابَلَةِ السُّنَّةِ فَتَكُونُ مَذْمُومَةً، وَالتَّحْقِيقُ أَنَّهَا إنْ كَانَتْ مِمَّا يَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَحْسَنٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ حَسَنَةٌ، وَإِنْ كَانَتْ مِمَّا يَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَقْبَحٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ مُسْتَقْبَحَةٌ، وَإِلَّا فَهِيَ مِنْ قِسْمِ الْمُبَاحِ، وَقَدْ تَنْقَسِمُ إلَى الْأَحْكَامِ الْخَمْسَةِ۔

"لغت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے یہ مذموم ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے ورنہ بدعت مباحہ ہے اور بلاشبہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔"[2]

۳۷۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ):

ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی" میں علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتفصيل الكلام في البدعة ما ذكره الإمام محيي الدين النووي في شرح صحيح مسلم قال العلماء: البدعة خمسة أقسام واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة ومباحة فمن الواجبة تعلم أدلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين وشبه ذلک، ومن المندوبة تصنيف كتب العلم وبناء المدارس والربط وغير ذلک، ومن المباحة التبسط في ألوان الاطعمة وغير ذلک، والحرام والمكروه ظاهران، فعلم أن قوله صلى الله تعالى عليه وسلم «كل

---

[1] (ردالمحتار على الدر المختار الناشر: دار الفكر-بيروت ج ١ ص ٥٦٠)

[2] (نيل الأوطار من أحاديث سيد الأخيار شرح منتقى الأخبار الناشر: إدارة الطباعة المنيرية ج ١ ص ٢١٨)

بدعة ضلالة» من العام المخصوص وقال صاحب جامع الأصول : الابتداع من المخلوقين إن كان في خلاف ما أمر الله تعالى به ورسوله صلى الله تعالى عليه وسلم فهو في حيز الذم والإنكار وإن كان واقعا تحت عموم ما ندب الله تعالى إليه وحض عليه أو رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم فهو في حيز المدح وإن لم يكن مثاله موجودا كنوع من الجود والسخاء وفعل المعروف ، ويعضد ذلك قول عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في صلاة التراويح : نعمت البدعة۔

" بدعت کی تفصیلی بحث امام محی الدین النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شرح صحیح مسلم میں کی ہے اور دیگر علماء نے کہا ہے بدعت کی پانچ اقسام بدعتِ واجبہ ،بدعتِ مستحبۃ ،بدعتِ محرمۃ، بدعتِ مکروھۃ اور بدعتِ مباحۃ ہیں۔ بدعتِ واجب میں سے یہ ہے کہ ملحدین، مبتدعین اور ان جیسے دیگر طبقات کی دلیل یہ ہے کہ کوئی علمی کتاب تصنیف کرنا مدرسے بنانا، سرائے یا اس جیسی دیگر چیزیں بنانا اس میں شامل ہے اور بدعتِ مباحۃ جیسے رنگ برنگے کھانے اور اس طرح کی چیزوں میں اضافہ وغیرہ جبکہ حرام اور مکروہ دونوں واضح ہیں۔ پس یہ جان لینا ہے۔ اور صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ بدعات کی چند اقسام ہیں جو کام اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور اگر کسی (کام) کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے جود وسخا کی اقسام اور دوسرے نیک کام اور جس طرح صلاۃ التراویح میں حضرت عمر کے قول سے تقویت ملتی ہے کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔"[1]

۳۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ):

مولانا احمد علی سہانپوری صحیح بخاری کے حاشیہ میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق ويطلق فی الشرع فی مقابلة السنة فتكون مذمومة والتحقيق إنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة و إن كانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة وإلا فهی من قسم المباح وقد تنقسم الى احكام خمسة قاله فی الفتح ای واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة ومباحة كذا فی الكرمانی قال محمد فی المؤطا لا باس فی شهر رمضان ان يصلی الناس تطوعا وقد روی عن النبی صلی الله عليه وآله واصحابه وبارک وسلم ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما راه المسلمون قبيحا فهو عند الله قبيح۔ وفی الفتح قال ابن التين وغيره استنبط عمر ذلک من تقرير النبی صلی الله عليه وآله واصحابه وبارک وسلم من صلی معه فی تلک الليالی وان كان كره ذلک لهم فانما كرهه خشية ان يفرض عليهم وكان هذا هو السر

[1] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني (نسخة محققة) الناشر: دار الكتب العلمية۔بيروت ج۱۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲)

فی ایراد البخاری لحدیث عائشۃ عقب حدیث عمر فلما مات صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم حصل الامن من ذلک۔

"بدعت سے مراد وہ عمل ہے جو مثال سابق کے بغیر کیا جائے شریعت میں عام طور پر اسے سنت کے مقابلے میں بیان کیا جاتا ہے لہٰذا اس صورت میں یہ مذموم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو اسے بدعت حسنہ کہیں گے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آجائے تو اسے بدعت مستقبحہ کہیں گے اور اگر یہ دونوں کے تحت نہ آئے تو اسے بدعت مباحہ میں شمار کیا جائے گا اور بے شک یہ پانچ اقسام میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ صاحب فتح الباری نے کہا کہ یہ واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ ہیں اور اسی طرح شرح کرمانی میں ہے امام محمد نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں کے ماہِ رمضان میں نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کام مسلمانوں کی نظر میں اچھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جو کام مسلمانوں کی نظر میں قبیح ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی برا ہے۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ ابن متین اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ حضرت عمر نے بھی ان راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اگر اس میں ان کے لئے کراہت تھی تو وہ اس ڈر سے کراہت تھی کہ کہیں وہ (نماز) ان پر فرض نہ ہو جائے اور یہ وہ راز تھا جسے امام بخاری نے حضرت عمر کی حدیث کے بعد حضرت عائشہ کی حدیث سے مراد لیا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا وصال مبارک ہوا تو اس (نماز کی فرضیت) کا خوف جاتا رہا۔"[1]

۳۹۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ):

غیر مقلدین کے نامور عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت ترک ہو رہی ہو اور جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے شیخ وحید الزمان اپنی کتاب "ھدیۃ المھدی" کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعۃ الضلالۃ المحرمۃ ھی التی ترفع السنۃ مثلھا و التی لا ترفع شیئا منھا فلیست ھی من البدعۃ بل ھی مباح الاصل۔

[1] (حاشیہ بخاری، سہارنپوری ج ۱ ص ۲۶۹)

"بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔"[1]

۴۰۔ مولانا وحید الزمان (المتوفی ۱۳۲۷ھ):

مشہور غیر مقلد عالم دین مولانا وحید الزمان بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما البدعة اللغوية فهي تنقسم إلى مباحة و مكروهة و حسنه و سيئة قال الشيخ ولى الله من أصحابنا من البدعة بدعة حسنة كالأخذ بانو اجذ لما حث عليه النبى صلى الله عليه وآله و اصحابه و بارك وسلم من غير عزم كالتراويح ومنها مباحة كعادات الناس فى الأكل و الشرب و اللباس وهى هنيئة قلت تدخل فى البدعات المباحة استعمال الورد و الرياحين و الأزهار للعروس ومن الناس من منع عنها لاجل التشبه بالهنود الكفار قلنا أذا لم ينو التشبه أوجرى الأمر المرسوم بين الكفار فى جماعة المسلمين من غير نكير فلا يضر التشبه ككثير من الا قبية و الالبسة التى جاءت من قبل الكفار ثم شاعت بين المسلمين وقد لبس النبى صلى الله عليه وآله و اصحابه و بارك وسلم جبة رومية ضيقة الكمين وقسم الا قبية التى جاءت من بلاد الكفار على أصحابه ومنها ماهى ترك المسنون وتحريف المشروع وهى الضلالة وقال السيد البدعة الضلالة المحرمة هى التى ترفع السنة مثلها و التى لا ترفع شيئا منها فليست هى من البدعة بل هى مباح الأصل۔

"باعبار لغت بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: بدعت مباحہ، بدعت مکروھہ، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ ہمارے اصحاب میں سے شیخ ولی اللہ نے کہا کہ بدعات میں سے بدعت حسنہ کو دانتوں سے پکڑ لینا چاہیے (یعنی اس پر جم جانا چاہیے) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو واجب کیے بغیر اس پر برانگیختہ کیا ہے جیسے تراویح۔ بدعات میں سے ایک بدعت مباحہ ہے جیسے لوگوں کے کھانے پینے اور پہننے کے معمولات ہیں اور یہ آسان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دولہا، دلہن کے لئے کلیوں اور پھولوں کا استعمال (جیسے ہار اور سہرا) بھی بدعات مباحہ میں داخل ہے بعض لوگوں نے ہندوؤں سے مشابہت کے سبب اس سے منع کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص تشبہ کی نیت نہ کرے یا کفار کی کوئی رسم مسلمانوں میں بغیر انکار رجاری ہو تو اس میں مشابہت سے کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ قباء اور دوسرے لباس کفار کی طرف سے آئے اور مسلمانوں میں رائج ہو گئے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ پہنا ہے اور کفار کی طرف سے جو قبائیں آئی تھیں ان کو صحابہ میں تقسیم فرما دیا تھا اور بدعات میں سے ایک وہ بدعت ہے جس سے کوئی سنت ترک ہو رہی ہو اور حکم شرعی میں تبدیلی آئے اور یہی بدعت ضلالہ (سیئہ) ہے۔ نواب صاحب (نواب صدیق بھوپالی) نے کہا ہے کہ بدعت وہ ہے جس

---

[1] (وحيدالزمان، هدية المهدى: ۱۱۷)

سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔"[1]

۴۱۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ):

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم بیان کرتے ہوئے "**تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی**" میں لکھتے ہیں:

كل بدعة ضلالة، والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه، وأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة فقوله صلى الله عليه وسلم كل بدعة ضلالة من جوامع الكلم لا يخرج عنه شيء وهو أصل عظيم من أصول الدين، وأما ما وقع في كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنما ذلك في البدع اللغوية لا الشرعية، فمن ذلك قول عمر رضي الله عنه في التراويح نعمت البدعة هذه، وروى عنه أنه قال إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة، ومن ذلك آذان الجمعة الأول زاده عثمان لحاجة الناس إليه وأقره علي واستمر عمل المسلمين عليه، وروي عن ابن عمر أنه قال هو بدعة ولعله أراد ما أراد أبوه في التراويح۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قول "**کل بدعة ضلالة**" (ہر بدعت گمراہی ہے) میں بدعت سے مراد ایسی نئی چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے اور وہ چیز جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے اسے شرعاًبدعت نہیں کہا جاسکتا اگر چہ وہ لغتاًبدعت ہو گی کیونکہ حضور علیہ السلام کا قول "**کل بدعة ضلالة**" جوامع الکلم میں سے ہے اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ یہ دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور اَسلاف کے کلام میں جو بعض بدعات کو مستحسنہ قرار دیا گیاہے تو یہ بدعت لغویہ ہے۔ اور اسی میں سے حضرت عمر کا نماز تراویح کے بارے میں فرمان "**نعمت البدعة هذه**" ہے اور آپصلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ہی روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا(**ان کانت هذه بدعة فنعمت البدعة**)"(اگر یہ بدعت ہے تو یہ اچھی بدعت ہے)اور جمعہ کی پہلی اذان بھی اسی میں سے ہے جسے حضرت عثمان نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر شروع کیا تھااور اسے حضرت علی المرتضی نے قائم رکھااور اسی پر مسلمانوں نے مداومت اختیار کی۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ بدعت

[1] (وحیدالزمان۔ھدیۃالمھدی ص ۱۱۷)

ہے کا شاید ان کا ارادہ بھی اس سے وہی تھا جو ان کے والد (حضرت عمر) کا نماز تراویح میں تھا (کہ باجماعت نماز تراویح "نعمت البدعة" ہے)۔"[1]

۴۲۔ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی (المتوفی ۱۳۶۹ھ):

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی "فتح الملهم شرح صحيح مسلم" میں حدیث "كل بدعة ضلالة" کی شرح کرتے ہوئے اقسام بدعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال علی القاری قال فی الازهار أی كل بدعة سيئة ضلالة لقوله عليه الصلوٰة والسلام (من سن فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها) وجمع ابوبكر وعمر القرآن۔ وكتبه زيد فی المصحف وجدد فی عهد عثمان قال النووی البدعة كل شئ عمل على غير مثال سبق وفی الشرع إحداث مالم يكن فی عهد رسول الله صلى الله عليه وآله واصحابه وبارك وسلم وقوله كل بدعة ضلالة عام مخصوص۔

"ملا علی قاری" "الازهار" میں بیان کرتے ہیں کہ "كل بدعة ضلالة" سے ہر بدعت سیئہ کا گمراہی ہونا مراد ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ قول دلیل ہے کہ "من سن فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها" جیسا کہ حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما نے قرآن کو جمع کیا حضرت زید بن ثابت نے اسے مصحف میں لکھا اور عہد عثمان میں اس کی تجدید کی گئی۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بدعت ہر اُس عمل کو کہتے ہیں جس کو مثال سابق کے بغیر عمل میں لایا جائے اور اصطلاحِ شرع میں ہر وہ نیا کام جو عہدِ نبوی میں نہ ہوا ہو بدعت کہلاتا ہے اور حدیث "كل بدعة ضلالة" عام مخصوص ہے۔"[2]

۴۳۔ مولوی محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی (المتوفی ۱۴۰۲ھ):

مولوی محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی "أوجز المسالك إلى موطا مالك" میں "نعمت البدعة هذه" کے ذیل میں بدعت کا معنی ومفہوم اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة الممنوعة تكون خلاف السنة، وهذا تصريح منه بأنه أول من جمع الناس فی قيام رمضان على إمام واحد بالجماعة الكبرى، لأن البدعة ما ابتدأ بفعلها المبتدع، ولم يتقدمه غيره، وأراد بالبدعة: اجتماعهم على إمام واحد لا أصل التراويح أو الجماعة، فإنهم كانوا قبل ذلك يصلون أوزاعا لنفسه ومع الرهط۔

---

[1] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي ج ۳ ص ۴۲۶)

[2] (فتح الملهم، بشرح صحيح الإمام مسلم ج ۴ ص ۳۲۸ دار القلم: دمشق)

"بدعتِ ممنوعہ خلافِ سنت ہوتی ہے۔ اور یہ اس کی وضاحت میں سے ہے کیونکہ یہ (یعنی سیدنا عمر فاروق) پہلے شخص تھے جنہوں نے قیام رمضان کے سلسلے میں بڑی جماعت کے لئے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا۔ کیونکہ بدعت وہ ہوتی ہے جس کی ابتداء کسی بدعتی نے کی ہو اور اس سے پہلے اس کے علاوہ کسی اور نے اس کا اجراء نہ کیا ہو پس اس حدیث میں بدعت سے مراد ایک امام کے پیچھے لوگون کو مجتمع کرنا ہے نہ کہ نفس تراویح یا نفس جماعت کا آغاز کرنا کیونکہ صحابہ اس سے قبل الگ الگ یا گروہ کی شکل میں نماز پڑھا کرتے تھے۔"[1]

۴۴۔ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (۱۴۲۱ھ):

عصرِ قریب میں مملکت سعودی عرب کے معروف مفتی شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز نے سعودی حکومت کے شعبہ "الافتاء والدعوہ والارشاد" کے زیر اہتمام چھپنے والے اپنے فتاویٰ کے مجموعہ "الفتاوی اللجمۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء" میں بدعت حسنہ اور بدعت سیہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھاہے:

أولا: قسم العلماء البدعة إلى بدعة دينية وبدعة دنيوية، فالبدعة في الدين هي: إحداث عبادة لم يشرعها الله سبحانه وتعالى، وهي التي ترادفي الحديث الذي ذكر ومافي معناه من الأحاديث. وأما الدنيوية: فما غلب فيها جانب المصلحة على جانب المفسدة فهي جائزة وإلا فهي ممنوعة، ومن أمثلة ذلک: ما أحدث من أنواع السلاح والمراكب ونحو ذلک.

ثالثا: طبع القرآن وكتابته من وسائل حفظه وتعلمه وتعليمه والوسائل لها حكم الغايات فيكون ذلک مشروعا وليس من البدع المنهي عنها؛ لأن الله سبحانه ضمن حفظ القرآن الكريم وهذا من وسائل حفظه۔

"علماء کرام نے بدعت کو بدعت دینیہ اور بدعت دنیویہ میں تقسیم کیا ہے، بدعت دینیہ یہ ہے کہ ایسی عبادت کو شروع کرنا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشروع نہ کیا ہو اور یہی اس حدیث سے مراد ہے جو ذکر کی جاچکی ہے اور اس طرح کی دیگر احادیث سے بھی یہی مراد ہے اور دوسری بدعت دنیوی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو (یعنی مصلحت والا پہلو فساد والے پہلو پر غالب نہ ہو) تو وہ ممنوع ہے۔ اس کی مثالوں میں مختلف اقسام کا اسلحہ سواریاں اور اس جیسی دیگر چیزیں بنانا اسی طرح قرآن پاک کی طباعت وکتابت اس کو حفظ کرنے، اسے سیکھنے اور سکھانے کے وسائل اور وہ وسائل جن کے لیے غایات (اھداف) کا حکم ہے

---

[1] (کاندھلوی، أوجز المسالک الی مؤطا مالک: ج ۲ ص ۲۹۷)

پس یہ ساری چیزیں مشروع ہیں اور ممنوعہ بدعات میں سے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کے حفظ کی ضمانت دی ہے اور یہ (سب اس کے) وسائل حفظ میں سے ہے۔"[1]

ایک اور سوال کے جواب میں ابن باز بدعت **دينية** اور بدعت **عادية** کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة تنقسم إلى: بدعة دينية، وبدعة عادية، فالعادية مثل: كل ما جد من الصناعات والاختراعات، والأصل فيها: الجواز إلا ما دل دليل شرعي على منعه.

أما البدعة الدينية فهي: كل ما أحدث في الدين مضاهاة لتشريع الله.

"بدعت کو بدعت دینیہ اور بدعت عادیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے پس بدعت عادیہ سے مراد ہر وہ نئی چیز جو کہ مصنوعات یا ایجادات میں سے ہو اور اصل میں اس پر جواز کا حکم ہے سوائے اس چیز کے کہ جس کے منع پر کوئی شرعی دلیل آچکی ہو اور پھر بدعت دینی یہ ہے کہ ہر نئی چیز جو دین میں ایجاد کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شرع کے تشابہ ہو (یہ ناجائز ہے۔)"[2]

بدعت کی لغوی تعریف کے بعد بدعت خیر اور بدعت شر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ ابن باز لکھتے ہیں:

البدعة: هي كل ما أحدث على غير مثال سابق، ثم منها ما يتعلق بالمعاملات وشئون الدنيا، كاختراع آلات النقل من طائرات وسيارات وقاطرات، وأجهزة الكهرباء، وأدوات الطهي، والمكيفات التي تستعمل للتدفئة والتبريد. وآلات الحرب من قنابل وغواصات ودبابات... إلى غير ذلك مما يرجع إلى مصالح العباد في دنياهم فهذه في نفسها لا حرج فيها ولا إثم في اختراعها، أما بالنسبة للمقصد من اختراعها وما تستعمل فيه فإن قصد بها خير واستعين بها فيه فهي خير، وإن قصد بها شر من تخريب وتدمير وإفساد في الأرض واستعين بها في ذلك فهي شر وبلاء.

"ہر وہ چیز جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کی جائے بدعت کہلاتی ہے۔ پھر ان میں سے جو چیزیں معاملات اور دنیاوی کاموں میں سے ہوں جیسے نقل وحمل کے آلات میں سے جہاز، گاڑیاں، ریلوی انجن، بجلی کا سامان، صنعتی آلات اور ایئر کنڈیشنز جو کہ ٹھنڈک اور حرارت کے لئے استعمال ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ، اور اسی جنگی آلات میں سے ایٹم بم، آبدازیں اور ٹینک یا اس جیسی دیگر چیزیں جن کو لوگ اپنے دنیاوی فائدہ کے پیش نظر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہی کہ فی نفسہ ان کی ایجادات میں نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کا حرج ہے مگر ان چیزوں کے مقصد ایجاد کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ اگر تو ان چیزوں کے استعمال کا مقصد خیر وسلامتی ہے تو ان چیزوں سے خیر کے معاملے میں مدد حاصل کی جاسکتی ہے تو یہ ایک بھلائی ہے اور اگر ان

---

[1] (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء الناشر: الرئاسة العامة للبحوث العلمية والإفتاء ج۳ص ۱۲۴)

[2] (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء الناشر: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء - الإدارة العامة للطبع – الرياض الباب اقسام البدع ج۴ص ۹۳، ۹۴)

چیزوں کا مقصد ایجاد زمین میں شر، فساد، تخریب کاری اور تباہی ہے تو پھر ان سے مدد حاصل کرنا تباہی و بربادی ہے اور یہ ایک شر اور بلاء ہے۔"[1]

۴۵۔الشیخ محمد بن علوی المالکی المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۴۲۵ھ):

مکہ مکرمۃ کے معروف عالم دین الشیخ السید محمد بن علوی المالکی الحسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کو لازمی قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ اپنی کتاب "مفاهيم يجب أن تصحح" میں بدعت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن روح الشريعة الإسلامية توجب علينا أن نميز بين أنواع البدعة وأن نقول: إن منها البدعة الحسنة ومنها البدعة السيئة، وهذا ما يقتضيه العقل النير والنظر الثاقب.

وهذا ما حققه علماء الأصول من سلف هذه الأمة رضي الله عنهم كالإمام العز ابن عبد السلام والنووي والسيوطي والمحلي وابن حجر.

ومن أمثلة ذلك هذا الحديث: كل بدعة ضلالة۔۔۔۔۔فلابد من القول: أن المراد بذلك البدعة السيئة التي لا تدخل تحت أصل شرعي. وهذا التقييد وارد في غير هذا الحديث كحديث: ((لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد))..فهذا الحديث مع أنه يفيد الحصر في نفي صلاة جار المسجد إلا أن عمومات الأحاديث تفيد تقييده بأن لا صلاة كاملة. وكحديث:

((لا صلاة بحضرة الطعام))..قالوا: أي صلاة كاملة. وكحديث: ((لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه))..قالوا: أي إيماناً كاملاً. وكحديث: ((والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل: من يا رسول الله؟ قال: من لم يأمن جاره بوائقه)). وكحديث: ((لا يدخل الجنة قتات)) .. ((ولا يدخل الجنة قاطع رحم)) ..((وعاق لوالديه))..فالعلماء قالوا: إنه لا يدخل دخولاً أولياً أو لا يدخل إذا كان مستحلاً لذلك الفعل.

الحاصل أنهم لم يجروه على ظاهره وإنما أولوه بأنواع التأويل. وحديث البدعة هذا من هذا الباب فعمومات الأحاديث وأحوال الصحابة تفيد أن المقصود به البدعة السيئة التي لا تندرج تحت أصل كلي. وفي الحديث: ((من سن سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة)). وفي الحديث: ((عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين))..ويقول عمر في صلاة التراويح: نعمت البدعة هذه۔

"شریعت اسلامیہ کی تعلیمات نے ہم پر لازم کیا ہے کہ ہم انواعِ بدعت میں تمیز و فرق سے کام لیں اور یہ کہیں کہ بعض بدعتِ حسنہ ہیں اور بعض بدعتِ سیئہ ہیں، عقل اور نظر ثاقب بھی اسی کو چاہتی ہے۔ اس اُمت کے علماء سلف میں سے علماء

---

[1] (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء الناشر: الرئاسة العامة للبحوث العلمية والإفتاء ج۳ ص ۱۱۸)

اُصول نے اسی کو ثابت کیا ہے جیسا کہ امام عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلامہ نووی وسیوطی ومحلی وابنِ حجر رحمھم اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔"

اس کی ایک مثال حدیث "کل بدعة ضلالة" ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس سے مراد وہ بدعتِ سیئہ ہے جو اصل شرعی کے تحت داخل نہ ہو۔ یہ قید اور اس طرح کی دیگر قیودات دیگر احادیث میں بھی بکثرت وارد ہوئی ہیں جیسا کہ یہ حدیث مبارکہ" لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد " مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ اس حدیث پاک میں حصر کے ساتھ مسجد کے پڑوسی کی نماز کی نفی وارد ہوئی مگر احادیث کثیرہ کے عموم سے یہ قید اس کے ساتھ مستفاد ہوتی ہے کہ" لا صلاة بحضرة الطعام " علماء کرام نے فرمایا اس میں بھی نفی کمال کی ہے بمعنی "لا صلاة كاملة " اور تیسری حدیث پاک "لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه " اس میں بھی علماء کرام نے فرمایا کہ مراد "لا يؤمن إيماناً كاملاً " نفی کمال کی ہے اور چوتھی روایت:"والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل: من يا رسول الله؟ قال: من لم يأمن جاره بوائقه "خدا کی قسم مومن نہیں خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مومن نہیں، عرض کیا گیا کہ کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے مامون نہ ہو۔ اس میں بھی نفی کمال کی ہے اور پانچویں حدیث:"لا يدخل الجنة قتات.. ولا يدخل الجنة قاطع رحم.. وعاق لوالديه " جنت میں چغل خوری کرنے والا داخل نہ ہو گا اور جنت میں قطع رحمی کرنے والا اور ماں باپ کا نافرمان داخل نہ ہو گا۔

علماء کرام نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ "لا يدخل دخولاً أولياً" یعنی دخول اولی کی نفی ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ بالکل جنت میں داخل نہ ہو گا اگر ان افعال کو حلال سمجھ کر کرے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علماء کرام نے ان احادیث کو ظاہر پر محمول نہیں کیا اور کسی نہ کسی قسم کی تاویل کی ہے اور "كل بدعة ضلالة" والی حدیث بھی اسی قبیل سے ہے۔ احادیث شریفہ کے عموم اور احوالِ صحابہ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس بدعت سے مراد بدعتِ سیئہ ہے جو کسی حاصل کلی کے تحت مندرج نہ ہو۔ اور ایک حدیث پاک میں تو یہ ارشاد فرمایا:"من سن سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة ولا ينقص من اجرها شيءُ" جو شخص کوئی بھی اچھا طریقہ جاری کر دے تو اس کا اس کا اجر وثواب اور ان لوگوں کا اجر وثواب ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔" اور دوسری حدیث پاک میں ہے:"عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين"۔ لازم پکڑو میری سنت کو

اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔ اور صلاۃ التراویح کے بارے میں حضرت عمر فرماتے ہیں: "**نعمت البدعة هذه**" یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔"[1]

شیخ محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ينتقد بعضهم تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة، وينكر على من يقول ذلك أشد الإنكار، بل ومنهم من يرميه بالفسق والضلال، وذلك لمخالفة صريح قول الرسول - صلى الله عليه وسلم -: [كل بدعة ضلالة]. وهذا اللفظ صريح في العموم وصريح في وصف البدعة بالضلالة، ومن هنا تراه يقول: فهل يصح بعد قول المشرع صاحب الرسالة: أن كل بدعة ضلالة يأتي مجتهد أو فقيه مهما كانت رتبته فيقول: لا - لا - ليست كل بدعة ضلالة، بل بعضها ضلالة وبعضها حسنة وبعضها سيئة، وبهذا المدخل يغترّ كثير من الناس فيصيح مع الصائحين وينكر مع المنكرين ويكثّر سوادهؤلاء الذين لم يفهموا مقاصد الشريعة، ولم يذوقوا روح الدّين الإسلامي.

ثم لا يلبث إلا يسيراً حتى يضطر إلى إيجاد مخرج يحل له المشاكل التي تصادمه، ويفسر له الواقع الذي يعيشه، إنه يضطر إلى اللجوء إلى اختراع وسيلة أخرى، لولاها لما يستطيع أن يأكل ولا يشرب ولا يسكن، بل ولا يلبس ولا يتنفس ولا يتزوج ولا يتعامل مع نفسه ولا أهله ولا إخوانه ولا مجتمعه، هذه الوسيلة هي أن يقول باللفظ الصريح: إن البدعة تنقسم إلى بدعة دينية ودنيوية، يا سبحان الله - لقد أجاز هذا المتلاعب لنفسه أن يخترع هذا التقسيم أو على الأقل أن يخترع هذه التسمية ولو سلّمنا أن هذا المعنى كان موجوداً منذ عهد النبوة لكن هذه التسمية: دينية ودنيوية لم تكن موجودة قطعاً في عهد التشريع النبوي فمن أين جاء هذا التقسيم؟ ومن أين جاءت هذه التسمية المبتدعة؟ فمن قال: إن تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة لم يأت من الشارع نقول له: وكذا تقسيم البدعة إلى دينية غير مقبولة، ودنيوية مقبولة هو عين الابتداع والاختراع. فالشارع يقول: (كل بدعة ضلالة) هكذا بالإطلاق، وهذا يقول: لا - لا ليست كل بدعة ضلالة بالإطلاق، بل إن البدعة تنقسم إلى قسمين: دينية وهي الضلالة، ودنيوية وهي التي لا شيء فيها۔

بعض لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے پر تنقید کرتے ہیں اور جو لوگ اس کی تقسیم کے قائل ہیں ان کا بہت شدت سے رد کرتے ہیں بلکہ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ان پر فسق اور گمراہی کے فتوے لگاتے ہیں اور یہ رد اس لئے کرتے ہیں کہ اس تقسیم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صریح قول اور واضح ارشاد "**كل بدعة ضلالة**" کی مخالفت ہوتی ہے جبکہ یہ قول صراحۃً ہر بدعت کو شامل ہے اور اس کی گمراہی پر بھی صریح ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو یہ کہتا دیکھو گے کیا صاحب شریعت صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان کے بعد ہر بدعت گمراہی ہے

---

[1] (مفاهيم يجب أن تصحح - محمد علوي المالكي الحسني ج ۱ ص ۴۰، ۴۱)

کسی مجتہد یافقیہ یاجو بھی اس کارتبہ ہو یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ "نہیں نہیں ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ بعض بدعتیں گمراہی ہیں، بعض اچھی اور بعض بری ہیں۔"

اور اس طرح کے اعتراضات کی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں اور وہ بھی ان معترضین کے ساتھ چیخ اٹھتے ہیں اور منکرین کے ساتھ وہ بھی انکار کر بیٹھتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے جنہوں نے نہ مقاصدِ شرعیہ کو سمجھا اور نہ دینِ اسلام کی روح سے آشنا ہوئے۔

پھر چند روز ہی گزرتے ہیں کہ یہی معترضین ایسی مشکل میں پڑ جاتے ہیں جس سے بچنے کی راہ نکالنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے اور ان کی روزمرہ کی معیشت اس کی واضح دلیل ہے۔لازماً وہ ایسے حیلہ کی پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جس کے بغیر ان کے لئے کھانا پینا اور رہنا سہنا بلکہ لباس پہننا اور سانس لینا تک مشکل ہو جائے اور جس حیلہ کے بغیر نہ تو وہ ذاتی اور خانگی معاملات طے کر سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے کوئی معاملہ کر سکتے ہیں۔

اور وہ حیلہ یہ ہے کہ وہ واضح لفظوں میں کہہ اُٹھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں کی طرف سے نہیں ہے اس لئے غلط ہے تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ بالکل اسی طرح بدعت کو ناپسندیدہ بدعت دینیہ اور پسندیدہ بدعتِ دنیویہ کی طرف منقسم کرنا بھی اختراع اور بدعت ہے۔ اس لئے کہ شارع علیہ السلام تو علی الاطلاق فرماتے ہیں کہ "كل بدعة ضلالة" جبکہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں نہیں، ہر بدعت مطلقاً گمراہی نہیں بلکہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعتِ دینیہ اور وہ گمراہی ہے اور بدعتِ دنیویہ جس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔[1]

شیخ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی تقسیم اور اس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ولذا لا بد أن نوضح هنا مسألة مهمة وبها ينجلي كثير من الإشكال، ويزول اللبس إن شاء الله.

وهو أن المتكلم هنا هو الشارع الحكيم، فلسانه هو لسان الشرع، فلا بد من فهم كلامه على الميزان الشرعي الذي جاء به، وإذا علمت أن البدعة في الأصل هي: كل ما أحدث واخترع على غير مثال فلا يغيب عن ذهنك أن الزيادة أو الاختراع المذموم هنا هو الزيادة في أمر الدين ليصير من أمر الدين، والزيادة في الشريعة ليأخذ صبغة الشريعة، فيصير شريعة متبعة منسوبة لصاحب الشريعة، وهذا هو الذي حذر منه سيدنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بقوله: (من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد)، فالحد الفاصل في الموضوع هو قوله: (في أمرنا هذا).

ولذلک فإن تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة في مفهومنا ليس إلا للبدعة اللغوية التي هي مجرد الاختراع والإحداث، ولا نشک جميعاً في أن البدعة بالمعنى الشرعي ليست إلا ضلالة وفتنة مذمومة مردودة مبغوضة، ولو

[1] (مفاهيم يجب أن تصحح-محمد علوي المالكي الحسني ج ١ ص ٤٢)

فهم أولئك المنكرون هذا المعنى لظهر لهم أن محل الاجتماع قريب وموطن النزاع بعيد۔ وزيادة في التقريب بين الأفهام أرى أن منكري التقسيم إنما ينكرون تقسيم البدعة الشرعية بدليل تقسيمهم البدعة إلى دينية ودنيوية، واعتبارهم ذلك ضرورة.

وأن القائلين بالتقسيم إلى حسنة وسيئة يرون أن هذا إنما هو بالنسبة للبدعة اللغوية لأنهم يقولون: إن الزيادة في الدين والشريعة ضلالة وسيئة كبيرة، ولا شك في ذلك عندهم فالخلاف شكلي، غير أني أرى أن إخواننا المنكرين لتقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة، والقائلين بتقسيمها إلى دينية ودنيوية لم يحالفهم الحظ في دقة التعبير۔

وذلك لأنهم لما حكموا بأن البدعة الدينية ضلالة - وهذا حق - وحكموا بأن البدعة الدنيوية لا شيء فيها قد أساءوا الحكم لأنهم بهذا قد حكموا على كل بدعة دنيوية بالإباحة، وفي هذا خطر عظيم، وتقع به فتنة ومصيبة، ولا بد حينئذ من تفصيل واجب وضروري للقضية، وهو أن يقولوا: إن هذه البدعة الدنيوية منها ما هو خير ومنها ما هو شر كما هو الواقع المشاهد الذي لا ينكره إلا أعمى جاهل، وهذه الزيادة لا بد منها، ويكفي في تحقيق هذا المعنى بدقة قول من قال: بأن البدعة تنقسم إلى حسنة وسيئة، ومعلوم أن المراد بها اللغوية كما تقدم، وهي التي عبر عنها المنكرون بالدنيوية، وهذا القول في غاية الدقة والاحتياط، وهو ينادي على كل جديد بالانضباط والانصياع لحكم الشرع وقواعد الدين، ويلزم المسلمين أن يعرضوا كل ما جد لهم وأحدث من أمورهم الدنيوية العامة والخاصة على الشريعة الإسلامية ليرى حكم الإسلام فيها مهما كانت تلك البدعة، وهذه لا يتحقق إلا بالتقسيم الرائع المعتبر عن أئمة الأصول۔[1]

”یہاں ضروری ہے کہ ہم ایک اہم مسئلہ کی وضاحت کر دیں جس کی روشنی میں بہت سے اشکالات حل ہو جائیں گے اور بہتے سے شبہات دور ہو جائیں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔“

وہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہاں ”کل بدعة ضلالة “ کے قول کے متکلم شارع حکیم ہیں۔ان کا فرمان شرعی فرمان ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے فرمان کو انہی کے لائے ہوئے شرعی میزان میں پرکھا جائے۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ بدعت اصلاً ہر نوپید اوار اور نو ایجاد چیز کو کہا جاتا ہے تو تمہارے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ زیادتی اور نئی ایجاد وہ ممنوع ہے جو دین میں کے لئے کی جائے۔ تاکہ وہ زیادتی قابل اتباع شرعی چیز بن کر صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف منسوب ہو جائے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے ہمارے آقا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے قول کے ذریعہ ڈرایا ہے کہ: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد “ جو ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو درحقیقت دین سے نہ ہو وہ مردود ہے۔اس لئے اس موضوع میں حدِ فاصل آپ کا یہ فرمان ”في امرنا هذا“ ہے اور

[1] الكتاب: مفاهيم يجب أن تصحح - محمد علوي المالكي الحسني ج ا ص ۴۴، ۴۳

اسی لئے ہمارے نزدیک بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرنا صرف اور صرف لغوی اعتبار سے ہے (اور بدعتِ لغوی کا مفہوم نوپید اوار نوایجاد ہے)

بلاشبہ ہم بدعت کے شرعی مفہوم کے اعتبار سے معترضین کے ساتھ متفق ہیں کہ وہ بدعت گمراہی اور فتنہ ہے، جو مذموم ،مردود اور انتہائی ناپسندیدہ ہے اور اگر معترضین اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو ان پر خود روشن ہو جاتا کہ ہمارا آپس میں تقریباً اتفاق ہی ہے اور جھگڑنے والی کوئی بات نہیں۔

اور میرے ذہن میں ایک اور بات بھی ہے جس سے دونوں قسم کے خیالات ایک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ بدعت کی تقسیم کے منکر ہیں وہ صرف بدعت شرعیہ کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی بدعت کو دینیہ اور دنیویہ کی طرف منقسم کر دیاہے اور اس پر اعتبار کرنا ان کی ضرورت ہے۔

اور جو لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرتے ہیں وہ بدعت لغویہ کےی اعتبار کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ بھی تو کہنا ہے کہ دین اور شریعت میں زیادتی کرنا گمراہی اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور یہ بات ان کے نزدیک بلاشبہ ثابت ہے اس لئے یہ ایک صوری اختلاف ہے (حقیقۃً نہیں)۔

اگرچہ میرے خیال میں ہمارے بھائی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے کے منکر ہیں اور بدعت کو دینیہ اور دنیویہ پر تقسیم کرتے ہیں ان کی بات زیادہ باریک بنی اور احتیاط پر مبنی نہیں، کیونکہ جب انہوں نے بدعتِ دینیہ کو گمراہی کہا (اور یہ بات حق بھی ہے) اور بدعتِ دنیویہ پر یہ حکم لگایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں تو ان کی یہ بات کوئی اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو انہوں نے ہر بدعت دنیویہ کو مباح کہہ دیا جب کہ اس میں بہت عظیم خطرہ ہے اور اس سے تو بڑا فتنہ اور مصیبت واقع ہو سکتی ہے جس کی بناء پر بہت ضروری ہوا کہ اس قضیہ کے ساتھ یہ تفصیل بھی وہ بیان کریں کہ "بدعتِ دنیویہ میں بھی بعض امور خیر ہیں اور بعض امور شر ہیں۔ کوئی اندھا اور جاہل ہی ہو گا جو ان امور شر کا نظارہ نہ کرتا ہو اس لئے اس تفصیل کا بیان بہت ضروری ہے۔"

اور جو لوگ بدعت کو حسنہ اور سیئہ پر منقسم کرتے ہیں اور یہ بات متحقق ہے کہ ان کی مراد اس سے بدعتِ لغویہ ہے جیسا کہ پہلے (کلام) گزر چکا ہے (اور اس تقسیم کے منکرین اسی کو بدعتِ دنیویہ سے تعبیر کرتے ہیں) ان لوگوں نے اس مفہوم کو بہت مختصراًاور دقیق انداز میں بیان کیا ہے اور ان کا یہ قول انتہائی باریک بنی اور احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ قول ہر نوایجاد چیز کو شرعی احکام اور دینی قواعد کا پابند کر رہاہے اور تمام مسلمین پر یہ لازم کر رہاہے کہ ان کے سامنے جب بھی کوئی بدعت آئے اور

کسی بھی نو ایجاد چیز سے ان کو واسطہ پڑے عموماً دنیاوی اُمور میں اور خصوصاً شرعی اُمور میں تو وہ اس میں شرعی حکم معلوم کریں اور یہ مفہوم جبھی ہو گا کہ بدعت کو ائمہ اصول کے قول کے مطابق عمدہ اور معتبر طور پر تقسیم کیا جائے۔"[1]،**انتهى عبارته**۔

[1] (مفاهيم يجب أن تصحح-محمد علوي المالكي الحسني ج ١ ص ٤٤، ٤٣)

متن اعلام المؤمنین

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

نفسِ فدیہ قرآن و سنت سے ثابت ہے

یہ بات ذہن نشین رہے کہ نفسِ فدیہ، قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرۃ ۱۸۴)

ترجمہ: اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔

کیونکہ آیت کی مقدر عبارت یوں ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ لَا يُطِيقُونَهُ۔

وہ لوگ جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہاں اس آیت میں "لا" نافیہ مقدر ہے۔ اور قرآن مجید میں "لا" نافیہ بہت مقامات پر مقدر (پوشیدہ) ہیں۔

جیسا کہ شرح وقایہ میں مذکور ہے، اور حدیث شریف میں ہے:

من مات وعلیہ صیام رمضان فلیطعم عنہ کل یوم مسکیناً۔

جو شخص مر جائے اور اس پر گزشتہ رمضان کے روزے قضاء ہوں تو اس میت کی طرف سے ایک دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (رواہ الترمذی)[1]

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مکلف انسان پر وصیت کا حکم پانچ اقسام پر مشتمل ہے:

۱۔ واجب ۲۔ مستحب ۳۔ مباح ۴۔ حرام ۵۔ مکروہ

وجہ حصر

کیونکہ ہر وہ مؤمن مسلمان جو عاقل و بالغ ہو اس کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ یا تو اس پر حقوق اللہ لازم ہو گئے ہوں گے۔

۲۔ یا نہیں ہوں گے۔

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۷، ص ۶۹)

یعنی اپنی زندگی میں اس نے تمام حقوق اللہ ادا کئے ہوں گے یا نہیں کئے ہوں گے۔ تو اگر اس کے ذمہ حقوق اللہ باقی ہیں تو وصیت کرنا واجب ہے کہ وہ اپنے ذمہ پر باقی والے حقوق، نماز وروزہ کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرے۔ اور اگر اس پر کوئی بھی حق باقی نہیں تو پھر اس کی دو حالتیں ہوں گی یا تو اس کے ورثاء مالدار (اغنیاء) ہوں گے یا فقراء وغریب۔ اگر اس کے ورثاء اغنیاء ومالدار ہوں تو پھر اس کے لئے مستحب ہے کہ اپنے مال کے ایک تہائی میں یا اس سے کم میں وصیت کرے، ایک تہائی کی وصیت جائز ہے۔ اور اگر اس کے ورثاء غریب وفقراء ہیں اور پھر بھی یہ وصیت کرتا ہے تو اس کی بھی دو حالتیں ہیں: یا تو اس حالتِ فقر میں اس کا وصیت کرنا، ورثاء کو ضرر اور نقصان دینا ہو گا یا نہیں۔ اگر اس حالت میں اس کی وصیت کرنے سے اس کی نیت ورثاء کو ضرر اور نقصان دینا نہیں تو پھر وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اور وصیت نہ کرنا اولیٰ ہے اور اگر اس حالت فقر میں اس کی وصیت سے اس کی نیت ورثاء کو ضرر دینا ہو تو پھر وصیت کرنا حرام ہے۔[1]

جس شخص پر فرائض وواجبات باقی ہوں اس پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا واجب ہے

وصیت کے وجوب اور استحباب کو تفسیر روح البیان میں بھی اس قول کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:

ومن كان عليه حج أو كفارة أي: شيء من الواجبات فالوصية واجبة وإلا فهو بالخيار وعليه الفتوى، إلخ۔ واعلم أن الوصية مستحبة لحاجة الناس إليها۔ وفي الحديث "إن الله تصدق عليكم بثلث أموالكم في آخر أعماركم زيادة لكم في أعمالكم تضعونها حيث شئتم"۔

جس شخص پر حج کی فرضیت باقی ہو یا دیگر واجبات کی ادائیگی باقی ہو، تو اس صورت میں اس مرنے والے پر وصیت کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس کے ذمہ کچھ بھی عبادات باقی نہیں تو پھر اس کو اختیار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، الخ۔

جان لو کہ وصیت کرنا اس وجہ سے مستحب ہے کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر تمہارے مال کا تہائی حصہ صدقہ مقرر فرمادیا تاکہ تمہارے اعمالِ حسنہ میں اضافہ ہوتا رہے، اب تمہاری مرضی کہ اس تہائی حصہ کو جہاں چاہے خرچ کرو۔

اور یہ بعینہٖ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا معنی ومفہوم ہے جو مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۵۷ میں باب الوصیت میں مذکور ہے۔ پس اگر میت نے وصیت کی ہو تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ اس کی وصیت کو پورا کرے اور اس کا فدیہ ادا کرے مسکینوں کو۔

---

[1] (تفسیر مظہری، ص ۲۴۵، پارہ نمبر ۴، جلد اول)

جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے:

وإذا اوصى رجل ان يطعم عنه وليه لصلاة الفائتة بعد موته فالوصية جائزة ووجب تنفيذها من ثلث ماله، هكذا في الشامي۔

جب کوئی مرنے والا یہ وصیت کر جائے کہ میرا ولی میری طرف سے میری فوت شدہ نماز کے فدیہ میں مستحقین کو کھانا کھلائے تو یہ وصیت کرنا جائز ہے اور اس کا نفاذ اس کے تہائی مال سے واجب ہے۔[1]

اسی طرح شامی میں بھی ہے۔

ولی عام ہے خواہ وارث ہو یا وصی

ولی عام ہے خواہ وارث ہو یا وصی (جس کو وصیت کی جائے) جیسے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسقاط الصلوٰۃ کی بحث میں اس کی تصریح فرمائی ہے:

يُعْطِي عَنْهُ وَلِيُّهُ: أَيْ مَنْ لَهُ وِلَايَةُ التَّصَرُّفِ فِي مَالِهِ بِوِصَايَةٍ أَوْ وِرَاثَةٍ۔

اس میت کی طرف سے اس کا ولی فدیہ ادا کرے، یعنی وہ ولی کہ جس کو اس کے مال میں تصرف کا حق ہو، خواہ وہ وصیت کی حیثیت سے یا وراثت کی حیثیت سے۔[2]

اسی طرح البحر الرائق، ج۲، ص۳۰۶ میں ہے۔

اور اگر میت نے وصیت نہ کی ہو تو پھر بھی وارث یا غیر وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ نفلی طور پر اس کا فدیہ ادا کرے اس کے مال سے۔ اور اگر چاہے تو وہ اپنے مال سے اس میت کا فدیہ ادا کرے۔

جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

وإن لم يوص وتبرع عنه وليه أو أجنبي جاز، إلخ۔

ترجمہ: اگر میت وصیت نہ کرے اور اس کی طرف سے اس کا ولی یا کوئی غیر رشتہ دار نفلی طور پر فدیہ ادا کرے تو جائز ہے۔[3]

اب اگر وصیت کی موجودگی میں کل مال کا تہائی حصہ میت کے تمام حقوق واجبہ کی ادائیگی کے لئے کافی ہوتا ہے تو دورۂ اسقاط کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ دورۂ اسقاط ایک شرعی حیلہ ہے جس کو علماء دین نے ضرورت کی بناء پر جائز قرار دیا ہے اور

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۱، ص۹۴۵)

[2] (ردالمحتار، ص۷۶۶)

[3] (مراقی الفلاح، ج۱، ص۱۷۰، الناشر: المکتبة العصرية)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

اس صورت میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس صورت میں میت کا ولی یا وصی میت کی ایک نماز اور ایک روزے کے فدیہ میں دو کلو گندم یا چار کلو جو دے گا یا ان کی قیمت یعنی نقد روپے۔

جیسا کہ ہدایہ، کتاب الصوم میں ہے:

ومن مات وعليه قضاء رمضان فأوصى به أطعم عنه وليه لكل مسكينا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير لأنه عجز عن الأداء في آخر عمره، إلخ۔

ترجمہ: جو شخص مر جائے اور اس کے رمضان کے روزے قضاء ہوں تو وہ مرنے سے پہلے اس کی وصیت کرے کہ میری طرف سے ہر روزے کا ایک مسکین کو دو کلو گندم یا چار کلو کھجور یا چار کلو جو ادا کرنا کیونکہ اب یہ شخص آخری عمر میں نمازوں کی ادائیگی سے عاجز آگیا ہے۔[1]

اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

جو مر جائے اور اس پر رمضان کے روزے قضاء ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔[2]

اور فدیہ دو کلو سے کم کی ادائیگی سے ادا نہ ہو گا جیسے کہ فتاویٰ شامی، باب مایفسد الصوم میں ہے:

لَكِنْ لَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ لَمْ يُعْتَدَّ بِهِ وَبِهِ يُفْتَى، اھ۔

اگر کسی کو نصف صاع (دو کلو) سے کم گندم دیئے تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا، اور اسی پر فتویٰ ہے۔[3]

اور فقیر ہر وہ شخص ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔

جیسے البحر الرائق میں ہے:

وَالْأَوْلَى أَنْ يُفَسَّرَ الْفَقِيرُ بِمَنْ له مادُونَ النِّصَابِ۔

ترجمہ: بہتر یہ ہے کہ فقیر کی تفسیر یہ کی جائے کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔[4]

---

[1] (هداية، كتاب الصوم، ص ۲۰۲)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۶۳۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[3] (رد المحتار، ج ۲، ص ۴۲۴، الناشر: دار الفكر - بيروت)

[4] (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۵۸، الناشر دار المعرفة)

اسی طرح مستخلص، جامع الرموز اور روح البیان میں ہے:

اعلم أن الفقير في الشريعة من له مال لا يبلغ نصاباً قدر مائتي درهم أو قيمتها فاضلاً عن حاجته الأصلية سواء كان نامياً أو لا و المسكين من لا شيء له من المال هذا هو الصحيح عند الحنفية، إلخ۔

ترجمہ: جان لو کہ شریعت میں فقیر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس نصاب برابر مال نہ ہو یعنی دو سو درہم مال نہ ہو، یا اس کی قیمت نہ ہو جو اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں یہی تعریف صحیح ہے۔[1]

اور جو کہتے ہیں کہ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ تھوڑا سا مال ہو تو اس کی تھوڑے مال سے مراد یہی ہے کہ نصاب برابر نہ ہو۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

و الفقير من له شيء دون نصاب۔

ترجمہ: فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس نصاب برابر مال نہ ہو۔[2]

اور شرعی صاع اس کو کہتے ہیں کہ جس کو مولانا شاہ محمد انور شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے:

صاع شرعی ہست اے مردِ حکیم ۔۔۔ دو صد و ہفتاد تولہ مستقیم

صاع شرعی وہ ہے اے عقلمند! کہ جس میں دو سو ستر تولہ (۲۷۰) آجائے۔ (جس کا نصف ایک سو پینتیس تولے بنتے ہیں، جو انگریزی روپے کے ایک سو چالیس (۱۴۰) روپے کے وزن کے برابر ہے)

روزے کے فدیئے کا وجوب تو قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ اور علماء نے روزے کے ساتھ نماز کو بھی احتیاطًا ملحق کیا ہے۔

مشائخ کے استحسان کی بناء پر نماز روزے کی طرح ہے

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

و الصلاة كالصوم باستحسان المشايخ و كل صلاة تعتبر بصوم يوم هو الصحيح۔

نماز روزے کی طرح ہے بوجہ مشائخ کے استحسان کے ہر نماز ایک روزے کے برابر ہے اور یہی صحیح ہے۔[3]

اسی طرح نور الانوار، ص۳۹ میں بھی ہے۔

---

[1] (مستخلص، ص ٣٦٦، جامع الرموز، ص ١٤٨، روح البیان، ج ٢، ص ٥٠٨)

[2] (تفسیر روح البیان، ج٥، ص ١٥٠، الناشر: دار الفكر - بيروت)

[3] (هدایہ، ص ٢٠٢)

روزہ اور نماز دونوں کا فدیہ جائز ہے

اور روح البیان میں ہے:

يجوز الفداء عنهما أما في الصوم فلورود النص و أما في الصلاة فلعموم الفضل۔

روزہ اور نماز دونوں کا فدیہ دینا جائز ہے، روزے کا فدیہ تو نص سے ثابت ہے اور نماز کا فدیہ فضیلت کے عموم کی وجہ سے ثابت ہے۔[1]

ولی کی طرف سے میت کے لئے روزہ اور نماز ادا کرنا جائز نہیں

اور ولی کی طرف سے میت کے لئے روزہ اور نماز ادا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کی طرف سے ادا نہیں ہوں گے اور اس کا ذمہ آزاد نہیں ہو گا۔

جیسا کہ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت دلالت کرتی ہے:

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْأَلُ: هَلْ يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ أَوْ يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ؟ فَيَقُولُ: لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ. وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أحد. رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ آیا تم میں سے کسی نے میت کی طرف سے اس کے روزے اور نماز ادا کی ہے؟ تو لوگ کہتے کہ نہیں کسی نے بھی کسی کی طرف سے روزے اور نماز ادا نہیں کی۔ (رواہ فی الموطا)[2]

اور رہی یہ روایت کہ جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت فرمایا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وليه۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر روزے قضاء ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔[3]

اس حدیث کے ظاہر پر ایک قوم نے عمل کیا اور انہوں نے میت کی طرف سے روزہ رکھنے کو جائز قرار دیا۔ بلکہ وہ ولی پر ان روزوں کی قضاء ادا کرنا واجب مانتے ہیں اور یہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ایک قول امام امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، اور اس کو امام شارح مسلم، امام نووی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور بعض شوافع نے ولی کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو روزہ رکھ لے یا نہ رکھے۔

---

[1] (روح البیان، ص ۳۹)
[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۷۸)
[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۷۸)

جبکہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے اس کا ولی روزہ نہیں رکھ سکتا، یہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول اور ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے جو اصح قول ہے۔

ان دونوں بزرگوں کی دلیل حضرت نافع اور مالک کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے بعد مذکور ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میت کی طرف سے ولی روزہ نہیں رکھ سکتا کیونکہ نماز میں نیابت (نائب بننا اور بنانا) صحیح نہیں ہے تو روزہ میں بھی صحیح نہیں اور اس پر اتفاق ہے۔

اور دوسری دلیل فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (الأنعام ۱٦٤)

ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت منسوخ ہے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کی بناء پر کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا تھا:

هل يصوم أحد عن أحد أو يصلي أحد عن أحد؟ فقالت لا، و مخالفة الراوی عن مرویه دليل النسخ۔

کیا کوئی شخص کسی اور کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے تو فرمایا کہ نہیں۔ اور راوی جب اپنی روایت کی مخالفت کرے یہ تو منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

اسی طرح اس روایت کے منسوخ ہونے پر مراقی الفلاح کے مصنف نے بھی قول کیا ہے:

فمنسوخ كذا في البرهان وغيره۔

ترجمہ: یہ منسوخ ہے جیسا کہ برہان وغیرہ میں ہے۔[1]

میت کی طرف سے روزہ رکھنے سے مراد میت کی طرف سے کھانا کھلانا ہے

یا دوسرا جواب یہ دیتا ہوں کہ:

المراد من الصيام عن الميت في الحديث الاطعام عنه و ايضًا الاحتياط فيما ذهبنا إليه لأن الفدية جائزة بالاتفاق و في الصوم اختلاف و الاخذ بالإتفاق اولى احتياطا۔

حدیث میں میت کی طرف سے روزہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی طرف سے کھانا کھلاؤ۔ اور احتیاط بھی اسی میں ہے کیونکہ فدیہ ادا کرنا بالاتفاق جائز ہے اور روزہ رکھنے میں اختلاف ہے اور اتفاقی بات کو قبول کرنا بہتر و اولیٰ ہے بوجہ احتیاط کے۔

---

[1] (مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۳۳۵، المکتبۃ العصریۃ)

اور اگر میت کی طرف سے وصیت نہ پائی جائے یا وصیت پائی گئی مگر ثلث المال اس کی وصیت کے مطابق پورا نہ ہوتا ہو اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے۔ اور کسی ولی یا غیر ولی نے ارادہ کیا کہ اس قلیل مال کو اس کے فدیہ میں دے دے تو اس وقت فقہاء اسلام نے ایک حیلہ شرعیہ تجویز فرمایا کہ جس کو دورۂ اسقاط کہا جاتا ہے۔ اور یہ حیلۂ شرعیہ دو وجھوں سے متصور ہوتا ہے:

۱۔ وارث اور فقیر کے مابین ۲۔ فقراء کے مابین

دوسری قسم علماء کے مابین متعارف اور مشہور ہے۔ عنقریب آپ حضرات ان دونوں اقسام کو طحطاوی کی عبارت سے جان جائیں گے۔

حیلہ مقصد تک پہنچنے کے لئے آسان راستہ ہے

حیلہ ایک ایسا عمل اور امر ہے جس کے ذریعے انسان اپنے مقصد تک بغیر کسی مشکل کے پہنچ جاتا ہے۔

جیسا کہ عینی شرح بخاری میں ہے:

أي هذا كتاب في بيان الحيل وهو جمع حيلة وهي مايتوصل به إلى المقصود بطريق خفي۔

یہ کتاب حِیَلْ کے بارے میں ہے حِیَلْ حیلہ کی جمع ہے۔ حیلہ وہ ہے کہ جس کے ذریعے اپنے مقصود تک خفیہ راستہ اور انداز سے پہنچنا ہوتا ہے۔[1]

حیلہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں معتبر ہے

اور حیلہ شرعیہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں معتبر ہے۔ کیونکہ حیلہ کی تعلیم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ثابت ہے جو حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دی تھی۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

ويعمل بالحيل الشرعية بالاتفاق.

روي: أن الليث بن سعد حلف أن يضرب أبا حنيفة بالسيف، ثم ندم من هذه المقالة وطلب المخرج من يمينه، فقال أبو حنيفة رحمه الله: خذ السيف واضربني بعرضه، فتخرج عن يمينك۔

حیلہ شرعیہ پر بالاتفاق عمل کیا جائے گا۔ روایت میں ہے کہ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قسم کھائی کہ وہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تلوار سے ماریں گے، پھر اپنی اس بات پر نادم ہو گئے اور قسم کے کفارے سے بچنے کا سوچا، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تلوار لے لو اور اس کی چوڑائی سے مجھے مارو تو تم قسم کے کفارہ سے بچ جاؤ گے۔[1]

---

[1] (عینی شرح بخاری، ج ۱۱، ص ۲۶۳)

اسی طرح حموی میں فن الحیل، ص۴۱۸ میں ہے، بلکہ فقہ کی ساری کتابوں میں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو بھی حیلہ بتایا تھا۔

وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا (أي الحزمة الصغيرة من الحشيش) فَاضْرِبْ بِهِ وَ لَا تَحْنَثْ (ص ۴۴)

اپنے ہاتھ میں گھاس پھوس کا گچھا لے لو، یعنی چھوٹا سا گچھا اور اس سے اپنی بیوی کو مارو تو حانث نہیں ہو گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تحفۃ الصلحاء میں خلاصۃ الفقہ کا یہ قول منقول ہے:

ہر کہ حیلہ شرعیہ را منکر ستود کافر گردد۔

جو شخص شرعی حیلہ سے انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔

جب حیلہ شرعیہ کا ثبوت اور اس کے منکر کا حکم کتب معتبرہ سے ثابت ہوا تو اب اس شخص کو سوچنا چاہیئے کہ جو حیلہ شرعیہ سے انکار کرتا ہے تو یہ اصل میں نصوص قطعیہ اور آئمہ کرام کے مستحسنات سے اور معتبر کتب سے انکار کرتا ہے جیسے کہ اقوال معتبرہ بیان ہو چکے ہیں اور جن فقہاء نے میت کے فائدے کے لئے شرعی حیلہ جائز قرار دیا ہے۔

دورۂ اسقاط پر امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

امام طحطاوی لکھتے ہیں:

"وإن لم يف ما أوصى به" الميت "عما عليه" أو لم يكف ثلث ماله أو لم يوص بشيء وأراد أحد التبرع بقليل لا يكفي فحيلته لإبراء ذمة الميت عن جميع ما عليه أن "يدفع ذلك المقدار" اليسير ليسير بعد تقديره لشيء من صيام أو صلاة أو نحوه ويعطيه "للفقير" بقصد إسقاط ما يريد عن الميت "فيسقط عن الميت بقدره ثم" بعد قبضه "يهبه الفقير للولي" أو للأجنبي "ويقبضه" لتتم الهبة وتملك "ثم يدفعه" الموهوب له "للفقير" بجهة الإسقاط متبرعا به عن الميت "فيسقط" عن الميت "بقدره" أيضا "ثم يهبه الفقير للولي" أو للأجنبي "ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير" متبرعا عن الميت "وهكذا" يفعل مرارا "حتى يسقط ما كان" يظنه "على الميت من الصلاة والصيام" ونحوهما مما ذكرناه من الواجبات وهذا هو المخلص في ذلك إن شاء الله تعالى بمنه وكرمه۔

جس مال کی میت نے وصیت کی ہو اور وہ مال اس کے ذمہ عبادات کے فدیئے کے لئے کافی نہ ہو اور تہائی مال بھی کافی نہ ہو۔ میت نے کسی مال کی وصیت نہ کی ہو، اور کوئی شخص اپنی طرف سے نفلی طور پر کچھ تھوڑا مال فدیہ میں دینا چاہتا ہو لیکن وہ بھی میت کے فدیئے کے لئے کافی نہ ہو تو میت کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہ شخص وہ تھوڑا مال کسی فقیر کو اس کی نماز یا روزہ کی مقدار کے مطابق دے دے، تو اس سے اس میت کے ذمہ سے اتنی مقدار میں نماز و روزے ساقط ہو جائیں گے،

---

[1] (روح البیان، ج۸، ص ۳۲، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

مال قبض کرنے کے بعد فقیر اس مال کو اس ولی یا اجنبی کو ہبہ کر دے اور وہ ولی یا اجنبی اس مال کو قبض کر لے، یہ معاملہ کئی بار کرتا رہے تا کہ میت کے ذمہ سے اس کی نمازیں اور روزے ساقط ہو جائیں۔ یہ خلاصی کا ایک طریقہ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم واحسان سے۔[1]

اسی طرح خلاصۃ الفتاویٰ، ص۱۵۲، فتاویٰ برھنہ، ص۳۳۷، جامع الرموز، ص۱۰۰، کبیری، ص۴۵۴، عالمگیری، ص۱۲۳، فتاویٰ قاضی خان، البحر الرائق، ص۴۸، سراجیہ، منحۃ الخالق علی البحر، روح البیان، ص۱۴۵ وغیرہ کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

يهبه الفقير للولي "أو للأجنبي۔

فقیر اس مال کو ولی یا اجنبی کو ھبہ کر دے۔[2]

اور امام طحطاوی کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دورہ (لینا دینا) جائز ہے۔ اور دوسرا طریقہ اسقاط کا یہ ہے کہ اگر میت کا کوئی بھی مال ترکہ ومیراث میں نہیں بچا اور کوئی شخص نفلی طور پر بھی اس کی طرف سے کچھ دینے کو تیار نہ تھا تو پھر وہ شخص کہ جو میت کے ذمہ سے اس کی نمازیں اور روزہ ساقط کرنا چاہے اپنا قرآن مجید اس شخص (میت) کی عبادات کے فدیئے میں پانچ پانچ سالوں کے حساب سے مسکین کو دیتا رہے، اور مسکین قبول کرکے اس کو واپس دیتا رہے، یہاں تک کہ اس میت کی ذمہ داری ختم ہو جائے۔

قرآن مجید کو بھی حیلۂ اسقاط میں گھمایا جاسکتا ہے

جیسا کہ نور الہدیٰ کے مصنف نے فرمایا ہے:

واگر میسر نشود اے زر یا چیزے دیگر مصحف درست بیارد کہ در ملک اسقاط کنندہ باشد بر کسے بہ بخشد واو قبول کند وقبول کنندہ باز کلام اللہ را باسقاط کنندہ بہ بخشد بہمین طریقہ کنند تا آن زمانہ کہ سالہائے عمر تمام شود۔

[1] (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ج۳، ص۷۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

[2] (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ج۱، ص۴۳۹، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

اگر سوناچاندی وغیرہ میسر نہ ہو تو قرآن مجید کو ہاتھ میں لے لے جو اسقاط کرنے والے کی ملکیت میں ہو اور دوسرے شخص کو بخش دے، پھر وہ شخص اس قرآن مجید کو اسقاط کرنے والے کو ھبہ کر دے، اور وہ اسے قبول کر کے دوبارہ اس شخص کو بخش دے، اس طرح بار بار کرتا جائے تاکہ میت کے ذمہ روزہ اور نماز ساقط ہو جائے۔ [1]

اسی طرح تحفۃ الصلحاء میں سیر کبیر کے ملحقات سے نقل فرمایا ہے:

ولو اعطی الورثۃ المصحف لفقیر واحد من غیر ان یبین قیمۃ المصحف وتعداد مافات منہ من الصلاۃ والصوم وغیرھما من الواجبات صح وسقط من المیت کل حق فات عنہ۔

اگر ورثاء کسی فقیر کو مصحف (قرآن مجید) دے دیں اور یہ بیان نہ کریں کہ مصحف کی قیمت کیا ہے اور میت پر کتنی نمازیں اور روزے ہیں تو پھر بھی صحیح ہے۔ اور میت کی تمام فوت شدہ عبادتیں ساقط ہو جائیں گی۔

اگرچہ درج بالا کتب لوگوں میں مشہور تو نہیں ہیں مگر عدم شہرت عدم عمل کے لئے مستلزم نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی مسئلہ غیر مشہور کتاب میں موجود ہو اور اس مسئلے کا خلاف کسی مشہور کتاب میں نہ ہو تو اس مسئلہ پر عمل کرنا جائز ہے۔

جیسا کہ البحر الرائق کے مصنف نے لکھا ہے:

فَحِينَئِذٍ انْقَطَعَ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ لِأَنَّ الْمَسْأَلَةَ حَيْثُ لَمْ تُذْكَرْ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَثَبَتَتْ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى تَعَيَّنَ۔

مشائخ کا اختلاف منقطع و ختم ہو گیا کیونکہ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایۃ میں ذکر نہ ہو اور دوسری کتب میں ذکر ہو تو اس پر عمل متعین ہو جاتا ہے۔ [2]

اور قرآن سے مراد معنٰی حقیقی یعنی معانی اور الفاظ نہیں ہے جو کلامِ نفسی پر دال ہیں، کیونکہ الفاظ اور معانی اعراض ہیں جو خارج اور موجود نہیں ہیں، لہٰذا اس کی بیع (خرید و فروخت) اور میت کی عبادات کے فدیئے میں دینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ قرآن سے مراد مصحف (نسخہ) ہے جس میں نقوش ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دشمنوں (کافروں) کی زمین کی طرف جاتے ہوئے اپنے ساتھ قرآن لے جانے سے منع فرمایا۔ [3]

---

[1] (بحوالہ بحر المنافع، ص ۶۳)

[2] (البحر الرائق، ج ۲، ص ۸۹)

[3] (مشکوۃ المصابیح، ص ۱۸۳)

کیونکہ کافروں کی طرف سے قرآن کی بے حرمتی کاڈر ہے جو اعراض یعنی الفاظ و معانی میں موجود نہیں ہوتا بلکہ مصحف (نسخۂ قرآن) میں موجود ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تواتر کی حیثیت سے ہمارے پاس قرآن کا مصحف آیا ہے۔

جیسے کہ تلویح میں ہے:

أَيْ الْقُرْآنِ، وَهُوَ مَانُقِلَ إِلَيْنَا بَيْنَ دَفَّتَيْ الْمَصَاحِفِ تَوَاتُرًا۔

اور قرآن وہ کتاب ہے جو ہم تک مصحف (نسخہ) کی شکل میں تواتر سے نقل (منقول) ہوا ہے۔[1]

اور قرآن مجید مال ہے، کیونکہ اس میں ملکیت جاری بھی ہوتی ہے اور زائل بھی ہو جاتی ہے۔

ایک اہم مسئلہ

جیسا کہ الدر المختار میں ہے:

حمامي وضع المصحف الرهن في صندوقه ووضع عليه قصعة ماء للشرب فانصب الماء على المصحف فهلک ضمن ضمان الرهن لا الزيادة۔

حمام (غسل خانہ) والے نے صندوق میں ایسا قرآن (مصحف) رکھا جو اس کے پاس گروی رکھا ہوا تھا، اور اس کے اوپر پانی کا برتن رکھ دیا، پانی مصحف (قرآن) پر گرا، جس سے قرآن ہلاک ہوا، تو وہ حمام والا اس کا ضامن ہے کیونکہ اس کا اس قرآن کو قبض کرنا اس کے ذمہ میں آتا ہے۔[2]

قرآن مجید میراث میں بھی لیا جاسکتا ہے

اسی طرح قرآن مجید میراث میں بھی لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا علمه ونشره وَولدا صَالحا تَركه ومصحفا وَرَّثَهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ۔

کسی مؤمن کے مرنے کے بعد اس کی نیکی اور عمل میں جو اس کو ملتا ہے وہ علم ہے جو اس نے نشر کیا ہو، یا صالح اولاد چھوڑی ہو، یا مصحف (قرآن) کسی کو وارث بنا کر دیا ہو یا مسجد بنائی ہو۔[3]

یا قرآن مجید کو وقف کرنا ہو کیونکہ قرآن کو وقف کرنا جائز ہے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک۔ اور اکثر فقہاء کرام نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر عمل کیا ہے۔

---

[1] (تلویح، ص ۲۸)
[2] (الدر المختار، ج۵، ص ۳۵۲)
[3] (مشکوٰۃ، ص ۳۶)

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

و أكثر فقهاء الأمصار على قول محمد رحمه الله۔

شہروں کے اکثر فقہاء امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر ہیں۔[1]

مصحف کی تجارت

اسی طرح مصحف کی تجارت بھی جائز ہے۔

جیسا کہ الدر المختار شرح تنویر الابصار میں ہے:

و نصحح شراء كافر مسلما و مصحفا مع الاجبار على إخراجهما عن ملكه۔

ہم صحیح سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی کافر مسلمان کو خرید لے یعنی مسلمان غلام کو خریدے، یا مصحف خرید لے مگر کافر کی ملکیت سے ان دونوں (مسلمان غلام اور قرآن) کو نکالنے کے لئے اس پر جبر (زبردستی) کیا جائے گا۔[2]

بحر الرائق، ج۱، ص۲۱۱ میں بھی ہے۔

اور قرآن کی بیع اصل میں اوراق اور کتابت کی بیع ہے۔

مصحف کی تجارت دراصل اوراق اور کاتب کی بیع ہے

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

و بيع المصحف ليس بيع القرآن بل هو بيع الورق و عمل أيدي الكاتب۔

مصحف کی تجارت قرآن کی بیع نہیں ہے۔ بلکہ یہ اوراق (صفحات، کاغذ) اور کاتب کی کتابت کی بیع ہے۔[3]

اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

لأن الكتاب هو السواد على البياض، إلخ۔

کیونکہ کتاب سفید کاغذ پر سیاہی (کالا رنگ) ہے۔[4]

اور مفتاح شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

قال معاذ رضي الله تعالىٰ عنه ليس ذلک بيع القرآن وؤ ما يبيعون الورق و عمل ايديهم انما بيع القرآن يعلم سورة منه بجعل۔

---

[1] (هدايه، ص ٢١٦)

[2] (الدر المختار، ج ١، ص ٢١٦)

[3] (روح البيان، ص ٨٣)

[4] (خلاصة الفتاوىٰ، ج ٢، ص ٤٦)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ قرآن کی بیع نہیں ہے، بلکہ لوگ صفحات اور ان کے ہاتھ کے عمل کو فروخت کرتے ہیں، قرآن کی بیع یہ ہے کہ کوئی سورت قیمت کے بدلے میں سکھائے۔[1]

اور قرآن کی تجارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مال ہے کیونکہ جس میں تجارت ہوتی ہے وہ مال ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

و المال هو المحل للبيع۔

مال بیع و تجارت کا محل ہوتا ہے۔[2]

اور عینی شرح بخاری میں ہے:

و أما محله فهو المال لأنه ينبىء عنه شرعا۔

تجارت کا محل مال ہے، کیونکہ وہ شرعًا اس سے خبر دیتا ہے۔[3]

اور اس عبارت میں "**مال**" مبتدأ ہے جو الف لام جنس سے معرف ہے، اور جب مبتدأ پر الف لام جنسی آجائے تو وہ اپنی خبر کے ساتھ مقصور (مقید) ہوتا ہے۔

جیسا کہ مختصر المعانی میں ہے:

و الحاصل ان المعرف بلام الجنس ان جعل مبتدأ فهو مقصور على الخبر، إلخ۔

اگر الف لام جنسی والے لفظ کو مبتدأ بنایا جائے تو وہ اپنی خبر کے ساتھ مقصود ہوتا ہے۔[4]

تو درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بیع بغیر مال کے موجود نہیں ہوتا اگرچہ مال بغیر بیع کے بھی پایا جاتا ہے۔ اب جب معلوم و ثابت ہوا کہ مصحف (قرآن مجید) مال ہے تو مناسب اور جائز ہے کہ اس کو فدیہ میں بھی دیا جائے (میت کی فوت شدہ عبادات کے فدیہ میں)۔ اور قرآن مجید کی قیمت بہت زیادہ ہے حقیقت میں، اگرچہ عرف میں کم قیمت میں فروخت کیا جاتا ہے۔ اور زیادہ فدیہ دینا ایک فقیر کو یہ بھی جائز ہے۔

---

1 (مفتاح شرح شرعة الاسلام، ص ٥٦)

2 (هدايه، ص ٥٩)

3 (عينى شرح بخارى، ج٥، ص ٣٦١)

4 (مختصر المعانى، ص ١٦٠)

متعدد فدیئے ایک ہی فقیر کو دینا جائز ہے

جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

"ویجوز إعطاء فدية صلوات" وصيام أيام ونحوها "لواحد" من الفقراء۔

نماز اور روزہ کے کئی فدیئے ایک فقیر کو دینا جائز ہے۔[1]

اسی طرح البحر الرائق، ج ۲، ص ۹۸، رد المحتار شامی، ص ۷۶۲، روح البیان، ص ۹۴۶ میں بھی ہے۔

کیونکہ نماز کے فدیہ میں کھانا کھلانے میں معتبر کھانے کی مقدار ہے نہ کہ مسکینوں کی تعداد۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

أن المعتبر في الطعام للصلاة قدر الطعام دون عدد المساكين, إلخ۔

کھانا کھلانے میں معتبر طعام کی مقدار ہے نہ کہ مساکین کی تعداد۔[2]

الحاصل یہ کہ دورۂ اسقاط ایک شرعی حکم ہے جو مذہبِ حنفی کی کتب سے منقول ہے، لہٰذا منکر کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے کیونکہ وہ متعصب ہے۔

جان لو اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۶۳ میں لکھا ہے:

"منحۃ الخالق" میں حیلہ کی جو صورت ذکر کی ہے کہ:

ثم يأخذ الوارث من مال اليتيم وجوبا, إلخ۔

پھر وارث یتیم کے مال سے وجوبی طور پر مال لے لے۔[3]

اگر میت نے وصیت کی ہو تو اور اگر وصیت نہ کی ہو تو پھر استحبابی طور پر یتیم کے مال سے مال لے لے۔ تو یہ عبارت کئی خرافات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ کسی بھی وارث کے لئے یتیم کے مال میں استحبابی طور پر مال لینا جائز نہیں ہے بلکہ قطعًا حرام ہے، انتہٰی۔

ہم کہتے ہیں کہ منحۃ الخالق کی اصل عبارت یوں ہے:

ثم يأخذ الوارث من مال اليتيم وجوبا, إلخ۔

پھر وارث یتیم کے مال سے وجوبی طور پر مال لے لے۔[1]

---

[1] (طحطاوی، ص ۲۳۹)

[2] (روح البیان، ج ۱، ص ۹۴۶)

[3] (البحر الرائق، ج ۲، ص ۹۸، الناشر: دار الكتاب الإسلامي)

جیسا کہ اس پر جامع الرموز کی عبارت دلالت کر رہی ہے:

ثم يدفع للباقي من العمر إلى مسكين من ملكه، إلخ۔[2]

لیکن منحۃ الخالق کے کاتب سے غلطی ہوئی اور انہوں نے لفظ میت کی بجائے لفظ یتیم لکھ دیا ہے۔ یا میں یہ کہتا ہوں کہ مؤرث (میت) کی ملکیت مالِ متروکہ پر قائم ہے، کیونکہ اس میت کا خلف (خلیفہ واولاد) باقی ہے۔

وارث کی ملکیت حکماً عین مؤرث کی ملکیت ہے

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

لأن ملك الوارث عين ملك المورث حكما، ولهذا يرد عليه بالعيب فصار ملك المورث قائما ببقاء خلفه، إلخ۔

کیونکہ وارث کی ملکیت حکماً عین مؤرث کی ملکیت ہے، اس وجہ سے کسی عیب کی وجہ سے اس کو لوٹایا جائے گا، لہٰذا مؤرث کی ملکیت اس کے خلف (اولاد) کی بقاء کی وجہ سے باقی ہے۔[3]

اور ہدایہ میں ہے:

والتركة على حكم ملكه وإن مات المولى حتى يقضي منها ديونه ويكفن ويجهز منها، إلخ۔

ترکہ (مالِ میراث) میت کے مال کے حکم میں ہے، لہٰذا اس ترکہ سے میت کے قرضے اور تکفین وتجہیز کی ادائیگی ہوگی۔[4]

اور فصول میں ہے:

وكذا الميراث يثبت الملك بطريق الخلافة، إلخ۔

اسی طرح میراث بھی ہے کہ اس میں میت کی ملکیت بطریقِ خلاف ثابت ہوتی ہے۔[5]

پس جب ترکہ میں مؤرث (میت) کی ملکیت ثابت ہوئی تو منحۃ الخالق کی عبارت میں میت کی طرف یتیم کے مال کے نام سے اضافت کرنا صحیح ہے، بحیثیت خلافت وخلیفہ کے، نہ کہ بطریقہ اصالت وملکیت کے۔ لہٰذا منحۃ الخالق کی عبارت پر اعتراض وارد نہیں ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ گمان وخیال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصلاح الرسوم کے مصنف نے منحۃ الخالق کی

---

[1] (البحر الرائق، ج ٢، ص ٩٨، الناشر: دار الكتاب الإسلامي)
[2] (جامع الرموز، ص ١٦١)
[3] (البحر الرائق، ج ٢، ص ١٩١)
[4] (الهداية، ص ٣٣٩)
[5] (الفصول، ص ١١٧)

عبارت کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں، جس کی وجہ سے اس عبارت کو غلط اور خطا تصور کیا ہے، جبکہ معاملہ بر عکس ہے۔ کاش کہ اصلاح الرسوم کے مصنف اپنی کم فہمی ملاحظہ کرتے اور ان بزرگوں کی طرف غلطی اور خطاء کی نسبت نہ کرتے۔

ایسے موقع کی مناسبت سے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

میکنی تاویل حرفِ بکررا — خویش را تاویل کن نے ذکر را

چوں بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطا است — سخن شناس نادلبرا خطا این جا است

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۶۳ میں لکھا ہے کہ:

اسقاط کے مجوزین یہ کہتے ہیں کہ **فلان بن فلان ملکک سائر ما وجب علیه من ماله**۔ فلاں بن فلاں نے آپ کو اپنے اس مال کا مالک بنا دیا جو اس پر واجب ہے۔ حالانکہ میت تو اپنے مال کی تملیک کی قدرت نہیں رکھتی اور پھر اس دھوکہ کو دیکھو کہ **ویفعل مع کل فقیر کذلک**۔ کہ ہر فقیر کے ساتھ ایسا ہی کیا جائے گا۔ (عبارت پوری ہوئی)

اے میرے مسلمان انصاف پسند بھائیو! انصاف کی نظر سے مولوی مفتاح الدین جوروی کی جرأت کو دیکھو کہ صرف منحۃ الخالق کے مصنف کو نہیں، بلکہ ان تمام فقہاء کو (جنہوں نے اس حیلہ کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے کی طرف) دھوکہ بازی کی نسبت کی ہے۔

برین علم ودانش بباید گریست

ہم دو وجوہات کی بناء پر اس کا جواب دیتے ہیں:

۱۔ یہ طعن جو اس نے منحۃ الخالق کے مصنف پر کی ہے اس سے اہل سنت وجماعت کو کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچتا، کیونکہ حیلۂ اسقاط تمام فقہاء کرام سے منقول ہے۔ لہٰذا اگر منحۃ الخالق کی عبارت غلط بھی ہو جائے تو اس سے حیلۂ اسقاط کی نفی نہیں ہوتی۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ منحۃ الخالق کی عبارت میں دو باتیں ہیں: پہلی یہ کہ کاتب سے لکھنے میں غلطی ہوئی کہ **املکک** کی جگہ **ملکک** لکھا ہے۔ دوسری یہ کہ منحۃ الخالق کی عبارت قلب (عکس) پر محمول ہے۔

اصل عبارت یوں ہے:

یقول المعطی لفقیر واحد من تلک العشرة هکذا املکک سائر ما وجب علیه من مال فلان بن فلان المتوفي، إلخ۔

دینے والا ان دس فقیروں میں سے ایک فقیر کو یہ بولتے ہوئے فدیہ دے دے کہ میں تم کو وہ سارا مال مالک بنا کر دیتا ہوں جو فلان بن فلان میت پر واجب ہے۔

جیسا کہ اس قلب (عکس) عبارت پر جامع الرموز کی عبارت دلالت کرتی ہے:

وینبغي أن یقول الدافع للفقیر في کل مرۃ اني ادفعک مالا کذا الفدیۃ صوم کذا الفلان بن فلان المتوفٰی، إلخ۔

مناسب ہے کہ دینے والا فقیر کو ہر مرتبہ یہ کہے کہ میں آپ کو فلان بن فلان میت کے روزہ کے فدیہ میں اتنا مال دیتا ہوں۔[1]

کذافي البرھنۃ، ص ۲۳۷۔

اسی طرح برھنہ، ص ۲۲۷ میں بھی ہے۔

اصلاح الرسوم کے مصنف نے ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ کسی میت پر حق کے وجوب کے بعد کسی اور کے حیلے سے کسی اور کا حق ادا نہیں ہوتا، جیسے کہ اس کی تصریح کتبِ فقہ میں باب الشفقۃ اور باب الزکوۃ میں ہے۔ (إنتھی عبارتہ)

کیا کسی اور کے حیلے سے کسی اور کا حق ادا نہیں ہوتا؟

ہم کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتے ہیں:

۱۔ دورۂ اسقاط، فقراٗ کے حق کو ساقط کرنے کے لئے مستلزم نہیں، کیونکہ دورہ اسقاط کے بعد اس مال کو فقراء میں خرچ کرنا ناجائز نہیں ہے۔

جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے:

ثُمَّ یَنۡبَغِي بَعۡدَ تَمَامِ ذَلِکَ کُلِّهِ أَنۡ یَتَصَدَّقَ عَلَی الۡفُقَرَاءِ بِشَيۡءٍ مِنۡ ذَلِکَ الۡمَالِ، إلخ۔

دورۂ اسقاط کے بعد مناسب ہے کہ اس مال میں سے فقراء پر خرچ کیا جائے۔[2]

دیکھو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دورۂ اسقاط کا تمام یا بعض مال فقراء کو دینے کی تصریح فرمائی تو اس سے فقراء کا حق کیسے ختم ہوا؟ (بلکہ فقراء کا دینے کا حق ہے) اور اس میں میت کے لئے بھی عظیم فائدہ ہے کہ اس سے میت کے ذمہ فوت شدہ عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔

---

[1] (جامع الرموز، ص ۱۶۲)

[2] (ردالمحتار، ص ۴۹۳)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

نمازوں کے فدیئے کی ادائیگی احتیاطًا کرنی چاہیئے نہ کہ وجوبًا

جیسا کہ حسامی کے متن باب القضاء والاداء میں ہے:

فأمرناه أي العاجز عن الصلاة بالفداء عن الصلاة إحتياطا لا حتما ورجونا القبول من الله تعالیٰ فضلاً فقال محمد رحمه الله تعالیٰ في الزيادات يجزيه أي يكفيه الفداء، إلخ۔

ترجمہ: اور ہم نے نماز سے عاجز شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنی نمازوں کے فدیہ کی احتیاطًا ادائیگی کرے نہ وجوبًا۔ اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی قبولیت کی امید رکھی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زیادات میں فرمایا کہ اس کے لئے فدیہ کافی ہے۔[1]

اور مولوی کے حاشیہ تلویح میں ہے:

إلّا أَنَّهُ عَلَى تَقْدِيرِ التَّعْلِيلِ بِالْعَجْزِ تَكُونُ الْفِدْيَةُ فِي الصَّلَاةِ أَيْضًا وَاجِبَةً بِالْقِيَاسِ الصَّحِيحِ ، وَعَلَى تَقْدِيرِ عَدَمِ التَّعْلِيلِ تَكُونُ حَسَنَةً مَنْدُوبَةً تَمْحُو سَيِّئَةً فَيَكُونُ الْقَوْلُ بِالْوُجُوبِ أَحْوَطَ وَيُرْجَى قَبُولُهَا۔

نماز کی ادائیگی سے عاجزی کی علت کی بناء پر نماز کا فدیہ دیناواجب ہے قیاس صحیح کے طور پر، اور عاجزی کی علت نہ ہو تو پھر فدیہ مستحب ہے، جس سے گناہ معاف ہوں گے اور قبول ہونے کا قول احوط ہے، قبولیت کی اُمید ہے۔[2]

الجلپی علی التلویح علی ھامش المولوی میں ہے:

دليل الجواز ههنا الرجاء إلى سعة رحمة الله تعالیٰ وكمال كرمه وفضله وذلک يشمل على الايصاء والتبرع جميعا، إلخ۔

حیلۂ اسقاط کے جواز کی دلیل اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور فراخی ہے، اور کمال کرم وفضل ہے، اور یہ وصیت اور نفلی طور پر سب کو شامل ہے۔[3]

عزیز قارئین فقہاء کرام اور خاص کر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیادات میں قول کو دیکھیں کہ انہوں نے حیلہ کی قبولیت کی امید رکھی ہے۔ اور صاحبِ تلویح کے اس قول کو حسنہ ومستحبہ قرار دیا ہے۔ مولانا مفتاح الدین پر تعجب ہے کہ اس نے اصلاح الرسوم کتاب خواب میں لکھی ہے یا جاگتے ہوئے؟ یا شاید اس نے اپنے لئے کوئی پانچواں مذہب بنایا ہو جس کی وجہ سے فقہاء کرام کی کتب سے چشم پوشی کی ہے۔ عوام کو تو گمراہ کیا مگر علماء کرام پر اس کا جادو منتر نہ چلا اور حقیقت ظاہر ہو گئی۔ ما

---

1 (مولوي على الحسامي، ص ۱۵٦)

2 (التلويح على حاشية المولوى، ص ۱۵٦)

3 (الجلپي على التلويح على هامش المولوى، ص ۱۵٦)

قبل کے تمام اکابرین رحمتِ الٰہی کے امیدوار تھے، اس لئے انہوں نے اس حیلے کو اپنے گناہوں کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ اور مولانا مفتاح الدین یا تو رحمتِ الٰہی سے ناامید ہے یا اپنے آپ کو گناہوں سے معصوم سمجھتا ہے، لہٰذا اس سے بحث و گفتگو فضول ہے۔

دوسرا یہ کہ حیلہ شفعہ کے باب میں ہے دفعِ ضرر اُس ہی وقت ہو گا جب ثابت شدہ حق کو ساقط کیا جائے اور یہاں حیلہ میں سرے سے شفیع کا حق ہی ثابت نہیں ہوتا، تو دفع ضرر کا کیا معنی؟ لہٰذا شفیع کے حق کو ختم کرنے کے لئے اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

حیلہ ضرر نہیں ہے

جیسا کہ الھدایہ میں ہے:

أنه منع عن إثبات الحق فلا يعد ضررا، إلخ۔

حیلہ حق ثابت کرنے سے روکنے کا نام ہے، لہٰذا اسے ضرر شمار نہیں کیا جائے گا۔ (اور بیع کے بعد حیلہ متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ شفیع کا حق ہے مبیعہ میں، یعنی اس ملکیت کے ساتھ غیر یعنی شفیع کا حق وابستہ ہے۔)[1]

جیسا کہ الھدایہ میں ہے:

و وجه ظاهر الرواية أنه بنى في محل تعلق به حق متأكد للغير، بحيث لا يقدر المشتري على إسقاطه، إلخ۔

ترجمہ: اور ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری نے ایسی جگہ میں تعمیر کی ہے کہ اُس کے ساتھ دوسرے کا مضبوط حق متعلق ہے (اسقاطِ زکوٰۃ کا حیلہ بھی اسی اختلاف پر ہے جو کہ معتبر کتب نے جائز قرار دیا ہے)۔[2]

جیسا کہ حموی میں ہے:

و من له على فقير دين و أراد جعله عن زكوٰة العين فالحيلة أن يتصدق عليه ثم يأخذه منه من دينه و هو أفضل من غيره أي من التصدق على غيره، إلخ۔

جس کا کسی فقیر پر قرضہ ہو اور مالک نے عین (نقد مال) سے زکوٰۃ ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہ اس فقیر پر اپنا مال صدقہ کرے اور پھر اس سے وہی مال اپنے قرضہ کے بدلے میں لے لے۔ اور یہ کرنا کسی اور پر صدقہ کرنے سے بہتر ہے (کہ اس سے فقیر کا قرضہ اتر جائے گا اور صدقۂ زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی)۔[3]

---

[1] (الھدایہ، فصل شفع ساقط کرنے کے لئے حیلوں کا بیان، ص ۴۰۶)
[2] (الھدایہ، فصل مشفوعہ جائیداد میں مشتری کے تصرفات کا بیان، ص ۳۹۸)
[3] (حموی، ص ۴۱۸)

۳۔ شفعہ اور اسقاط کے حیلے میں صاحبین کے مابین اختلاف ہے۔

زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ بلا کراہت جائز ہے

جیسا کہ الھدایہ میں ہے:

لاتكره الحيلة في إسقاط الزكاة، إلخ

زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنے میں کراہت نہیں ہے۔[1]

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی موجودگی میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی طرف جانا نہیں ہوتا۔

جیسا کہ شامی میں ہے:

ثم الفتوى على الإطلاق على قول أبي حنيفة، ثم قول أبي يوسف ثم قول محمد، إلخ۔

فتویٰ علی الاطلاق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر ہے پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور پھر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر ہے۔[2]

درج بالا تحقیق سے جب آپ کو فقہاء کرام کی معتبر کتب سے حیلۂ شرعی کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا تو اب مولوی جورہ کے اس دعویٰ کو دیکھو کہ اس پر اتفاق ہے کہ حیلہ جائز نہیں ہے۔

اس دعویٰ باطلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی مفتاح الدین کا اتفاق سے مراد شاید جہلاء و عوام کا اتفاق ہو یا ان کے علاقہ کے جاہل آئمۂ مساجد کا اتفاق ہو۔ یا اس کے شاگردوں کا اتفاق ہو۔ نہ کہ سلف صالحین کا اتفاق ہے، ورنہ کتبِ فقہ میں مولوی جورہ کے خلاف تصریحات موجود موجود نہ ہوتیں۔ حالانکہ کتبِ فقہ میں حیلۂ اسقاط کے جواز پر تصریحات موجود ہیں، جبکہ مولوی جورہ نے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ممنوعہ حیلہ کو حیلۂ اسقاط پر لگادیا اور یہ تحریف فی الدین ہے۔

مولوی مفتاح الدین اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۶۰ پر لکھتا ہے کہ ولی کے خیال میں قرآن مجید کی متعارف قیمت ایک روپیہ ہے، اور صفحہ نمبر ۹ میں لکھا ہے کہ یہ ایک رسم ہے کہ قرآن مجید کو جنازے کے ساتھ لے جاکر میت کے ولی پر مذاقاً ایک ہزار روپیہ پر فروخت کرتا ہے، **انتهى عبارته۔**

---

[1] (الهدايه، ص ۴۰۶)

[2] (شامی، ص ۷۲)

ہم جواب میں کہتے ہیں کہ فرض کریں کہ قرآن مجید کی قیمت ایک روپیہ ہے اور اس کا مالک اس کو ایک ہزار پر فروخت کرتا ہے اور لینے والا اپنی مرضی سے اس کو خریدتا ہے تو اس میں کوئی شرعاً نقصان نہیں۔ مگر پھر بھی ہم مولوی جورہ سے پوچھتے ہیں کہ تم اس بیع کو جائز مانتے ہو یا ناجائز؟ تو اگر مولوی جورہ اس کو ناجائز مانتا ہے جیسے کہ اس کے قول سے معلوم بھی ہوتا ہے تو پھر تو اس کی یہ بات کتبِ مذہب بلکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مخالف ہے۔

حیلۂ اسقاط پر تصریحاتِ فقہاء کرام

تصریحاتِ فقہاء ملاحظہ کریں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ومنهم من يجوز بيعه وشراؤه على المعروف وعلى خلافه وهو المكاتب والمأذون عند أبي حنيفة يجوز لهم أن يبيعوا ما يساوي ألفا بدرهم ويشتروا ما يساوي درهما بألف، وعندهما لا يجوز إلا على المعروف، وأما الحر البالغ العاقل فيجوز بيعه كيفما كان وكذا شراؤه إجماعا, اھ۔

ان میں سے کچھ ایسے غلام ہیں کہ جن کی بیع وشراء معروف طریقے سے جائز ہے، اور وہ مکاتب اور ماذون ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جائز ہے مالکوں کے لئے وہ ہزار روپے کی چیز ایک روپے میں، ایک روپیہ والی چیز ایک ہزار پر خریدلے اور فروخت کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک صرف معروف طریقے پر جائز ہے، اور آزاد بالغ عاقل کے لئے جائز ہے کہ وہ جس طرح خرید وفروخت کرے جائز ہے۔[1]

كذا في الجوهري, ص ۳۰۸۔

اسی طرح جوہری میں صفحہ نمبر ۳۰۸ پر ہے۔

اسی طرح بیع عین کو دیکھو کہ صاحب ہدایہ نے صفحہ نمبر ۱۲۳ میں جائز قرار دیا ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم, اھ۔

جب خرید وفروخت والے الگ ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو۔[2]

دوسری بات یہ کہ یہ بات ماننے کی نہیں کہ قرآن کی متعارف بیع ایک روپیہ ہے، کیونکہ قرآن کی بیع اصل میں کاغذ اور کتابت کی بیع ہے جیسا کہ روح البیان سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ معاملہ کاغذ اور عمل کی اچھائی اور کمزوری سے مختلف ہو جاتا

---

[1] (شامی، ج۴، ص۴۴۸)

[2] (الھدایۃ، ص ۱۲۳)

ہے جس کی وجہ سے قرآن کی قیمت میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کارخانے کے بدلنے سے چیز کی قیمت بھی بدلتی ہے۔

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

ولا يقسم الأواني لأنها باختلاف الصنعة التحقت بالأجناس المختلفة، إلخ۔

برتن تقسیم نہیں کئے جائیں گے کیونکہ کارخانہ بدلنے سے جنس بھی مختلف ہو جاتی ہے۔[1]

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۵۹ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کو ایسی جگہ لے جانا کہ جہاں اس کی توہین کا احتمال ہو جائز نہیں بلکہ شرعاً ممنوع ہے۔

اور صفحہ نمبر ۶۰ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں یہی ہوتا ہے کہ اپنے ساتھ جنازے میں قرآن لے جاتے ہیں۔ هدايه، كتاب السير دیکھو، انتهى۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی مانتے ہیں کہ کافروں کے علاقے میں قرآن مجید کا اپنے ساتھ لے جانا ممنوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کافروں کے علاقہ میں قرآن مجید ساتھ لے جانے سے منع فرمایا

جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنے ساتھ قرآن مجید کو کافروں کے علاقہ میں لے جانے سے منع فرمایا ہے۔[2]

مسلمانوں پر خیر کا گمان کرنا چاہیئے

اور ہدایہ، کتاب السیر میں بھی اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کافروں کے علاقہ میں قرآن مجید کی توہین کا احتمال ہے کیونکہ قرآن مجید کے منکر اور ہمارے دُشمن ہیں۔ مگر اس پر قیاس کرتے ہوئے قرآن مجید کو جنازہ کے ساتھ لے جانے کا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مسلمان کے جنازے میں مسلمان حاضر ہوتے ہیں، نہ کہ کافر۔ اور مسلمانوں پر قرآن کی توہین کا الزام نہیں لگا سکتے۔

ظنوا المؤمنين خيرا۔

[1] (الهداية، ص ۴۱۲)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ص ۱۸۳)

مسلمانوں پر خیر کا گمان کرو۔

اور جنازہ میں قرآن کا لے جانا ادب کے ساتھ مردہ کے فائدہ کے لئے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر کافروں سے قرآن کی توہین کا خوف نہ ہو تو ان کے علاقے میں جانا بھی جائز ہے۔

پُر امن حالات میں مسلمانوں کا بڑا لشکر قرآن مجید ساتھ رکھ سکتا ہے

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

ولا بأس بإخراج النساء والمصاحف مع المسلمين إذا كانوا عسكرا عظيما يؤمن عليه لأن الغالب هو السلامة والغالب كالمتحقق ويكره إخراج ذلك في سرية لا يؤمن عليها لأن فيه تعريض المصاحف على الاستخفاف فإنهم يستخفون بها مغايظة للمسلمين۔

جب مسلمانوں کا لشکر بڑا ہو تو خواتین اور قرآن کو لے جانا جائز ہے کہ راستہ پُر امن ہے، اور جس چیز پر غالب گمان ہوتا ہے تو گویا وہ متحقق ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر سریہ ہو اور کافروں کی طرف سے قرآن کی توہین کا خوف ہو تو پھر قرآن لے جانا مکروہ ہے کیونکہ کافر مسلمانوں کو غصہ دلانے کے لئے قرآن مجید کی توہین کریں گے۔[1]

دیکھا صاحبِ ہدایہ نے پُر امن حالات میں قرآن مجید لے جانے کو جائز قرار دیا اور مولوی مفتاح الدین نے اپنی خود غرضی کی وجہ سے مطلقاً منع کر دیا۔ کاش کہ موصوف عدل وانصاف کی عینک لگا کر یہ تمام روایات دیکھ لیتے تو اچھا ہوتا۔

اور مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۶۲ میں لکھا ہے کہ یہ قابض نہ تو میت کا ولی ہے اور نہ وصی ہے، مال تو اس کا ہو گیا تو اس کا مال تو میت کے روزہ اور نماز میں فدیہ ہی نہیں بنتا۔

جیسا کہ شامی میں ہے:

والمتبادر من التقييد بالولي أنه لا يصح من مال الأجنبي، إنتهى۔

ولی کی قید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کا فدیہ اجنبی شخص کے مال سے ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔[2]

ہم دو وجوہ سے جواب دیتے ہیں:

وجہ اولیٰ

یہ ہے کہ یہ بات نہیں مانی جائے گی کہ اجنبی شخص اپنا مال کسی میت کے نماز وروزہ میں فدیہ نہیں کر سکتا بلکہ کر سکتا ہے۔

---

[1] (الهداية، ج۲، ص۱۳۷، الناشر المكتبة الإسلامية)

[2] (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۷۲، الناشر: دار الفكر-بيروت)

جیساکہ مراقی الفلاح میں ہے:

"وإن لم یوص وتبرع عنه ولیه" أو أجنبي "جاز"، اھ۔

اگر میت نے وصیت نہیں کی اور کسی ولی یا اجنبی نے نفلی طور پر فدیہ ادا کیا تو جائز ہے۔[1]

اور منحۃ الخالق میں ہے:

أو یأخذ الأجنبي من مال نفسه تبرعًا مقدار ما ذکر في دور المسقط بنفسه وارثا کان أو غیر وارث، إلخ۔

اجنبی اپنے مال سے نفلی طور پر مذکورہ مقدار میں مال لے لے اور ساقط کرنے والا اس میں دور کرے خواہ وہ وارث ہو یا غیر وارث۔[2]

وجہ دوم

یہ ہے کہ شامی کا یہ قول کہ: وَالْمُتَبَادِرُ مِنَ التَّقْيِيدِ بِالْوَلِيِّ، إلخ۔ ولی کی قید سے یہ معلوم ہوتا ہے، الخ۔ تو اس کے ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی کی طرف سے میت کا فدیہ ادا نہیں ہوتا۔

مگر شامی کا یہ قول بھی ہے:

نعم وقع في شرح نور الإیضاح للشرنبلالي التعبیر بالوصي أو الأجنبي فتأمل۔

ہاں نور الایضاح کی شرح میں واقع ہوا ہے کہ خواہ وصی ہو یا اجنبی۔[3]

یہ دلالت کرتا ہے کہ حقیقت میں اجنبی کی طرف سے بھی کسی میت کا فدیہ ادا ہو سکتا ہے جو لفظ نعم سے ثابت ہوتا ہے۔

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۶۲ اور صفحہ نمبر ۶۵ میں لکھا ہے کہ یہ خرابی اور مصیبت اس بنائے ہوئے اختراعی حیلے سے آئی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب حیلۂ اسقاط فقہ کی معتبر کتب سے ثابت ہوا تو اب اصلاح الرسوم کا مصنف یا تو مقلد ہوگا یا نہیں؟ اگر مقلد ہے تو پھر اس کا یہ قول اس لئے باطل ہے کہ یہ مذہبِ حنفی کے خلاف ہے۔ اور جس مقلد کا قول اپنے مذہب کے خلاف ہو تو وہ غیر معتبر ہوتا ہے۔

---

[1] (مراقی الفلاح، ص ۲۳۸)

[2] (منحۃ الخالق، ج ۲، ص ۹۸)

[3] (فتاویٰ شامی، ج ۲، ص ۷۲)

امام کے قول کا اعتبار ہے مقلد کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں

جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

و أما المقلد لأبي حنیفة فلا عبرة برأیه المخالف لمذهب إمامه۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد کی اس رائے کا کوئی اعتبار نہیں جو اپنے امام کے مذہب کے خلاف ہو۔[1]

اور مقلد نہیں ہے تو پھر اقوالِ فقہاء پر اختراع کا حکم لگانا کوئی قابلِ تعجب نہیں ہے، کیونکہ اصطلاح میں غیر مقلد شتر بے مہار (پاگل اونٹ) کو کہتے ہیں۔ (جو بولتا ہے اچھا بولتا ہے) اور حیلۂ اسقاط کو مخترع کہنا فقہ کا استخفاف اور توہین ہے جو کتاب اللہ سے مستخرج و مستنبط ہے۔

جیسا کہ فصول میں ہے:

و أما الفقه فمستنبط من الکتاب فکان الفقیه من علماء الکتب۔

فقہ کتاب اللہ سے مستنبط ہے اور فقیہ قرآن کا عالم ہوتا ہے۔[2]

اور فقہ کی توہین کرنے والے کی گردن اڑانے کے قابل ہے۔

کیا خوب کہا ہے شاعر نے:

جس عالم میں تقویٰ اور دیانت داری نہ ہو تو اگر وہ اسلام کا مذاق اُڑائے تو گلہ نہیں۔

صفحہ نمبر ۶۳ میں مولوی مفتاح الدین نے لکھا:

یہ حیلۂ اسقاط صرف اس شخص کے لئے ہے جس کا کوئی بھی مال باقی نہ رہا ہو، انتھٰی۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ماننے کی نہیں کہ حیلۂ اسقاط صرف اس کے لئے ہے جس نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو بلکہ تین ادوار میں حیلۂ اسقاط جائز ہے۔

جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

و إن لم یف ما أوصی به المیت (عما علیه) أو لم یکف ثلث ماله أو لم یوص بشيء فحیلته۔

میت نے جس مال کی وصیت کی ہو اور وہ اس کی عبادات کے لئے کافی نہ ہو، اس کا ثلث مال کافی نہ ہو، یا کسی چیز کی وصیت نہ کی ہو تو اس کے لئے یہ حیلہ ہے۔[3]

---

[1] (حاشیہ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۲۴۱)
[2] (فصول، ص ۱۰)
[3] (مراقی الفلاح، ص ۲۳۹)

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۶۳ میں لکھاہے کہ یہ بدعتی لوگ فدیہ کو خاص اس وقت ادا کرتے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حکم دیا کہ: "عجلوا بموتاکم" اپنے مردوں کو جلدی دفنایا کرو۔ تو اس میں تاخیر ہو جاتی ہے۔(انتھی عبارتہ)

مولوی مفتاح الدین کی اپنے اس کلام سے غرض یہ ہے کہ دورۂ اسقاط ختم ہو جائے، ہم کہتے ہیں کہ حدیثِ مبارکہ تدفین کے جلدی کرنے پر دلالت کرتی ہے مگر مطلقاً نہیں۔ کیونکہ کچھ حقوق تدفین سے مقدم ہوتے ہیں ان کو بھی ادا کرنا ہوتا ہے، جیسے کہ میت کو غسل، کفن دینا اور فدیہ دینا۔

غسل اور کفن کے مقدم ہونے پر یہ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دلالت کرتا ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ رَجُلًا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ تھے تو اپنی اونٹنی سے گرے اور گردن ٹوٹ گئی حالانکہ وہ حالتِ احرام میں تھے اور فوت ہو گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اس کو بیری ملے پانی سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن دو۔[1]

فدیہ میت کی تدفین سے مقدم کیا جائے

رہی بات فدیہ کے مقدم کرنے کی تو روح البیان میں ہے:

وینبغی ان یفدی قبل الدفن وان جاز بعدہ۔

بہتر یہ ہے کہ میت کے دفنانے سے پہلے اس کا فدیہ ادا کیا جائے، اگرچہ بعد میں بھی جائز ہے۔[2]

كذافي البرهنة وجامع الرموز، ص ۱۷۱۔

اسی طرح برہنہ اور جامع الرموز، ص ۱۷۱ میں ہے۔

اور لفظ "ینبغی" کا بمعنی وجوب میں مستعمل ہونا ظاہر وواضح ہے۔ جس کو علماء کرام جانتے ہیں، کتب الفقہ میں مجموعۃ الفتاویٰ دیکھو۔

---

[1] (مشکوٰۃالمصابیح، ص ۱۲۳)

[2] (روح البیان، ج ۱، ص ۹۴۶)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۶۶ میں لکھا ہے:

میری باتوں پر یہ گمان نہ کرو کہ میں فتنہ برپا کر رہا ہوں یا یہ شر ہے، بلکہ شر یہ ہے کہ حق سے چشم پوشی اختیار کی جائے، انتھی۔

ہم کہتے ہیں کہ اس طرح حق بیان کرنا کہ جس سے لوگ اضطراب واختلاف میں واقع ہو جائیں یہ حرامِ قطعی ہے۔

جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے:

وفی الحدیث (الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها) وھی إیقاع الناس فی الاضطراب والاختلال والاختلاف والمحنة کمن یقول لأھل القری والبوادي والعجائز والعبید والإماء لا تجوز الصلاة بدون التجوید وھم لا یقدرون علی التجوید فیترکون الصلاة رأساً وھي جائزة عند البعض وإن کان ضعیفاً فالعمل به واجب فرارا من الفتنة، اھ۔

حدیث میں ہے فتنہ سویا ہوا ہے اور جو اس کو جگائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فتنہ یہ ہے کہ لوگوں کو اضطراب واختلاف میں واقع کیا جائے جیسا کہ دیہاتیوں، جنگلیوں، بوڑھوں، غلاموں اور کنیزوں سے کہا جائے کہ بغیر تجوید کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ سادہ لوح لوگ تجوید نہیں جانتے تو وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے حالانکہ بعض کے نزدیک نماز جائز ہے اگرچہ وہ ضعیف ہو تو فتنہ سے بچنے کے لئے اس پر عمل واجب ہے۔[1]

اور اسی طرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۲، ص ۱۸۵ میں ہے۔

ھکذا في الطریقة المحمدیة، ج ۲، ص ۱۸۵۔

اور یہ حدیث اس شخص پر بھی صادق آتی ہے کہ جس نے ولا الظالین کا فتنہ برپا کیا ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ازان ہمنشین تا توانی گریز — کہ مر فتنہ خفتہ را گفت خیز

اس بندے کے ساتھ نہ بیٹھ جو فتنہ برپا کرتا ہے۔

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۶۹ میں لکھا ہے:

اسی طرح دیگر صدقات کی تخصیص جیسا کہ شبِ جمعہ، چالیسواں وغیرہ میت کے لئے یہ بھی عوامی رسم ہے۔ (انتھی عبارته)

[1] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۴۱)

میت کی تدفین کے بعد سات راتوں تک صدقہ کرنے کا مسئلہ

ہم کہتے ہیں کہ میت کے لئے ہر شب یا شبِ جمعہ کو صدقہ دینے پر رسم کا اطلاق صحیح نہیں ہے، کیونکہ میت کی تدفین کے بعد سات راتوں تک صدقہ دینے کا مسئلہ مذہبِ حنفی کی کتب میں منقول ہے۔

جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

والسنة أن يتصدق ولي الميت له قبل مضي الليلة الأولى بشيء مما تيسر له فإن لم يجد شيئا فليصل ركعتين ثم يهد ثوابهما له قال ويستحب أن يتصدق على الميت بعد الدفن إلى سبعة أيام كل يوم بشيء مما تيسر, إلخ۔

مستحب یہ ہے کہ رات گزرنے سے پہلے میت کے لئے صدقہ دینا سنت ہے، اگر کچھ دینے کے لئے نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر میت کو ایصال کر دے اور فرمایا کہ دفن کرنے کے بعد سات راتوں تک میت کے لئے صدقہ مستحب ہے۔[1]

كذا في البرهنة، ص ٢٦٣ ومفتاح الجنان شرح شرعة الاسلام، ص ٢٦٦۔

اسی طرح فتاویٰ برہنہ، ص ۲۶۳ اور مفتاح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، ص ۲۶۶ میں ہے۔

حاشیۃ النسائی میں ہے:

وفي حاشية النسائي: رَوَى أَحْمَد فِي كِتَاب الزُّهْد وَأَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَة عَنْ طَاوُسٍ قَالَ إِنَّ الْمَوْتَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ سَبْعًا وَكَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطْعِمُوا عَنْهُمْ تِلْكَ الْأَيَّامَ۔

طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میت قبر میں سات دن تک پریشان رہتی ہے تو ورثاء کے لئے مستحب ہے کہ ان دنوں میں اس کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ دیں۔[2]

صدقہ کرنے سے میت کو فائدہ ملتا ہے

اور اشعۃ اللمعات میں ہے:

ومستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز وتصدق از میت نفع میکند او را بے خلاف میان اہلِ علم ۔۔۔۔ ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را در شب جمعہ پس نظر میکند کہ تصدق میکند از وے یا نہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] (حاشية الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۳۳۹)

[2] (حاشية النسائي، ص ٢٩٠، حاشية السيوطي والسندي على سنن النسائي، ج ٣، ص ٢٩٦)

مستحب یہ ہے کہ میت کے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ دیا جائے، اور صدقہ کرنے سے میت کو فائدہ ملتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ میت کے جانے کے بعد اس کی روح سات راتوں تک اپنے گھر آتی ہے کہ آیا کوئی میری طرف سے صدقہ دیتا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم![1]

روح البیان میں ہے:

وفی الحدیث (یا أصحابي لا تنسوا امواتکم فی قبورھم خاصة فی شھر رمضان فان أرواحھم یأتون بیوتھم فینادی کل أحد منھم الف مرة من الرجال و النساء اعطفوا علینا بدرھم او برغیف او بکسرة خبز او بدعوة, کذا فی ربیع الأبرار فاذا کان الرغیف او الکسرة مفیدا مقبو لا عند الله تعالی فما ظنک بما فوقه من اللذائذ, إلخ۔

اور حدیث میں ہے کہ اے میرے دوست اپنے مردوں کو قبر میں مت بھول جانا، خاص کر رمضان کے مہینہ میں، کیونکہ میت کی روح گھر آتی ہے اور ہزار بار مردوں اور عورتوں کو آواز دیتی ہے کہ ہم پر رحم کرو درہم، روٹی کے ٹکڑے یا دعا کے ذریعے۔ اسی طرح ربیع الابرار میں بھی ہے تو جب روٹی کا ٹکڑا بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور وصیت کے لئے نافع رہے تو اس سے بڑھ کر چیزوں کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے؟[2]

میت کی ارواح ہر جمعہ کی رات و دن کو گھروں کے باہر کھڑی ہو کر پکارتی ہیں

فتاویٰ دستور القضاء میں فتاویٰ نسفیہ سے منقول ہے:

أن أرواح المؤمنین یأتون في کل لیلة الجمعة ویوم الجمعة فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادي کل واحد منھم بصوت حزین یا أھلي ویا أولادي ویا أقربائي إعطفوا علینا بالصدقة واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا في غربتنا قد کان ھذا المال الذي في أیدیکم في أیدینا فیرجعون منھم باکیا خرینا ثم ینادي کل واحد منھم بصوت حزین اللھم قنطھم من الرحمة کما قنطونا من الدعاء والصدقة, إلخ۔

میت کی ارواح ہر جمعہ کی رات و دن کو آکر گھروں کے باہر کھڑے ہو کر غمزدہ آواز سے آواز دیتی ہے: اے میرے گھر والو! میرے بچو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ کے ذریعے رحم کرو، ہمیں یاد رکھا کرو، ہمیں بھول نہ جانا، ہم پر رحم کرو، یہ مال

---

[1] (اشعة اللمعات, باب زیارة القبور, ج ۱, ص ۷۶۳, المکتبة الحبیبیة, کوئٹه)

[2] (روح البیان, ج ۴, ص ۳۶۶, الناشر: دار الفکر - بیروت)

تو تمہارے ہاتھ میں ہے، ہمارے پاس تھا، پھر وہ ارواح اپنے اہل و عیال سے غمزدہ واپس لوٹ جاتے ہیں اور غمگین آواز سے کہتے ہیں کہ یا اللہ! ان کو رحمت سے مایوس کر دو جیسے انہوں نے ہمیں مایوس کر دیا دعا اور صدقہ سے۔[1]

اور کشف الغمہ میں ہے:

قال إبن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنهما كان رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه و آلہٖ و اصحابه و سلم يحث على الدعاء و الصدقة و القرب المهداة للأموات من أقاربهم و إخوانهم و يقولون ان ذلک كله ينفعهم جدا، إلخ۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مردوں کے لئے لوگوں کو دعا، صدقہ پر ابھارتے تھے، ترغیب دیتے تھے، خواہ وہ ان کے بھائی ہوں یا رشتہ دار، اور کہتے تھے کہ یہ ان اموات کو بہت جلد نفع دیتا ہے۔[2]

اور صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تُوصِ وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور وصیت نہ کر سکی، میرا خیال ہے کہ اگر وہ وصیت کر سکتی تو ضرور صدقہ کرتی تو اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اس کو ثواب ملے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ہاں اس کو ثواب ملے گا۔[3]

اور فتح الملہم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس قول مبارک کہ "ہاں ثواب ملے گا" کی تفصیل میں لکھا ہے:

فيه جواز الصدقة عن الميت و إن ذلک ينفعه بوصول عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة و هو مذهب أهل السنة و الجماعة، اھ۔

---

[1] (فتاویٰ دستور القضاۃ، الفتاویٰ الحنفیة، ص ۱۷۲، دار الکتب، بشاور، باکستان، فتاوی الغرائب، ص ۱۲۹: للشيخ إسماعيل بن علي أبو محمد الفقيه الزاهد كان إمام وقته في الفروع و الأصول أخذ عن أبي بكر محمد بن الفضل عن عبد الله السند مولىٰ عن أبي حفص الكبير مات في الشعبان سن إثنتين و أربع مائة، منية المصلى مع التعليق المجلى، ص ۴۴۱)

[2] (كشف الغمة، ص ۱۴۲)

[3] (صحيح مسلم، ج۵، ص ۱۷۴، المكتبة الفاروقية)

اس میں میت کی طرف سے صدقہ دینے کا جواز ہے، اور اس میں میت کے لئے نفع ہے کیونکہ اس کا ثواب میت کو ملتا ہے، کیونکہ غیر کا عمل دوسرے کو پہنچتا ہے خواہ نماز ہو، یا روزہ، یا صدقہ اور یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔[1]

میرے مسلمان بھائیو! فقہاء کرام کی تصریحات سے سات دن تک اموات کے لئے صدقہ ثابت وجائز ہے اور مطلق صدقات کا استحباب نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اسی طرح ایصالِ ثواب بھی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی صدقات کی ترغیب ثابت ہے۔ اور پھر بھی بعض لوگ (جیسے مولوی مفتاح الدین جورہ) اس کو بدعتِ سیئہ اور رواج کہتے ہیں اور سینہ زوری دیکھیں کہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ کون فیصلہ (مناظرہ) کرے گا؟ تو ایسے شخص کے ساتھ کوئی بھی فیصلہ (مناظرہ) کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا، سب عاجز وناتواں ہیں۔ اگر صرف علم سے کام ہو سکتا بغیر فضلِ الٰہی کے تو کوئی بھی بوعلی سینا کو گمراہ نہ کہتا۔

الحاصل یہ کہ اے مسلمانو! اپنے فوت شدہ حضرات کے لئے ہر وقت صدقہ دیا کرو، اور ان کے لئے دعائے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعا کرو، خاص کر شبِ جمعہ کو صدقہ دیا کرو، کیونکہ صدقہ دینا کارِ خیر ہے، اور شب جمعہ کو کارِ خیر کا صدور اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے ہی ہوتا ہے۔

جمعہ کی شب اپنے اوراد اور وظائف میں اضافہ کرنا چاہیئے

جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے:

وبالجملة ينبغي أن يزيد في الجمعة في أوراده وأنواع خَيْرَاتِهِ فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا استعمله في الأوقات الفاضلة بفواضل الأعمال، إلخ۔

بالجملہ مناسب ہے کہ شبِ جمعہ کو اپنے اوراد ووظائف اور دیگر اچھے کاموں میں اضافہ کیا جائے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو اس سے بہترین اوقات میں بہترین کام لیتا ہے۔[2]

اور اہل میت کی طرف سے کھانا کھلانے کی کراہت اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ۔

ہم میت کے گھر جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نیاحت (نوحہ) میں سے شمار کرتے تھے۔[3]

---

[1] (فتح الملهم، ج٣، ص٣٨)

[2] (احياء علوم الدين، ج١، ص١٨٨، الناشر: دار المعرفة-بيروت)

[3] (مسند احمد، ج٢، ص٢٠٤، الناشر: عالم الكتب-بيروت)

یعنی یہ جہالت کے افعال میں سے ہے۔ مگر حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث صرف اس کھانے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے جو موت کے وقت بنایا جاتا ہے نہ کہ مطلقًا کھانے پر۔

اسی طرح اس حدیث کے مقابلے میں وہ حدیث بھی ہے جو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے، جیسے کہ کبیری میں ہے:

وإنما يدل على كراهة ذلك عند الموة فقط على أنه عارضه ما رواه الإمام أحمد أيضًا بسند صحيح وأبو داؤد عن عاصم بن كليب عن أبيه عن رجل من الأنصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم في جنازة فلما رجع إستقبله داعي إمرأته فجاء وجيئ بالطعام فوضع يده ووضع القوم فاكلوا ورسول الله يلوك لقمة في فيه۔ (الحديث) فهذا يدل على إباحة صنع أهل الميت الطعام والدعوة إليه۔

یہ حدیث صرف اور صرف موت کے وقت کھانا پکانے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حدیث (حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی) اس حدیث کے معارض اور مقابل ہے، جس کو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے صحیح سند کے ساتھ۔ اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی عام بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے والد نے ایک انصاری شخص سے، اس نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں گئے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم واپس لوٹ آئے تو اس میت کی بیوی کی طرف سے بلانے والے نے دعوت (آواز) دی اور کھانا لائے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنا دستِ اقدس اس کھانے پر رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی تناول فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے منہ مبارک میں ایک نوالہ چبارہے تھے۔[1]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میت کے گھر والے کھانا بنا کر اس کی دعوت بھی دے سکتے ہیں۔

اسی طرح طحطاوی میں ہے:

قال ملا علي القاري في المرقاة شرح المشكوٰة أن هذا الحديث بظاهره يرد ما قدره أصحاب مذهبنا من أنه يكره إتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث أو بعد الأسبوع ويحمل قول أصحابنا على ما إذا كان بعض الورثة صغارا أو غائبا أو لم يعرف رضاه أو لم يكن الطعام من أحد معين من مال نفسه۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا: یہ حدیث ظاہری طور پر اس بات کا رد کر رہی ہے کہ جو ہمارے اصحاب مذہب نے لکھا ہے کہ میت کے گھر میں پہلی رات، تیسری رات یا ساتویں رات کے بعد کھانا بنانا مکروہ ہے۔ لیکن اصحابِ مذہب کا قول

---

[1] (کبیری، ص ۵۱۲)

اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ کراہت اس وقت ہے کہ جب ورثاء میں کوئی وارث نابالغ ہو یا غائب ہو یا اس کھانے کے کھلانے پر راضی نہ ہو یا یہ کھانا کسی وارث کے معین مال سے نہ ہو۔[1]

تو میت کے گھر کھانے کی کراہت درج بالا وجوہات کی بناء پر ہے نہ کہ ایصالِ ثواب یا کھانا بنانا مکروہ ہے۔ بلکہ وہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوا کہ جائز ہے۔

اور حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی کراہت ان وجوہات کی بناء پر ہے نہ کہ مطلقاً منع ہے۔ لہٰذا مد مقابل (مولوی مفتاح الدین) کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

اور شامی کا یہ قول کہ:

أَقُولُ: وَفِيهِ نَظَرٌ، فَإِنَّهُ وَاقِعَةُ حَالٍ لَا عُمُومَ لَهَا مَعَ احْتِمَالِ سَبَبٍ خَاصٍّ، بِخِلَافِ مَا فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ۔

میں (شامی) کہتا ہوں کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث میں نظر (اختلاف) ہے، اس میں عمومیت نہیں ہے بلکہ اس میں سببِ خاص کا احتمال ہے، جبکہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کوئی بھی اختلاف و اشکال نہیں ہے۔[2]

دلالت کرتا ہے کہ اہلِ میت کی طرف سے کھانا بنانا مکروہ ہے، مگر یہ قول کبیری کی اس عبارت کے ساتھ معارض ہے جس میں اس کھانے کی اباحت کا ذکر ہے۔ اور کبیری شرح ہے اور شامی فتاویٰ ہے، اور جب ان دونوں میں مخالفت ہو تو شرح مقدم ہوتی ہے فتاویٰ پر۔

جیسا کہ شامی کا قاعدہ ہے:

لِمَا صَرَّحُوا بِهِ مِنْ أَنَّ مَا فِي الْمُتُونِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَا فِي الشُّرُوحِ، وَمَا فِي الشُّرُوحِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَا فِي الْفَتَاوَى۔

علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ متون شروح پر، اور شروح فتاویٰ پر مقدم ہیں۔[3]

فوتگی پر صدقہ کے لئے کھانا بنایا جائے نہ کہ مہمان نوازی کے لئے

اور جواہر النفیس میں ہے:

وفي الفوائد هذه الإختلافات في طعام إتخذ الورثة بنية الضيافة دون طعام الصدقة لاستقرار روح الميت، اه۔

فوائد میں ہے کہ میت کے ورثاء کی طرف سے کھانا بنانے میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ مہمان نوازی کے لئے بنایا جائے نہ کہ صدقہ کے لئے۔[1]

---

[1] (طحطاوی، ص ۳۴۰)

[2] (ردالمحتار، ج۲، ص ۲۴۱، الناشر: دار الفکر-بیروت)

[3] (ردالمحتار، ص ۱۴۶)

اسی طرح فقراء کے لئے کھانا بنانے کو شامی نے جائز قرار دیا:

وَإِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا، إلخ۔

اگر میت کا ولی فقراء کے لئے کھانا بنوائے تو اچھا ہے۔[2]

كذافي البحر، ج ۲، ص ۲۰۷، کبیری، ص ۵۱۲، طحطاوی، ص ۳۴۰۔

اسی طرح البحر، ج ۲، ص ۲۰۷، کبیری، ص ۵۱۲ اور طحطاوی، ص ۳۴۰ میں بھی ہے۔

الحاصل یہ کہ میت کے گھر میں کراہت کی وجہ مہمان نوازی ہے نہ کہ صدقہ کرنا برائے فقراء۔

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۷۰ میں لکھا ہے:

میت کے لئے جو خیرات کرتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں، لہٰذا یہ صدقہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف اور صرف رسم ورواج ہے۔(انتهى عبارته)

ہم کہتے ہیں کہ فقہاء کی تصریحات کے باوجود مسلمانوں کے صدقات پر رسم ورواج کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کے عمل کا دارو مدار نیت پر ہے۔

شرعی کام سے روکنے کی بجائے بُری نیت کی اصلاح ضروری ہے

جیسا کہ حدیث میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ هَاجَرَ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

اے لوگو! عمل کا دارو مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہ ملے گا جس کی وہ نیت کرے گا، جس کی ہجرت کی نیت اللہ ورسول کے لئے ہے تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کے لئے ہے۔ اور جس کی ہجرت کی نیت دُنیا کے لئے ہے تو دُنیا مل جائے گی، یا کسی عورت کے لئے ہے تو اُس سے نکاح کرے گا۔ الغرض اس کی ہجرت اس کے لئے ہے جس کی وہ نیت کرے گا۔[3]

اور انسانوں کی نیتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہ کہ کسی مولوی کے پاس، تو جس کی نیت ایصالِ ثواب کی ہے تو کوئی قباحت نہیں۔ اور جس کی نیت ناموس وشہوت کی ہو تو صحیح نہیں ہے۔

---

[1] (جواهر النفيس، ص ۷۶)

[2] (ردالمحتار، ج ۲، ص ۲۴۱، الناشر: دار الفكر -بيروت)

[3] (صحيح البخاری، ج ۱۲، ص ۲۸۷، المكتبة الفاروقية)

جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا (كجاهد يريد بجهاده الغنيمة) فَعِنْدَ اللهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ اللهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (أي عالم بجميع المسموعات والمبصرات عارف بالأغراض)۔

جو دُنیا کا مال کھانے کی نیت کرتا ہے، جیسے کوئی مجاہد اپنے جہاد سے غنیمت کی نیت کرے، تو اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا و آخرت کا اجر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سُننے جاننے والا ہے، یعنی تمام سُنی جانے والی آوازوں اور دیکھی جانے والی چیزوں کو سُنتا اور دیکھتا ہے، اور تمام لوگوں کے دل کی غرض و مقصد کو جانتا ہے۔

تو مناسب یہ ہے کہ اس بری نیت کرنے والے افراد کی اصلاح کی جائے۔ لیکن ان کو ایک شرعی کام سے روکنا جائز نہیں کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

مولوی مفتاح الدین نے صفحہ نمبر ۲۷ میں لکھا ہے جب کوئی مستحب عمل وجوب کے درجے تک پہنچا دیا جائے تو علماء کہتے ہیں کہ اس کو روکنا چاہیئے کیونکہ اس سے شریعت کے احکامات میں اضافہ و زیادتی آجاتی ہے۔ (انتهى عبارته)

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ قائل نے مستحب اور مباح میں فرق نہیں کیا ہے، کیونکہ درج بالا قاعدہ مباحات میں ہے نہ کہ مستحبات میں۔

جیسا کہ شامی، سجدۂ شکر کے باب میں ہے:

كُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ (أي الى إعتقاد الوجوب أو السنة) فَمَكْرُوهٌ إلخ۔

ہر وہ مباح عمل جو وجوب کے اعتقاد کی طرف مفضی ہو یا سنت کی طرف تو وہ مکروہ ہے۔[1]

هكذا في مسائل شتى، كبيري، ص ۵۱۰، وفي روح البيان، ج ۱، ص ۸۲۴۔

اسی طرح کبیری، مسائل شتیٰ، ص ۵۱۰ اور روح البیان، ج ۱، ص ۸۲۴ میں ہے۔

بلکہ مستحب پر دوام کے بعد اس کو ترک کرنا، چھوڑنا مکروہ ہے۔

جیسا کہ شامی میں ہے:

حَاصِلُهُ: أَنَّهُ يُكْرَهُ تَرْكُ تَهَجُّدٍ اعْتَادَهُ بِلَا عُذْرٍ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ عُمَرَ يَا عَبْدَ اللهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ ثُمَّ تَرَكَهُ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص۱۲۰، الناشر: دار الفكر-بيروت)

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص تہجد کا عادی ہو تو اس کو بغیر عذر کے تہجد چھوڑنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: اے عبد اللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ بننا کہ وہ رات کو قیام کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔[1]

لہٰذا مؤمن کے لئے مناسب ہے کہ وہ مستحبات کو دوامی طور پر اپنائے، اگرچہ کم ہو۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب عمل وہ ہے کہ جس پر دوام ہو اگرچہ کم ہو۔[2]

دوسری بات یہ کہ جیسا کہ روح البیان میں ہے:

فان اللہ تعالی لا یعبد الا بما ھو واجب او مستحب، إلخ۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت واجبات اور مستحبات کے ذریعے ادا کی جاتی ہے۔[3]

اور مستحب اس کو کہتے ہیں کہ جس کے کرنے کی جہت راجح ہونہ کرنے کی جہت سے، اور شارح کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہو۔

جیسا کہ تلویح میں ہے:

لٰكِنَّ التَّحْقِيقَ، وَهُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُورِ أَنَّهُ حَقِيقَةٌ فِي الطَّلَبِ الْجَازِمِ أَوْ الرَّاجِحِ فَيَدْخُلُ فِي الثَّابِتِ بِالْأَمْرِ الْوَاجِبُ وَالْمَنْدُوبُ، وَإِنْ كَانَ صِيغَةُ الْأَمْرِ مَجَازًا فِي النَّدْبِ فِي الْأَحْكَامِ الثَّابِتَةِ بِالْأَلْفَاظِ الْمَجَازِيَّةِ ثَابِتَةً بِالنَّصِّ لَا مَحَالَةَ، وَلَا يَدْخُلُ الْمُبَاحُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ بِالْأَمْرِ إلَّا عَلَى قَوْلِ الْكَعْبِيِّ، إلخ۔

جمہور کا مذہب و تحقیق یہ ہے کہ امر کا صیغہ یقینی طلب کے لئے آتا ہے، یا راجح کے لئے آتا ہے۔ تو امر سے ثابت ہونے والے افعال میں واجب اور مستحب داخل ہیں، اگرچہ امر کا صیغہ مستحب کے لئے مجازاً ہے، کیونکہ مجازی الفاظ سے ثابت شدہ احکامات، یقیناً ثابت بالنص کی طرح ہیں اور ان میں مباح داخل نہیں۔ کیونکہ وہ امر کے صیغے سے ثابت نہیں ہوتا، مگر کعبی کے قول کے مطابق مباح بھی اس میں داخل ہے۔[4]

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص۲۵، الناشر: دار الفکر-بیروت)
[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۱، ص۳۹۱، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)
[3] (روح البیان، ج۱، ص۱۹۴، الناشر: دار الفکر-بیروت)
[4] (تلویح، ج۱، ص۳۱۰، الناشر: مکتبۃ صبیح بمصر)

مستحب ایک حکمِ شرعی اور اللہ تعالیٰ کے قُرب کا سبب ہے

الحاصل یہ کہ مستحب ایک حکم شرعی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب ہے، تو جو شخص مستحبات کو منع کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی بات کی طرف التفات نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس کا اطاعتِ الٰہی میں کوئی شوق وذوق نہیں۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

لأن ما رأه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن فلا تلتفت الى قول من لا مذاق لهم من الطاعنين فانهم بمنزلة العنين لا يعرفون ذوق المناجاة وحلاوة الطاعات وفضيلة الأوقات، اه۔

جس عمل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے، جو مستحبات میں لعن طعن کرتا ہے اس کے قول کی طرف التفات نہ ہو گا کہ یہ لوگ ذوق نہیں رکھتے۔ اور یہ بمنزلہ نامردوں (ہیجڑوں) کے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے ذوق اور طاعات کی مٹھاس، اور اوقات کے فضائل کو نہیں جانتے۔[1]

مولوی مفتاح الدین جورہ نے صفحہ نمبر ۵۹ میں لکھا ہے کہ میں نے سوات نیکپی خیل کے علاقے کے بارے میں سُنا ہے کہ رَش کی وجہ سے مولوی صاحب سے جنازہ میں قرآن مجید زمین پر گر گیا اور لوگ اس پر چڑھ گئے۔ اور اس صفحہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی شریعت کی مثال ذکر کی ہے، اور غرض ایک ہی ہے۔

اور صفحہ نمبر ۶۱ میں لکھا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تھا، اس کی ایک بکری کے علاوہ اور کچھ بھی ترکہ نہیں تھا، تو امام صاحب نے قرآن مجید بکری کی پشت پر رکھ کر اس کو دائرۂ اسقاط میں گھمایا۔ ہر شخص اس پر ہاتھ رکھ کر کہتا کہ میں نے طریقۂ مذکورہ کے تحت اس کو قبول کیا ہے پھر کہتا کچ، کچ، کچ۔ (انتهى عبارته)

ہم کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتے ہیں:

ا۔ کہ یہ قصے، مثالیں اور متل، عبث کام میں سے ہے۔

و العبث الفعل الذي فيه غرض لكنه ليس بشرعي۔

کبھی کسی مثل (متل) میں غرض ہوتی ہے مگر یہ شرعی نہیں ہے۔

اور عبث کام حرام ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

لأن العبث خارج الصلاة حرام، إلخ۔

عبث کام نماز سے باہر بھی حرام ہے۔[2]

---

[1] (روح البيان، ج ۱۰، ص ۳۷۲، دار النشر/دار إحياء التراث العربى)

[2] (الهداية،، ج ۱، ص ۶۳، الناشر المكتبة الإسلامية)

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ ان قصوں کہانیوں کو بیان کرنا شرعًا ممنوع ہے، جس کی اسلاف سے کوئی معروف اصل ودلیل نہ ہو۔
جیسا کہ شامی میں ہے:

وَأَمَّا عِنْدَنَا فَسَيَأْتِي فِي الْفُرُوعِ عَنْ الْمُجْتَبَى أَنَّ الْقَصَصَ الْمَكْرُوهَ أَنْ يُحَدِّثَ النَّاسَ بِمَا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ مَعْرُوفٌ مِنْ أَحَادِيثِ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَزِيدَ أَوْ يُنْقِصَ لِيُزَيِّنَ بِهِ قَصَصَهُ، اهـ۔

رہی ہمارے نزدیک بات تو مجتبٰی کے حوالے سے فروع میں آئے گا کہ مکروہ قصے وہ ہیں کہ جن کو لوگ (عوام) بیان کرتے رہتے ہیں اور ان کے لئے ما قبل لوگوں سے کوئی دلیل نہ ہو، یا قصے کہانی میں مرچ مصالحہ ڈالنے کے لئے کمی وزیادتی کرتے ہیں۔[1]

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا قصے کہانی میں سچا ہونا معلوم نہ ہو تو ان کے قصے جھوٹے ہیں۔
جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سمع. رَوَاهُ مُسلم۔

کسی بھی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات بیان کرے۔[2]

اور اشعۃ اللمعات میں ہے:

مقصود این حدیث زجر و منع است تحدیث بچیزیکہ معلوم نیست صدق آن۔

اس حدیث کا مقصد لوگوں کو اس بات سے منع کرنا ہے کہ جس کی سچائی کا ان کو علم نہ ہو۔[3]

تمام مسلمانوں کی خدمت میں

میت کے لئے حیلۂ اسقاط کرنا، صدقات دینا اور اولیاء کرام کی قبور کی زیارت کے لئے جانا احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کے اقوال سے ثابت ہے اور کتاب اللہ واحادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے یقینًا وجزمًا مستنبط ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میزان الکبریٰ میں لکھا ہے:

وقد تتبعت بحمد اللہ أقواله وأقوال أصحابه لما الفت كتاب أدلة المذاهب فلم أجد قولا من أقواله أو أقوال إتباعه إلا وهو مستند إلى آية أو حديث أو أثر أو إلى مفهوم ذلک أو حديث ضعيف كثرت طرقه أو إلى قياس صحيح على أصل، إلخ۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۶، ص۴۰۵، الناشر: دارالفکر-بیروت)
[2] (مشکوٰۃ ج۱، ص۵۵، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)
[3] (اشعۃ اللمعات، ص۱۴۴)

میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کو تلاش کیا، جب میں نے "ادلة المذاھب" کتاب لکھی تو میں نے ان حضرات کے اقوال کو قرآن وحدیث سے مستند پایا، یا ایسی حدیث ضعیف پائی کہ جو کثرتِ طرق سے قوی ہوتی تھی یا اصلِ صحیح پر قیاس شدہ تھی۔[1]

میزان الکبریٰ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہاء کرام کے اقوال، قرآن وحدیث کی طرف مستند (منسوب) ہیں۔ لہٰذا فقہاء کرام کے اقوال کا مذاق اُڑانا اصل میں قرآن وحدیث کا مذاق اُڑانا ہے، اور فقہاء کی مخالفت قرآن وحدیث کی مخالفت ہے۔

مولوی مفتاح الدین نے اصلاح الرسوم میں چند اقوال ذکر کئے جن کو لطیفہ قرار دیا ہے۔ مگر ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان اقوال کے ذریعے دین کے امور کا مذاق اڑایا ہے، نہ کہ حق کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ دین کا مذاق اڑانا قطعًا حرام ہے۔

جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (٦٥) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ (التوبة ٦٦)

ترجمہ: اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

والمقصود أن الآية بظاهرها تدل على أن الإستهزاء بالشرائع يوجب الكفر، إلخ۔

اس آیت کا ظاہر دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ شریعت کا مذاق اُڑانا کفر ہے۔[2]

اللهم اعذنا بفضلک وکرمک من إستخفاف الشرائع ومؤجبات الكفر والنفاق بجاه نبيک الأمي العربي وأصحابه الكرام إلى يوم التلاق

یا اللہ! اپنے فضل واحسان کے ذریعے ہمیں شریعت کا مذاق اڑانے، کفر کے مؤجبات سے اور منافقت سے محفوظ فرما اپنے اُمّی عربی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وسیلے سے۔

[1] (میزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۵۲)

[2] (تفسیراتِ احمدیہ، ج ۴۷۰، سورۃ التوبۃ آیت نمبر ۶۶، مکتبہ: الکریمیۃ الواقع فی البمبئی)

متن اعلام المؤمنین بحث الاسقاط پر

حاشیہ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

عرض یہ ہے کہ دور حاضر کے علماء نے جس طرح سیدھے سادھے مسلمانوں کو کار خیر سے منع کرنے یا روکنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔

اگر یہ عمل انسداد میں نہ آیا تو یقیناً عوام ہر کار خیر سے دریغ کریں گے۔ کیونکہ کئی ایک مسائل میں اختلاف ضرور ہے۔ لیکن علماء کرام کے لئے مناسب ہے کہ وہ عوام کو ہر مسئلہ کا اصلی طریقہ بتائیں۔ اور جو مفاسد ہیں وہ بھی بتائیں تاکہ عوام ایسے مسائل میں صحیح طریقہ پر عمل کر کے مفاسد سے بچیں اور روکنار ہو جائیں۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ اسقاط بھی ہے جو لوگ منع کرتے ہیں وہ عوام کو ان کے وہ پہلو بتارہے ہیں جن سے وہ ممنوع ہے۔ اس طرح وہ عوام کے ذہنوں میں تشویش ڈال دیتے ہیں، اور وہ یقیناً مجبور ہو کر اس نیک عمل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ علماء حضرات جو منع کرتے ہیں اور وہ حضرات جو جائز قرار دیتے ہیں ان کے درمیان صرف نزاع لفظی ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ دوسرے فریق سے مخالف ہے۔

زیر آنکہ مثبتین کے نزدیک وہ دور اسقاط جو مفاسد سے خالی "لمواساۃ المیت لا لاحقاق الباطل و ضرر الاحیاء" اور مانعین کے نزدیک وہ دور اسقاط جو مفاسد و قبائح پر مشتمل ہو۔ مثلاً تقسیم مال یتیم و تقسیم مال بغیر رضاء الورثۃ وغیر ذلک تو مسئلہ حل و بے غبار ہو گیا۔ اور رفع نزاع ہوا۔ بلکہ اگر بقول مانعین اس حیلہ اسقاط سے فدیہ متحقق نہ ہو جائے تو اس کے امر مستحسن و صدقہ نفلی میں کوئی اختلاف نہیں حالانکہ صدقہ نفلی سے بہت سے گناہ زائل ہوتے ہیں۔

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں:

الصدقۃ النفلیۃ ممحاۃ لکثیر من الذنوب المدخلۃ النار۔[1]

---

[1] قولہ صدقہ نفلی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ (البقرۃ ۲۷۱)

ترجمہ: اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔

(قسطلانی شرح صحیح بخاری باب عظۃ النساء، ج ۱، ص ۱۹۰)

تو عجیب انصاف یہ ہے کہ سیدھے سادھے مسلمانون پر حیلہ اسقاط کرنے پر بدعت و کفر کی بمباری ہو رہی ہے۔ ہر جگہ سے ان آوازوں کی گونج نکلتی آرہی ہے ہر طرف سے یہی گولیاں آتی ہیں۔ آخر اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے متعلق بھی پوچھنا ہو گا۔ ہم انشاء اللہ اسی موضوع پر گفتگو کریں گے یہ مسئلہ اسقاط بہت مدت سے علماء کرام کے زیر بحث رہاہے اور مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف ضرور ہی ہوتا ہے صحیح طریقہ و صحیح مسلک عوام کو معلوم نہیں ہوتا نہ طرفین کوئی معتدلانہ راہ اختیار کر کے عوام کے ذہن میں صحیح طریقہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور بدگوئی سے فراغت نہیں رہتی۔ جو کہ مذاہب اربعہ میں منع ہے۔

مسلمانوں کی آبرو خصوصاً عالم کی آبرو شریعت مقدسہ میں کس قدس وقیع ہے اس کا خیال نہیں رہتاہے کہ قیامت میں بھی اس کی پوچھ ہو گی۔ مثلاً اگر کوئی آدمی اس کے آداب سے ناواقف ہو تو آداب سکھلائے جائیں۔ کیونکہ اس طرح اگر کوئی فعل بھی خلاف آداب ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دیاجائے تو شاید کوئی فریضہ اور کوئی عبادت بھی نہ رہنے دی جائی گی۔ کیونکہ زمانۂ حال میں ہر فعل مامور بہ سے اتنے نقائص وابستہ ہیں جن کا شمار نہیں اس لئے ہدایت کی ضرورت ہے نہ کہ یہ کہنے کی کہ بھائی تم چلنا نہیں جانتے یا صحیح نہیں چلتے اس لئے چلنا ہی چھوڑ دو۔ اگر کسی خرابی کی وجہ نفس فعل ہی سے انکار کیا جائے تو عجیب ہدایت و رہنمائی ہے۔ بھائی اس کا علاج تفہیم ہے تکفیر نہیں!

دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آن حضرت محمد ﷺ کی بعثت شریفہ تک حج قوم عرب کا ایسا عام شعار تھا، جس کے تمام اصول وارکان پہلے ہی سے موجود تھے ان کا محل وطریقہ بدل گیا تھا اُن میں بعض مشرکانہ رسول داخل ہو گئی تھیں۔ بانیٔ اسلام علیہ افضل التحیۃ و سلام نے ان مفاسد کی اصلاح کی اور صحیح طریقہ ابراہیمی علیہ السلام بتلادیا۔

اہل عرب قربانی کا خون خانہ کعبہ کی پاک دیواروں پر لگاتے تھے کہ خدا سے تقرب حاصل ہو جائے، یہود قربانی کا گوشت جلاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ یہ دونوں باتیں مٹادی گئیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى (الحج ۳۷) ترجمہ: اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ اُن کے خون ہاں تمہاری پرہیز گاری اس تک باریاب ہوتی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ تقویٰ قبول کرتا ہے)۔ قریش کے علاوہ تمام لوگ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ دلیل یہ تھی کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کیئے ہیں اُن کپڑوں میں طواف جائز نہیں۔ ہاں جن کو قریش کی طرف سے ستر عورت کے لئے جو کپڑا مستعار ملتا تھا اس سے اپنی ستر پوشی کرتے تھے ورنہ ننگے طواف کرتے تھے۔

اسلام نے عجیب الفاظ کے ساتھ خطاب فرمایا:

خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۳۱)

انصار مدینہ جب حج سے واپس لوٹ جاتے تو دروازہ سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پچھواڑے سے کودا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا (البقرة ۱۸۹) سے یہ رسم مٹادی۔ بعض لوگ ایام حج میں تجارت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ دلیل یہ تھی کہ یہ تجارت حج کے تقدس و حرمت کے منافی ہے۔ قرآن کریم نے عجیب الفاظ میں ہدایت فرمائی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (البقرة ۱۹۸) اور اسی طرح اشیاء دیگر میں بھی۔

یعنی دین کی طرف بلانے کے لئے کیسے لطیف اور نرم الفاظ میں بلانے کے طریقے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتادیئے۔

اسی طرح ہمیں بھی یہی حکم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل ۱۲۵)

اب دور حاضر کے بعض علماء دین کے متعلق آپ خود سوچیں کہ دین کی عجیب خدمت کر رہے ہیں کہ تغلیظ کے ہتھیار سے کام لیتے ہیں۔ بس اس کا انجام یہ ہوا کہ اصل مقصد فوت ہو گیا اور ایک دوسرے کے ساتھ طعن زنی میں مشغول ہو گئے۔ سبحان اللہ انی یؤفکون۔

جان لو کہ حیلہ اسقاط مرکب اضافی ہے یعنی حیلہ کی اضافت نسبت ہوا ہے لفظ اسقاط کو اور مرکب کی تشریح موقوف ہے تشریح اجزاء مرکب پر۔ کیونکہ مرکب کی معرفت موقوف ہے تعریف اجزاء پر۔

حیلہ کے معنی و مفہوم

حیلہ کے معنی یہ ہیں:

هی مایتوصل به الیٰ مقصود بطریق خفی مباح۔

ترجمہ: حیلہ وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ یعنی سبب سے مقصود وصول ہوتا ہے (یعنی مقصود حاصل ہو جائے) خفیہ مباح طریقہ کے ساتھ۔[1]

تین شروح بخاری میں یہ معنی مذکور ہے۔

اور علامہ ابن نجیم اشباہ و نظائر میں تحریر کرتے ہیں:

الْحِيَلِ جَمْعُ حِيلَةٍ، وَهِيَ الْحِذْقُ فِي تَدْبِيرِ الْأُمُورِ، وَهِيَ تَقْلِيبُ الْفِكْرِ حَتَّى يَهْتَدِيَ إِلَى الْمَقْصُودِ۔

---

[1] (قسطلانی و عینی و فتح الباری)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

حیل حیلہ کی جمع ہے۔ حیلہ کے معنی ہیں ہوشیاری و بیداری کرنا امور کی تدابیر میں۔ اور یہ اس طرح کہ فکر کو پھیر کر حتیٰ کہ مقصود حاصل ہو جائے۔[1]

والاسقاط مصدر من باب الافعال مجرده سقط یسقط معناه اسقاط الصلوٰة والصوم ونحو هنا عن ذمة من علیه فمعنی المرکب الاضافی حیلة فی اسقاط هذه الاحور او لاسقاط هذه الامور۔

ترجمہ: اسقاط مصدر باب افعال سے ہے اس کا مجرد سقط یسقط ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ ساقط ہو جائے جن کے ذمہ پر ہو۔ تو مرکب اضافی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ حیلہ ہے اُن امروں کے اسقاط میں یا اُن کے اسقاط کے لئے۔

جب آپ نے یہ جان لیا تو اب ہم آپ کو نفس حیلہ کے جواز میں از قرآن مجید و از مفسرین حضرات و از حدیث و کلام فقہاء سے ثابت کریں گے اور حیلۂ اسقاط کے بارے میں فقہاء کرام کی جو تصریحات ہیں وہ بیان کریں گے۔

سمجھ لو کہ نفس حیلہ سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرنا ہے کیونکہ قرآن مجید میں سورۃ یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کے بھائی نے جس کا نام بنیامین تھا اپنے پاس رہنے کے لئے بادشاہ کا صاع (پیمانہ) بھائی کے بار یعنی سامان میں خفیہ رکھ کر نداء کی:

أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ (یوسف ۷۰)۔

ندا کی اے قافلہ والو! بے شک تم چور ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ (یوسف ۷٦)

ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ حیلہ پسند ہوا، کیونکہ امتنان و احسان میں ذکر فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس وقت کفار نے طلب کیا کہ وہ ان کے ساتھ عید کے لئے جائیں: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ (۸۸) فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (الصافات ۸۹) پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا، پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یعنی حیلہ و مخرج طلب کیا تاکہ وہ اُن کے ساتھ عید کے لئے نہ جائیں اور خود کو معذور سمجھا۔

الحاصل: اللہ تعالیٰ نے یہ حیلہ ذکر کیا اور کچھ انکار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نہ کیا، اور اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو ارشاد فرمایا جبکہ انہوں نے حلف اٹھایا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو میں اپنی بیوی کو ۱۰۰ درے ماروں گا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا[1] فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ (ص ۴۴)

---

[1] (الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ص ۴۰٦۔ الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

جواز حیلہ میں قرآن مجید و مفسرین حضرات کی تصریحات

صاحب تفسیر مدارک اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

فاضرب بِهِ وَلاَ تَحْنَثْ وكان حلف في مرضه ليضربن امرأته مائة إذا برأ فحلل الله يمينه بأهون شيء عليه وعليها لحسن خدمتها إياه وهذه الرخصة باقية ويجب أن يصيب المضروب كل واحدة من المائة والسبب في يمينه أنها أبطأت عليه ذاهبة في حاجة فخرج صدره وقيل باعت ذؤابتيها برغيفين وكانتا متعلق أيوب عليه السلام إذا قام۔

ترجمہ: مارو اس پر اور حانث نہ ہو جاؤ اور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی حالت بیماری میں کہ اپنی عورت کو ۱۰۰ دُرے ماروں گا جب صحیح ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حلف سے آسان چیز کے ساتھ حلال وبری کیا، اُن پر یہ مہربانی کی اور اُن کی بیوی پر بھی۔ کیونکہ وہ اُن کی اچھی خدمت کرنے والی تھی۔ اور یہ رخصت باقی ہے لیکن واجب ہے کہ مضروب کو ہر ایک اُن ۱۰۰ سے پہنچ جائے اور ایوب علیہ السلام کے حلف کی وجہ یہ تھی کہ ایک حاجت کے لئے اُن کی بیوی چلی گئی تھی لیکن آنے میں کچھ دیر ہوئی تھی تو ایوب علیہ السلام کا سینہ تنگ ہو گیا تو اسی وجہ سے حلف لیا اور بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ بیوی نے اپنے دو ذوائب دوروٹیوں کے عوض فروخت کیے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام جب اُٹھتے تھے تو ان سے سہارا لیتے تھے۔[2]

اور علامہ آلوسی حنفی المذہب اس مقام پر بحث کرتے ہیں:

فاضرب به ولا تحنث فان البر يتحقق به۔

ترجمہ: اس پر مارو اپنی زوجہ کو اور یمین میں حانث نہ ہوج کیونکہ خلاصی از حلف اس کے ساتھ متحقق اور ثابت ہوتا ہے۔

ولقد شرع الله تعالى ذلك رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها إياه ورضاه وهي رخصة باقية في الحدود في شريعتنا وفي غيرها أيضا لكن غير الحدود يعلم منها بالطريق الأولى فقد أخرج عبد الرزاق وفي أحكام القرآن العظيم للجلال السيوطي عن مجاهد قال: كانت هذه لأيوب خاصة وقال الكيا: ذهب الشافعي وأبو حنيفة وزفر إلى أن من فعل ذلك فقد بر في يمينه وخالف مالك ورآه خاصا بأيوب عليه السلام وقال بعضهم: إن الحكم كان عاما ثم نسخ والصحيح بقاء الحكم وكثير من الناس استدل بها على جواز الحيل وجعلها أصلا لصحتها وعندي أن كل حيلة أوجبت إبطال حكمة شرعية لا تقبل كحيلة سقوط الزكاة وحيلة سقوط الإستبراء وهذا كالتوسط في المسئلة فإن من العلماء من يجوز الحيلة مطلقا ومنهم من لا يجوزها مطلقا وقد أطال الكلام في ذلك العلامة ابن تيمية۔

---

[1] ضغث کے معنی تفسیر حسینی میں لکھتے ہیں "رستہ چوب از خرما یا از حشائش خشک شدہ بعد و صد باشد انتھٰی"۔ روح المعانی میں لکھتے ہیں۔ الضغث وهو الخرمة الصغيرة من حشيش، اور یحان ترجمہ ضغث گھاس کی چھوٹی گٹھڑی کو یا گل ریحان کی گٹھڑی کو کہتے ہیں۔

[2] (تفسير النسفي: مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ج۳، ص ۱۵۸ ۔ الناشر: دار الكلم الطيب، بيروت)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ جائز کیا از روئے رحمت ایوب علیہ السلام پر اور ان کی بیوی پر کہ وہ ان کی اچھی خدمت کرتی تھی اور یہ رخصت ہماری شریعت میں حدود و غیر حدود میں بھی باقی ہے۔ لیکن غیر حدود بطریق اولیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں تخریج کیا الیٰ اخرہ۔[1]

احکام قرآن مصنفہ مولانا جلال الدین السیوطی میں مجاہد سے روایت ہے کہ یہ خاص ایوب علیہ السلام کے لئے تھا اور "کیا" (ایک عالم کا نام ہے) نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ و شافعہ و زفر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہی ہے کہ اگر کسی آدمی نے ایسا حلف اٹھایا (یعنی حلف ایوب علیہ السلام کی طرح) اور پھر اس طرح کام کیا تو یمین سے بری ہو گیا۔ اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلاف کیا کہ انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور بعض علماء نے یہی کہا ہے کہ یہ حکم پہلے عام تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم باقی ہے، الخ۔ اور بہت سے لوگ حیلوں کے جواز میں اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ حیلہ بناتے ہیں حیلہ کی صحت پر لیکن میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جو حیلہ حکمت شرعی کو باطل کرتا ہے وہ ہرگز قبول نہ ہو گا۔ جیسا کہ حیلہ برائے سقوط زکوۃ یا حیلہ سقوط استبراء کے لئے اور ہماری رائے اس مسئلہ میں توسط کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ بعض علماء مطلقاً حیلہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ابطال حق ہو اور بعض مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے بہت طویل بحث کی ہے۔

اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کشاف میں اسی مقام پر لکھتے ہیں:

وھذہ الرخصۃ باقیۃ۔

اور یہ رخصت باقی یعنی منسوخ نہیں ہے۔

اور صاحب تفسیر ابن کثیر اسی محل میں لکھتے ہیں:

فأفتا اللہ عز و جل ان یاخذ ضغثا و ھو الشمراخ فیہ مائۃ قضیب فیضربھا بہ ضربۃ واحدۃ وقد برت یمینہ و خرج حنثہ و وفی بنذرہ و ھذا من الفرج و المخرج لمن اتقی اللہ تعالیٰ و اناب الیہ الخ۔ و استدل کثیر من الفقہاء بھذہ الآیۃ الکریمۃ علی مسائل فی الایمان و غیرھا و قد اخذوھا بمقتضاھا۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ایک ضغث جو بمعنی شراح ہے یعنی ایک شاخ کہ اُس میں ۱۰۰ قضیب ہوں تو اس پر اُس کو (عورت کو) ایک بار مارو تو تم قسم سے بری ہو جاؤ گے اور اس کے حنث سے نکلو گے اور اپنی نذر پر معافی پاؤ گے اور یہ حیلہ یا اس کے مانند حیلے اُن لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی نیک لوگوں کو اللہ

---

[1] (روح المعانی، ج۲۳، ص ۲۰۹۔ الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

تعالیٰ ایسے حیلے اور تدابیر تجویز کرتے ہیں) بہت سے فقہاء کرام نے اس آیت کریمہ پر استدلال پکڑا ہے قسموں وغیرہ کے مسائل میں اور انہوں نے اپنی مقتضیات میں اس آیت پر عمل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ عالم ہے حق صواب بات پر۔[1]

علامہ اسمعیل حقی الحنفی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:

فقد شرع الله هذه الرحمة رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها اياه ورضاه عنها وهي رخصة باقية في الحدود يجب ان يصيب المضروب كل واحد من المائة اما باطرافها قائمة او باعراضها مبسوطة على هيئة الضرب اى بشرط ان توجد صورة الضرب ويعمل بالحيل الشرعية بالاتفاق روى ان الليث بن سعد حلف ان يضرب ابا حنيفة بالسيف ثم ندم من هذه المقالة وطلب المخرج من يمينه فقال ابو حنيفة رحمه الله خذ السيف واضربني بعرضه فتخرج عن يمينك كما في مناقب الامام رضي الله عنه۔

وفي تفسير ابي سعود مثل هذا لكن الىٰ قوله بشرط ان توجد صورة الضرب فقط۔

اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت جائز کی ایوب علیہ السلام پر از روئے رحمت اور اُن کی بیوی پر۔

کیونکہ وہ ایوب علیہ السلام کی اچھی طرح خدمت کیا کرتی تھیں اور وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) اُن سے راضی تھے۔ اور یہ رخصت حدود میں باقی ہے اور واجب ہے کہ مضروب کو ایک درہ ان ۱۰۰ میں سے پہنچ جائے برابر بات ہے کہ اطراف سے ہو حالت قیام میں یا عرض سے ہو حالت بسط میں لیکن صورت ضرب پر یعنی اس شرط سے کہ مارنے کی صورت پیدا ہو جائے۔[2]

اتفاق علمائے کرام اس پر ہے کہ شرعی حیلوں پر عمل کیا جائے۔ روایت ہے کہ لیث بن سعد نے قسم کھائی کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تلوار سے ماروں گا پھر اپنے اس قول پر پشیمان و نادم ہو گیا۔ اور امام صاحب سے اپنے اس قول کا حیلہ طلب کیا تو امام صاحب نے کہا کہ تلوار لے لو اور مجھے اس کے عرض سے مارو، پس تم اپنے حلف سے نجات پاؤ گے۔ جیسا کہ امام صاحب کے مناقب میں ذکر ہوا ہے۔

اور صاحب تفسیر خازن اسی مقام پر رقمطراز ہیں:

فاضرب به ولا تحنث وكان قد حلف أن يضرب امرأته مائة سوط، الخ۔ وهل ذلك لأيوب خاصة أم لا ؟ فيه قولان أحدهما أنه عام. وبه قال ابن عباس وعطاء بن أبي رباح والثاني أنه خاص بأيوب. قاله مجاهد واختلف الفقهاء فيمن حلف أن يضرب عبده مائة سوط فجمعها وضربه بها ضربة واحدة. فقال مالك والليث بن سعيد وأحمد لا يبر. وقال أبو حنيفة والشافعي إذا ضربه ضربة واحدة فأصابه كل سوط على حدة فقد بر واحتجوا بعموم هذه الآية۔

---

[1] (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۰)

[2] (تفسیر روح البیان، ج ۱۲، ص ۱۷۶)

اس کو مارو اور حانث نہ ہو جاؤ۔ اُس نے حلف اٹھایا تھا کہ میں اپنی بیوی کو ۱۰۰ درے ماروں گا، آیا یہ حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خاص تھا یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عطا بن ابی رباح کا یہ قول ہے کہ یہ عام ہے۔ دوسرا قول مجاہد کا ہے کہ یہ خاص حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہے، فقہاء کرام نے اختلاف کیا اُس آدمی کے بارے میں کہ جس نے حلف اُٹھایا کہ میں اپنے غلام کو ۱۰۰ درے ماروں گا تو اُس نے ۱۰۰ کو جمع کیا اور ایک بار اُسے مارا۔ امام مالک ولیث بن سعید و احمد بن حنبل کا یہ مذہب ہے کہ یمین سے بری نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ اگر ایک بار مارا اور ہر ایک اُس کو علیحدہ پہنچ گیا تو قسم سے بری ہو گیا، یعنی خلاصی ہو جائے گی۔ انہوں نے اس آیت کے عموم پر احتجاج و دلیل پکڑی ہے۔[1]

اور علامہ خفاجی نے آیت کو مد نظر رکھ کر لکھا ہے:

زوجته ليا بنت يعقوب وقيل رحمة بنت افراثيم بن يوسف ذهبت لحاجة فأبطأت فحلف إن برىء ضربها مائة ضربة فحلل الله يمينه بذلک وهي رخصة باقية في الحدود في شريعتنا وغيرها۔

ایضاً: لکن غير الحدود يعلم منها بالطريق الأولى, وكون حكمها باقيا هو الصحيح حتى استدلوا بهذه الآية على جواز الحيل وجعلوها أصلاً صلحتها۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی جس کا نام لیا بنت یعقوب تھا اور کسی نے کہا ہے کہ رحمت بنت افرائیم بن یوسف تھا۔ وہ ایک حاجت کے لئے چلی گئی تھیں۔ تو اُن سے سستی اور دیر ہو گئی، حضرت ایوب علیہ السلام نے حلف اُٹھایا کہ جب میں تندرست ہو جاؤں تو تمہیں ۱۰۰ درے ماروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یمین سے بری کیا اس چیز پر۔، اور یہ رخصت باقی ہے حدود ہوں یا غیر حدود ہماری شریعت میں۔ لیکن غیر حدود بطریق اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور حکم کا باقی ہونا صحیح بات ہے۔ حتیٰ کہ علماء نے حیلوں کے جواز میں اس آیت کو پکڑا ہے اور حیلہ کی صحت پر اس آیت کو اصل بنایا ہے۔[2]

والاحاديث في جواز الحيلة (حیلہ کے جواز میں احادیث مبارکہ)

روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم الأحزاب لعروة بن مسعود في شأن بني قريظة: "فلعلنا أمرناهم بذلک" فلما قال له عمر رضي الله عنه في ذلک قال عليه السلام: "الحرب خدعة" وكان ذلک منه اكتساب حيلة ومخرج من الإثم بتقييد الكلام بلعل ولما أتاه رجل وأخبره أنه حلف بطلاق امرأته ثلاثا أن لا يكلم أخاه قال له: "طلقها واحدة فإذا انقضت عدتها فكلم أخاک ثم تزوجها" وهذا تعليم الحيلة والآثار فيه كثيرة من تأمل أحكام الشرع وجد

---

[1] (تفسير الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل (موافق للمطبوع)، ج٤، ص ٢١ ـ دار النشر: دار الفكر - بيروت/لبنان)

[2] (حَاشِيةُ الشِّهَابِ عَلَى تفْسيرِ البَيضَاوِي، ج٧، ص ٣١٣ ـ دار النشر: دار صادر - بيروت)

المعاملات كلها بهذه الصفة، الخ۔ و قال فمن كره الحيل في الأحكام فإنما يكره في الحقيقة أحكام الشرع و إنما يقع مثل هذه الأشياء من قلة التأمل۔

پس جواز حیلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض مبسوط السرخسی میں ذکر ہیں۔ روایت ہے کہ یوم احزاب میں نبی کریم ﷺ نے عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ کلام کیا بنی قریظہ کی شان میں، کہ شاید ہمیں اس پر امر کیا ہو گا۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں پوچھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنگ دھوکہ ہے (یعنی جنگ میں دھوکہ سے کام ہوتا ہے) اور یہ نبی کریم ﷺ نے حیلہ طلب کرنا اور گناہ سے بچانا تھا کہ کلام کو لفظ "لعل" سے مقید کیا۔

اور جب کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور بتایا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاق دینے پر محض اس لئے حلف اٹھایا ہے کہ اپنے بھائی سے نہیں بولوں گا (یعنی نبی کریم ﷺ سے اپنے حلف کا حیلہ طلب کرنا تھا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اُس کو (عورت کو) تین طلاقیں دو، جب اُس کی عدت گزر جائے (یعنی تین حیض کامل گزر جائیں) تو اپنے بھائی سے بات چیت کرو، پھر اُس کے ساتھ (اپنی عورت سے) نکاح کرو، یہ نبی کریم ﷺ سے تعلم حیلہ تھا۔

حضرت امام شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حیلہ کے جواز میں بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں اور جو کوئی احکام شرع میں تامل و فکر کرے تو معاملات میں ہر معاملہ اسی صفت کے ساتھ پائے گا، الخ۔ اور سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو کوئی احکام میں حیلوں کو مکروہ و غیر مستحسن سمجھتا ہے تو وہ در حقیقت احکام شرع کو مکروہ سمجھتا ہے، اور اس طرح کی چیزیں (یعنی حیلوں کو مکروہ ماننا) قلت تأمل سے واقع ہوتے ہیں۔[1]

و ایضاً فی المشکوٰۃ

وعن أبي سعيد و أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه و سلم استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب فقال: "أكل تمر خيبر هكذا؟" قال: لا و الله يا رسول الله إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين و الصاعين بالثلاث فقال: "لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا". و قال: "في الميزان مثل ذلك"۔ متفق عليه۔

حضرت ابی سعید و ابی حریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی خیبر پر عامل بنایا تو اُس نے عمدہ کھجوریں لائیں خیبر سے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح ہیں؟ تو اُس نے کہا کہ نہیں۔ قسم بذات خدا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کھجور کے ایک پیمانہ کو دوسری کھجور کے دو پیمانہ پر لیتے ہیں اور ان کے دو پیمانے تین پیمانوں

---

[1] (المبسوط للسرخسي، ج ۳۰، ص ۲۷۳۔ الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

کے ساتھ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسامت کرو بلکہ ردی کھجور کو روپوں پر فروخت کرو پھر اُن روپوں پر اچھی کھجور خریدو اور میزان (ناپ تول) کے بارے میں اس طرح گفتگو کی۔ اور یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔[1]

وعن أبي سعيد قال: جاء بلال إلى النبي صلى الله عليه وسلم بتمر برني[2] فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "من أين هذا؟" قال: كان عندنا تمر رديء فبعت منه صاعين بصاع فقال: "أوه عين الربا عين الربا لا تفعل ولكن إذا أردت أن تشتري فبع التمر ببيع آخر ثم اشتر به"۔ متفق عليه۔

ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو ایک مشہور قسم کی کھجور لا کر دی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہاں سے لائے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ ردی کھجور تھی اس کے دو پیمانے سے ہم نے ایک پیمانہ (عمدہ کھجور) خریدی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ افسوس یہ تو عین ربا ہے ایسا نہ کر۔ بلکہ جب تم یہ خریدنا چاہتے ہو تو ردی کھجور نقد پر فروخت کرو پھر نقد پر عمدہ کھجور خریدو۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔

اس حدیث کے تحت ملا علی قاری سراج الاحناف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وهذا الحديث كالذي قبله صريح في جواز الحيلة في الربا الذي قال به أبو حنيفة والشافعي رحمهم الله وبيانه أنه أمره بأن يبيع الردى بالدراهم ثم يشتري بها الجيد من غير أن يفصل في أمره بين كون الشراء من ذلک المشتري أو من غيره بل ظاهر السياق أنه بما في ذمته وإلا لبينه له، الخ۔

اور یہ حدیث (بھی) پہلی حدیث کی طرح جواز ربا میں صریح ہے کہ جس کے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ قائل ہیں۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امر کیا کہ ردی کو روپوں پر فروخت کریں پھر ان پر عمدہ کھجور خریدیں۔ اپنے اس امر میں اس کی تمیز نہیں کی کہ شراء اس مشتری سے ہو یا دوسرے سے بلکہ سیاق کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذمہ اس کا بیان نہ تھا ورنہ پھر اس کے متعلق بیان کیا ہوتا۔[3]

اور اسی طرح معاریض حیلوں کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو سلام پھیر کر اپنا ناک پکڑ لے اور اور وضو کے لئے جائے تا کہ سب گمان کریں کہ اس کا ناک بہہ گیا ہے۔

---

[1] (مشكاة المصابيح، ج۲، ص ۱۳۵ ۔الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] برنی بفتح موحدہ وسکون راو نون برائے نسبت لفظی مثل کرسی قدمے مشہور است از خرما کہ نیک می باشد۔

[3] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ۹، ص ۲۹۱)

جواز حیلہ از کتب فقہاء کرام

فقہ کی کتابوں میں حیلے کثرت سے وارد ہوئے ہیں شیخ محقق ابن نجیم نے اشباہ والنظائر کی فن خامس کتاب الحیل وضع فرمائی اور عالمگیری میں کتاب الحیل ہے۔

تتارخانیہ اور ذخیرہ میں بھی۔یعنی صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ وحج ونکاح وطلاق وخلع وایمان واعتاق ووقف وشرکۃ وصیۃ وبیع وشراء ومدانیات واجارات ومنع الدعوٰی وشفعۃ وکفالۃ وغیرہ ذٰلک میں حیلے لکھے ہیں۔

چنانچہ سید احمد بن محمد الحموی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشباہ ونظائر کی شرح حموی میں فرماتے ہیں:

قَالَ فِي التَّتَارْخَانِيَّة مَذْهَبُ عُلَمَائِنَا أَنَّ كُلَّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِإِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِيهِ فَهِيَ مَكْرُوهَةٌ ، يَعْنِي تَحْرِيمًا . وَفِي الْعُيُونِ وَجَامِعِ الْفَتَاوَى لَا يَسَعُهُ ذَلِكَ وَكُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إلَى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَهُوَ مَعْنَى مَا نُقِلَ عَنْ الشَّعْبِيِّ لَا بَأْسَ بِالْحِيلَةِ فِيمَا يَحِلُّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ }وَذَكَرَ فِي الْخَبَرِ أَنَّ {رَجُلًا اشْتَرَى صَاعًا مِنْ تَمْرٍ بِصَاعَيْنِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَيْت هَلَّا بِعْت تَمْرَكَ بِالسِّلْعَةِ ثُمَّ ابْتَعْت بِسِلْعَتِكَ تَمْرًا وَهَذَا كُلُّهُ إذَا لَمْ يُؤَدِّ إلَى الضَّرَرِ بِأَحَدٍ انْتَهَى وَفِيهِ فُصُولٌ . الْأَوَّلُ فِي الصَّلَاةِ قَوْلُهُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ هَذَا تَعْلِيمُ الْمُخْلِصِ لِأَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ يَمِينِهِ الَّتِي حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّ امْرَأَتَهُ مِائَةَ عُودٍ وَقَدْ تَعَلَّقَ مُحَمَّدٌ بِهَذِهِ الْآيَةِ فِي مَسَائِلِ الْحِيَلِ وَالْخَصَّافُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَا فِي حِيَلِهِ قِيلَ لِأَنَّ حُكْمَهَا مَنْسُوخٌ وَعَامَّةُ الْمَشَايِخِ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِمَنْسُوخٍ وَتَكَلَّمُوا فِيمَا بَيْنَهُمْ فِي شَرْطِ الْبِرِّ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَأْخُذَ الْحَالِفُ مِائَةَ عُودٍ وَيُسَوِّي رُءُوسَ الْأَعْوَادِ قَبْلَ الضَّرْبِ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَيْنَ هَاجَرَ وَسَارَةَ فَحَلَفَتْ سَارَةُ إنْ ظَفِرَتْ بِهَا قَطَعَتْ عُضْوًا مِنْهَا فَأَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالَى جِبْرَائِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إلَى إبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُصْلِحَ بَيْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِيلَةُ يَمِينِي فَأَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَى إلَى إبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَأْمُرَ سَارَةَ أَنْ تَثْقُبَ أُذُنَيْ هَاجَرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوبُ الْآذَانِ كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ۔

تتارخانیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر حیلہ سے آدمی حیلہ طلب کرے ابطال حق غیر کو یا اس میں شبہ داخل کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔اور عیون وجامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ یہ جائز نہیں اور اس لئے کیا جائے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال چیز پالے تو یہ حیلہ جائز وحسن ہے،اور جو شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ حیلہ حلال چیز کرنے میں کوئی پرواہ نہیں،اس کے معنی بھی یہی ہیں۔اور یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام سے کہا کہ اپنے ہاتھ میں ایک شاخ پکڑو،اس سے عورت کو مارو اور حانث نہ ہو جاؤیعنی قسم نہ توڑو۔اور یہ تعلیم رہائی تھی ایوب علیہ السلام کو قسم سے جو انہوں نے اٹھائی تھی کہ میں اپنی عورت کو ۱۰۰ درے ماروں گا۔امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے جواز مسائل حیل ہیں اور خصاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے،کہا گیا ہے کہ اس کا حکم منسوخ ہے۔عام

مشائخ کا رویہ یہ ہے کہ یہ حکم غیر منسوخ ہے اور آپس میں مکالمہ کیا ہے خلاصی کے بارے میں۔ تو بعض نے کہا کہ قسم اُٹھانے والا ۱۰۰ لکڑیاں لے لے اور ان کے سروں کو برابر کر لے مارنے سے پہلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ درمیان ہاجرہ و سارہ کچھ تنازعہ ہو گیا، سارہ نے قسم اُٹھائی کہ اگر مجھے اُن پر موقع ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو (یعنی جسم کا کوئی حصہ) کاٹوں گی۔ رب تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اُن کے درمیان صلح کریں۔

حضرت سارہ نے عرض کی کہ میری قسم کا حیلہ کیا ہو گا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں (یعنی ان میں سوراخ کریں) یعنی یہ حیلہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمایا، پس اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے (یعنی اس وجہ سے عورتیں کانوں میں سوراخ کرتی ہیں) جیسا کہ تتارخانیہ میں لکھا ہے۔[1]

حاشیہ کنز الدقائق میں ینابیع سے نقل کرتے ہیں:

اعلم ان من حلف کلما تزوجت امرأة فهی طالق او قال کلما تزوجت بفلانة فهی طالق فالحیلة فی ذلک ان یقول لواحد من اصدقائه انی حلفت ان کلما تزوجت بفلانة فهی کذا فالان ان تزجتها طلقت و ان و کلت بذلک طلقت فاذا عرف المخاطب رغبته فیها فانه یتزوجها منه وهو فضولی فی ذلک فاذا اعلم حالفاً بذلک یجیزه بالفعل بان یبعث الیها مهرها او یظفر بها فیطأها فلا تطلق و ان اجازه بالقول تطلق۔

حاشیہ نمبر: ۱

اصل مسئلہ

الفاظ شرط میں یہ قاعدہ ہے کہ شرط موجود ہو جائے تو یمین ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً عورت سے کہے کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو تم مطلقہ ہو، اب اگر عورت نے وہ کام کیا تو طلاق واقع ہو گئی، اگر رجعی ہو تو رجوع کریں، اگر بائن ہو تو تجدید کریں۔ اگر رجوع یا نکاح کیا تو اس کے بعد یہ حلف باقی نہیں رہتا۔ مگر سوی لفظ **کُلّمَا** کیونکہ ان کا تقاضا ہے عمومِ افعال کا۔ مثلاً یہ لفظ بولا: **کلما تزوجت امرأة او فلانه فهی طالق** یعنی ہر دفعہ ہر بار اگر میں اس عورت کو نکاح کروں یا فلانی عورت کو یعنی ایک معین عورت کو تو مجھ پر مطلقہ ہو۔ اس طرح اگر ہر دفعہ نکاح ہو جائے تو طلاق واقع ہوتی ہے، تو اس کا حیلہ ینابیع (کتاب کا نام ہے) نے نقل کیا ہے۔

---

[1] (غمز عیون البصائر في شرح الأشباه والنظائر۔ کتاب الفرائض، ج۷، ص ۴۳۹)

ترجمہ: سمجھ لو کہ جس نے حلف اٹھایا کہ اگر میں ہر بار عورت کو نکاح کروں یا فلانی یعنی معینہ عورت سے نکاح کروں تو مجھ پر مطلقہ ہو۔ تو اس کے بارے میں حیلہ یہ ہے کہ یہ مخاطب یعنی جس کے ساتھ خطاب کرتا ہو یعنی حاضر دوست، جب حالف کی رغبت فلانہ یا دوسری عورت پر محسوس کریں تو وہ ان کا نکاح اس عورت سے کریں، حالانکہ یہ آدمی ان کے نکاح میں فضولی یعنی اجنبی ہے۔ جب حالف ان کے نکاح پر معلوم ہو جائے تو فعل کے ساتھ نکاح کا اجازہ کریں۔ یعنی اس طرح کہ عورت کو مہر بھیج دیں یا جب قادر ہو جائے تو اس کے ساتھ جماع کریں، جب اس طرح حیلہ کرے تو نکاح ہوا اور عورت کو طلاق واقع نہ ہوئی۔ اگر اس حالف نے فعل کے ساتھ اجازہ کیا تو عورت مطلقہ ہو جاتی ہے۔[1]

مبسوط سرخسی ہمارے مذہب میں معتمد بہ کتاب ہے انھوں نے کتاب الحیل لکھی ہے، حالانکہ اس حقیقت کے پیش نظر علامہ طرطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مبسوط السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لا یعمل بما یخالفہ و لا یرکن الا الیہ و لا یفتی و لا یعول الا علیہ۔

جو مسئلہ مبسوط سرخسی کے خلاف ہو اُس پر عمل نہ کیا جائے اور خاص کر رجوع اُن کو مناسب ہے اور خاص کر فتویٰ و اعتماد اس کتاب پر کرنا چاہیئے"۔

اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:

و یجمع الست کتاب الکافی للحاکم الشہید فھو الکافی۔

اور ظاہر روایت کی چھ کتابوں کا کافی جامع ہے، یعنی کافی حاکم شہید کی تصنیف ہے، وہ بے شک کفایت کرنے والا ہے۔

اقویٰ شروح الذی کالشمس مبسوط شمس الائمۃ السرخسی۔

اس کافی کی زیادہ قوی شروح ہیں جو مانند آفتاب ہیں، وہ مبسوط ہے جو شمس آئمہ سرخسی کی تصنیف ہے۔

علیک بمبسوط السرخسی انہ ھو البحر و الدر الفرید مسائلہ۔

مبسوط کتاب پر عمل کرنا آپ پر واجب ہے، کیونکہ وہ مانند سمندر ہے اور اس کے مسائل مانند گوہر یکتا ہیں۔

و لا تعقد الا علیہ فانہ یجاب بأعطاء الرغائب سائلہ۔

اور سوائے اس کتاب کے اعتماد نہ کر کیونکہ وہ سائل کو جواب دیتا ہے مرغوب چیز سے زیادہ۔[2]

---

[1] (کنز الدقائق۔ باب تعلیق الطلاق، ج ۲، ص ۳۹)

[2] (مجموعۃ الرسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۰)

کافی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

فالحاصل أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به لأن الله تعالى قال: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدة: ٢) ففي النوع الأول معنى التعاون على البر والتقوى وفي النوع الثاني معنى التعاون على الإثم والعدوان۔

ماسبق کا حاصل یہ ہوا کہ جس چیز کے ساتھ آدمی حرام سے بچتا یا حلال تک پہنچتا ہو، تو وہ حیلے حسن ہیں۔ اور وہ حیلے مکروہ ہیں کہ حیلہ سے بچتا ہو تاکہ ابطال حق ہو جائے یا باطل کے جواز میں اسے مموہ کریں یا حق میں کہ اس میں شبہ داخل ہو جائے پس اسی طرح جو حیلہ ہو وہ مکروہ ہے۔ اور جو پہلی قسم کا ہو تو جائز ہے۔ یعنی کچھ پرواہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و دشمنی میں (ایک دوسرے کے ساتھ) تعاون نہ کرو۔ پس قسم اول میں معنی تعاون علی نیکی و تقویٰ موجود ہے۔ لہٰذا اس طرح کا حیلہ جائز ہے۔ اور قسم ثانی میں معنی مدد علی الظلم والعدوان موجود ہے۔ لہٰذا اس قسم کے حیلے مکروہ وناجائز ہیں۔[1]

اور عالمگیری کی کتاب الحیل میں لکھتے ہیں:

الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها فنقول مذهب علمائنا رحمهم الله تعالى أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة۔

فصل اول بیان جواز حیل وعدم جواز میں ہے۔ ہمارے مذہب کے علماء کا یہ مسلک ہے۔ الخ اس کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے دوبارہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تحت عبارت حموی ملاحظہ فرمایئے۔[2]

فدیہ کا ثبوت قرآن مجید سے

فدیہ دینے کی بنیاد ایک شرعی قانون کی حیثیت سے اس آیت کریمہ سے ثابت ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرة ۱۸۴)

---

[1] (المبسوط للسرخسي، ج ۳۰، ص ۳۷۳۔ الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان) (مبسوط از كتاب الحيل)

[2] (الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، ج ٦، ص ٣٩٠)

اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔

زندگی میں عجز کے بعد دیا جائے تو بہتر ورنہ وصیت کرنا لازم ہو گا اگر بلا وصیت وارث دے دے تو بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔

فدیہ کا ثبوت احادیث نبوی ﷺ سے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایتیں موجود ہیں، ظاہراً موقوف لیکن حکماً مرفوع ہے۔

عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللہُ عَنْهُمَا قَالَ لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَ لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَ لٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درایہ میں لکھتے ہیں کہ **اسنادہ صحیح**، علامہ ماردینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کی سند **علی شرط شیخین** صحیح ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے، مگر ہاں اس کی طرف سے فدیہ دے دے۔[1]

و عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا یصلین احد عن احد و لا یصومن احد عن احد و لکن ان کنت فاعلاً تصدقت عنہ او اھدیت عنہ۔ ایضاً

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزہ رکھ سکتا ہے لیکن اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ اور فدیہ دے دو۔

عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه و سلم : قال من مات و عليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين۔

ترجمہ: نافع نے روایت کیا ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُس نے نبی کریم ﷺ سے کہ جو کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے تھے تو ولی بدلہ ہر دن روزہ سے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔[2]

ترمذی نے یہ روایت کیا ہے۔

عبد الرزاق نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرمایا ہے:

لا يصومُ أَحَدُكُم عن أَحَدٍ, و لا يُصَلِّي أَحَدٌ عن أَحَدٍ, و لكنْ يُطْعِمُ عنه مكان كل يوم (مُدًّا) من حِنْطَة۔

---

[1] (مشکل الآثار، ج۵، ص۲۹۶)

[2] (سنن الترمذی، ج۳، ص۹۶۔ الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن کے عوض دو مدین گندم (یعنی آدھا صاع) خیرات کردے۔[1]

فدیہ کا ثبوت از فقہائے کرام

جامع رموز میں لکھا ہے:

و الاستحسان ان یجوز الفداء عنهما اما فی الصوم فلورود النص و اما فی الصلوٰۃ فلعموم الفضل و لذا قال محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ یجزئها ان شاء اللہ تعالیٰ، الخ۔

استحسان مشائخ یہ ہے کہ نماز اور روزہ دونوں سے فدیہ جائز ہو جائے کیونکہ روزہ میں نص قرآنی وارد ہوا ہے اور نماز میں عموم فضل الٰہی سے، اسی وجہ سے محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ کافی ہو جائے گا، **ان شاء اللہ۔**

شرح الوقایہ میں لکھا ہے:

وَ فِدْيَةُ كُلِّ صلاةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ۔

ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہی صحیح ہے۔[2]

شرح الیاس میں لکھا ہے:

و یعتبر فدیہ کل صلوٰۃ فائت کصوم یوم ای کفدیۃ یوم۔

ہر فوت شدہ نماز کا فدیہ ایک دن روزے کے اعتبار پر ہے۔ یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔

ملا احمد جیون نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے:

و الصلوٰۃ نظیر الصوم بل اهم فیه فامرناه بالفدیۃ احتیاطاً و رجونا القبول من اللہ تعالیٰ فضلاً۔

نماز روزے کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے، نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

و ورد النص في الصوم بإسقاطه بالفدية و اتفقت كلمه المشايخ على أن الصلاة كالصوم استحسانا لكونها أهم منه و إنما الخلاف بينهم في أن صلاة يوم كصومه أو كل فريضة كصوم يوم و هو المعتمد إذا علمت ذلک تعلم جهل من يقول ان إسقاط الصلاة لا أصل له إذ هذا إبطال للمتفق عليه بين أهل المذهب۔

---

[1] (شرح الوقایۃ، ج۲، ص ۲۳۰)

[2] (شرح الوقایۃ، ج۳، ص ۲۲۲)

جان لو کہ روزے کے اسقاط میں ذمہ میت سے فدیہ دینے پر آیت قرآنی وارد ہوئی ہے، اور علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز روزہ کی مانند ہے از روئے استحسان مشائخ (یعنی فدیہ نماز دینے سے میت کا ذمہ فارغ ہوتا ہے کیونکہ نماز روزہ سے اہم ہے۔ بلکہ علماء کے درمیان خلاف اس بات پر ہے کہ تمام دن کی نمازیں ایک دن روزے کی مثل ہیں، یا ہر ایک فرض (نماز) ایک دن روزے کی مانند ہے۔ اور یہ آخری بات متفق بہ ہے۔ یعنی ایک فرض نماز کے فدیہ کی مقدار ایک روزہ کی مانند ہے۔ یعنی نصف صاع) جب آپ نے یہ جان لیا تو اس شخص کے جہل و نادانی کو خوب معلوم کروگے کہ وہ کہتا ہے کہ اسقاط صلوٰۃ کے لئے کوئی اصل نہیں۔ کیونکہ یہ اہل مذہب کے اتفاق کو باطل کرتا ہے۔[1]

ھدایہ میں لکھتے ہیں:

و الصلاۃ کالصوم باستحسان المشایخ و کل صلاۃ تعتبر بصوم یوم ھو الصحیح۔

نماز مثل روزہ ہے استحسان مشائخ سے اور ہر نماز کا اندازہ مثل ایک دن صوم کا اعتبار ہے اور یہ صحیح بات ہے۔

قَالَ شارحه فی فتح القدیر تحته وَجْهُهُ: أَنَّ الْمُمَاثَلَةَ قَدْ ثَبَتَتْ شَرْعًا بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْإِطْعَامِ وَالْمُمَاثَلَةُ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ ثَابِتَةٌ، وَمِثْلُ مِثْلِ الشَّيْءِ جَازَ أَنْ يَكُونَ مِثْلًا لِذَلِكَ الشَّيْءِ وَعَلَى تَقْدِيرِ ذَلِكَ يَجِبُ الْإِطْعَامُ وَعَلَى تَقْدِيرِ عَدَمِهَا لَا يَجِبُ، فَالِاحْتِيَاطُ فِي الْإِيجَابِ، فَإِنْ كَانَ الْوَاقِعُ ثُبُوتَ الْمُمَاثَلَةِ حَصَلَ الْمَقْصُودُ الَّذِي هُوَ السُّقُوطُ وَإِلَّا كَانَ بِرًّا مُبْتَدَأً يَصْلُحُ مَاحِيًا لِلسَّيِّئَاتِ، الخ۔

کمال ابن الہمام حنفی شارح **ھدایہ** اس عبارت کے تحت فاتح اللسان ہیں **بقولہ، الخ۔** اس کی وجہ یہ ہے کہ مماثلت از روئے شریعت درمیان صوم و اطعام ثابت ہو چکی ہے، اور مماثلت درمیان نماز و روزہ بھی ثابت ہے (کیونکہ دونوں عبادت بدنی ہیں) اور ہر ایک چیز کے لئے اُس کی مثل جائز ہے کہ وہ مثل بمثل اس چیز کے ہو جائے۔ اور بناء بر تقدیر مثلیت صلوٰۃ کے فدیہ میں طعام واجب ہوتا ہے، اور بناء بر تقدیر عدم مثلیت واجب نہیں ہوتا۔ تو احتیاط کا تقاضا وجوب ہے، اگر واقعہ میں مماثلت ہو تو مقصود حاصل ہو گا جو سقوط تھا ورنہ طعام (فدیہ) جدید نیکی جو کہ گناہوں کو محو کرنے والی ہے وہ تو ہو گئی (یعنی کہ صدقہ نفلی سے جو کہ گناہ محو کرتی ہے اس سے خارج نہیں ہوتا)۔[2]

فقہاء کرام کی تصریحات آپ نے ملاحظہ کیں کہ فدیہ نماز بھی جائز قرار دیتے ہیں یعنی ہر قضاء نماز جو کسی کے ذمہ رہ گئی ہو اس کا فدیہ فطرانہ کے اندازے پر ایک مسکین کو دینا کافی ہو سکتا ہے۔

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۲۸۴)

[2] (فتح القدیر، ج ۴، ص ۳۹۵)

نوٹ: میت کے مال سے اولاً تجہیز و تکفین کا انتظام ہو گا باقی ماندہ مال میں سے پہلے اُس کا قرض ادا ہو گا۔ پھر اگر کچھ بچ جائے تو اُس میں وارثوں کا حق ہے مال کے تہائی حصے میں وصیت جاری ہو گی، قرض کی ادائیگی وصیت وورثاء کے حق دونوں پر مقدم ہے۔

اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ نماز روزہ وغیرہ بلاعذر نہ چھوڑے اگر کسی سے کسی عذر کی وجہ سے قضاء بھی ہو جائے تو مناسب ہے کہ اولاً توان فرائض کی قضاء اس دنیا میں اپنی زندگی میں خود ادا کرے تا کہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ یہ بہتر بلکہ زیادہ ضروری امر ہے، اگر اسے وقت برائے ادائیگی ملا تھا لیکن ادا نہیں کیا، تو مرتے وقت اُس پر اُس کے متعلق یہ وصیت لازم ہے کہ میرے مال میں سے اتنی مقدار میں فدیہ دے دیا جائے جتنی کہ متروکات ہوں۔

عبارت مراقی الفلاح ملاحظہ فرمائیں:

على من أفطر في رمضان الوصية أي بفدية ما (قدر عليه) من إدراك عدة من أيام أخر إن أفطر بعذر۔

اگر اس نے بلاعذر نماز و روزہ ادا نہ کیا ہو اور اتنا وقت بھی اُسے نہ ملا ہو کہ اُن (فرائض) کی قضاء ادا کرے تو اُس پر وصیت کرنا لازم ہے، "بجميع مافاته" تا کہ ورثاء اس کا فدیہ دے دیں اس کی قبولیت کی امید ہے اگرچہ اس سے تقصیر ہو چکی ہے۔[1]

عبارة مراقي الفلاح: وإن لم يدرك عدة من أيام أخر إن أفطر بدون عذر لزمه بجميع ما أفطره لأن التقصير منه لكنه يرجى له العفو بفضل الله بفدية ما لزمه وبقي بذمته حتى أدركه الموت فيخرج عنه وليه من ثلث ما ترك۔

اگر کوئی شخص بغیر عذر کے نماز روزہ میں تقصیرات کرتا ہے تو اُس کے ذمہ عائد و لازم ہے۔ خدائے رب العزت کا اختیار ہے کہ معاف کرے یا سزا دے اُن سے اگر وہ فدیہ دینے کی وصیت بھی کرے تو ان کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا یعنی فدیہ دینا کافی نہیں ہوتا ہے۔[2]

لیکن مستصفیٰ کے دیباچہ میں دلالت الجواز معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

و فی الکلام رمز الی انه لو فرط فی ادائها باطاعة النفس و خداع الشیطان ثم ندم فی اخر عمره و اوصی بالفدیة لم یجز لکن فی دیباجة المستصطفیٰ دلالة علی الاجزاء و الیٰ انه لو لم یوص بفدائها و تبرع وارثه جاز, الخ۔ ولا خلاف انه امر مستحسن یصل ثوابه الیه۔

اور اسی طرح عبارت مجموعہ رسائل ابن عابدین میں لکھی ہے:

و القیاس ان لا یجوز الفداء عن الصلاة و الیه ذهب البلخی رحمة الله تعالیٰ علیه و فیه اشارة الیٰ انه لو فرط بادائها باطاعة النفس و خداع الشیطن ثم ندم فی أخره عمره و اوضی بالفداء لم یجزئ لکن فی المستصفی دلالة علی

---

[1] (مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۱۹۱)

[2] (مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۱۹۱)

الاجزاء والیٰ انہ لو لم یوص بفدائھا وتبرع وارثہ جاز ولا خلاف انہ امر مستحسن یصل الیہ ثوابہ وینبغی ان یفدی قبل الدفن وان جاز بعدہ کما فی القھستانی۔

دونوں عبارتوں کا ترجمہ یہ ہے: مجموعہ رسائل میں لکھا ہے کہ قیاس یہ ہے کہ نماز سے فدیہ دینا جائز نہ ہو جائے اور اس کو بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذہاب کیا ہے، اس میں اس امر کا اشارہ ہے کہ اگر اس سے نفس کی اطاعت اور شیطان کے دھوکہ سے نماز ادا کرنے میں نقصان ہو چکا ہو یعنی نماز ادا نہ کی ہو پھر آخری عمر میں نادم و پشیمان ہو کر فدیہ دینے کے لئے وصیت کی تو کافی نہیں۔ لیکن کتاب مستصفیٰ میں کافی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر فدیہ دینے کے لئے وصیت نہ کی ہو لیکن وارث نے تبرع کیا تو جائز ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ امر مستحسن یعنی نیک کام جس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یعنی امر مستحسن تو ضرور ہے بلا خلاف اور مناسب ہے کہ فدیہ دفن ہونے سے قبل دیا جائے اگر بعد از دفن بھی دیا جائے تو جائز ہے۔[1]

اور علامہ ابی الخلاص نے بھی لکھا ہے:

فلو وجب علیہ قضاء شئی من رمضان فلم یقضہ حتیٰ صار شیخاً فانیا لا یرجیٰ برؤہ جاز لہ الفدیۃ۔

علامہ شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہامش درر الحکام میں لکھا ہے، اگر کسی شخص پر قضاء رمضان واجب ہو گی۔ لیکن ادا نہ کیا اس وقت تک حتیٰ کہ شیخ فانی ہو گیا یعنی اُس کے صحت یاب ہونے کی امید باقی نہ رہی، اُس شخص کا فدیہ ادا کرنا جائز ہے۔[2]

نوٹ: فدیہ دینا زندگی میں نماز کے لئے جائز نہیں بخلاف روزہ کے۔ کہ زندگی میں شیخ فانی سے فدیہ دینا جائز ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وفی القنیۃ ولا فدیۃ فی الصلوٰۃ حالۃ الحیات بخلاف صوم۔ آہ

اقول و وجہ ذلک ان النص انما ورد فی الشیخ الفانی انہ یفطر ویفدی فی حیاتہ، الخ۔ و مقتضاہ ان غیر الشیخ الفانی لیس لہ ان یفدی عن صومہ فی حیاتہ لعدم النص و مثلہ الصلاۃ و لعل وجھہ انہ مطالب بالمقضاء اذا قدر ولا فدیۃ علیہ الا بتحقق العجز منہ بالموت فیوصی بھا بخلاف الشیخ الفانی فانہ تحقق عجزہ قبل الموت عن اداء الصوم و قضائہ فیفدی فی حیاتہ ولا یتحقق عجزہ عن الصلاۃ لانہ یصلی بما قدر ولو حومیا براسہ فان عجر عن ذالک سقطت عنہ اذا کثرت بأن صارت ستا فا کثر ولا یلزمہ قضاءھا اذا قدر آہ۔

قنیہ میں لکھا ہے کہ نماز کے لئے فدیہ دینا کسی کی زندگی میں جائز نہیں بخلاف روزہ کے۔ علامہ ابن عابدین کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نص شیخ فانی کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ افطار کرے اور فدیہ زندگی میں دے دیں۔ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ

---

[1] (جامع الرموز، ج ۱، ص ۱۶۱۔ کتاب الصوم، مجموعۃ الرسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۹)

[2] (حاشیۃ العلامۃ ابی الخلاص الشیخ الحسن بن عمار بن علی الوفائی الشرنبلالی الحنفی علی ھامش درر الاحکام فی شرح غرر الاحکام، ج ۱، ص ۲۰۹)

شیخ فانی کے سوا کی زندگی میں روزہ کے لئے فدیہ دینا جائز نہیں، لعدم النص۔ اور اُس کے مانند نماز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید اس پر قضاء واجب ہے جب قادر ہو جائے اور فدیہ اُس پر واجب نہیں جب کہ اس کا عجز متحقق نہ ہو مرنے پر کہ اُس کے لئے وصیت کریں بخلاف شیخ فانی کے کہ اس کا عجز قبل از موت ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ شیخ فانی روزہ کے ادا سے عاجز ہے اور قضاء سے بھی۔ تو وہ زندگی میں روزے کے لئے فدیہ دے اور شیخ فانی کا عجز نماز سے متحقق نہیں۔ کیونکہ وہ نماز ادا کرے جس طریقے سے وہ قادر ہو اگرچہ سر کے اشارے سے ہی ہو، اگر سر کے اشارے سے عاجز ہو جائے تو اُس سے نماز ادا کرنا ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ حد کثرت تک پہنچ جائے یعنی کہ چھ نمازیں یا زیادہ ہو جائیں اور اُس پر قضاء لازم نہیں ہے اُن نمازوں کی جب کہ قادر ہو جائے۔[1]

اور اسی طرح علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

و لو فدی عن صلاته في مرضه لا يصح بخلاف الصوم۔

اگر (کسی) شخص نے مرض میں نماز کے لئے فدیہ دے دیا تو صحیح نہیں ہے بخلاف روزہ کے کہ اُس کے لئے فدیہ یعنی زندگی میں جائز ہے۔[2]

فدیہ میں اباحت بھی جائز ہے، ملاحظہ فرمائیے:

و هل تكفي الإباحة في الفدية قولان المشهور نعم و اعتمده الكمال۔

آیا فدیہ میں اباحت کافی ہوتا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ ہاں (کافی ہوتا ہے) کمال ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے اسے معتمد بہ کیا ہے۔[3]

نوٹ: صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہوتا تملیک ضروری ہے۔

و قال قوله المشهور نعم فان ما ورد بلفظ الاطعام جاز فيه الاباحة و التمليک بخلاف ما بلفظ الاداء و الايتاء فانه للتمليک کما دی المضمرات و غيره قهستانی۔

اور جو قول مشہور ہے کہ فدیہ میں اباحت کافی ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کہ جس چیز میں لفظ اطعام وارد ہوا ہے اس میں اباحت و تملیک دونوں جائز ہیں بخلاف کہ جس میں لفظ اداء و ایتاء وارد ہو یعنی اس میں اباحت جائز نہیں، کیونکہ یہ الفاظ برائے تملیک ہیں جیسا کہ کتاب مضمرات وغیرہ میں ہے قہستانی۔[4]

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۸)

[2] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۲۸۵)

[3] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۲۸۵)

[4] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۷)

تملیک کے معنی یہ ہیں کہ بمقابل ہر نماز یا روزہ فقیر کو نصف صاع گندم یا اُس کی قیمت بطریق تملیک اس کے ہاتھ میں دے دے۔

اباحت کے معنی یہ ہیں کہ بمقابل ہر نماز یا روزہ فقیر کو دونوں وقت کھانا کھلائے، اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کے کھانے کی قیمت نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہے یا نہیں، یعنی کھانے کی قیمت نصف صاع سے کم ہو یا زیادہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

دونوں وقت سے مراد دو وقت ہیں، ایک صبح اور ایک شام یا ایک عشاء اور ایک سحور ہو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا یعنی فدیہ کی اباحت میں ایک وقت سے کفایہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کفارات میں کفایہ نہیں ہوتا۔

یہ ضروری ہے کہ مسکین ایک ہو، یعنی اگر ایک مسکین کو صبح کھانا کھلایا تو شام کے وقت بھی اسی مسکین کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ دوسرے مسکین کو کھلانا جائز نہیں۔ مگر ہر ایک ان دونوں میں سے ہو اسی کو دوسرے وقت میں کھانا کھلائے پھر کافی ہوتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ فقیر کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہوگا، یعنی اگر فقیر پہلے ہی سے پیٹ بھر کر کھانا چکا ہو تو اس کو کھانا کھلانے سے فدیہ کافی نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں صبی غیر مراھق نہ ہو اگر مراھق ہو (یعنی قریب البلوغ ہو) تو جائز ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اگر روٹی گندم کے علاوہ کسی اور چیز سے پکائی گئی ہو تو اس کے ساتھ ترکاری رکھنا لازمی ہے تاکہ خوب سیر ہو جائے۔ اگر گندم کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ ترکاری یعنی ایدام مستحب ہے۔

جمع بین اباحت و تملیک جائز ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قالوا تصح الاباحة بشرط الشبع فی الکفارة و الفدیة کفارة الیمین و فدیة الصوم و جنابة الحج۔ و جاز الجمع بین اباحة و تملیک بخلاف الزکوٰة و الفطرة و العشر فعلٰی ھذا لو وضع طعاما و دعی الفقراء الیه لیجعله عن کفارة یمین او فدیة صوم او جنابة و لا یشترط التملیک و ھو ان یعطی الفقیر شیئاً فی یده علیٰ سبیل التملیک نعم یشترط لکل فقیر اکلتان مشبعتان و الفقیر الواحد یکفی فی جمیع ھذه الابواب الا باب الیمین فان کفارته انما تجوز العشرة مساکین بالنص او یتکرر له ذلک عشرة ایام۔

علماء نے لکھا ہے کہ کفارہ اور فدیہ میں اباحت صحیح ہے بشرطیکہ فقیروں کو پیٹ بھر کر کھلائیں۔ جیسا کہ کفارہ یمین اور روزہ کا فدیہ اور حج کی جنابت میں اور جمع اباحت و تملیک جائز ہے خلاف زکوٰۃ و صدقہ فطر و عشر میں پس بناء بر این اگر روٹی تیار کرکے فقراء کو دیں اور نیت میں کفارہ یمین یا روزے کا فدیہ یا حج کی جنابت ہو تو صحیح ہے کیونکہ تملیک شرط نہیں ہے۔ تملیک کے معنی یہ ہیں کہ فقیر کو چیز دے دیں اس کے ہاتھ میں علی سبیل التملیک۔ ہاں ہر فقیر کے لئے دو وقت پیٹ بھر کر کھانا

شرط ہے۔ اور ایک فقیر ان تمام ابواب میں کافی ہوتا ہے صرف کفارہ یمین کہ اس میں نص کے ساتھ دس فقیروں کو فدیہ دینا جائز ہوتا ہے یا ایک فقیر کو دس دن مکرر کریں۔[1]

جمع بین اباحت و تملیک کے معنی:

جمیع کفارات و فدیہ صیام وصلوٰۃ میں جمع بین التملیک و الاباحت جائز ہے۔ یعنی صدقۃ الفطر میں جمع جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ مثلاً کفارہ یمین میں دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلانا ضروری ہے۔ تو ان میں سے پانچ کو نصف نصف صاع قیمت دی اور پانچ کو صبح و شام کھانا کھلایا تو جائز ہے۔

یا پھر کفارہ ظہار میں ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ضروری ہے دونوں وقت تو ان ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کھانا دیا مثلاً صبح کے وقت کھانا دیا تو شام کے وقت ان کو قیمت دینا بھی جائز ہے۔ لیکن فی نفر کو صاع کی ربع یعنی حصہ کی قیمت دینا ہو گی کیونکہ شریعت میں نصف صاع صبح و شام دونوں کی مقدار ہے۔ تو فی وقت کی مقدار ۱/۴ حصہ صاع ہو گی۔

اسی طرح نمازوں کے فدیہ میں جمع بینہما جائز ہے مثلاً دس نمازوں کا فدیہ پانچ صاع گندم یا اس کی قیمت ہے۔ مثلاً چھ مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلایا اور دو صاع گندم یا اُس کی قیمت چار مسکینوں کو بحساب نصف نصف صاع ہر مسکین کو گندم یا اس کی قیمت دی تو جائز ہے اور اسی طرح روزوں کے فدیہ میں بھی جائز ہے۔

اگر میت نے وصیت کی ہو تو ولی میت پر فدیہ دینا واجب ہے۔ الحاصل ہمارے مذہب میں اگر میت نے وصیت کی ہو کہ مجھ سے اتنی نمازیں اور روزے وغیرہ قضاء ہو چکے ہیں پس اتنی مقدار میں فدیہ دیں تو ورثاء پر لازم ہے کہ ثلث مال میت سے فدیہ دے دیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو ورثاء پر لزوم نہیں ہاں اگر تبرع و احسان کیا تو فدیہ دینا بھی جائز ہے، ملاحظہ فرمایئے ہدایہ کی عبارت:

ثم لا بد من الإيصاء عندنا خلافا للشافعي رحمه الله۔[2]

اس عبارت کے تحت عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

یعنی اذا اوصی یلزم الاطعام عنہ علی الولی من ثلث مالہ و بہ قال مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فیجزیہ ان شاء اللہ تعالیٰ و ان لم یوص لا یلزم علی الولی الاطعام و مع ھذا لو اطعم جاز انشاء اللہ تعالیٰ خلافاً للشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فعندہ لا حاجۃ الی الایصاء بل یلزم الولی ان یطعم عنہ اوص او لم یوص بہ و بہ قال احمد۔

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ص ۲۲۱)

[2] (الهداية شرح بداية المبتدي، ج ۱، ص ۱۲۷)

یعنی اگر میت نے وصیت کی تو اس سے طعام دینا ولی پر لازم ہے مال میت کے تیسرے حصے سے اور یہ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی ہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا۔ اگر میت نے وصیت نہ کی ہو تو ولی پر اطعام دینا لازم نہیں ہے اور مع عدوم لزوم اگر اطعام دیا تو جائز ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اسی مسئلہ میں شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک میت کی وصیت کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ولی میت پر لازم ہے کہ میت سے اطعام دے خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اور یہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی ہے۔[1]

اور عنایہ شرح ھدایہ میں لکھتے ہیں:

فإذا أوصى يؤدي الوصي من ثلث ماله لكل يوم مسكينا بقدر ما يجب في صدقة الفطر ۔ وإن لم يوص وتبرع الورثة جاز، وإن لم يتبرعوا لا يلزمهم الأداء بل يسقط في حكم الدنيا۔

اگر میت نے وصیت کی ہو تو وصی اس کے تیسرے حصے مال میں سے ایک مسکین کو ہر دن روزے سے اتنی مقدار دے جو صدقۃ الفطر میں واجب ہے۔ یعنی نصف صاع گندم یا اس کی قیمت، اگر میت نے وصیت نہ کی ہو بلکہ ورثاء نے تبرعاً و احساناً فدیہ دیا تو جائز ہے۔ اگر ورثاء نے تبرع نہ کیا تو ان پر اداء لازم نہیں (یعنی فدیہ کی) بلکہ ورثاء سے دنیا میں حکم ساقط ہو گیا۔ **انتھی۔**[2]

بل یقسط فی حکم الدنیا کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میت سے آخرت میں سقوط نہیں ہوتا یعنی اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ورثاء کے لئے مناسب ہے کہ اپنی طرف سے تبرع کریں تاکہ میت کا ذمہ فارغ ہو جائے، **ان شاء اللہ تعالیٰ۔**

قریب الموت شخص پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کرنے کے متعلق وصیت کرے اگر اس کا مال ہو۔ بلکہ اس پر بھی وصیت لازم ہے کہ جس نے بلا عذر قصداً روزہ افطار کیا ہو یا نماز وغیرہ بلا عذر ترک کیا ہو اور ان کی قضاء نہ لایا ہو۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و فیہ ان الایصاء واجب ان کان لہ مال کا فی النیۃ و لا یختص ھذا بالمریض و المسافر بل یدخل فیہ من افطر متعمدا و وجب القضاء علیہ او لعذر ما و کذا کل عبادۃ بدنیۃ (و الا) ای و ان لم یومن (فلا لزوم) للورثۃ عندنا لانھا عبادۃ فلا بد من امرہ خلافا للشافعی (و ان تبرع) الوصی (بہ) ای بالاطعام من غیر وصیۃ (صح) و یکون لہ ثواب ذلک و علی ھذا الخلاف الزکوٰۃ۔

---

[1] (عینی شرح الھدایہ، کتاب الصوم، ص ۱۳۵۳)

[2] (العنایۃ شرح الھدایۃ، ج ۳، ص ۳۱۴)

اس میں اشارہ ہے کہ میت یعنی قریب الموت آدمی پر وصیت کرنا واجب ہے، اگر اس کے پاس مال ہو جیسا کہ قنیہ میں ذکر ہے۔ اور یہ وصیت کرنا مریض و مسافر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں وہ (سب) داخل ہیں جو قصداً روزہ نہ رکھے یا عذر کی وجہ سے نہ رکھے اور ان پر قضا لازم ہو گئی ہو اور اسی طرح ہر عبادت بدنی میں تقصیر کیا ہو وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ اگر میت نے وصیت نہ کی تو ورثاء پر لزوم نہیں۔ اگر وصی نے تبرع کیا تو صحیح ہے اور میت کو اس کا ثواب ملتا ہے اور اسی خلاف پر زکوٰۃ بھی ہے۔[1]

اور علامہ ابن عابدین دوسری جگہ لکھتے ہیں:

و لیس ممایفارق فیہ الصوم الصلاۃ ما افادہ صاحب المستصفی و غیرہ انہ یوصی و ان افطر بغیر عذر و یرجی لہ العفو باخراج الفدیۃ فان الصلاۃ کذکج علی الظاھر۔

یعنی روزہ اور نماز میں کچھ فرق نہیں۔ اس بارے میں کہ جو صاحب مستسفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ (اگر) کوئی شخص وصیت کرے گا اگرچہ روزہ کا بلا عذر افطار کیا ہو۔ اور اس کے لئے امید عفو ہے فدیہ ادا کرنے پر، یعنی ظاہر پر نماز بھی اس طرح ہے، یعنی اگر (کسی نے) بلا عذر نماز ترک کی اور دنیا میں قضاء نہ لایا اور مرتے وقت فدیہ دینے کے لئے وصیت کی ہو تو اس کے لئے بھی عفو کی امید ہے جب کہ ورثاء فدیہ ادا کریں۔[2]

میت کی وصیت تیسرے حصے میں جاری ہو گی:

اس کی تشریح یہ ہے کہ اگر میت نے زیادہ مقدار کے لئے وصیت کی تو ورثاء پر لازم نہیں کہ میت کے مال کے تیسرے حصے سے زیادہ مقدار دیں۔

بقول ایک شاعر:

چوں وصیت کند بفدیہ خویش　　　نیست واجب ز ثلث مالش بیش

ثلث مال سے مراد جمیع مال کا ثلث یعنی تیسرا حصہ ہے، لیکن اس حالت میں کہ میت کے ذمہ کسی کا قرض نہ ہو۔ اگر قرض ہو تو پہلے قرض ادا ہو گا وصیت پھر اس باقی ماندہ (مال) کے ثلث سے جاری ہو گی۔ لیکن یہ بھی اُس وقت کہ میت کے لئے وارث ہو اگر وارث نہ ہو تو جمیع مابقی سے وصیت نافذ ہو گی۔

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۹۔ الناشر: سھیل اکیڈمی، لاھور، پاکستان)

[2] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۲۴)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

ملاحظہ فرمایئے عبارت:

وينفذ ذلک من الثلث بشرط أن لا يكون في التركة دين من ديون العباد حتى لو كان ينفذ ذلک من ثلث الباقي إلا إذا لم يكن له وارث فحينئذ ينفذ من جميع ما بقي، انتهى۔[1]

و ایضاً فی مجموعہ الرسائل: و یلزم ای یجب اطعام الوارث من الثلث ان کان له وارث و الا فمن الکل ان اوصی المورث۔[2]

فدیہ کی مقدار اور صاع کی تحقیق:

فدیہ کی مقدار نصف صاع ہے لیکن نصف صاع کی مقدار کل صاع کی مقدار پر موقوف ہے۔ اور صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔

علامہ کشمیری وسندھی لکھتے ہیں:

صاع کوفی ہست اے مرد فہیم　　　دوصد ہفتاد تولہ مستقیم

اے مرد ہوشیار صاع کوفی دوسوستر تولہ کے برابر ہے۔

اور مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی ارجح الاقاویل فی اصح الموازین میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاع دوسو اسی (۲۸۰) تولے ہیں بحوالہ البصائر لحمداللہ الداجوی ص ۱۳۰ غیاث اللغات میں لکھتے ہیں کہ:

صاع نامی پیمانہ است چہارند باشد و ھر مدیک رطل و ثلث رطل باشد از شرح نصاب ویکی از محققین در رسالہ اوزان نوشتہ کہ صاع دوصد وسی چہار (۲۳۴) تولہ باشد۔[3]

وصاع پیمانہ است وان چہار مد است ہر صدی دومشت دست آدم مستوی الخلقۃ چون دست را کشیدہ دارد۔[4]

سیف المقلدین میں لکھاہے کہ صاع عراقی ۲۸۳ تولے ہیں اور نصف ۱۴۱ تولہ ۶ ماشہ دوجوع کے برابر ہے۔

---

[1] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۴۵۲)

[2] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۹)

[3] (باب الصار غياث اللغات)

[4] (منتخب اللغات باب الصار مع العين)

اور حضرت امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح کنز تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۳۰۹ میں فرمایاہے: اس کا ترجمہ یہ ہے کہ صاع کی مقدار آٹھ ارطال بغدادی ہیں یہ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب اور اہل عراق کا مذہب بھی ہے۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ صاع پانچ ارطال مکمل و ثلث رطل ہے اور یہ اہل حجاز کا مذہب ہے۔ اُن کے لئے استدلال ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایاہے کہ ہمارا پیمانہ اور پیمانوں سے چھوٹا ہے اور یہ واضح طور پر معلوم ہے کہ پانچ ارطال معہ ثلث رطل چھوٹا ہے آٹھ ارطال والے سے اور یہ چھوٹا صاع صاع حجازی ہے اور یہ روایت ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حج کے لئے گئے تو اہل مدینہ سے صاع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ صاع پانچ ارطال و ثلث رطل ہیں۔ اور ان کو ملنے ایک گروہ آگیا ہر ایک کے پاس ایک پیمانہ تھا تو بعض نے کہا کہ اسے اپنے باپ نے یہ کہا ہے اور کوئی کہنے لگا کہ مجھے اپنے بھائی نے خبر دی ہے کہ یہ صاع نبی کریم ﷺ کا ہے۔ تو ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مذہب یعنی امام صاحب کے مذہب سے رجوع کیا، اور ہمارے امام صاحب کے مذہب کے لئے دلیل یہ ہے کہ امام صاحب نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاہے کہ نبی کریم ﷺ تد کے اندازہ یعنی دو رطل پانی سے وضو کرتے تھے۔ اور غسل صاع کی مقدار یعنی آٹھ ارطال پانی کے ساتھ کرتے تھے، اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ غسل جنابت صاع کی مقدار یعنی آٹھ ارطال کے ساتھ کرتے تھے۔ اور وہ اہل عراق پر اس صاع کی وجہ سے فخر کرتی تھیں کہ میں آپ لوگوں کو صاع رسول اللہ ﷺ نکال دوں اور اس صاع کا نام حجاجی تھا یعنی صاع حجاجی پر مشہور تھا اس کی وجہ تسمیہ علماء کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صاع گم ہو گیا تھا تو حجاج نے باہر نکلوایا اور وہ اہل عراق پر احسان کرتے تھے اور خطبہ میں الفاظ بولتے تھے: یا اھل العراق یا ھل الشقاق و النفاق و مساوی الاخلاق الم اخرج لکم صاع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسی وجہ سے یہ صاع صاعِ حجاجی مشہور تھا (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاع بھی آٹھ ارطال تھا اس لئے ھدایہ میں لکھاہے و ھکذا کان صاع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ہم ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ انہوں نے جو روایت کیاہے اس کے لئے دلیل نہیں۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایاہے کہ ہمارا صاع چھوٹا ہے یہ بھی جائز ہے کہ آٹھ ارطال والا بھی اصغر الصیعان ہو یعنی پیمانوں میں چھوٹا ہو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کیونکہ اہل عرب صاع ہاشمی بھی استعمال کرتے تھے حالانکہ صاع ہاشمی صاع حجاجی سے بڑا ہے۔ اور جو جماعت اُن کے ساتھ ملی تھی اس سے بھی ان کی حجت نہیں بنتی کیونکہ وہ مجھولین تھے اور معلوم سے نقل کرتے تھے، حالانکہ یہ حجت نہیں بنتی۔ جیسا کہ حدیث کے اصول میں مذکور ہیں۔ اور کسی نے کہاہے کہ امام صاحب اور ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان صاع میں کچھ خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ابو

یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو صاع کی مقدار پانچ ارطال اور ثلث رطل یعنی رطل کا تیسرا حصہ بیان کیا ہے وہ مدینہ کے رطل کے حساب کے مطابق کیا ہے۔ حالانکہ مدینہ کا رطل اہل بغداد کے رطل سے بڑا ہے کیونکہ مدینہ کا رطل تیس استار کے برابر ہے اور رطل بغدادی تیئیس ۲۳ استار ہے۔ جب آٹھ ارطال بغدادی اور پانچ ارطال و ثلث رطل مدنی کا اندازہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہم پیدا ہوا ہے۔ اور یہ توفیق بینھما زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ذکر نہیں کیا ہے اگر خلاف ہوتا تو ضرور ذکر کرتا۔ کیونکہ وہ اپنے مذہب کو خوب جانتا ہے۔ انتھی عبارتہ۔

اسی وجہ سے علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

ولا خلاف بينهما كما في الفتح لان محمدا رحمه الله تعالىٰ ادرىٰ بمذبه ولم ينقل عنه خلافاً فمراد ابو يوسف رحمه الله تعالىٰ عليه رطل المدينة وهو ثلاثون أستار بكسر الهمزة و مراد محمد رحمه الله تعالىٰ عليه رطل العراق عشرون أستارا فيكون المجموع على القولين مائة وستين أستارا و الأستار ستة دراهم ونصف كما في المنح والشر نبلالية، الخ۔

ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان صاع کے متعلق کچھ خلاف نہیں جیسا کہ فتح میں ذکر ہے (یعنی اشارہ فتح القدیر کی طرف یا فتح الباری کی طرف ہے) کیونکہ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مذہب کے خوب واقف تھے۔ انہوں نے ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ذکر نہیں کیا ہے۔ تو ابو یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد رطل مدینہ سے ہے وہ تیس استار ہے اور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد عراق کے رطل سے ہے، وہ بیس استار ہے، تو مجموعہ دونوں اقوال پر ایک سو ساٹھ استار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب بحر الرائق میں لکھا ہے اور استار کا اندازہ ساڑھے چھ درہم و نصف ہیں طحطاوی بیان اللسان میں لکھا ہے کہ رطل آدھ سیر ہے یعنی چالیس تولے یعنی آدھ سیر انگریزی ہے۔[1]

حضرت علامہ طحطاوی و زملعی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ صاع میں ان کے درمیان خلاف اعتباری ہے نہ کہ حقیقی۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کرام کے درمیان جو تولوں کے لحاظ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے اس خلاف کا منشاء یہی ہے یا یہ کہ مد کا وزن مختلف ہے یا درہم کے لحاظ سے کیونکہ بعض درہم کا اندازہ کم اور بعض کا زیادہ ہے، لہٰذا یہ اختلاف بین العلماء اعتباری ہے نہ کہ حقیقی۔ یعنی مال سب کا ایک ہے اور از روئے احتیاط اس قول پر عمل کیا جائے کہ جس نے زیادہ مقدار بیان کی ہو، کیونکہ اس پر عمل درآمد ہونے میں خروج عن العھدۃ بالیقین ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ

[1] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۴، ص ۲۸۷) (باب المراء مع الطاء، ص ۳۱۸)

عبادات میں احتیاط واجب ہے۔ لہٰذا صاع کی مقدار انگریزی سیر کے حساب سے ساڑھے تین سیر ہے جیسا کہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے تحریر کیا ہے کہ صاع ایک پیمانہ ہے مساوی تقریباً ساڑھے تین سیر انگریزی۔[1]

اور انگریزی سیر مبلغ اسی (۸۰) تولے ہیں تو نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر ہوتی ہے اور پکا سیر جو کہ ۱۰۸ تولے ہے اس حساب سے صاع ۱۰ چھٹانک دو سیر صرف چار ماشے کم۔ تو نصف صاع کی مقدار پانچ چھٹانک ایک سیر ہو گئی۔ لیکن علماء کرام نے لکھا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ اگر انگریزی سیر کے حساب سے ہو تو فدیہ دو سیر ادا کرنا چاہیئے اگر پکا سیر کے حساب سے ہو تو ڈیڑھ سیر ادا کرنا چاہیئے، اگر اس سے لوگ زیادہ ادا کرنا چاہتے ہوں تو بہت اچھا ہے۔

نوٹ: مراد صاع سے وہ ہے جو صاع میں آتا ہو نہ نفس صاع تو احتیاطاً فدیہ کی مقدار انگریزی سیر کے حساب سے دو سیر گندم اور پکا سیر حساب سے ڈیڑھ سیر گندم یا اس کی قیمت دے۔

شامی میں لکھا ہے کہ:

نصف صاع من بر او من دقیقه او سویقه او صاع تمر او زبیب او شعیر او قیمته وھی افضل۔

نصف صاع گیہوں دے یا گیہوں کا آٹا یا ستو دیا جائے یا ایک صاع کھجور یا کشمش یا جو دی جائے یا اُس کی قیمت دے اور قیمت کا دینا افضل ہے۔

نوٹ: آٹا اور ستو میں اولیٰ یہ ہے کہ اگر یہ دینا ہو تو نصف صاع گیہوں کی قیمت کے برابر ہو۔

نوٹ: ہمارے مذہب میں وارث پر فدیہ واجب ہونے کی دو شرائط ہیں، ایک یہ کہ میت مالدار ہو دوسری یہ کہ میت نے وصیت بھی کی ہو۔ ان دو شرائط کی موجودگی میں والیٔ میت پر واجب ہے کہ اس سے فدیہ دیدے تیسرے حصے سے۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ ہوں تو ولی پر لزوم نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمایئے عبارت:

"واز تحقیق بالا بخوبی معلوم شد کہ برائے وجوب فدیہ بر وارث در مذہب ما دو شرط است یکی مالدار بودن میت دوم وصیت کردن میت بران پس در صورت موجود بودن ہر دو شرط بر ولی میت واجب است ادائی کفارۂ وی تا ثلث مال وی و نزد عدم آن لزومش نیست"۔[2]

---

[1] (بیان اللسان، ص ۷۱۴)

[2] (سیف المقدین، ج ۲، ص ۴۵۵)

یعنی ہمارے مذہب میں فدیہ واجب ہونے کی دو شرائط ہیں جو ماسبقہ مذکور ہیں ان دونوں میں اگر ایک نہ ہو تو وارث پر لزوم نہیں ہے۔ اگر تبرع کیا تو جائز ہے لیکن شرط در تبرع یہ ہے کہ ورثاء اہل تبرع سے ہوں یعنی ورثاء میں چھوٹے وارث نہ ہوں یعنی تمام کے تمام بالغ ہوں۔

لہٰذا اب فکر کرنی چاہیئے کہ لوگوں سے نماز وروزے وغیرہ میں کتنی کوتاہیاں اور تقصیرات ہوتی ہیں، کتنی بے جا اور بے محل قسمیں کھاتے ہیں اور نذور مانتے ہیں وفا نہیں کرتے۔ لوگوں کو نفس و شیطان نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ نماز وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں کرتے ہیں حالانکہ ایک حدیث شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ مسلم و کافر کے درمیان فرق صرف نماز چھوڑنے کا ہے اور ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ "جس شخص کی ایک نماز فوت ہوگئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت چھین لیا گیا ہو"۔ یعنی الحاصل احادیث میں نماز کی بہت اہمیت اور چھوڑنے پر سخت عتاب وارد ہوئے ہیں جو کہ ہر ناظر کتاب سے مخفی نہیں ہے۔

دنیا میں اکثر لوگ نماز ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں یعنی اگر نماز ادا نہ کی ہو تو ان کی قضاء کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی مرتے وقت وصیت کرتے ہیں حالانکہ وصیت کرنا واجب ہے کہ ہم سے مافاتہ کی مقدار فدیہ دے دیں اور نہ ہی ان بے انصافوں کو اتنا علم ہوتا ہے کہ ہم سے اتنی تعداد میں نماز یا روزے قضا ہو چکے ہیں، لہٰذا ان لوگوں کے ذمہ جمیع ماوجب باقی رہتی ہے یعنی ان تمام میں اکثر لوگوں سے تقصیرات ہوتی ہیں جو کہ منصف و بصیر آدمی سے مخفی نہیں **الا بعض ماشاءاللہ** کہ انہوں نے ادا کئے ہوں لیکن ان میں بھی احتمال نقصان متصور ہوتا ہے۔ بترک رکن او واجب او شرط۔ یعنی ان میں سے اکثر یہ معلومات نہیں رکھتے اگر معلوم ہو بھی تو اکثر بے پرواہی سے رہ جاتے ہیں، لہٰذا ان کا فدیہ دینے میں کافی[1] مال لگتا ہے۔

جب کہ وارثوں پر از روئے شریعت اتنی مقدار میں فدیہ لازم نہیں ہے کیونکہ میت نے وصیت نہیں کی ہے اور نہ ہی حقیقتاً کوئی اتنی مقدار میں فدیہ دیتا ہے، کیونکہ کار خیر میں نفوس کو زیادہ بخل و شح لگتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک فطری بات ہے کہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنا ایک بھاری بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ ہی لوگ خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ فضول کام ولہویات میں مال خرچ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ کتنا خرچ ہوگیا۔ یعنی اگر سینکڑوں ہزاروں روپے بھی خرچ کرے تو طبیعت ذرہ بھر خراب نہیں ہوتی، اور اگر ایک فقیر ان کے سامنے کھڑا ہو جائے، ایک یا دو روپے کا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرے کیونکہ فقیر کو

---

[1] قولہ: کافی مال کیونکہ ایک سال شمسی کے لحاظ سے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں تو دن میں نمازیں مع وتر چھ (۶) ہوتی ہیں، ۳۶۵*۶ حاصل ۲۱۹۰ سال کی نمازوں کا ہو گیا ہے فی نماز کا فدیہ اگر چار سو روپے ہے تو ۲۱۹۰*۴ حاصل آگیا ۸۷۶۰ روپے فی سال کا فدیہ اگر سال قمری کا لحاظ ہو تو ۳۶۰ دن ہوتے ہیں، یعنی اسی سال روزہ وغیرہ کے واجبات بھی لگادیں تو پھر مثال کے طور پر دس سال کا حساب لگائیں تو اتنی مقدار میں فدیہ نہ کوئی ادا کر سکتا ہے اور نہ کوئی ادا کرتا ہے۔

خوب معلوم ہے کہ نیک کام میں ایسے ہی بزل نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا مبارک نام نہ لیا جائے۔ کیونکہ فقیر کو تو ضرورت ہوتی ہے وہ مجبوراً اللہ تعالیٰ کا نام لے گا، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام سے شرم وحیا محسوس کرکے کچھ عطا کریں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں وہ اس کا نام سن کر کچھ دیں گے بعض لوگ قول "معروف و مغفرة" کی بناء پر کہیں گے کہ بابا معاف کرو، مزدوری کرو۔ آخر دوسرا کام بھی تو آپ کا ہے یا صرف سوال ہی کرتے ہو؟۔ یعنی خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا لوگ زیادہ شوق نہیں رکھتے۔ لہٰذا اتنی زیادہ مقدار میں نہ کوئی فدیہ دیتے ہیں اور نہ ہی از روئے شریعت لازم ہے ولی میت پر۔ کیونکہ میت نے وصیت نہیں کی ہے۔ اور مافاتہ میت کے ذمہ پر لازم پڑا ہے۔ اور ولی میت کچھ قلیل مقدار پر تبرع کرتا ہے، بحسب توفیق جتنی رقم ہو۔ تو ان کے لئے علماء کرام نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے کیونکہ قلیل مقدار جمیع مافاتہ کے لئے فدیہ دینے سے کافی نہیں ہوتا تو اس لئے ورثاء کو کچھ تدبیر کرنا ہوگا جیسا کہ ہمارے علاقے صوبہ خیبر پختونخواہ اور پنجاب کے بعض علاقوں میں اسی طرح بلوچستان و خصوصاً قوم افغان میں عام رواج ہے۔

ہمارے علاقے میں یہ دستور ہے کہ گھر سے جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو متوفی کے گھر والے حسب توفیق گندم وغیرہ کو متعدد چھابوں میں ڈال کر مع قرآن مجید لڑکوں کے سروں پر جنازہ گاہ یعنی جائے جنازہ لاتے ہیں۔ جنازہ کے بعد علماء کرام اور دیگر فقراء جو اس امر کو خوب جانتے ہیں وہ ایک دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک عالم جو اس کو خوب جانتا ہو اس کے سامنے یہ گندم وغیرہ جو مال نقد ہو رکھ دیتے ہیں یہ دائرہ بیس نفر تک کبھی اس سے زیادہ یا کم ہوتا ہے۔ تو اسقاط کرنے والے (باندھنے والے) ولی میت کو آواز دیتے ہیں، کہ وہ آجائے اور اس سے اجازت لے کر تو ولی میت بطیب دل سے ان کو اپنی طرف سے فدیہ کرنے پر وکیل کرتے ہیں۔ پھر وہ عالم اس مال نقد و گندم وغیرہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ بولتے ہیں۔

ہر حق لہ حقوقو دہ باری تعالیٰ نہ چہ لازم الاداؤ پہ ذمہ دادے حاضر متوفی باندے (اس وقت میت کی طرف اشارہ کرے) لہ صلوات لہ زکوٰۃ لہ صیام و لہ نذور لہ کفارات او لہ سائر واجبا تو بعض بہ دہ ادا کری وی او بعض بہ تر فوت شوی وی حالاً دی لہ اداءِ مافات نہ پہ سبب دہ موت سرہ عاجز دی او س پہ بدلہ دھغو حقوق فوتیو کے لدی حاضر متوفی نہ چہ فدیہ تر پشرع کنبے صحیح کیزی دا قرآن مجید او سرہ دلدی مالہ پہ حیلہ داسقاط سرہ ماتات فدیہ[1] کریدہ۔

---

[1] فدیہ، الخ۔ یعنی جتنی مقدار فدیہ اس مال سے ہوتی ہے۔

ہر حق حقوق اللہ جو اس حاضر متوفی کے ذمہ لازم الاداء تھا۔ مثلاً نمازوں، زکوۃ، روزوں، نذور و کفارات اور تمام واجبات سے۔ بعض کہ انہوں نے ادا کئے ہیں اور بعض ادا نہیں کئے ہیں۔ اب فی الحال یہ ادائے مافات سے بسبب موت عاجز ہے۔ اب ان حقوق فوت شدہ کے بدلہ میں یہ فدیہ جو شریعت میں صحیح ہوتا ہے یہ قرآن مجید اور یہ مال مذکور بطور حیلہ اسقاط آپ کو فدیہ دیتا ہوں۔ یعنی جو شخص اسقاط باندھنے والے کے دائیں طرف ہو اس کے ہاتھ میں دیتے ہیں پھر وہ شخص کہہ دیتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔ پھر وہی شخص اپنے دائیں طرف دوسرے آدمی کو دے دیتا ہے اور یہ الفاظ کہہ دیتا ہے، مثلاً کہ طریقہ مذکورہ پر آپ کو فدیہ دیتا ہوں یا بخشتا ہوں وہ تیسرا آدمی کہتا ہے کہ میں قبول کیا، پھر وہ چوتھے آدمی کو دے کر حتیٰ کہ اسقاط باندھنے والوں پہنچ جائے پھر اسقاط کرنے والا یعنی صدر دائرہ اس پر یہی الفاظ بول کر دوسری بار گھمایا کرتا ہے، پھر تیسری بار بھی ایسے ہی دہرایا جاتا ہے، بعض لوگ ایسے کرتے ہیں کہ پہلی بار اس مال اسقاط کو برائے فدیہ نمازوں کے گھماتے ہیں دوسری دفعہ فدیہ روزوں کے لئے پھر تیسری بار ایمان و نذر و کفارات کے لئے۔ یعنی تمام طریقے صحیح ہیں، جب اس عمل کو ختم کریں تو پھر تمام اللہ تعالیٰ سے مغفرت میت اور اس حیلے کی قبولیت برائے فدیہ **اسقاط عن جمیع ما فاته** کے لئے دعا کرتے ہیں، پھر اس مال نقد و غیرہ کو ولی میت کو ھبہ کرتے ہیں، پھر ولی میت جتنی مقدار چاہے اس دائرے میں تقسیم کرتا ہے، اور قرآن مجید کے نسخے وغیرہ کو صدقہ دیتا ہے، اور یہ مذکورہ مروجہ حیلہ جائز ہے۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں جیسا کہ تتارخانیہ وغیرہ کی عبارت گزری **مذهب علمائنا ان كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلق بها عن حرام او ليتوصل بها الىٰ حلال فهى حسنة۔** چنانچہ اس حیلہ کے ساتھ حلال کو وصول ہوتا ہے کیونکہ ورثاء کو بغیر وصیت من المیت فدیہ دینا جائز و حلال تھا از روئے تبرع۔ تو اس حیلہ کے ساتھ توصل حلال کو ہوا کہ فدیہ ادا کرنا ہے۔ کیونکہ حیلہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ مقصود حاصل ہو جائے خفیہ راستے و مباح طریقے کے ساتھ یا فکر کا پھرنا اس حد تک کہ مقصود حاصل ہو جائے، جیسا کہ یہ معنی پہلے گزرے ہیں۔ اور بالضرور اس مال نقد و غیرہ کو بین الرجال ایک دوسرے کو ھبہ کرنا اور درمیان میں دور کرنا مباح چیز ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ جائز ہے یعنی اس حیلہ کے ساتھ میت سے سہل طریقے پر فدیہ ادا ہو جائے گا۔ یعنی ورثاء کو زیادہ نقصان نہ ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر فعلِ انسان ناقص ہے، قبولیت صرف خدائے ذوالکرم کا فضل و احسان ہے پس جب ولی میت نے اس کے بارے میں یہ حیلہ تجویز فرمایا اور میت کے ساتھ احسان کیا تو اللہ تعالیٰ سے بھی یہ امید ہے کہ میت کے ساتھ احسان کریں بدلیل **قوله تعالىٰ: إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف ٥٦)**

اور غالباً میت کے اکثر حالات اس حیلہ کا تقاضا کرتے ہیں، اس لئے ہر ایک کے لئے کیا جاتا ہے کیونکہ میت کے حالات پانچ قسم کے ہیں، تتبع و استقراء کے لحاظ سے نہ از روئے حصر۔

پہلی قسم وہ میت جس نے کچھ مال بھی نہ چھوڑا ہو، اگر اس کے لئے یہ دور اسقاط کیا جائے تو بہتر ہے بات برابر ہے کہ وارث اپنے مال سے تبرع کرے یا کسی سے قرض لے یا ھبہ طلب کرے یا اجنبی اپنے مال سے تبرع کرے۔

دوسری قسم وہ میت کہ جس نے مال چھوڑا ہو لیکن وصیت نہ کی ہو تو اس صورت میں وہ بھی مفلس کی طرح ہے تو اس کے لئے بھی مناسب ہے کہ دورہ اسقاط کیا جائے تبرعاًلا وجوباً۔

تیسری قسم وہ میت کہ اس نے مال تو چھوڑا ہو لیکن وصیت تیسرے حصے سے کم کی ہو اور ما اوصی به اس کے مافاته کے لئے کافی نہ ہو۔ تو اس کے لئے بھی مناسب ہے کہ دورہ اسقاط کیا جائے۔

چوتھی قسم وہ میت کہ جس نے مال بھی چھوڑا ہو اور ثلث مال کی وصیت بھی کی ہو لیکن یہ ثلث مال مافاتہ کے اسقاط کے لئے کافی نہ ہو تو اس صورت میں بھی حیلہ اسقاط مناسب ہے۔

پانچویں قسم وہ میت کہ وہ غنی ہو یعنی مال بھی چھوڑا ہو اور وصیت بھی کی ہو کہ میری مافاتہ کے لئے فدیہ دے دیں، تاکہ میرا ذمہ فارغ ہو جائے اور ثلث مال بھی مافاتہ کے لئے کافی ہوتا ہو۔ تو ورثاء پر واجب ہے کہ اتنی مقدار فدیہ دے دیں۔ اس صورت میں حیلہ کا اختیار کرنا یعنی فدیہ نہ دینا ناجائز و مکروہ ہے۔ کیونکہ تتارخانیہ میں لکھا ہے: مذهب علمائنا ان كل حيلة يحتال بها الرجل لابطال حق الغير او لادحال شبهة فيه فهي مكروهة۔ کیونکہ فدیہ حق فقراء ہے، اور ثلث مال بھی کفایت کرتا ہے، حالانکہ میت نے وصیت بھی کی ہے، تو فدیہ دینے سے انحراف کرنا حیلہ کو ابطال حق الغير ہے۔ اور یہ ناجائز ہے، چونکہ ہمارے علاقوں میں اکثر وصیت نہیں ہوتی تو اس لئے عام لوگوں کے لئے یہ حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے۔ اور یہ حیلہ صرف تکثیر مال کے لئے ہے کہ مال زیادہ ہو جائے اور اس کے ساتھ میت کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ تفضلاً من اللہ۔ لہٰذا اسی وجہ سے کہ یہ جائز ہے۔

علامہ شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مراقی الفلاح میں ذکر کیا ہے، حالانکہ علامہ شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرحوم تعلیقات علی الفوائد البهية في تراجم الحنفية رحمة الله تعالیٰ علیه میں لکھتے ہیں:

وكان من اعيان الفقهاء وفضلاء عصره، الخ۔

شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب عبہ ترین فقہاء میں تھے۔ اور اپنے زمانہ کے فاضلوں میں سے تھے۔

ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وإن لم یوص وتبرع عنه ولیه" أو أجنبي "جاز" إن شاء الله تعالی وإن لم یف ما أوصی به" المیت "عما علیه" أو لم یکف ثلث ماله أو لم یوص بشيء وأراد أحد التبرع بقلیل لا یکفي فحیلته لإبراء ذمة المیت عن جمیع ما علیه أن "یدفع ذلک المقدار" الیسیر لیسیر بعد تقدیره لشيء من صیام أو صلاة أو نحوه ویعطیه "للفقیر" بقصد إسقاط ما یرید عن المیت "فیسقط عن المیت بقدره ثم" بعد قبضه "یهبه الفقیر للولي" أو للأجنبي "ویقبضه" لتتم الهبة وتملک "ثم یدفعه" الموهوب له "للفقیر" بجهة الإسقاط متبرعا به عن المیت "فیسقط" عن المیت "بقدره" أیضا "ثم یهبه الفقیر للولي" أو للأجنبي "ویقبضه ثم یدفعه الولي للفقیر" متبرعا عن المیت "وهکذا" یفعل مرارا "حتی یسقط ما کان" یظنه "علی المیت من الصلاة والصیام" ونحوهما مما ذکرناه من الواجبات وهذا هو المخلص في ذلک إن شاء الله تعالی بمنه وکرمه۔

اگر میت نے وصیت نہ کی ہو اور ولی نے فدیہ دینے میں تبرع کیا یا اجنبی شخص نے تبرع کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ جائز ہے، اور اگر میت نے وصیت جتنی مقدار کی ہو اتنی مقدار مافاتہ کے لئے کفایت نہیں کرتی، یا وصیت تیسرے حصے کی کی تھی لیکن یہ تیسرا حصہ بھی مافاتہ کے لئے کافی نہیں یا میت نے وصیت (ہی) نہ کی ہو تو کسی (وارث یا اجنبی) نے کم مقدار مال کا تبرع کیا۔ جو متروکات یا نواقص کے فدیہ کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ تو اس کا حیلہ تمام ماعلیہ سے میت کا ذمہ فارغ ہونے کے لئے یہ ہے کہ اتنی مقدار کچھ نماز یا روزہ سے فدیہ کا اندازہ لگا کر ایک فقیر کو بقصد اسقاط عن ذمۃ المیت دے دے تو اتنی مقدار میت کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ پھر فقیر قبض کرنے کے بعد ولی میت کو یہ مال بخش دے، یا اجنبی کو بخش دے ولی یا اجنبی اس مال کو قبض کرے تاکہ ھبہ کامل ہو جائے، اور ولی اجنبی کے ملک میں آجائے۔ پھر یہ مال موہوب لہ یعنی ولی یا اجنبی فقیر کو بطور اسقاط دے دے از روئے تبرع تو میت کے ذمہ سے اتنی مقدار میں فارغ ہو جائے گا پھر فقیر، ولی یا اجنبی کو بخش دے کہ ولی اس (مال) کو قبض کرے پھر ولی فقیر کو دے دے بطور اسقاط۔ اسی طرح چند بار یہ عمل دہرایا جائے تاکہ میت کے ذمہ جتنی نمازیں یا روزے وغیرہ واجبات مثل صدقہ الفطر وصدقہ المندورۃ وغیرہ جو کہ ہم نے بیان کیئے ہیں اتنی جتنا کہ گمان ہو تاکہ وہ ساقط ہو جائیں یعنی یہ عمل اتنی بات مکرر کرے کہ جتنا گمان ہو، تاکہ وہ ساقط ہو جائیں اور یہ حیلہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس ماوجب فی ذمۃ المیت سے سبب خلاصی ونجات کا ذریعہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ خداوند پاک کے فضل وکرم سے۔ انتھیٰ۔[1]

[1] (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۴۳۹)

علامہ طحطاوی اس مقام پر در منتقی کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

فی الدر المنتقی انھم اذا ارادوا الاخراج عنہ یحسب عمرہ بغلبة الظن و یخرج عنہ مدة الصبا و ھی اثنا عشر فی الغلام و تسعة فی الانثیٰ و یخرج عنہ بقدرھا ان کان عندھم ما یکفی و الا تدفع مراراً، آہ۔ و ذلک لاحتمال نقصان صلاتہ بترک رکن او شرط فان الکثیر من الناس لا یحسن اداءھا۔

کتاب در منتقی میں لکھا ہے کہ ورثاء کو چاہیئے کہ جب وہ فدیہ کا ارادہ کریں تو میت کی عمر کا غلبہ ظن سے حساب لگائیں کہ مثلاً اتنی عمر ہو گی پھر اس سے بچپن کی عمر نکال لیں کہ وہ لڑکے کا بارہ سال اور لڑکی کا نو سال، پھر اگر ان کے پاس فدیہ دینے کے لئے ہو تو اتنے سالوں کے حساب سے اتنی مقدار میں فدیہ دیں ورنہ پھر چند بار فقیر کے ساتھ ایسا معاملہ کریں (یعنی دور اسقاط کریں) علامہ طحطاوی کہتے ہیں کہ یہ اس لئے کیا جائے کہ شاید نماز میں کچھ نقصان و کوتاہی ہوئی ہو رکن یا شرط کے رہ جانے سے، کیونکہ بہت سے لوگ نماز اچھے سے ادا نہیں کرتے ہیں، انتھی۔

اور منحة الخالق علی بحر الرائق میں بحث کے دوران فرماتے ہیں:

فَحِينَئِذٍ يَجْمَعُ الْوَارِثُ عَشَرَةَ رِجَالٍ لَيْسَ فِيهِمْ غَنِيٌّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الْآيَةَ وَلَا عَبْدٌ وَلَا صَبِيٌّ وَلَا مَجْنُونٌ لِأَنَّ هِبَتَهُمْ لَا تَصِحُّ ثُمَّ يُحْسَبُ سِنُّ الْمَيِّتِ فَيُطْرَحُ مِنْهُ اثْنَا عَشَرَ سَنَةً لِمُدَّةِ بُلُوغِهِ إنْ كَانَ الْمَيِّتُ ذَكَرًا وَتِسْعُ سِنِينَ إنْ كَانَتْ أُنْثَى لِأَنَّ أَقَلَّ مُدَّةِ بُلُوغِ الرَّجُلِ اثْنَا عَشَرَ سَنَةً وَمُدَّةُ بُلُوغِ الْمَرْأَةِ تِسْعَ سِنِينَ ثُمَّ يَأْخُذُ الْوَارِثُ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ وُجُوبًا إنْ أَوْصَى وَاسْتِحْبَابًا إنْ لَمْ يُوصِ أَرْبَعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَاثْنَيْنِ وَسَبْعِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَيْئًا قِيمَتُهُ ذَلِكَ أَوْ يَأْخُذُ الْأَجْنَبِيُّ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ تَبَرُّعًا مِقْدَارُ مَا ذُكِرَ فَيُدِيرُ الْمُسْقِطُ بِنَفْسِهِ وَارِثًا كَانَ أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ أَوْ يُوَكِّلُ غَيْرَهُ فَيَقُولُ الْمُسْقِطُ أَوْ وَكِيلُهُ لِوَاحِدٍ مِنْ الْفُقَرَاءِ هَكَذَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَيَذْكُرُ اسْمَهُ وَاسْمَ أَبِيهِ فَاتَتْهُ صَلَوَاتُ سَنَةٍ هَذِهِ فِدْيَتُهَا مِنْ مَالِهِ نُمَلِّكُك إيَّاهَا وَيَعْلَمُ أَنَّ الْمَالَ الْمَدْفُوعَ إلَيْهِ صَارَ مِلْكًا لَهُ ثُمَّ يَقُولُ الْفَقِيرُ هَكَذَا وَأَنَا قَبِلْتهَا وَتَمَلَّكْتهَا مِنْك فَيَدْفَعُ الْمُعْطِي وَيُسَلِّمُ إلَيْهِ فَيَقْبِضُ الْمُعْطِي فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ فِدْيَةَ صَلَاةِ سَنَةٍ كَامِلَةٍ مُؤَدَّاةٍ ثُمَّ يَفْعَلُ مَعَ فَقِيرٍ آخَرَ هَكَذَا إلَى أَنْ تَتِمَّ الْعَشَرَةُ فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ فِدْيَةَ عَشْرِ سِنِينَ مُؤَدَّاةٍ فِي دَوْرٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَفْعَلُ هَكَذَا مَرَّةً أُخْرَى ثُمَّ وَثُمَّ إلَى أَنْ تَتِمَّ فِدْيَةُ فَوَائِتِهِ بِحَسَبِ الْحِسَابِ فَإِذَا تَمَّتْ فِدْيَةُ فَوَائِتِهِ مِنْ الصَّلَاةِ يَقُولُ الْمُعْطِي لِفَقِيرٍ وَاحِدٍ مِنْ تِلْكَ الْعَشَرَةِ هَكَذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ مَلَّكَك سَائِرَ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ إنْ كَانَ الْمَيِّتُ ذَكَرًا وَإِنْ كَانَ أُنْثَى يَقُولُ فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانٍ مَلَّكَتْك جَمِيعَ مَا وَجَبَ عَلَيْهَا فِي مَالِهَا وَيَفْعَلُ مَعَ كُلِّ فَقِيرٍ كَذَلِكَ فَيَعْتَرِفُونَ كُلُّهُمْ بِالْقَبُولِ ثُمَّ يَهَبُونَهُ الْمَالَ۔

فَيَأْخُذُهُ صَاحِبُهُ وَارِثًا كَانَ أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ عَلَى الْفُقَرَاءِ الْعَشَرَةِ مَا شَاءَ مِنْ الدَّرَاهِمِ وَلَا يَجِبُ تَقْسِيمُ الْمَالِ الْمَذْكُورِ جَمِيعًا عَلَى الْفُقَرَاءِ وَهَذِهِ حِيلَةٌ شَرْعِيَّةٌ وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔

تو اس وقت وارث دس آدمی جمع کریں کہ ان میں (کوئی) غنی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ صدقات بے شک مساکین و فقراء کے لئے ہیں، اور نہ (ہی ان میں) غلام ہو اور نہ ان میں چھوٹا لڑکا ہو اور نہ ہی دیوانہ ہو۔ کیونکہ ان کا ہبہ صحیح نہیں

ہے۔ پھر میت کے سالوں کا حساب کرے اگر میت مذکر ہو تو اس (عمر کے حساب) سے بارہ سال نکالے، اگر مؤنث ہو تو ۹ سال کم کرے۔ کیونکہ اول مدت بلوغت آدمی کی بارہ سال ہے اور اول مدت بلوغت عورت کی ۹ سال ہے۔ پھر وارث مال یتیم سے وجوباً لے اگر میت نے وصیت کی ہو، یا بطریق استحباب۔ اگر وصیت نہ کی ہو یعنی مبلغ چار ہزار بہتر (۴۰۷۲) درہم یا دوسری چیز اتنی قیمت کی لے لے یا اجنبی آدمی اپنے مال سے اتنی مقدار تبرع کریں تو اسقاط کرنے والا اپنے آپ خواہ وارث ہو یا غیر وارث یا دوسرے آدمی کو وکیل بنادیں تو اسقاط کرنے والا یا وکیل ان میں سے ایک فقیر کو بولے کہ یہ فلان ابن فلان اس کا نام اور اس کے والد کا نام ذکر کرے کہ یہ فدیہ اس کی تمام سال فوت شدہ نمازوں کا ہے۔ ہم آپ کو یہ دیتے ہیں بطور تملیک، اور حال یہ ہو گا کہ فقیر قبض کرنے والا یہ سمجھتا ہو کہ یہ میرا ملک ہو گیا۔ یا یہ معنی ہے کہ اس پر یقین کرے کہ یہ میرا ملک ہو گیا۔ پھر فقیر اس طرح کہے کہ ہم نے قبول کیا یا ہماری ملکیت میں آیا۔ تو یہ فقیر پھر معطی یعنی مالک کو دے گا اور مالک اس کو قبض کرے تو اس طرح پورے سال کا فدیہ ادا ہو گا، پھر وارث دوسرے فقیر سے ایسا کرے۔ حتیٰ کہ ان دس آدمیوں (میں سے ہر ایک) کے ساتھ ایسا کرے تو دس سالوں کا فدیہ ادا ہو جائے گا پھر اس طرح دوبارہ کیا جائے حتی کہ ان کا بحسب حساب سالوں کی فوائت نمازوں کا فدیہ پورا ہو جائے۔ جب یہ پورا ہو جائے تو معطی ان میں سے ایک فقیر کو بولے کہ فلان ابن فلان آپ کو مالک کرتا ہے تمام ماوجب علیہ سے اس کے مال میں اگر میت مؤنث ہو تو یہ کہے کہ فلانۃ بنت فلانۃ آپ کو مالک کرتا ہے تمام ماوجب علیہا سے اس کے مال میں اور اسی طرح ہر فقیر کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ تمام فقراء قبول پر اعتراف کریں پھر فقراء وارث کو مال ھبہ کریں۔ صاحب یعنی معطی وہ مال لے لے۔ وارث ہو یا غیر وارث پھر وہ ان فقراء پر کوئی چیز صدقہ کرے جو اس کی مرضی ہو اور یہ واجب نہیں کہ تمام مال فقراء پر تقسیم کرے۔ یعنی حیلہ کے بعد غنی کو بھی دینا جائز ہے یا اپنی ضروریات میں استعمال کرتا ہو اور یہ حیلہ جو مذکور ہوا حیلہ شرعی ہے۔[1]

اما قولہ فلان ابن فلان ملکک، الخ۔ اس عطارت کی دو توجیہہ ہیں ایک یہ کہ قلب پر محمول ہے۔ یعنی یقول المعطی لفقیر واحدٍ من تلک العشرۃ ھکذا املکک سائر ما وجب علیہ من مال فلان بن فلان المتوفی، الخ۔ دوسرا یہ کہ کاتب سے غلطی ہوئی ہے، یعنی املک کی جگہ .ملکک لکھا ہے۔ اور کچھ تقدیم و تاخیر بھی کی ہے۔ حالانکہ اس صاحب کی عبارت جو پہلے گزری ہے نملکک ایاھا، الخ اس کی صحت پر گواہی دیتی ہے۔ لہٰذا صاحب منحۃ الخالق پر اعتراض وارد نہ ہوا کہ اس نے میت کو نسبت کیا ہے، حالانکہ میت تملیک پر قادر نہیں ہے، فافھم۔

اور اس طرح کلام ملکتک میں بھی ہے۔

---

[1] (منحۃ الخالق علی بحر الرائق، ج ۲، ص ۹۸)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

محمد علاؤالدین ابن عابدین حنفی المذہب المعروف بالشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **رسالہ ثامنہ** کو بحث اسقاط میں تالیف کیا، اس کا نام "**منۃ الجلیل لبیان اسقاط ما علی الذمۃ من کثیر و قلیل**" رکھا۔

اس رسالہ کی ابتداء میں رقمطراز ہیں، سبب تالیف بیان کرتے ہیں:

لم یفرد لمسائلها فیما اعلم مؤلف ولم یسبق فی احکامها مصنف مع انها من اهم المهمات الدینیة و الفرائض العینیة حملنی علی جمعها ما رایته و سمعته من بعض جهلة الائمة من الاخلال بما یتعلق باسقاط ما فی الذمة و استعین بالمولیٰ المفیض للخیر و الجود ان یحفظها من شر کل حسود و اسأله تعالیٰ الذی بحبه نتعالیٰ و بنعمة التی علینا فی کل لمحة تتوالی ان ینفع بها کما نفع باصلها انه علی ما یشاء قدیر و بالاجابة جدیر و سمیتها منة الجلیل ذیل شفاء العلیل، الخ۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ مسائل اسقاط کے متعلق جتنا ہمیں علم ہے کسی مؤلف نے ایک مستقبل تالیف نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی کسی مصنف نے احکام اسقاط میں سبقت کیا تھا۔ باوجود یہ کہ مسائل اسقاط اہم مسائل، مہمات دین اور فروض اعیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مسائل اسقاط کے جمع کرنے یعنی تصنیف میں اس لئے میں باعث ہوا کہ ہم نے بعض آئمہ جہاں دیکھتے تھے اور بعض سے سنتے تھے کہ وہ مسائل اسقاط میں خلل و نقصان کرتے تھے (یعنی اس وجہ سے میں نے اسقاط میں خلل و نقصان کرتے تھے (یعنی اس وجہ سے میں نے اسقاط کے بارے میں علیحدہ تالیف کی) اور میں مولی مفیض خیر و کرم سے مدد و دعا چاہتا ہوں کہ اس تالیف کو ہر حاسد کے شر سے محفوظ رکھیں اور میں اس اللہ تعالیٰ سے کہ جس کی محبت کی وجہ سے ہم بلند و اونچے ہوتے ہیں اور اس کی نعمت جو پے در پے ہم پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اس تالیف سے لوگوں کو نفع پہنچائے جیسا کہ لوگوں نے اس کے اصل سے نفع حاصل کیا ہے۔ یعنی "**شفاء العلیل**" کیونکہ اللہ تعالیٰ بے شک جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے اور اجابت کے لائق ہے۔[1]

پھر فرماتے ہیں:

ثم اقول بیان الاسقاط و الکفارة و الفدیة و کونه بوصیة من الشخص اولیٰ من ان یفعله عنه وارثه تبرعاً۔

پھر میں کہتا ہوں بیان اسقاط و کفارہ و فدیہ اور اسقاط دینا بوصیت سے بہتر ہے اس سے کہ اس کے ورثاء اسقاط دیں از روئے تبرع و احسان یعنی بہتری وصیت میں ہے، اگر وصیت کے بغیر بھی دیا جائے تو بھی جائز ہے۔[2]

---

[1] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۰۸)

[2] (مجموعۃ الرسائل، ص ۲۱۰)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

پھر فرماتے ہیں:

و دفع القیمۃ افضل لانہا انفع للفقیر الا زمن الفاقۃ و القحط و العیاذ باللہ۔

اسقاط میں قیمت کا دینا طعام سے افضل ہے کیونکہ فقیروں کے لئے یہ زیادہ نافع ہے۔ مگر زمانہ فاقہ و قحط میں طعام افضل ہے، و العیاذ باللہ![1]

علامہ ابن عابدین کفارات نماز کا دن وماہ وسال کا حساب کرتے ہیں کہ سال کے لئے کفارہ تین غرائر و نصف غرارہ گندم الا اثنی عشر مدًا (لہٰذا یہ بہت زیادہ مقدار ہے اسے کوئی ادا نہیں کر سکتا اگر ان کے پاس ہو تو لکھتا ہے) فیستقرض الولی قیمتہا و یدفعہا للفقیر ثم یستو ھبہا منہ و یستسلمہا منہ لتتم الھبۃ ثم یدفعہا لذلک الفقیر او لفقیر آخر و ھکذا الی فیسقط فی کل مرۃ کفارۃ سنۃ و ان استقرض اکثر من ذلک یسقط بقدرہ و بعد ذلک یعید الدور لکفارۃ الصیام ثم للاضحیۃ ثم للایمان لکن لا بد لکفارۃ الایمان من عشرۃ مساکین و لا یصح ان یدفع للواحد اکثر من نصف صاع فی یوم للنص علی العدد فیہا بخلاف فدیۃ الصلاۃ فانہ یجوز اعطاء فدیۃ صلوات لواحدٍ۔ و کذا الزکاۃ و لو بدون وصیۃ علی المعتمد و مثلہا الحج و یخرج عن کل سجدۃ تلاوۃ کفرض صلاۃ علی الاحوط و عن النوافل التی افسدھا و لم یقضھا و عن النذور و الاضاحی و عن الزکاۃ و الفطرۃ التی علی نفسہٖ و علیٰ من تجب علیہ فطرتہ و العشر و الاخراج، الخ۔

و عن الحقوق العباد المجہولۃ اربابہا و عن الکفارات ثم بعد ذلک لا بد ان یخرج عن سائر الحقوق البدنیۃ ثم یکثر من التطوع لتکثر الحسنات التی یرضی بہا الخصوم، الخ۔

ولی میت کسی اتنی مقدار میں قرض طلب کرے اور ایک فقیر کو دے پھر فقیر سے طلب ہبہ کرے۔ اور وہ چیز اس سے لے لے تاکہ ہبہ کامل ہو جائے۔ پھر وہ چیز اس فقیر کو دے یا دوسرے فقیر کو، اور اسی طرح پھر اس سے طلب ہبہ کرے کہ ہر بار فقیر کو دینے پر ایک سال کا کفارہ ساقط ہو جائے۔ اگر اس مقدار سے زیادہ طلب قرض کریں (یعنی مثلاً دو یا تین سال کے فدیہ کی مقدار) تو اتنے اندازہ میں ساقط ہو جائے گا اس کے بعد اسی طرح اس مال کو روزوں کے کفارہ کے لئے گھمائے، پھر قسموں کے کفارہ کے لئے گھمائے لیکن کفارۂ ایمان میں دس مساکین ضروری ہیں۔ یعنی ایک مسکین کو نصف صاع یا اس کی قیمت سے زیادہ ایک دن میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نص عدد میں وارد ہے، بخلاف فدیہ نماز کے کہ بہت نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو جائز ہے، اور اسی طرح زکوٰۃ کے لئے یہ دور کرے۔ اگرچہ بلا وصیت ہو قول معتمد کے اعتبار سے، اور زکوٰۃ کی مانند حج ہے۔ یعنی اس کے لئے بھی مال اسقاط گھمایا جائے، اور ہر سجدہ تلاوت کے لئے نصف صاع کا فدیہ نکال لے احتیاط کے لحاظ سے اور جو نوافل اس سے فاسد ہوئے ہیں اور اس کی قضاء نہیں لایا ہے ان نوافل کے لئے بھی دور کریں اور زکوٰۃ و صدقہ فطر کے لئے بھی اور

---

[1] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۱۱)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

حقوق العباد جب کہ اُن صاحبان کے نام معلوم نہ ہوں اور کفارات کے لئے بھی دور کریں اور زکوٰۃ وصدقہ فطر کے لئے بھی اور حقوق العباد جب کہ اُن صاحبان کے نام معلوم نہ ہوں اور کفارات کے لئے بھی دور کریں پھر یہ ضروری ہے کہ سارے حقوق بدنیہ کے لئے یہ مال اسقاط گھمائے پھر اس کو از روئے نفل گھمایا کرے تا کہ نیکیاں بہت ہو جائیں کہ اس سے خصم راضی ہوتا ہے،الخ۔[1]

پھر فرماتے ہیں:

والمنصوص علیه فی المذهب وعلیه العمل ان یجمع الوارث عشرة رجال لیس فیهم غنی ولا عبد ولا صبی ثم یحسب سن المیت فیطرح منه اثنتا عشرة سنة المدة بلوغه ان کانت المیت ذکرًا او تسع سنین ان کان انثی وان لم یعلم سنه فیقدر عمر الشخص بغلبة الظن فان لم یوقف علیه قصد الی الزیادة لان ذٰلک احوط ثم بعد التخمین علیٰ عمره یسقط عنه ماذکر من مدة الذکر والانثی ویخرج الکفارة عن الباقی۔

اور جس چیز پر مذہب میں تصریح واقع ہوا ہے اور اس پر عمل بھی ہے وہ یہ ہے کہ وارث دس آدمی جمع کر لیں ان میں غنی وغلام ولڑکا اور دیوانہ نہ ہو پھر میت کے (عمر کے) سالوں کا حساب لگائیں اگر میت مذکر ہو تو بارہ سال نکال لے اگر مؤنث ہو تو نو سال نکال لے، اگر سالوں کا علم نہ ہو تو غلبۂ ظن سے حساب لگائے ورنہ پھر زیادہ حساب لگائیں کیونکہ اس میں احتیاط ہے پھر اس تخمینی اندازے سے مذکر ومؤنث کا اول ہر مدت بلوغ نکال کر ما بقی عمر سے کفارہ نکال لیں۔[2]

پھر فرماتے ہیں:

ومما تعارفه الناس ونص علیه اهل المذهب ان الواجب اذا کثر ادار وصرة مشتملة علی نقود او غیرها کجواهر او حلی او ساعة وبنو الامر علیٰ اعتبار القیمة الخ۔ ثم بعد ذٰلک کله ینبغی ان یتصدق علی الفقراء بشئی من ذٰلک المال او بما اوصٰی به المیت۔

اور جو لوگوں میں متعارف اور اہل مذہب نے تصریح کیا وہ یہ ہے کہ واجب جب بہت ہو جائیں تو لوگ ایک میانی گھمایا کریں جو کہ نقد مال یا غیر نقد مال مثلاً جواہر وزیورات وگھڑی پر مشتمل ہوں اور لوگوں نے قیمت کے اعتبار سے یہ بناء کیا ہو (یعنی ان جواہر اور زیورات وغیرہ کی قیمت متعین کی ہو) پھر اس حیلہ اسقاط کے مکمل کرنے کے بعد کچھ رقم فقیروں کو صدقہ دیں یا جس کی میت نے وصیت کی ہو وہ نکال کر تقسیم کریں۔[3]

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین وھکذا قال فی ج ۱، ص ۲۲۳)

[2] (مجموعہ رسائل ابن عابدین وھکذا قال فی ج ۱، ص ۲۱۱)

[3] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۱۲)

پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

هكذا ينبغي ان يفعل و ان كان الشخص محافظاً علىٰ صلوٰته احتياطًا خشية ان يكون وقع خلل و لم يشعر به۔

اس طرح مناسب ہے کہ یہ دور اسقاط کیا جائے از روئے احتیاط۔ اگر چہ وہ شخص نمازوں کا محافظ ہی ہو، کیونکہ خدانخواستہ کہیں اس سے نماز میں خلل واقع ہوا ہو اور اسے اس کا علم و خبر ہی نہ ہو۔[1]

احتیاط یہ کہ اسقاط کرنے والا وارث ہو۔

عبارت ملاحظہ فرمائیے:

و لكن لا يخفى ان الاحوط ان يباشره الوارث بنفسه او يقول لأخر و كلتك بان تدفع لهؤلاء الفقير هذ المال لاسقاط كذا عن فلان و تستوهب لی من كل واحد منهم الیٰ ان يتم العمل۔

لیکن یہ بات پوشیدہ نہیں کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وارث بذات خود دور اسقاط کرے، یا دوسرے آدمی سے کہے کہ میں نے تمہیں وکیل کر دیا کہ یہ مال فقیروں کو دیں، تاکہ میت سے اسقاط ہو جائے۔ پھر ان فقیروں سے میرے لئے طلب ھبہ کر لیں حتیٰ کہ یہ عمل پورا ہو جائے۔[2]

پھر فرماتے ہیں:

و الاحوط ان يباشره الوارث بنفسه و ان كانت الوكالة العامة كافية بان يوكله وكالة دورية لاخراج ما فی ذمة الميت من سائر حقوق الله تعالیٰ و حقوق عباد المجهولة اربابها بالمال الذی اعطاه اياه و يجعله رسولاً فی قبض الهبة له نعم اذا كان الولی جاهلاً فلا بد حينئذٍ من توكيل من يدرک ذٰلک كله من اهل العلم و الصلاح علی الوجه الذی ذكرناه و الذی نذكره بل يتعين ذلک الوكيل يسقط عما فی ذمه الميت و يتخلص من العهدة ان شاء الله۔

زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وارث بذات خود یہ دور اسقاط کرے اگر چہ وکالت عامہ کافی ہے کہ کسی کو وکیل بنائے دور وکالت۔ تاکہ میت کے ذمہ جو حقوق اللہ یا حقوق العباد نامعلوم مالکان کے ہیں وہ فارغ کرے اس مال سے جو ولی میت نے وکیل کو دیا ہو اس کو قبض ہبہ پر رسول بنائے، ہاں اگر ولی میت جاہل ہو تو وکیل بنانا ضروری ہے اس شخص کا جس کے متعلق اسے معلومات ہوں اہل علم و صلاح سے اس طریقہ سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جو ہم ذکر کرتے ہیں بلکہ وکیل کو متعین کرکے، تاکہ میت کے ذمہ سے سقوط کرے، اور مافاتہ سے اس کا ذمہ بری ہو جائے، ان شاء اللہ تعالی![3]

---

[1](مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۱۲)

[2](مجموعہ رسائل لابن عابدین، ج ۱، ص ۲۲۱)

[3](مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۲۲)

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

ہمارے علاقے میں اسقاط کا امر اہل علم و صلاح والے کرتے ہیں، کیونکہ ولی میت اس کو اچھی طرح سے نہیں جانتے اسی وجہ سے وہ اہل علم کو وکیل بناتے ہیں اس دور اسقاط پر عبارت ملاحظہ فرمائیے:

و اما قولہ فالاحوط، الخ ھذا کلہ اذا کان یحسن ذلک کما ذکرناہ و ان لم یحسن ذلک فیلقنہ من یحسن ذلک من اھل العلم ان امکن و الا فتکون الوکالۃ لاحد اھل العلم العارفین بذلک۔

ولا ینبغی ان یتساھل فی ھذا الامر فان بہ نجاۃ الانسان من عذاب اللہ تعالیٰ و غضبہ قال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

ہر کہ یہ قول ہے کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ولی میت بذات خود مباشر اسقاط ہو وہ تب کہ ولی میت یہ طریقہ جانتا ہو اگر (وہ یہ طریقہ) خوب نہیں جانتا تو وہ ولی کو تلقین کرے کہ وہ شخص جو خوب جانتا ہو اہل علم و صلاح ہے جب کہ تلقین ممکن ہو اگر ممکن نہ ہو تو وکیل کیا جائے ایک اہل علم میں سے جو طریقہ اسقاط جانتا ہو۔ اور یہ مناسب نہیں کہ اسقاط کے امر میں تسامح و چشم پوشی کرے (یعنی ہر آدمی وکیل نہیں بنانا چاہیئے) کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب و غضب سے انسان کو نجات ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے تو۔[1]

اس دائرہ اسقاط میں مندرجہ ذیل امور نہیں کرنے چاہئیں، یعنی ان چیزوں سے احتراز کرنا مناسب ہے:

(۱) دینے والا شخص فقیر کو بلفظ استفہام نہ کہے آیا آپ نے یہ کفارہ قبول کیا فلاں کی نماز سے بلکہ یہ کہے کہ یہ کفارہ فلان ابن فلان کا لے لو۔ یا یہ کہے کہ یہ کفارہ نماز فلان ابن فلان کا ہے۔

(۲) جلدی قبول کرنے سے تمام ایجاب سے پہلے احتراز کرنا ضروری ہے۔ یعنی فقیر لفظ قبلت وصی کے کلام کے بعد کہے اور وصی لفظ قبلت فقیر کے کلام ختم ہونے کے بعد کہے۔

(۳) اس بات سے بھی احتراز کرنا چاہیئے کہ کہیں میانی وغیرہ مال اسقاط فقیر کے ہاتھ میں یا وصی کے ہاتھ میں نہ رہ جائے بلکہ ہر بار ایک دوسرے کو دیتے رہیں تا کہ تسلیم کرنے اور ھبہ قبض سے کامل ہو جائے۔

(۴) اس دائرہ میں قاصر یعنی صبی یا معتوہ یعنی غیر عاقل یا غلام یا مدبر سے بھی احتراز کرنا واجب ہے کیونکہ اگر وصی ان میں سے ہر ایک کو مال دے دے تو وہ اس مال کا مالک بن گیا۔ لیکن اُن میں سے ہر ایک کا ھبہ صحیح نہیں۔

(۵) اس دائرہ میں غنی و کافر بھی نہ ہو۔

[1] (مجموعۃ الرسائل، ج ۱، ص ۲۲۳)

(۶) اس سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے کہ اجنبی اس مال فدیہ کو گھمایا کرے مگر وکالت پر۔ کیونکہ اگر وکالت ہو تو جائز ہے ورنہ وصی یا وارث بذات خود ہو۔

(۷) اس سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے کہ وصی مال دیتے وقت فقیر کو لحاظ مذاق و حیلہ رکھیں۔ بلکہ واجب ہے کہ مال اسقاط فقیر کو دے کر اس بات کا قصد و ارادہ کرے کہ فقیر کی ملکیت ہو جائے۔ از روئے حقیقت نہ کہ از روئے تخیل۔ اس لحاظ سے کہ اگر فقیر نے اس مال کے ھبہ سے وصی کو انکار کیا تو وہ مال فقیر کا ہو گا۔ اور فقیر کو ھبہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ یہ وصی کو ھبہ کرے (یعنی مراد یہ ہے کہ صحیح طریقہ و نیت سے یہ کام کیا جائے کہ وصی یا وارث کی ملک سے زائل ہو جائے اور فقیر کی ملکیت میں داخل ہو جائے۔

(۸) فقیر کی دل شکنی سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے، یعنی اس حیلہ کے بعد فقیر کو راضی کریں جو اس کی مرضی ہو یعنی کچھ مال فقراء کو دے دیں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔

یہ مجموعہ رسائل ابن عابدین، ص ۲۲۵ کی عبارت کا ترجمہ ہے، اختصار کی غرض سے عربی عبارت چھوڑ دی۔

(۹) اس دائرہ میں اس بات کا لحاظ بھی رکھنا چاہیئے کہ ہر فرد دائرہ قبض ورد کو جانتا ہو۔ یعنی اتنا اس کو معلوم ہو کہ قبض کے ساتھ میری ملک ہو گی اور جب دوسرے کو دیا تو میری ملک سے زائل ہوا، یعنی اس دائرہ میں وہ نہ بیٹھے جس کو ایجاب و قبول کا علم نہ ہو، کیونکہ اس دائرہ سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم اپنے نفع کے لیئے کتنی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اس چیز کے لئے بھی کوشش کرنی چاہیئے جس سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہو، کیونکہ یہ حیلہ نفع اموات کے لئے جائز ہوا ہے لہٰذا اسے مندرجہ بالا طریقے سے صحیح نیت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

حاشیہ نوٹ: یہ حیلہ اسقاط فقہاء کرام کی تعلیمات کے مطابق کرنا چاہیئے فقہاء لکھتے ہیں کہ میت کے سالوں کا حساب لگائیں۔ اس کے بعد اول مدت بلوغت نکال کر (مؤنث و مذکر کا) پھر اس اندازے سے مال اسقاط گھمایا کرے یہی مناسب طریقہ ہے اگر کسی نے تخمینی لحاظ سے چند بار گھمایا تو وہ بھی جائز ہے، لیکن جتنا زیادہ گھمائے اتنا ہی میت کو زیادہ نفع ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہمارا مروجہ حیلہ کتب فقہ سے بالکل مخالف ہے کیونکہ ماسبق عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وارث یا وصی یہ مال اسقاط فقیر کو دے پھر وہ فقیر سے طلب ہبہ کرے پھر دوسرے فقیر کو دے اس سے بھی طلب ہبہ کرے الی ھکذا ان یتم العشر۔ اور ہمارے علاقے میں ایسا ہے کہ ولی ان میں سے صرف ایک کو اجازت دیں۔ وہ اس پر الفاظ اسقاط کہہ

کر اپنے دائیں والے آدمی کو دے وہ آدمی لفظ قبلت کہہ کر دوسرے آدمی کو دے لفظ وھبت سے دیتے ہیں الٰی آخرہ حتٰی یتم۔تو یہ طریقہ ظاہراً کتب فقہ سے مخالف ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مال اسقاط گھمانے کے لئے بہت سے طریقے ہیں اور ہر ایک طریقہ جائز ہے۔ **کما قال فی مجموعہ رسائل۔**

ودائرۃ الصرّۃ طرائق

میانی گھمانے کے لئے بہت سے طریقے ہیں غالبًا ہمارا مروجہ طریقہ بہتر ہے۔اس لئے کہ اس میں زیادہ مشقت نہیں ہے وارث ہر بار استیہاب سے بھی بے نیاز ہوگا اور رجوع فی الہبہ سے بھی خالی ہے، چنانچہ اس کا بیان علامہ طحطاوی نے کیا ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فما یفعل الان من تدویر الکفارۃ بین الحاضرین و کل یقول للاخر و ھبت ھذہ الدراھم لاسقاط ما علی ذمۃ فلان من الصلاۃ او الصیام و یقبلہ الاخر صحیح ثم لو اخذھا احدھم عند قبضھا و لم یدفعھا و استقل بھا یفوز بھا علی الظاھر و الاولیٰ بعد تدویرھا ان یتسساو وا فیھا لانھم انما حضرو الیطیعو منھا فنفوسھم متشوقۃ للاخذ لا سیما المساکین منھم۔

جواب کفارہ کو گھمایا جاتا ہے حاضرین کے درمیان اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلان کے ذمہ جو نماز یا روزے تھے یہ دراہم اس کے ذمہ سے بابت اسقاط آپ کو میں نے بخش دیئے ہیں اور دوسرا شخص یہ دراہم قبول کرتا ہے۔ یہ صحیح کام ہے (یعنی یہ حیلہ بھی صحیح ہے اور گھما کر ایک دوسرے کو دینا بھی صحیح ہے) پھر اگر ایک شخص نے قبض کے وقت مال اسقاط اٹھایا یعنی اس پر مستقل ہو گیا یعنی اس پر مستقل ہو گیا یعنی اکیلا ہی اٹھایا تو ظاہر میں اس مال پر کامیاب ہو گیا۔ لیکن اولیٰ بات یہ ہے کہ گھمانے کے بعد اس کو فقیروں میں مساوات برابری سے تقسیم کریں کیونکہ وہ لوگ اس لئے حاضر ہو چکے ہیں تاکہ اس میں سے کچھ دیا جائے اور ان کے نفوس لینے کے مشتاق میں خصوصًا ان میں سے مساکین۔ **انتھی۔**[1]

قال المؤلف یفوذ بھا علی الظاھر کے عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہراً تو مالک ہو گیا لیکن حقیقت میں اس کے لئے یہ مال لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس مال میں باقی افراد دائرہ کے حقوق بھی متعلق ہیں۔ **از روئی عرف۔**

یہ اس وقت کہ دائرہ والوں نے عمل ختم کیا ہو، اگر ختم نہ کیا ہو تو بطریق اولیٰ جائز نہیں کیونکہ جو اس دائرہ سے میت کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا وہ فوت ہو گیا۔

---

[1] (طحطاوی علی الدر المختار، ج ۱، ص ۳۰۸، باب قضاء الفوائت)

کما فی الطحطاوی: لا بد من تکرر القبض والدفع "حتی یسقط ما کان" یظنه "علی المیت من الصلاۃ والصیام" ونحوهما مما ذکرناہ من الواجبات وهذا هو المخلص في ذلک إن شاء الله تعالی۔[1]

قرآن مجید کا رکھنا مال اسقاط میں

قرآن مجید کا مال اسقاط میں رکھنا اور جنازہ سے مقدم لے جانا، قرآن مجید کے ادب کا لحاظ رکھنا مقصد شفاعت ہوتا ہے۔ اور شفیع کا حق یہ ہے کہ مقدم کیا جائے۔

اس کا اصل ایک حدیث ہے مؤطا امام محمد میں لکھا ہے:

أخبرنا مالک حدثنا الزهري قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یمشي أمام الجنازۃ والخلفاء هلم جرا وابن عمر أي عبدالله بن عمر أیضا کان یمشي أمامها وکان من أشد الناس اتباعا للسنۃ۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی ہے وہ زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ سے پہلے جاتے تھے اور اسی طرح خلفائے کرام یعنی ہر ایک اپنی خلافت کے دوران ایسا کرتے تھے اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنازے سے پہلے جاتے تھے وہ لوگوں میں سنت کا زیادہ متابعت کرتے تھے۔ انتھی۔[2]

لہٰذا اس زمانے میں قرآن مجید سے احسن شفیع کوئی نہیں ملتا ہے۔ تو اس وجہ سے مال اسقاط میں رکھ کر جنازہ کے مقدم جنازہ گاہ لے جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی برکت سے میت پر رحم فرمائے۔

اور مال اسقاط میں قرآن مجید بھی گھمایا جاتا ہے

اس قرآن مجید کا مال اسقاط میں رکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس حیلہ کو قرآن مجید کے ذریعہ قبول کریں یعنی قرآن مجید کے توسل سے۔

حالانکہ نبی کریم ﷺ سے توسل بالقرآن ثابت ہے:

یمشی ای قدامها لانه شفیع لها قال اللهم ارحمنی بالقرآن العظیم۔

اے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نازل فرما بواسطہ قرآن مجید۔

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۴۳۹)

[2] (مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع تعلیق الممجد، ص ۱۲۷)(موطأ مالک - روایۃ محمد بن الحسن، ج ۲، ص ۹۱)

یعنی اس کے برکت وطفیل سے قرآن مجید میں ہمارے لئے بے شمار فوائد ہیں بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوگ جہالت وگمراہی سے نکل کر معرفت الٰہی وبصیرت وایمان وایقان کی روشنی میں کھڑے ہو جائیں نیز ہمارے روحانی وجسمانی بیماریوں کے لئے نسخہ شفاء ہے۔

غرض کہ قرآن مجید میں بہت فوائد ہیں اور منجملہ ان فوائد میں سے توسل بالقرآن مجید بھی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے تو لہٰذا قرآن مجید اس مال اسقاط کے ساتھ گھمایا جاتا ہے، علاوہ ازیں جتنی رقم کی مالیت ہو اتنی مقدار میں فدیہ بھی ادا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (آل عمران ۱۰۳)

اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو۔

مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور لوگوں کو تمسک بحبل اللہ سے علماً عملاً ظاہراً باطناً صراحتاً اشارۃ قولاً فعلاً کرنے کا حکم ہے چنانچہ اطلاق آیت سے یہی ظاہر ہوتا ہے پس مجوزین حیلہ اسقاط بصورت دوران قرآن اسی شئی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔[1]

علاوہ ازیں دوران قرآن مجید کا ثبوت خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔

چنانچہ حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا العباس بن سفیان عن ابن علیة عن ابن عون عن محمد عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهم قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ایها المؤمنون اجعلوا القرآن وسیلة لنجاة الموتٰی فتحلقو و قولوا اللهم اغفر لهذا المیت بحرمة القرآن المجید وتناوبو ابایدیکم متناوبة و فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فی أخر الخلافة مثله فی زمانه لامرأة ملقبة بحبیبة بنت عمر بدزوجة قلاب (وفی نسخه ملاب) بجزء القرآن من ومالی لا اعبد الیٰ عم یتساءلون و شاع فعله فی زمان خلافة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه بانکار مروان بعناد و قال الامام السمرقندی رحمة اللہ تعالیٰ علیه ثم اشتهر فی خلافة هارون الرشید رحمة اللہ تعالیٰ علیه من غیر انکار نکیر دوران القرآن لحیلة الاسقاط فأصله ثابت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ و ان لم یذکر فی الکتب المشهورة من الاحادیث و لکنه مذکور فی الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المؤرخ صاحب الفتوح اخبرنا ابو عاصم عن ابن جریح عن ابن شهاب عن ابی مسلمة عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه تداور جزء القرآن فی حلقة عشرین رجلاً بعد صلاة الجنازة لامرأة ملقبة بحبیبة الخ۔

[1] (منهاج الاحتیاط)

ولرجل من قبلة الانصار ماحفظنا اسمه وثبت بهذا السند ایضاً اخبرنا سعد عن ایوب عن جمیع عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه اوجد دوران القرآن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والقرآن شافع للمؤمنین حیاتًا و بعد ممات، انتھی۔

امام ابو اللیث فرماتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی عباس ابن سفیان نے وہ روایت کرتے ہیں ابن علیہ سے وہ ابن عون سے وہ محمد سے وہ عبداللہ سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اے مومنو! قرآن کو مردوں کی نجات کا ذریعہ بناؤ۔

پس حلقہ باندھو اور کہو اے اللہ اس میت کو اس قرآن کی حرمت سے بخش دے اور باری باری ایک دوسرے کے ہاتھوں قرآن لیتے رہو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے آخر زمانہ میں اس طرح ہی حیلہ کیا ایک عورت کے لئے۔ جو حبیبہ سے ملقب عربد کی بیٹی تھی اور قلاب کی بیوی تھی (اور ایک نسخہ میں ملاب کا نام ہے) یعنی قرآن مجید کے ایک جزء من **ومالی لا اعبد** سے لے کر آخر **عم یتساءلون** تک اس کے ساتھ یہ حیلہ کیا اور حضرت عمر کا یہ فعل زمانۂ خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مشہور ہوا لیکن مروان نے از روئی عناد انکار کیا، امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ پھر مشہور ہو گیا۔

ہارون الرشید کی خلافت کے دوران یعنی حیلۂ اسقاط کے لئے دوران قرآن بھی کیا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو اس کا اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ حدیث کی مشہور کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن تاریخ کی بعض کتابوں میں قوی سند کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ مؤرخ صاحب فتوح نے کہا ہے کہ ہمیں خبر ابو عاصم نے وہ ابن جریج سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ ابو مسلمہ وہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس آدمیوں کے حلقہ میں نماز جنازہ کے بعد ایک عورت جس کا لقب حبیبہ تھا کے لئے قرآن مجید کا جز گھمایا، الخ۔

اور ایک انصاری کے لئے جس کا نام ہمیں یاد نہیں اور اسی سند سے بھی ثابت ہے کہ ہمیں سعد نے بیان کیا ہے وہ ایوب سے اور وہ جمیع سے اور وہ عبدالرحمٰن بن ابی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ دوران قرآن کا ایجاد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور قرآن مجید مؤمنوں کے لئے زندگی میں اور بعد از وفات بھی شفاعت کرنے والا ہے۔[1]

لہٰذا امام ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑا فقیہ ہے انہوں نے جو یہ روایت اپنے فتاوی میں درج کی ہے انہوں نے ضرور اس روایت کی سند اور اس کی رجال میں خوب تحقیق کی ہو گی پھر اس کے بعد اپنے فتاویٰ میں درج کیا ہو گا کیونکہ وہ ایسے حضرات

---

[1] (فتاوی سمرقندی)

میں سے نہیں کہ وہ ہمیں بغیر تثبت و تحقیق کے نقل کرلے۔ کیا خوب تحقیق لکھی ہے کہ یہ طریقہ عہد عثمانی میں مشہور ہوا لیکن مروان نے از روئے عناد انکار کیا یعنی اگر یہ غلط کام تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ہم عصر اور صحابہؓ کرام موجود تھے تو کیوں اس ناجائز کام پر خاموش رہے، یعنی اگر واقعی ناحق تھا تو ایسے بڑے حضرات ضرور اس کا انکار کرتے حالانکہ ایک کتاب میں بھی منقول نہیں کہ اس عمل کا ان حضرت نے انکار کیا ہو اگر واقعی انکار کیا ہوتا تو ضرور ہمیں کسی نے نقل کیا ہوتا اور پھر ہارون الرشید کے زمانہ میں بھی مشہور ہو گیا اس وقت بھی کسی نے انکار نہ کیا حالانکہ اس وقت بھی بہت سے اعلیٰ حضرات موجود تھے اور ثانیاً مولوی عبد الغفور نے رفع الخلاف، ص ۷ میں کتاب در مصنفہ حجۃ الاسلام الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ یعنی امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی نقل کیا ہے یہ بھی برائے جواز موید ہوتا ہے۔ رواہ حدیث پر تبصرہ مصنف منہاج الاحتیاط نے خوب کیا ہے ص ۷۰ سے لے کر ص ۷۶ تک جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے، میں نے از روئے اختصار ترک کر دیا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے فقیہ عالم تھے تاہم فن حدیث میں ان کا کوئی درجہ نہیں؟

جواب: یہ ایک بے بنیاد جرح اور بے وزن سوال ہے کیونکہ یہ صاحب رتبۂ فقاہت کے علاوہ بہت بڑے محدث بھی تھے۔ کیونکہ ان دونوں میں اصول مناطقہ کے مطابق عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے جیسا کہ انسان اور حیوان میں یعنی ہر انسان حیوان ہے اور ہر حیوان انسان نہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر خاص میں عام پایا جاتا ہے۔ لیکن ہر عام میں خاص نہیں پایا جاتا جیسا کہ ہر مقید میں مطلق موجود ہوتا ہے کیونکہ مقید مطلق مع القید کا نام ہے، لیکن مطلق میں مقید نہیں پایا جاتا اور یہ ایک طبعی اور فطری قانون ہے کہ جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ الحاصل یہ ہم کہتے ہیں کہ اگر فقیہ محدث نہ ہو تو پھر فقیہ کیسے ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ فقاہت کتاب و سنت سے استخراج مسائل کے ملکہ کا نام ہے اور آدمی فقیہ تبھی ہو سکتا ہے جب اسے کتاب و سنت پر کامل عبور ہو اور پھر ان سے علی وجہ الکمل استخراج مسائل کی قدرت رکھتا ہو۔ گویا فقیہ سے مافوق رتبہ ہے۔ جب یہ حال ہو تو پھر یہ کہنا کہ فلاں فقیہ ہے محدث نہیں روایۃً ورایۃً ٹھیک نہیں موصوف صرف نمائشی محدث نہ تھے بلکہ ایک لاکھ احادیث حفظ ہونے کی وجہ سے حفاظ احادیث میں شمار ہوتے ہیں علوم و فنون فقیہ صغار سے حاصل کئے آپ صرف چار واسطوں سے حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد رشید ہیں اور فقہاء کرام کے طبقہ ثالثہ میں شمولیت کی وجہ سے مجتہد فی المسائل کے منصب عظیم پر فائز ہیں امام موصوف کا فتاویٰ موجود ہے۔

لیکن اب مرور زمانہ کی وجہ سے نایاب ہے۔ اور یہ کوئی قباحت و مذمت نہیں کیونکہ بہت سے ائمہ اسلاف ایسے گزرے ہیں کہ جن کی کتابیں اب بالکل دستیاب نہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اقوال و افکار نقل در نقل ہو کر چلے آرہے ہیں اور آج تک کسی نامور اہل علم نے ان کے منقولات کا انکار نہیں کیا آپ کے بے مثل کردار کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی دروغ گوئی سے کنارہ کش رہے یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ملتقط از منہاج الاحتیاط

علامہ خفاجی نسیم الریاض شرح شفا میں لکھتے ہیں:

السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھذا ھو الامام الجلیل المعروف بامام الھدٰی الفقیہ الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقیہ ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے صاحب مفتاح السعادۃ وغیرہ نے فتاویٰ نہیں لکھا ہے تو اس کا فتاویٰ موجود نہیں ہے۔

الجواب: اول عدم ذکر سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے فتاویٰ نہیں ہے، کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ عدم الذکر لا یدل علی عدم الوجود یعنی ایک چیز کے نہ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں ہوتا ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ ہمارے لئے شاہدین عادلین موجود ہیں۔

(۱) مولانا عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فوائد البھیۃ میں لکھا ہے:

نصر بن محمد بن احمد بن ابراھیم ابو اللیث الفقیہ السمرقندی المشھور بامام الھدیٰ اخذ عن ابی جعفر الھندوانی عن ابی القاسم الصفار عن نصیر بن یحیٰ عن محمد بن سماعۃ عن ابی یوسف و لہ تفسیر القرأن و النوازل و العیون و الفتاویٰ و خزانۃ الفقہ و بستان العارفین و شرح الجامع الصغیر و تنبیہ الغافلین و غیر ذلک۔

اس کی وفات میں مولانا عبد الحئی صاحب نے سات اقوال نقل کیئے ہیں لیکن تین اقوال سن ۳۷۳ھ ان کی وفات میں نقل کیئے ہیں اور یہی سن وفات صحیح ہے۔

مولانا عبد الحئی صاحب نے لکھا ہے:

و قد طالعت من تصانیفہ البستان العارفین و خزانۃ الفقہ و کلھا مفیدۃ۔[1]

[1] (فوائد البھیۃ، ص ۲۸۷)

(۲) اسماعیل بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ان کی کتابوں میں فتاویٰ نقل کیا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نصر بن محمد بن ابراھیم بن الخطاب الفقیہ الحنفی السمرقندی الملقب بامام الھدیٰ توفی سن ۳۷۳ ثلاث و سبعین و ثلاثۃ مائۃ صنف من الکتب بستان العارفین تفسیر القران تنبیہ الغافلین۔ حصر المسائل فی الفروع خزانۃ الفقہ دقائق الاخبار فی ذکر الجنۃ فی النار شرح جامع الصغیر للشیبانی فی الفروع عیون المسائل الفتاویٰ مبسوط فی الفروع، الخ۔[1]

علاوہ ازیں فتاویٰ عالمگیری و نور الھدیٰ وغیرہ میں فتاویٰ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیے ہیں اور کشف الظنون میں لکھا ہے۔[2]

امام سمرقندی کی سند پر کلام اور ان کا جواب

بعض لوگ اس سند پر اعتراض کرتے ہیں، ابن جریج پر اعتراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ثقہ تھے مگر تکمیل خواہش کے لئے حیلہ کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے نوے عورتوں سے نکاح متعہ کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن جریج موضوع و من گھڑت روایات نقل کرتے ہیں نقل از میزان الاعتدال اور امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ابن جریج فی الزھری لیس بشیٔ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ ابن جریج مدلس تھے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابن جریج مشہور مدلس تھے اور صاحب فتوح محمد بن عمر واقدی قابل اعتبار ہی نہیں۔ ابن معین اس کو ضعیف اور لیس بشیٔ کہتے ہیں۔ حاتم و اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا، امام نسائی وغیرہ فرماتے ہیں کہ مشہور کذاب تھے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ مطلق جرح انسان میں کوئی عیب نہیں حتیٰ کہ وہ متروک کیا جائے، بلکہ ان حضرات کے مجروح نامنظور ہیں۔ مولانا عبد الحیٔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و منھا ان یکون الجارح من المتعنتین المشددین فان ھناک جمعًا من ائمۃ الجرح و التعدیل لھم تشدد فی ھذا لباب فیجرجون الراوی بادنی جرح و یطلقون علیہ مالا ینبغی اطلاقہ عند اولی الالباب۔ فمثل ھذا الجارح توثیقہ معتبر و جرحہ لا یعتبر الا اذا وافقہ غیرہ ممن ینصف و یعتبر فمنھم ابو حاتم و النسائی و ابن معین و ابن القطان و یحیٰ القطان و ابن حبان و غیرھم فانھم معروفون بالاسراف فی الجرح و التعنۃ فیہ فلیثبت العاقل فی الرواۃ الذین تفرد و بجرحہ و یتفکر فیہ۔

ایقاظ لا تفتر بقول ابی حاتم فی کثیر من الرواۃ علی مایجدہ من یطالع المیزان و غیرہ، الخ۔

---

[1] (ھدایۃ العارفین، ج ۲، ص ۴۹۰: مطبوعہ استنبول)

[2] (مطبوعات الفتاویٰ علی مذھب الحنفی للامام السمرقندی، ص ۱۲۰۶: مطبوعہ بیروت)

ایقاظ کثیر اما تجد فی میزان الاعتدال وغیرہ فی حق الرواۃ نقلاً عن یحی بن معین انہ لیس بشئ فلا تغتر بہ ولا تظنن ان ذلک الراوی مجروح بجرحٍ قوی فقد قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری فی ترجمۃ عبدالعزیز بن المختار البصری ذکر ابن القطان الفاسی ان مراد ابن معین من قولہ لیس بشئ یعنی ان احادیثہ قلیلۃ انتہی۔

و قال السخاوی فی فتح المغیث قال ابن القطان ان ابن معین اذا قال فی الراوی لیس بشئ انما یرید انہ لم یرو حدیثًا کثیرًا الرفع والتکمیل۔

ترجمہ: بعض جرح کرنے والا متعنت و متشدد ہوتا ہے۔ یہاں ایک گروہ جو ائمہ جروح و تعدیل سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس باب میں تشدد کرتے ہیں، راوی کو معمولی وجہ سے مجروح کرتے ہیں، راویوں پر ایسے عبارات و اطلاقات کرتے ہیں کہ صاحب عقل کے لئے ایسا مناسب نہیں تو اس طرح جاری کی توثیق معتبر ہے اور جرح غیر معتبر ہے مگر جب ان کے ساتھ منصف لوگ موافقت کریں۔ ان جارحین میں سے ابو حاتم، نسائی اور ابن معین و ابن القطان و یحیٰ القطان و ابن حبان اور ان کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات جرح کے لحاظ سے اسراف و تعنت میں مشہور ہیں تو عاقل لوگ ان راویوں میں غور و فکر کریں جن کو خاص انہی اشخاص نے مجروح کیا ہو (یعنی ان کی جرح نامنظور کریں) ایقاظ آپ دھوکہ نہ ہو جائیں ابی حاتم کے قول سے بہت سے راویوں کے متعلق، اس چیز میں کہ آدمی میزان الاعتدال وغیرہ کا مطالعہ کرے، الخ۔

ایقاظ و میزان الاعتدال یا تہذیب میں رایوں کے بارے میں اکثر آپ پائیں گے کہ یحییٰ ابن معین سے منقول ہے کہ فلاں راوی مثلاً لیس بشئ ہے یعنی وہ کوئی چیز نہیں ہے تو کہیں دھوکہ نہ کھالیں اور یہ گمان مت کریں کہ یہ راوی قوی جرح سے مجروح ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں عبدالعزیز بن المختار البصری کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن القطان الفاسی نے ذکر کیا ہے کہ ابن معین کا مراد لیس بشئ سے یہ ہے کہ ان کی احادیث کم ہیں۔

اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں کہا ہے کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ ابن معین جب کسی راوی کے بارے میں لیس بشئ کہہ دے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ اُس نے کثیر تعداد میں احادیث روایت نہیں کی ہیں۔ انتھیٰ۔[1]

اور علامہ عبدالحیٔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پھر فرماتے ہیں:

ایقاظ في بیان خطۃ ابن عدي في کتابہ الکامل قد اکثر علماء عصرنا من نقل جروح الرواۃ من میزان الاعتدال مع عدم اطلاعھم علی انہ ملخص من کامل ابن عدي وعدم وقوفھم علی شروطھما فیہ في ذکر احوال الرجال فوقعوا بہ في الزلل واوقعوا الناس في الجدل فان کثیرا ممن ذکر فیہ الفاظ الجرح معدود في الثقات سالم من الجرح فلیتبصر العاقل ولیتنبہ الغافل ولیتجنب عن المبادرۃ الی جرح الرواۃ بمجرد وجود الفاظ الجرح في حقہ في المیزان فانہ خسران أي خسران۔

[1] (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لمولانا عبدالحیٔ رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۸) (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لمولانا عبدالحیٔ رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ، ۱۶)

ترجمہ: بیداری ہمارے ہم عصر علماء نے میزان الاعتدال سے راویوں پر جرح نقل کی ہے حالانکہ علماء یہ نہ سمجھے ہوئے ہیں کہ میزان الاعتدال کامل ابن عدی سے ملخص ہے۔ اور یہ بھی علماء کو معلوم نہیں ہے کہ ان دونوں کے احوال رجال کے بارے میں کیا شروط ہیں تو اس وجہ سے علماء نے خود (لغزش) کی۔ اور لوگوں کو بھی جنگ و جدل میں واقع کر گئے، کیونکہ کتاب میزان الاعتدال میں بہت سے ایسے لوگ مذکور ہیں کہ جن کے متعلق جرح ذکر کی ہے حالانکہ وہی لوگ ثقافت میں شمار ہیں اور جرح سے بھی سالم ہیں۔ جب معاملہ ایسا ہی ہے تو عاقل لوگ بصیرت سے کام لیں اور جو غافل ہے وہ بیدار ہو جائے۔ تاکہ اپنی جان محفوظ رکھے کہ جلدی سے رواہ پر جرح نہ کرے جب کہ ان کے حق میں الفاظ جرح صرفِ میزان الاعتدال میں موجود ہوں۔ کیونکہ میزان خسران و تاوان ہے، یعنی حقیقت میں یہ میزان نہیں بلکہ خسران ہے، انتھی۔[1]

و فی طبقات شیخ الاسلام التاج السبکی

الحذر کل الحذر ان تفھم ان قاعدتھم ان الجرح مقدم علیٰ التعدیل علیٰ اطلاقھا و لو اطلقنا تقدیم الجرح لما سلم لنا احد من الائمۃ اذ ما من امام الا و قد طعن فیہ طاعنون و ھلک فیہ ھالکون۔

و بعض الجروح صدر من المتأخرین المتعصبین کالدار قطنی و ابن عدی و غیرھما و منھم من عادتہ فی تصانیفہ کابن عدی فی کاملہ و الذھبی فی میزانہ انہ یذکر کل ما قیل فی الجل من دون الفصل بین المقبول و المھمل فیاک ثم ایاک ان تجرح احدًا بمجرد قولھم من دون تنقیدہ باقوال غیرھم کما ذکرت کل ذلک فی السعی المشکور فی رد المذھب الماثور۔

ترجمہ: شیخ الاسلام تاج الدین سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ آپ یہ فہم کر کے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچائیں کہ علماء کا قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل پر علی الاطلاق مقدم ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جرح (بھی) اس کی مقدم ہے کہ جس کی امانت و عدالت ثابت ہو۔ اور متعصب نہ ہو، کیونکہ اگر ہم تقدیم جرح مطلق مان لیں تو (اس طرح) ایک امام بھی سالم نہ رہ جائے کیونکہ ہر ایک (کے بارے) میں طاعنون نے طعن کیا ہے اور بعض جرحین متأخرین متعصبین سے بھی صادر ہو چکے ہیں۔ مثلاً دار قطنی و ابن عدی و غیرھما۔ اور ان میں سے بعض کی اپنی تصانیف میں ایسی عادت ہے مثلاً ابن عدی کامل میں اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میزان الاعتدال میں، کہ وہ (ہر) وہ بات ذکر کرتے ہیں جو کسی کے متعلق کہی گئی ہو لیکن یہ خیال نہیں رکھتے کہ یہ جرح مقبول ہے یا کہ غیر مقبول۔ پس اپنے آپ کو بچائیں پھر اپنے آپ کو بچائیں (اس بات سے) ایک فرد صرف ان اقوال پر مجروح

---

[1] (الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل، ج ۱، ص ۴۳)

کرلے جس کے ساتھ دوسروں کی موافقت نہ ہو۔ جیسا کہ میں نے یہ سب کچھ کتاب سعی مشکور فی رد المذھب الماثور میں بیان کیاہے، انتھی۔[1]

بلکہ انہی حضرات نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی مجروح کیاہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و منھا انہ قد جرحہ سفیان الثوری و الدار قطنی و الخطیبو الذھبی و غیرھم من المحدثین و ھذا قول صدر عن الغافلین فان مطلق الجرح ان کان عیبًا یترک بہ المجروح فلیترک البخاری و مسلم و الشافعی و احمد و مالک و محمد بن اسحاق صاحب المغازی و غیرھم من اجلۃ اصحاب المعانی فان کلامنھم مجروح و مقدوح بل، الخ۔

ترجمہ: مختصرًا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سفیان ثوری و دار قطنی و خطیب و غیرہ نے مجروح کیاہے۔ یہ قول غافلین سے صادر ہو چکاہے، اگر مطلق جرح عیب ہو تو بخاری و مسلم و شافعی و احمد و محمد بن اسحاق رحمھم اللہ تعالیٰ سب کو چھوڑا جائے، کیونکہ ہر ایک مجروح و مقدوح ہے، بلکہ الخ۔[2]

و التالی باطل بالبداھۃ فالمقدم مثلہ۔

بلکہ شیخ الاسلام بدر الدین محمود العینی بنایہ

شرح ہدایہ بحث قرأۃ الفاتحہ میں دار قطنی کے متعلق رقمطراز ہیں:

من این لہ تضعیف ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وھو مستحق للتضعیف فانہ روی فی مسندہ احادیث سقیمۃ و معلولۃ و منکرۃ و غریبۃ و موضوعۃ، انتھی۔

ترجمہ: دار قطنی نے کہاں سے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ضعیف کہاہے۔ بلکہ دار قطنی خود تضعیف کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی مسند میں احادیث سقیم و معلول و منکر و غریب و موضوع روایات کی ہیں۔[3]

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:

فان بعض الجروح التی جرح مبھم کقول الذھبی فی میزان الاعتدال اسمعیل بن حماد بن الامام ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ ثلاثتھم ضعفاء، انتھی۔

ترجمہ: اور بعض جروح جو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر وارد ہوئی ہیں جروح مبہم ہیں۔ اور جرح مبہم غیر مقبول ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھاہے کہ اسمٰعیل حماد کا بیٹا اور حماد جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیٹاہے وہ تینوں ضعیف ہیں۔

[1] (مقدمہ تعلیق الممجد علی موطاء امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۳۱، ۳۲)(مقدمہ تعلیق الممجد، ص ۳۳)

[2] (مقدمہ تعلیق الممجد۔ ص ۳۳)

[3] (مقدمہ تعلیق الممجد، ص ۳۳)

مولوی حمد اللہ صاحب کا جواب البصائر میں

مولوی حمد اللہ صاحب البصائر میں لکھتے ہیں جو انتقاد اس حدیث میں وارد ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ:

امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۳ کما فی الجواھر المضیۃ و فوائد البھیہ و مفتاح السعادۃو ھدیۃ العارفین۔

تو شک نہیں کہ یہ زمانہ زمانۂ اجتہاد تھا۔ مجتہد جب ایک روایت پر تمسک کرے، پھر نقاد اس روایت میں قدح و نقصان بیان کرے تو تمسک کو کچھ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ آیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ اکثر محشی احادیث و فقہ اعتراضات کرتے ہیں کہ احناف کے دلائل بعض ضعیف ہیں یا یہ حدیث غریب ہے، یا ہم نے اسے کتب احادیث میں نہیں پایا اور اسی مانند اور اعتراضات بھی کرتے ہیں تو ہم نے اسے کتب احادیث میں نہیں پایا اور اسی مانند اور اعتراضات بھی کرتے ہیں تو ہم ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اعتراضات تمسک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ہیں اور یہ استدلال کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتا اور ماذ کرنا پر دلیل یہ ہے کہ شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میزان کبریٰ جلد اول میں فرمایا ہے: اگر کوئی (یہ) اعتراض کرے کہ آپ کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کا ادلہ ضعیف نہیں ہے کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و نبی کریم ﷺ کے درمیان راویان جرح سے سالم ہیں، تو آپ کیا جواب دیتے ہیں جیسا کہ بعض حفاظ احادیث کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض ادلہ ضعیف ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پر از روئے یقین حمل واجب ہے ان راویوں پر جو ناقلین نازلین ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سند حدیث میں ان کی موت کے بعد، جب کہ انہوں نے بغیر طریق الامام کے اس حدیث کی روایت کی ہے (یعنی جو سلسلہ سند حدیث میں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا اس کی بجائے دوسرا سلسلہ نقل کیا ہے) یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والا سلسلہ نقل نہیں کیا ہے کیونکہ ہم نے ہر حدیث جو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسانید ثلاثہ میں پائی ہے وہ صحیح ہے۔ اگر صحیح نہ ہوتی ان کے نزدیک تو کیوں انہوں نے اس سے استدلال کیا تھا اور ہمیں وجود کذاب یامتھم بالکذب سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ مثلاً اس سند میں جو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل ہے ہمیں حدیث کی صحت پر مجتہد کا استدلال کافی ہے پھر اس حدیث پر ہمیں عمل کرنا واجب ہے اگر دوسروں نے روایت نہ کیا ہو۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس باریکی میں فکر و تامل کریں شاید آپ اس طرح باریکی (کسی اور) ایک محدث کے کلام میں نہ پائیں گے، الخ اس عبارت بصائر کا ترجمہ عربی الفاظ البصائر میں دیکھیے ص ۳۸، مطبع استنبول۔

یا میزان کبریٰ میں عبد الوہاب شعرانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں ص ۷۰ فی فصل تضعیف قول من قال ان ادلۃ مذھب الامام ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ضعیفۃ غالبًا۔

یعنی مولوی حمد اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث میں جو قدح وارد ہوئی ہے۔ اس سند کے دوسرے طریقے پر ہم حمل کرتے ہیں، یعنی امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس طریقہ پر استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے بلکہ قاضی فارمولی صاحب نے المسائل المنتخبہ میں لکھا ہے:

و نقل الواقدی ذکر عمل عمر رضی اللہ تعالیٰ علیہ الدور و ان قیل بضعف الواقدی اقول این القوی الذی نقل انکار عملہ او نقل تواتر عدم عملہ فالاخذ بالمنقول اولیٰ وھو ما اخبر ابو عاصم عن ابن جریح، الخ۔

ترجمہ: علامہ واقدی نے عمل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی دوران قرآن ذکر کیا ہے، اگر کوئی (یہ) کہہ دے کہ واقدی ضعیف ہے تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ قوی کون ہے جس نے عمل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار نقل کیا ہو۔ یا اس نے نقل تواتر کیا ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی نہیں کہ یہ ثابت کرے تو منقول پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ منقول یہ ہے کہ واقدی کہتا ہے کہ ہمیں ابو عاصم نے خبر دی اسے ابن جریح نے وہ ابن شباب سے وہ ابی مسلمہ سے وہ ابی موسیٰ سے کہ فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الخ۔ انتھی۔[1]

اسماعیل باشا البغدادی مؤلف ہدیۃ العارفین نے واقدی کا ترجمہ کیا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الواقدي - محمد بن عمر بن واقد المواقدی أبو عبد اللہ المدنی الاصل بغدادي المسکن والوفاۃ کان عالما محدثا اخباریا ولد سنۃ ۱۳۰ وتوفی سنۃ ۲۰۷ سبع ومائتین، من تصانیفہ اخبار مکۃ، ازواج النبي صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخ الفقھاء، التاریخ الکبیر، التاریخ والمبعث والمغازی، تفسیر القرآن، الخ۔ حتیٰ کہ ان کی اکتیس (۳۱) تصانیف ذکر کی ہیں۔[2]

اس سند پر کچھ عقلی اعتراضات وجوابات

اعتراض اول: یہ روایت کسی رافضی کی ایجاد ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہارون الرشید کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا نام نہیں لیا ہے۔

جواب: اس سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ رافضی کی ایجاد ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شاید ترک کی کچھ مقتضی تھی۔ اس لئے زمانۂ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مشہور نہ ہوا تھا، بغیر دلیل کے کسی انسان پر رافضی کا حکم مناسب نہیں ہے۔

---

[1] (المسائل المنتخبۃ، ص ۴۸)

[2] (ہدیۃ العارفین، ص ۱۰، الجلد الثانی: مطبوعہ استنبول)

دوسرا اعتراض: اس روایت میں یہ مقصود ہے کہ حضرت عثمان و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں لوگ نماز و روزہ میں لاپرواہی کرتے تھے یہ خلافت راشدہ ہوگی یا غیر راشدہ؟

جواب: اس سے ہر گز یہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں صراحتًا اس کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے کچھ نمازوں میں سہوًا خلل واقع ہو چکا ہو بتر شرط وغیرہ تو احتیاطًا اس کے لئے اسقاط مع دوران قرآن مجید کیا ہو، تو احتیاط سے ای عمل بالا احتیاط سے خلافت راشدہ پر اثر ہونا تو در کنار اس کو اور تقویت دیتی ہے۔

بلکہ عہد نبوی ﷺ میں اس قسم کے واقعات پیش ہوتے تھے کیونکہ حدیث کے الفاظ خود گواہی دیتے ہیں کہ: قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ الحدیث۔

تیسرا اعتراض: حبیبہ اور قلاب وغیرہ کا کتب رجال وغیرہ میں کہیں ذکر نہیں ہے تو کیسے باور کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز و روزہ میں کوتاہی کی، پھر لرجل من انصار کا کیا مقام کیا ہوگا۔

الجواب: حبیبہ و قلاب وغیرہ کا عدم وجدان کتب تواریخ میں مستلزم لعدم الوجود نہیں ہے۔ کیونکہ تمام کتب تاریخ و کتب رجال کا ذخیرہ نہ تو کسی کے پاس موجود ہوتا ہے اور نہ ہی کسی نے تمام کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ورنہ پھر ضرور مل جائے گا۔ اور اس میں صراحتًا صحابی کا ذکر نہیں ہے کہ ان سے نماز و روزہ میں کوتاہی ہوئی تھی۔ بلکہ لرجل من قبیلۃ الانصار کا لفظ ذکر ہے۔ تو اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ نہ صحابی ہو اور نہ انصاری ہو۔ بلکہ ایک شخص مسلمان جو قبیلہ انصار میں رہتا تھا۔

چوتھا اعتراض: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری ایام خلافت میں سرکاری طور پر قرآن کریم کتابی شکل میں یکجا جمع تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وَمَالِیَ سے الیٰ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ تک جزء کا دوران کیا تمام قرآن مجید کا دوران نہ کیا۔

الجواب: اس جزء کے پھیرنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ قرآن مجید یکجا جمع نہیں ہوا تھا، بلکہ جمع ہوا تھا، لیکن چھپا نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہر ایک کو ملا تھا یا اس اسقاط میں یہ جزء موجود تھا، سارا قرآن موجود نہ تھا اس لئے اس جزء کا دوران کیا گیا۔

پانچواں اعتراض: اگر اس حیلہ کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور (یہ حیلہ) عہد عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ میں مشہور ہو گیا تھا۔ تو محدثین نے کتابوں میں کیوں نہیں لکھا؟

الجواب: بعض محدثین کو پہنچا ہو گا لیکن انہوں نے شاید اپنی کتابوں میں اس واسطے درج نہ کیا ہو کہ ان کی شروط کے موافق نہ ہو گا، کیونکہ ہر ایک کی اپنی کتاب میں علیحدہ علیحدہ شروط ہیں۔ اگر ایک بات صحیح بھی ہو لیکن مصنف کی شروط سے موافق نہ ہو تو اسے نہیں لکھتے۔ اور بعض محدثین کو بالکل پہنچا ہی نہ ہو گا۔

چھٹا اعتراض: اوجد دوران قرآن۔ اس کے جعلی ہونے کا قرینہ ہے یہ کوئی سائنس وغیرہ کی ایجاد تو نہیں تھی کہ یہ لفظ کہا گیا امر یا حکم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ الفاظ ترک کر دیئے گئے، کیوں؟

الجواب: عربی ایک وسیع زبان ہے اس میں ہر طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اوجد ہو یا دوسرا لفظ ہو۔ بلکہ اگر ایسی ہی تنگ نظری سے کام لیا جائے تو پھر وصیت سے ذخیرہ احادیث و مسائل فقہ بیکار ہو جانے کا خطرہ ہے۔

ہم نے سند سمرقندی پر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کچھ گفتگو کی کیونکہ فریق مخالف اس پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اب ہم علامہ واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کچھ حقیقت پیش کرتے ہیں۔ حضرت امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توثیق و تضعیف میں اگرچہ اختلاف ہے مگر صحیح توثیق ہے۔ چنانچہ ابراہیم حربی، ابویحییٰ ازہری، یزید بن ہارون، ابوعبید القاسم بن سلام، مصعب زبیری، ابوبکر صفانی، ابوبکر ابن العربی، حافظ ابن جوزی، حافظ درآوردی، مجاہد بن موسیٰ، عباس عنبری، محدث ذھلی، ابوبکر بن شیبہ یہ تمام واقدی کی توثیق پر قائل ہیں، بلکہ بہت سے علماء نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے۔

چنانچہ برائے تسکین قلب چند احناف کے اقوال نقل کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن عمر الواقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہم کہتے ہیں کہ احناف کے ہاں واقدی ثقہ اور قوی ہے:

محمد بن عمر الواقدی وقال ابن ولد واقدی ۱۳۰ھ ومات فی الحجۃ ۲۰۷ھ۔ ذکر الاستاذ الکبیر امام العصر للعلماء الدیوبند الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی المتوفیٰ ۱۳۵۳ھ۔ فائدہ مھمۃ: واعلم انھم تکلموا فی الواقدی وامرہ عندی انہ حاطب لیل یجمع بین رجل و خیل فیاتی کل رطب و یابس، صحیح و سقیم، ولیس بکذاب وھو متقدم عن أحمد واکبر منہ سنًا، ولکنہ أضاعہ فقدان الرفقۃ وقلۃ ناصرہ فتکلم فیہ من شاء واما

الدار القطنی فانه و ان اتی بکل نحو من الحدیث لکنه شافعی المذهب فکثرت حماته فاشتهر اشتهار الشمس فی رابعة النهار و بقی الواقدی مجروحا لا یذب عنه احد فذالک عندی من امر الواقدی أما جمعه بین الضعاف و الصحاح فذالک امر لم ینفرد به هو بل فعله آخرون ایضا۔'' و الاذواق فیه مختلفة فمنهم من یسیر سیرة منهم من یکرهه فلا یاتی الا بالمعتبرات انتہیٰ۔

ترجمہ: ایک اہم فائدہ جان لو کہ لوگوں نے علامہ واقدی کے متعلق مختلف باتیں کہی ہیں۔ میری رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ صحیح و ضعیف احادیث نقل کرتے ہیں لیکن کذاب (یعنی دروغ گو، جھوٹے) نہیں ہیں۔ وہ امام احمدؒ سے زمانہ کے اعتبار سے مقدم (پہلے) ہیں۔ اور عمر کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ اور امام دار قطنی نے اگرچہ ہر قسم کی احادیث مثلاً صحیح و ضعیف نقل کی ہیں لیکن (چونکہ) وہ شافعی المذہب تھے لہذا ان کے حامی اور مددگار بہت تھے۔ دوپہر کے سورج کی روشنی کی طرح مشہور ہوئے اور علامہ واقدی کے ساتھی نہ تھے بلکہ ان کے مددگار بھی کم تھے۔ اور جیسی مرضی تھی ان کے متعلق لوگوں نے باتیں کیں۔ اسی وجہ سے واقدی مجروح ہوئے، کسی نے ان کی مدافعت نہ کی بس میری رائے علامہ واقدی کے متعلق یہ ہے۔ حدیث ضعیف و صحیح کو جمع کرنے میں علامہ واقدی منفرد نہیں۔ دیگر محدثین نے بھی اس طرح احادیث جمع کی ہیں تو پھر کیوں صرف واقدی کو ہی مجروح و داغدار کیا جاتا ہے۔[1]

اور فیض الباری میں تحریر ہے:

نقله عن الواقدی و هو أعلم بهذه الأشیاء۔

''یہ حضرت واقدی سے منقول ہے اور وہ ان چیزوں میں سب سے زیادہ عالم ہے۔[2]

و هذا تقوم به الحجة عندنا اذا وثقنا الواقدی۔

اور علامہ ابن ھمامؒ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک ان کا قول حجت ہے کیونکہ ہم نے واقدی کی توثیق کی ہے۔[3]

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ھمامؒ نے متعدد مقامات پر امام واقدیؒ کے قول کو قبول کیا ہے مثلاً: فتح القدیر ج ۲، ص ۸۱، ص ۹۵، ص ۲۷۳۔ هلم جرّا

---

[1] (فتح الباری، ج ۴، ص ۱۲۶)

[2] (فیض الباری، ج ۲، ص ۱۷۷)

[3] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۶۹)

وقال سعد الزبیری ھو ثقۃ مأمون و اللہ ما رأینا مثلہٗ قط و کذالک قال یزید بن ھارون الواقدی ثقۃ و کذالک قال ابو عبید و قال مجاھد بن موسیٰ ما کتبت عن احد قط احفظ منہ و قال عباس العنبری الواقدی احب الیّ من عبد الرزاق کان ابراھیم الحربی معجباً بہ یقول الواقدی امن الناس علی اھل الاسلام و اعلم ناس بامر الاسلام او فقھا ابو عبید من کتب الواقدی قال الضیعی و حدثنی محمد بن خلّاد قال سمعت محمد بن سلام الجمعی یقول محمد بن عمر الواقدی عالم دھرہٖ و قال الداروردی ذاک امیر المؤمنین فی الحدیث۔

ترجمہ: علامہ سعد زبیری نے فرمایا کہ قسم بخدا کہ میں نے ان کے جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ واقدی ثقہ اور مأمون ہے۔ اس طرح یزید بن ھارون نے فرمایا کہ واقدیؒ ثقہ ہے اور اسی طرح ابو عبیدہ نے بھی فرمایا ہے اور مجاہد بن موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے واقدیؒ سے زیادہ حافظ الحدیث کسی کو نہ پایا اور عباس عنبری نے کہا کہ علامہ عبد الرزاق سے زیادہ مجھے واقدیؒ عزیز ہے۔

ابراھیم حربی واقدیؒ پر تعجب کرتے تھے اور فرماتے کہ واقدی اھل اسلام پر کئی لوگوں سے زیادہ امین ہیں اور اسلام کے بہت بڑے عالم ہیں۔ ابوعبیدہ، واقدی کی کتابوں کی وجہ سے زیادہ بنے۔ اور الضیعی نے فرمایا کہ مجھے محمد بن خلّاد نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن سلام الجمعی سے سنا کہ محمد بن عمر الواقدی اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے اور الداروردی نے فرمایا کہ واقدی حدیث میں امیر المؤمنین ہیں۔[1]

وعن یعقوب بن شیبۃ حدثنی بعض اصحابنا سمعت ابا عامر العقدی یقول نحن نسأل عن الواقدی و انما یسأل الواقدی عنا فما کان یفیدنا الشیوخ و الاحادیث الا الواقدی و قال ابن ابی حاتم حدثنی ابی ثنا معاویۃ بن صالح سمعت سنید بن داؤد یقول کنا عند ھشیم فدخل الواقدای فسألہ ھشیم عن باب ما یحفظ فیہ فقال ما عندک یا ابا معاویۃ فذکر خمسۃ او ستۃ فحدثہ الواقدی بثلاثین حدیثا ثم قال و سألت مالک و سألت ابن ابی ذئب و سألت و سألت قال فرأیت وجہ ھشیم متغیّر۔

ترجمہ: یعقوب بن شیبہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے ابا عامر العقدی سے سنا کہ فرماتے تھے واقدی سے میں پوچھتا تھا اور واقدی مجھ سے پوچھتے تھے۔ ہمیں اساتذہ اور احادیث سے اتنا فائدہ نہ ملا جتنا کہ واقدی سے ملا۔ ابو حاتم نے فرمایا کہ میں نے سنید بن داؤد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ھشیم وہاں تھے کہ واقدی بھی آ گئے تو ھشیم نے واقدیؒ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا جو انھیں یاد تھیں تو واقدی نے فرمایا۔ اے ابو معاویہ آپ کے پاس اس بارے میں کیا ہے؟ تو ابو معاویہ نے پانچ یا چھ احادیث ذکر کیں تو واقدیؒ نے انہیں تیس (۳۰) احادیث بیان کیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ

[1] (المنظم، باب ذکر من توفیٰ ھذہ السنۃ من الاکابر ج ۳، ص ۲۶۵)

میں نے امام مالکؒ سے پوچھا اور ابن ابی ذئبؒ سے پوچھا اور پوچھا ابراھیم حربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مصعب بن عبد اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ واقدیؒ ثقہ اور مامون ہیں۔(یعنی احادیث کے محافظ ہیں)[1]

قال ابراھیم بن جابر الفقیہ سمعت ابابکر الصاغانی و ذکر الواقدی فقال واللہ لولا انہ عندی ثقۃ ماحدثت عنہ قد حدّث عنہ ابوبکر بن ابی شیبۃ و ابوعبید و قال ابراھیم الحربی سمعت مصعب بن عبداللہ یقول واقدی علیہ الرحمۃ ثقۃ مأمون و سئل معن بن عیسیٰ عن الواقدی فقال انا اسأل عن الواقدی، الواقدی سئل عنی و روی جابر بن کردی عن یزید بن ھارون قال الواقدی ثقۃ۔

اور معن بن عیسیٰ سے واقدی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ واقدی مجھ سے پوچھتے ہیں اور میں واقدی سے پوچھتا ہوں اور جابر بن کردی نے یزید بن ھارون سے روایت کیا ہے کہ واقدی ثقہ ہیں۔[2]

واقدیؒ کے بارے میں مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کیجئے:

(۱) تھذیب الکمال جزء ۲۶، ص ۱۹۲، میزان الاعتدال جزء ۳، ص ۶۶۵، (۳) تاریخ دمشق باب محمد بن عمر بن واقد ابوعبداللہ۔ () تاریخ بغداد، ذکر من اسمہ محمد و اسم ابیہ عمر، جز ۱، ص ۴۸۷) (۵) تاریخ الاسلام الذھبی باب طرف میم جز ۴ (۶) التحفۃ اللطیفۃ فی التاریخ المدینۃ الشریفۃ باب حرف عین المھملہ جز ۱، ص ۳۳۶۔ (۷) معجم الادباء باب محمد بن واقد، جز ۲، ص ۴۱۹۔

حضرت علامہ شیخ ابراہیم الحلبیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

والصحیح فی الواقدی التوثیق: قال الشیخ تقی الدین بن دقیق العید فی الامام جمع شیخنا ابو الفتح الحافظ فی اول کتابہ المغازی والسیر من ضعفہ و من وثقہ و رجح توثیقہ و ذکر الاجوبۃ عما قیل فیہ۔

ترجمہ: واقدیؒ کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے امام میں فرمایا کہ ہمارے شیخ ابو الفتح الحافظ نے اپنی کتاب "المغازی والسیر" کی ابتداء میں ان علماء کی رائے کو جمع کیا جنہوں نے واقدی کی تضعیف کی اور جنہوں نے واقدی کی توثیق کی اور پھر واقدی کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے اس کے جوابات کے ذکر کئے ہیں۔

---

[1] (تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۳۲۵)

[2] (سیر اعلام النبلاء، ج ۹، ص ۴۶۱)

علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صدر مدرس دیوبند نے اپنی کتاب "عرف الشذی شرح ترمذی" میں ذکر کیا ہے:

ان الواقدی کذّاب وانہ ضعیف عندالکل فی ابتداء عیون الاثر لابی الفتح ابن سید الناس الیعمری انہ قوی والظاھر انہ لیس بکذاب، اھ۔

یعنی کہا گیا ہے کہ واقدی جھوٹا ہے اور وہ ضعیف ہے سب کے ہاں۔ عیون الاثر جو ابوالفتح ابن سید الناس الیعمری کی تصنیف ہے اس کی ابتداء میں ہے کہ واقدیؒ قوی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ واقدی کذاب نہیں، اھ۔[1]

جب سابقہ دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ واقدیؒ کے بارے میں یہ راجح ہے کہ آپ ثقہ ہیں اب جب کہ ان علماء کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ واقدی کذاب اور غیر ثقہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے فتویٰ مرجوح پر دیا ہے۔

اور صاحب متانہ فرماتے ہیں:

والحکم والفتویٰ بالمرجوح فخلاف الاجماع۔[2]

اور علامہ شیخ علاء الدین الحصکفی المتوفیٰ ۱۰۸۸ھ نے تحریر فرمایا ہے:

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع۔[3]

اور ردالمحتار میں ہے:

وکذا العمل لنفسہ۔۔۔مذھب الحنفیۃ المنع عن المرجوح حتی لنفسہ لکون المرجوح منسوخا، اھ۔

یعنی مرجوح پر حکم وفتویٰ دینا اور عمل کرنا جائز نہیں۔ مذھب حنفیہ یہ ہے کہ اپنے لئے بھی مرجوح پر عمل جائز نہیں کیونکہ مرجوح منسوخ ہوتا ہے۔[4]

امام کبیر علی بن عمر الدارقطنی المتوفیٰ ۳۸۵ھ نے حضرت علامہ واقدیؒ سے مروی احادیث کو مقبول کہا ہے اور اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے:

نا احمد بن کامل نا احمد بن سعید بن شاھین نا محمد بن سعد نا الواقدی نا سفیان الثوری عند محمد بن اسحٰق بھذہ الاسناد نحوہ۔[5]

---

[1] (عرف شذی شرح الترمذی، ص ۱۰)

[2] (متانہ، ص ۸۵)

[3] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۵)

[4] (شامی، ج ۱ ص ۵۵)

[5] (دارقطنی، ج ۱، ص ۲۱، رقم الحدیث ۱۶، واشار فیہ رقم الحدیث ۱۵)

اور اسی طرح فقیہ محدث سورتیؒ نے بھی واقدیؒ کی روایت قبول کر کے تحریر فرمایا ہے:

الصحیح فی الواقدی التوثیق قال الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید فی الامام جمع شیخی ابو الفتح الحافظ فی اول کتاب المغازی والسیر من ضعفه، ومن وثقه، ورجح توثیقه، وذکر الاجوبة عما قیل فیه، انتهی۔[1]

اور اسی عبارت کو ص ۱۲۷ حاشیہ ۳، پر ذکر کیا ہے۔

اور علامہ محمد حسن السنبلی نے فرمایا:

واخرج الدار القطنی من وجه آخر فیه الواقدی، اه۔[2]

آپ نے یہ بھی لکھا:

ان توثیق البعض یکفی فی الاحتجاج عندنا۔

یعنی علامہ دار قطنیؒ نے بھی اپنی تصنیف میں واقدی کو ثقہ مانتے ہوئے آپ کی سند سے حدیث نقل کی ہے۔ اور علامہ وصی احمد السورتی نے بھی فرمایا ہے کہ صحیح بات واقدی کا ثقہ ہونا ہے کیونکہ الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے "الامام" میں لکھا ہے کہ میرے شیخ ابو الفتح الحافظ نے کتاب المغازی والسیر کے اول میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے واقدی کی تضعیف کی یا توثیق کی۔ پھر واقدی کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ واقدی کے بارے میں کہا گیا اس کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ محمد بن حسن سنبلی نے ایک اور طریق سے روایت لی جس میں (بھی) واقدیؒ ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ: ہمارے نزدیک بعض لوگوں کی توثیق کرنا بھی احتجاج (حجت کے لئے) کافی ہے"۔

شیخ علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینیؒ رقمطراز ہیں:

قد اخرج ابن سعد هذه الطرق کلها من روایة الواقدی وهو لیس بحجة (قلت) ماللواقدی وقد روی عنه الشافعی علیہ الرحمۃ وابو بکر بن ابی شیبة علیہ الرحمۃ وابو عبید علیہ الرحمۃ وابو خیثمة علیہ الرحمۃ وعن مصعب الزبیری ثقة مامون وکذا قال المسیبی وقال ابو عبید ثقة وعن الدارور دی: الواقدی امیر المؤمنین فی الحدیث، اه۔

یعنی علامہ بدر الدین عینیؒ نے فرمایا اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابن سعد کے یہ طرق حدیث واقدی کی روایت ہے اور واقدی حُجت نہیں (یعنی اس کا قول دلیل نہیں) میں کہتا ہوں کہ واقدی کو کیا ہوا؟ یعنی اس میں کوئی عیب نہیں تو کیوں وہ قابل روایت اور مقبول نہیں حالانکہ) امام شافعیؒ نے یقیناً آپ سے روایت کی اور ابو بکر بن ابی شیبۃ نے بھی، ابو عبید نے بھی، ابو خیثمہ

[1] (التعلیق الجلی، ص ۶۷، حاشیہ ۱)

[2] (تنسیق النظام علی مسند الامام الاعظم علیہ الرحمۃ ص ۲۴ حاشیہ ۵)

نے بھی روایت کی ہے۔ اور مصعب الزبیری سے مروی ہے کہ واقدی ثقہ اور مأمون ہے اور اسی طرح مسیبی نے بھی کہا ہے اور ابوعبید نے فرمایا کہ ثقہ ہے۔ اور داروردی سے روایت ہے کہ واقدی حدیث میں امیر المؤمنین ہیں۔(فافهم)[1]

مصنف بحر الرائق لکھتے ہیں:

قُلْنَا ما ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ إِثْبَاتٌ و ما نَقَلَ أبو دَاوُد عن الْبُسْتَانِيِّ نَفْيٌ وَ الْإِثْبَاتُ مُقَدَّمٌ على النَّفْيِ۔

ترجمہ: یعنی شیخ واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیر بضاعۃ باغوں کی طرف پانی کا ایک راستہ تھا۔ اس سے ہمارے نزدیک دلیل قائم ہوتی ہے۔ جب کہ ہم نے واقدی کی توثیق کی چونکہ مخالف انہیں ضعیف کہتے ہیں پس ان کے نزدیک دلیل ثابت نہ ہوگی۔[2] حضرت علامہ ابراھیم حلبی مصری شرح منية المصلی میں لکھتے ہیں:

و الصحيح في الواقدى التوثيق، الخ۔[3]

مصنف بحر الرائق لکھتے ہیں:

في ترجيح قول الواقدى ما ذكره اثبات و ما نقل ابو داؤد عن البستاني نفي و الاثبات مقدم على النفي، الخ۔

یعنی واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی ترجیح کے سلسلے میں جو کچھ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا وہ مرتبۂ اثبات میں ہے اور جو کچھ ابوداؤد نے بستانی سے نقل کیا وہ نفی ہے اور اثبات نفی پر مقدم ہے (لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے قول الواقدی راجح ہے)۔

اور مولانا حافظ محمد یوسف امیر جماعت تبلیغی امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الواقدى و ان اختلف المحدثون في جرحه و تعديله لكنه رأس في المغازى و السير و الاخبار و الحوادث الكائنة في وقت النبي ﷺ و بعد وفاته و هو من اهل المدينة فلا شك انه اعلم بحالها، الخ۔ اما في الاحب و في شرح معانی الآثار۔

ترجمہ: واقدی کے متعلق اگرچہ محدثین مختلف خیالات رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ موصوف مغازی، سیر، اخبارات اور حوادث میں (جو حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک اور آپ ﷺ کے وصال شریف کے بعد پیدا ہوئے) بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اہل مدینہ میں سے ہونے کی وجہ سے حالاتِ مدینہ منورہ کو خوب جانتے ہیں۔

---

[1] (عمدۃ القاری، ج ۴ ا، ص ۰ ا، ملتان، باب کثرۃ النساء، و نسخہ دیگر، ج ۲۰، ص ۶۹، بیروت)

[2] (بحر الرائق، ج ا، ص ۸۳)

[3] (فصل فی احکام الحیاض، ص ۹۳، کبیری)

اور آخر میں صدر مدرس دیوبند شیخ محمد انور شاہ کشمیری کی عبارت پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

فائدةٌ مهمةٌ: واعلم أنهم تكلَّمُوا في الواقديِّ، وأمره عندي أنه حاطب ليلٍ، يَجْمَعُ بين رجلٍ وخيلٍ، فيأتي بكلِّ رطبٍ ويابسٍ، صحيحٍ وسقيمٍ، وليس بكذّابٍ، وهو متقدِّمٌ عن أحمد، وأكبرُ منه سِنّاً، ولكنه أضاعه فقدان الرفقة، وقلة ناصريه، فتكلَّم فيه من شاء. وأمَّا الدّارَقُطْنيُّ، فإنه وإن أتى بكلِّ نحوٍ من الحديث، لكنه شافعيُّ المذهب، فَكَثُرَتْ حماته، فاشتهر اشتهار الشمس في رابعة النهار، وبَقِي الواقديُّ مجروحاً، لا يَذُبُّ عنه أحدٌ. فذلك عندي من أمر الواقديِّ. أمَّا جمعه بين الضعاف والصحاح، فذلك أمرٌ لم يَنْفَرِدْ به هو، بل فعله آخرون أيضاً۔

ترجمہ: ایک اہم فائدہ سمجھو کہ لوگوں نے علامہ واقدی کے متعلق باتیں کی ہیں میری رائے ان کے متعلق یہ ہے کہ وہ صحیح اور ضعیف احادیث نقل کرتے ہیں لیکن کذاب (دروغ گو) نہیں ہیں۔ وہ امام احمد سے زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہیں اور عمر کے لحاظ سے بھی بڑے ہیں اور امام دار قطنی نے اگرچہ ہر قسم کی احادیث یعنی صحیح وضعیف نقل کی ہیں لیکن وہ شافعی المذہب تھے اور ان کے حامی و مددگار بہت تھے تو سورج کی طرح مشہور ہوئے۔ اور علامہ واقدی کے ساتھی نہ تھے اور ان کے مددگار کم تھے اور جیسی مرضی تھی لوگوں نے ان کے خلاف باتیں کیں، اسی وجہ سے واقدی مجروح رہ گئے۔ کوئی ان سے مدافعت نہ کرتا تھا۔

بس یہ ہے میری رائے علامہ واقدی کے متعلق ہر کہ جمع کرنا بین حدیث ضعیف و صحیح یہ ایسا امر ہے کہ اس میں علامہ واقدی منفرد (یعنی اکیلا ہے) نہیں دیگر محدثین نے بھی اس طرح نقل کی ہے (یعنی کیونکر اس وجہ سے اکیلا ان کو مجروح اور داغدار کیا جاتا ہے)۔[1]

الحاصل صاحب فتوح محمد بن عمر واقدی کے توثیق کے بارے میں آپ نے عبارت ملاحظہ کئے اگر بالفرض ازروئے حدیث ان کو ضعیف بھی تسلیم کیا جائے۔ تو ازروئے تاریخ قوی ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے نقل فقہاء کرام جس کا بیان پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ برائے جواز حیلہ اسقاط کافی ہے، تو پھر یہ تاریخی حیثیت کے لحاظ سے ہمارے لئے مؤید بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ توسل بالقرآن حدیث سے ثابت ہے اور قرآن مجید کی جتنی مالیت باعتبار کاغذ وطباعت مال متقوم ہونے کی وجہ اتنی مقدار فدیہ دینے میں بھی ادا ہوتا ہے۔

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ج۷، ص۲۰۸)

حیلۂ اسقاط پر اعتراضات اور ان کے جوابات

اس مسئلہ پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ تو کوئی معقول اعتراضات نہیں ہیں لیکن اس طرح بعض مسلمانوں کے قلوب میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جوابات دیتے ہیں۔

اعتراض اول: حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جائیں گے کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارہ کریں گے۔ اس لئے یہ بند ہونا چاہیئے۔

جواب: یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہ بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہو جاتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب غریب کو معلوم ہوتا ہے کہ اسے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت کئے ملے گا تو وہ محنت کیوں کرے گا، اسی طرح جب کہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو وہ خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے۔ اسی طرح یہ اعتراض بھی فضول ہے کہ جو شخص فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا۔ اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا۔ اگر کوئی شخص مسئلۂ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی استعمال کرنے والے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی۔ نیز یہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہمیں تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بناء پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراض دوئم: کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا جس سے اُن پر عذاب الٰہی آ گیا۔ اور وہ بندر بنا دیئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (البقرۃ ۶۵) تو معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث ہے۔

الجواب: حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیلیوں پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے اور نبی کریم ﷺ کی امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے روپیہ کی ضرورت ہے۔ زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا، کسی فقیر کو زکوٰۃ دی، اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے مسجد پر خرچ کر دیا یا دوسرے کو دے دیا اس طرح حیلے جائز ہیں۔ نیز بنی اسرائیل نے حرام کا ارتکاب کیا۔ یعنی **یوم السبت** میں مچھلی کا شکار کیا یا حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو بند کیا پھر اتوار کے دن نکال لیا۔

حاشیہ:(نوٹ) یہ اعتراض تو بالکل اس طرح ہے کہ جیسے ایک آدمی کے پاس ہتھیار ہے وہ اس کو اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے رکھ رہا ہے لیکن دوسرا آدمی اعتراض کرنا شروع کردے کہ بھئی ہتھیار کیوں رکھ رہے ہو؟ اس سے تو تم ڈاکے ڈالوگے ناحق خون کروگے اللہ تیرا بھلا کرے جب وہ اپنے ہتھیار کو منہی کام کے لئے استعمال کرے تب اس کے لئے ٹھیک نہیں، نہ کہ جو بیچارہ جائز کام کے لئے رکھے اس کو بھی پہلے ہی مؤردالزام ٹھہرائے۔

جیسا کہ تفسیر زادالمیسر میں لکھاہے:

و فی صفۃ اعتدائھم فی السبت قولان احدھما انھم اخذوا الحیتان یوم السبت قالہ الحسن و مقاتل، والثانی انھم حیسوھا یوم السبت و اخذوھا یوم الاحد و ذلک، الخ۔

ترجمہ: اور ان کے تجاوزِ یوم السبت میں دو قول ہیں حسن و مقاتل کا قول یہ ہے کہ وہ سنیچر کے دن مچھلیوں کو پکڑتے تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سنیچر کے دن مچھلیاں بند کرتے تھے اور اتوار کو پکڑ لیتے تھے۔ اور ایسے حیلے تو اب بھی منع ہیں۔[1]

جیسا کہ ہم نے آپ کو بیان کیا کہ برائے ابطال حق غیر یا اس میں شبہی ڈالنا یا تحلیل حرام کے لئے حیلہ کرنا مکروہ و ممنوع ہے اور وہ حیلہ جو حرام سے بچنے کے لئے کیا جائے یا حلال کو وصول کرنے کے لئے کیا جائے جائز ہے۔ جیسا کہ اشباہ و النظائر و مبسوط السرخسی و عالمگیری کی عبارات میں واضح ہو چکا ہے۔ لہٰذا حیلہ اسقاط جائز حیلوں سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ یہ تکثیر مال کے لئے حیلہ ہے اور خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می طلبد　　　　رحمت حق بہا نمی طلبد

یعنی خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے۔

اعتراض سوئم: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ اسقاط قبیح ہے کیونکہ اس میں بار بار ھبہ دے کے رجوع کرتے ہیں اور رجوع فی الھبہ قبیح ہے تو حیلہ اسقاط بھی قبیح ہے تو اسے ترک کرنا چاہیئے۔

قال رسول اللہ ﷺ لیس لنا مثل السوء العائد فی ھبتہ کالکلب یقیئ ثم یعود فی قیئہ۔

الجواب: پہلے معنی رجوع فی الھبۃ سمجھنا ضروری ہے۔ رجوع فی الھبۃ اسے کہتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو کوئی چیز بطور ھبہ دے دے پھر واھب اس میں رجوع کرے کہ چیز مجھے دے دو یا واپس کر دو مثلاً یا فعل سے رجوع ہو کہ وہ چیز اس سے واپس لے لے۔ تو اسے کہتے ہیں رجوع فی الھبۃ اگر موھب لہ یعنی جسے ھبہ دیا گیا ہو اس نے اپنی طرف بطیب قلب بغیر مطالبہ منہ واھب کو چیز واپس کی تو یہ رجوع نہیں ہے کیونکہ رجوع راجع کی صفت ہے اور راجع واھب ہو سکتا ہے نہ کہ موھوب لہ یعنی رجوع اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ واھب کا مطالبہ ہو اگر موھوب لہ نے بغیر مطالبہ دیا ہو تو اسے رجوع نہیں کہتے ہیں بلکہ ھبہ جدید ہو گیا۔ لہٰذا اس مروجہ حیلہ میں اولاً ولی میت ایک شخص جو اسقاط کے امر خوب جانتا ہو اسے مال ھبہ

---

[1] (تفسیر زادالمیسر، ج ۱، ص ۹۴)

کریں اور اسے اس کام پر وکیل بنادے۔ پھر وہ شخص اس مال (اسقاط) پر الفاظ اسقاط پڑھ کر دوسرے شخص کو ھبہ دیتا ہے وہ تیسرے شخص کو، وہ چوتھے کو حتٰی الی الاٰخرہ ایک دوسرے کو ھبہ کرتے ہیں اور آخر میں یہ مال اسقاط باندھنے والے کو موصول ہو جائے بغیر رجوع و مطالبہ پھر چند بار اس طرح گھمایا جائے کہ یہ عمل اسقاط ختم ہو جائے۔ پھر یہ مال ولی میت کو بغیر رجوع و مطالبہ منہ بطور ھبہ دے دیں۔ تو مثل سوء میں اصلاً داخل نہ ہوا۔

جیسا کہ منحۃ الخالق میں لکھا ہے:

ثم یھبونہ المال فیأخذصاحبہ۔ الخ۔ یعنی الحاصل اس حیلۂ اسقاط میں رجوع فی الھبہ بالکل ہے ہی نہیں، حتٰی کہ اعتراض وارد ہو جائے۔ بلکہ ہمارے مذہب میں رجوع فی الھبہ جائز ہے، اگرچہ مکروہ ہے۔ جبکہ ھبہ غیر ذی رحم محرم کو دیا ہو۔

چنانچہ مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں، اس کے تحت لکھتے ہیں:

قال محمد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) و بھذا ناخذ من وھب ھبۃ لذی رحم محرم او علیٰ وجہ صدقۃ فقبضھا الموھب لہ فلیس للواھب ان یرجع فیھا۔ ومن وھب ھبۃ لغیر ذی رحم و محرم و قبضھا فلہ ان یرجع فیھا ان لم یثب منھا او یزد خیرًا فی یدہ او یخرج من ملکہ الیٰ ملک غیرہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والعامۃ من فقھائنا۔[1]

موانع رجوع فی الھبۃ اشیاء یجمعھا ھذہ الحروف

ومانع عن الرجوع فی الھبۃ یا صاحبی حروف دمع خزقۃ۔

یہ ہمارے مذہب میں رجوع فی الھبہ کے لئے چند موانع ہیں، اگر یہ موانع موجود ہوں تو رجوع صحیح نہیں ہے، اگر غیر موجود ہوں تو رجوع صحیح ہے:

(۱) الدال عبارۃ عن الزیادۃ المتصلۃ کالفرس والبناء والسمن۔

(۲) والمیم عبارۃ عن موت احد المتعاقدین۔

(۳) والعین عبارۃ عن العوض۔

(۴) والخاء عبارۃ عن خروج الھبۃ عن ملک الموھوب لہ۔

(۵) والزاء عبارۃ عن الزوجیۃ ای اذا وھب لزوجتہ ثم ابانھا لیس لہ الرجوع فی الھبۃ۔

(۶) والقاف عبارۃ عن القرابہ فلو وھب لذی رحم محرم منہ لا یرجع۔

(۷) والھاء عبارۃ عن ھلاک العین الموھوبۃ۔ فانہ مانع من الرجوع و انما یصح الرجوع بتراضیھما او بحکم الحاکم۔

---

[1] (موطاء امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۳۴۹، باب الھبۃ و الصدقۃ)

هذه الکل من تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الهبة۔

یہ دونوں عبارات برائے تسہیل طلباء نقل کیں ورنہ کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔

اعتراض چہارم: اس طرح حیلہ اسقاط کرنے پر دفن میں تاخیر ہو رہی ہے اور یہ تاخیر مکروہ ہے، لہٰذا حیلۂ اسقاط نہیں کرنا چاہیئے۔

الجواب: تاخیر مکروہ ہے لیکن جو دنیاوی کام کے لئے ہو اگر دینی وجہ سے دفن میں تاخیر کی جائے تو یہ تاخیر تاخیر نہیں حقیقتًا۔ کیونکہ اس حیلہ میں فراغت ذمة المیت عن ما وجب سے ہوتی ہے۔یعنی اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کریں اس حیلہ کے ذریعے سے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید نہیں بلکہ مجموعہ رسائل میں لکھا ہے:

و ینبغی ان یغدی قبل الدفن و ان جاز بعده۔

ترجمہ: مناسب ہے کہ فدیہ دفن سے پہلے دیا جائے، اگرچہ دفن کے بعد بھی جائز ہے۔

اعتراض پنجم: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس حیلہ اسقاط کا امر نہیں کیا ہے، لہٰذا اسے ترک کرنا واجب ہے۔

الجواب: اگرچہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے امر نہیں کیا ہے لیکن حیلہ اسقاط سے منع بھی نہیں کیا ہے، اور کسی چیز کا ترک کرنا نہی پر موقوف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔(الحشر ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

علامہ آلوسی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

و استنبط من هذه الأیة ان وجوب الترک یتوقف علیٰ تحقق النهی و لا یکفی فیه عدم الامر فما لم یعترض له امرًا و لا نهیا لا یجب ترکه۔

اس آیت سے یہ مستنبط ہوا کہ وجوب بترک نہی صریح کے وجود پر موقوف ہے، یعنی امر کا نہ موجود ہونا کافی نہیں ہے۔ چنانچہ جس چیز کے لئے نہ امر معترض ہو نہ نہی، تو اسے ترک کرنا واجب نہیں ہے۔ انتهٰی۔[1]

الحاصل:

جب یہ معلوم ہوا کہ ایسی چیز کو ترک کرنا واجب نہیں ہے تو یہ بالضرور معلوم ہوا کہ اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔[2]

---

[1](روح المعانی، ج۲۸، ص۴۴)

[2]لا یجب ترکه سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا نہ کرنا بھی جائز ہے لیکن اب حیلہ اسقاط کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے کیونکہ میت کے لئے نافع و مفید ہے۔

تو لہٰذا اگر حیلہ اسقاط میں صریح امر نہیں ہے، تو نہی بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس کا ذکر کرنا جائز ہے۔ اور کسی چیز کو اپنی رائے سے بدعت سیۂ کہنا یعنی بغیر دلیل شرعی اسے برا سمجھنا بہت بڑا گناہ اور جرم ہے۔

ایک شاعر نے کیا سچ کہا ہے:

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر — دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

فھم ینکرون مالم ینکر۔

اعتراض ششم: اس حیلہ اسقاط کے مجوزین کے پاس نہ تو آیت ہے اور نہ ہی حدیث ہے، بلکہ صرف فقہی عبارات پیش کرتے ہیں۔ اور حالانکہ وہ ایسے فقہاء کرام ہیں کہ نہ تو مجتہدین ہیں اور نہ اصحاب التخریج ہیں، بلکہ مقلدین محض ہیں، لہٰذا یہ حیلہ اسقاط بدعت ہے۔

الجواب: بدعت کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کا مخالف و مغیر ہو۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث: من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

یعنی احداث کرد چیزے کہ نیست در کتاب وسنت نہ صریحاً ونہ مستنبط از وے ونہ حکم کرد بصحت وے کتاب پس شامل شد اجماع و قیاس را و مراد چیزے است کہ مخالف و مغیر آن باشد۔

ترجمہ: یعنی بدعت اس چیز کو کہتے ہیں کہ کتاب اللہ و سنت نبوی ﷺ میں نہ صریحًا و نہ مستنبطًا موجود ہو اور اس سے وہ چیز مراد ہے جو کہ قرآن و حدیث کا مخالف و مغیر ہو۔ تو بدعت کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے لئے دین میں اصل نہ ہو، نہ صراحتًا و نہ اشارۃً۔ بلکہ قرآن و حدیث کا مخالف ہو اور حالانکہ کتاب اللہ میں تمام اقسام شامل ہیں، یعنی عام و خاص و دلالۃ النص و عبارۃ النص و اقتضاء النص و اشارۃ النص و غیرہ اقسام کتاب اللہ۔ اور اسی طرح سنت میں حدیث متواتر و مشہور و خبر واحد اور اسی طرح حدیث قولی و حدیث فعلی و حدیث تقریری سب شامل ہیں۔ یعنی بدعت وہ چیز کہ اس کا ثبوت نہ تو اقسام کتاب اللہ سے ملے اور نہ ہی اقسام حدیث سے۔

حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں:

والبدعۃ مالم یثبت من الشارع لا قولاً ولا فعلاً ولا صریحًا ولا اشارۃً۔

ترجمہ: بدعت وہ چیز ہے کہ اس کا ثبوت شارع سے نہ قول سے ہو نہ فعل سے اور نہ صریحًا ہو اور نہ اشارۃً ہو۔[1]

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

والماخوذ من الادلۃ الشریعۃ لیس ببدعۃ۔

ترجمہ: اور جو چیز ادلہ شرعیہ سے اخذ کی گئی ہو وہ بدعت نہیں ہے۔[2]

اور فقہی مسئلہ میں قاعدہ ایسا ہے کہ اگر مقلد نے مجتہد سے نقل کیا ہو مسئلہ میں تو ہمیں اس کی اتباع لازم ہے۔ اگر مقلد نے خود اپنی طرف سے یا دوسرے مقلد سے نقل کیا ہو پھر بھی اتباع لازم ہے۔ اگر اس نے دلیل شرعی بیان کی ہو تو اس میں کچھ کلام نہیں، اگر بیان نہیں کیا ہو تو مقلد کے کلام کو نظر کیا جائے اگر اصول و کتب معتبرہ کے موافق ہو تو ان پر عمل کرنا جائز ہے۔ اگر ان سے مخالف ہو تو عمل کرنا مقلد کے کلام پر جائز نہیں۔ چنانچہ جب ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ حیلۂ اسقاط نہ ہو تو قرآن و حدیث سے مخالف ہے اور نہ ہی کتب معتبرہ سے مخالف ہے بلکہ ان کے موافق ہے تو لہٰذا بدعت نہیں ہے۔

بلکہ جن حضرات نے ہمیں یہ حیلہ نقل کیا ہے ان میں سے ایک عمدۃ المتأخرین علامہ ابن عابدین المعروف بالشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں، حالانکہ وہ خود مجموعۃ الرسائل، ص ۱۷۹ میں لکھتے ہیں کہ مقلد کا کلام بغیر دلیل شرعی قبول نہیں ہے۔

جب شامی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ مقلد کا کلام بغیر دلیل شرعی حجت نہیں تو اس سے صراحتًا یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ انہوں نے ضرور اس حیلہ اسقاط کے لئے اولاً ایک دلیل شرعی پایا ہو یا دلائل شرعیہ سے اُسے اخذ کیا ہو، پھر ہمیں نقل کیا ہو۔ حالانکہ فقہ ثمرۂ احادیث ہے۔

چنانچہ اسی صاحب نے منحۃ الخالق میں اور اسی طرح طرح علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طحطاوین میں اور صاحب در منتقیٰ و علامہ شرنبلالی وغیرہ فقہاء کرام نے ہمیں یہ حیلہ نقل کیا ہے۔ اگرچہ یہ اصحاب مجتہدین نہیں ہیں، لیکن مجتہد کے زیادہ تابعین تھے، ان سے مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی کتابیں مجتہدین کی تائید میں لکھی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے نفوس اپنے مذہب کی تحریر و تقریر کے لئے وقف کئے ہیں۔ تو انہی حضرات پر یہ گمان نہ کیا جائے کہ انہوں نے ہمیں اپنی کتابوں میں اپنی رائے سے مسائل نقل کیے ہیں۔

فان مثل ھؤلاءِ الفقھاء الناصرین للاسلام حاشاھم ان ینقل الینا شیئًا من غیر تثبت ولا رویۃ و بغیر دلیل شرعی لانھم امناء الشریعۃ الطاھرۃ ولا یظن بھم انھم عدلوا عن طریق الحق الی الباطل۔

---

[1] (حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ، ص ۹۶)

[2] (حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ، ص ۹۷)

ترجمہ: کیونکہ اس طرح فقہاء کرام جو اسلام کی مدد کرنے والے ہیں وہ ان (باتوں) سے مبراء اور بیزار ہیں کہ ہمیں کوئی چیز نقل کرے بغیر ثبوت و دلائل شرعی کے۔ کیونکہ یہ حضرات شریعت طاہرہ کے امینوں میں سے ہیں اور ان حضرات پر یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان حضرات نے راہ حق سے باطل کی طرف عدول کیا ہو۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً بدعت نہ حرام ہے اور نہ ہی ضلالت ہے بلکہ مراد من حدیث "کل بدعة ضلالة" سے بدعت سیئہ ہے نہ کہ بدعت حسنہ۔

کیونکہ ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

من سن سنةً حسنةً فله اجرها و اجر من عمل بها۔

ترجمہ: یعنی جو کوئی شخص ایک اچھا طریقہ دین میں چلائے تو اسے اس کا اجر ملتا ہے اور جو لوگ اس طریقہ پر عمل کرتے ہیں اسے ان لوگوں کا بھی اجر ملتا ہے۔ انتھی۔

اور یہ حدیث حقیقتاً صحیح ہے، کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی ہیں، حالانکہ علماء کرام ان چیزوں کو نیک اور مستحسن قرار دیتے ہیں، منجملہ ازین تلفظ بالنیة ہے۔ نماز کے لئے کہ فقہاء کرام اسے مستحسن کہتے ہیں مع ذلک تلفظ بالنیة یعنی کہ میں نیت کرتا ہوں کہ مثلاً دو رکعت نماز یا چار رکعت اس حاضر وقت میں ادا کرتا ہوں، الخ۔

نہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے اور نہ تابعین نے کیا ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس شخص سے یہ سنتے تھے اس سے انکار کرتے تھے، لیکن تمام فقہاء کرام نے زبان سے نیت کو مستحب لکھا ہے اور معمول بہ ہے اور اسی طرح تثویب قرون اولیٰ میں بدعت تھی۔ جیسا کہ روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو کسی نے تثویب کیا تو انہوں نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ یہ مبتدع مسجد سے نکال دو، مع ذلک متأخرین علماء کرام تثویب کو مستحسن کہتے ہیں: لظهور التوانی فی احکام الشرعية۔

اعتراض ہفتم: فدیہ کا مصرف نہیں، تو لہٰذا یہ حیلہ صحیح نہیں ہے۔

الجواب: اول مناسب طریقہ یہی ہے کہ اس میں غنی[1] موجود نہ ہو، بلکہ تمام فقراء ہوں۔ البتہ اگر دائرہ میں فقراء اور اغنیاء دونوں بیٹھے ہوں تو غنی کا قبض و قبول فدیہ میں کالعدم ہوگا کیونکہ غنی اس کا مستحق نہیں ہے، بلکہ غنی پر صدقہ نفلی ہو جائے

[1] اس کی مانند ایک فتوٰی نمبر ۳۴۴۳ مفتی محمد فرید دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کا حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب کے ساتھ موجود ہے۔ تاریخ اجراء: 26.03.21972

گا۔ حالانکہ صدقہ نفلی کے متعلق علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت گزری ہے کہ الصدقۃ النفلیۃ ممحاۃ لکثیر من الذنوب المدخلۃ النار۔ اور فقراء کے قبض وقبول سے فدیہ ادا ہو گا۔

ایسا نہیں کہ وجود غنی سے فقیروں کا قبض درست نہ ہو ابلکہ اس کے لئے احادیث میں ایک نظیر بھی ملتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک حدیث میں جس کا آخری حصہ یہ ہے:

و دخل رسول اللہ ﷺ و البرمۃ تفور بلحمٍ فقرب الیہ خبز و ادام من اُدم البیت فقال لم ار برمۃ فیھا لحم قالوا بلیٰ و لکن ذلک لحم تصدق بہ علیٰ بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا و انت لا تأکل الصدقۃ قال ھو علیھا صدقۃ و لنا ھدیۃ متفق علیہ مشکوٰۃ باب من لا تحل لہ الصدقۃ۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور ہانڈی یعنی دیگچی میں گوشت پک رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو گھر کا سالن و روٹی سامنے رکھا گیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آیا اس دیگچی میں گوشت نہیں پک رہا ہے؟ گھر والوں نے کہا کہ ہاں پک رہا ہے، لیکن یہ گوشت بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صدقہ ملا ہے۔ اور حضور ﷺ صدقہ یعنی زکوۃ کا گوشت نہیں کھاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔(مطلب) یہ حدیث اس جہت سے نظیر ہے کہ ایک چیز تھی یعنی گوشت جو بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ یعنی زکوٰۃ ہو گئی اور نبی کریم ﷺ پر ہدیہ ہو گئی۔ تو لہٰذا یہ مال اسقاط فقیر پر فدیہ ہو گا اور غنی پر صدقہ نفلی ہو جائے گا۔

نوٹ: بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لونڈی کا نام ہے۔

اعتراض ہشتم: یہ حیلہ اسقاط اگرچہ مستحسن امر ہے لیکن عوام اسے التزام کے ساتھ ادا کرتے ہیں تو لہٰذا اگر کوئی چیز نیک بھی ہو لیکن التزام کی وجہ سے بدعت و حرام ہوتی ہے، لہٰذا یہ حیلہ اسقاط نہیں کرنا چاہیئے۔

الجواب: التزام ممنوع ہے۔ لیکن التزام کے معنی سمجھیں، التزام کے معنی ہیں کہ ایک چیز کو لازم سمجھیں اور اس کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ یعنی عقیدے میں اس کا لزوم سمجھے۔ اور تارک پر ملامت و لعن طعن و عیب لگائے، یہ التزام کے معنی ہیں اور جو علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ من اصر علیٰ مندوب و لم یجعلہ رخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان کا یہی مطلب ہے۔ کہ مندوب چیز پر اصرار کرکے کہ اس کو عقیدے میں رخصت نہ سمجھے بلکہ تارک پر ملامت اور لعن طعن کرے، یہ حقیقتاً بڑی چیز ہے۔ اور ایک نیک و مستحسن چیز پر دوام ہے کہ عقیدے میں لزوم نہ ہو اور تارک پر ملامت بھی نہ ہو۔ یہ دوام ممنوع نہیں بلکہ موجب زیادہ فضیلت و ثواب ہے۔

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

خبر العمل ماديم عليه۔

ترجمہ: بہترین عمل وہ ہے کہ جس میں مداومت کی جائے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ:

احب العمل الى الله ادومه۔

ترجمہ: کہ زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو وہ ہے کہ جس پر دوام و ہمیشگی ہو۔

اور مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک حدیث نقل فرماتی ہیں:

انها قالت كان احب العمل الىٰ رسول الله ﷺ الذى يدوم عليه صاحبه۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ زیادہ محبوب عمل رسول اللہ ﷺ کو وہ تھا کہ جس پر صاحب عمل مداومت کرتے تھے۔

جیسا کہ صلحاء قیام تہجد و نوافل و وظائف کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، یہ دوام علی عمل خیر ہے نہ التزام اور اس طرح حیلۂ اسقاط پر دوام ہے، نہ کہ التزام۔ اور یہ بات ضروری ہے کہ فرق مراتب ضرور کرنا چاہیئے کہ فرض کو فرض سمجھیں اور واجب کو واجب کا درجہ دیں اور سنت کو سنت، نفل کو نفل، مباح کو مباح اور مستحسن کو مستحسن۔ ہاں اگر کوئی مثلاً علی سبیل الفریضۃ التزام کرے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس حیلہ سے فدیہ ادا نہ ہو گا۔ بلکہ اس نے حرام کیا لیکن فدیہ ادا ہوتا ہے، اسے التزام چھوڑنا چاہیئے، کیونکہ اصول کا مسئلہ ہے کہ:

ان حرمة الفعل لا تنا فى ترتب الاحكام كطلاق الحائض والوضوء باالمياه المغصوبة والاصطيا دبقوس مغصوبة والذبح بسكين مغصوبة والصلوٰة فى الارض المغصوبة والبيع فى وقت النداء فانه يترتب الحكم علىٰ هذه التصرفات مع اشتمالها على الحرمة۔

ترجمہ: فعل کا حرام ہونا ترتب احکام کے ساتھ منافی نہیں ہے، جیسا کہ حائضہ کو طلاق دینا اور وضو کرنا غصب شدہ پانی پر یا شکار کرنا غصب شدہ کمان پر یا ذبح کرنا غصب شدہ چھری پر یا نماز ادا کرنا غصب شدہ زمین میں یا بیع کرنا جمعہ کی اذان کے وقت کیونکہ ان سب تعرفات پر حکم نافذ و صحیح ہوتا ہے باوجود یہ کہ سب حرام ہیں۔ [1]

---

[1] (اصول الشاشی، ص ۷۹، فصل النهی)

اعتراض نہم: اس حیلہ میں اکثر یتیموں کا مال تقسیم ہوتا ہے، لہٰذا یہ باطل ہے، تو حیلۂ اسقاط بھی باطل

الجواب: ہمارے علاقے میں بلکہ اکثر علاقوں میں یہ طریقہ ہے کہ اگر میت کے بچے یتیم رہ گئے ہوں تو اُن کے لئے حیلۂ اسقاط کرتے ہیں پھر تمام دائرے والے ان کو مال بخوشی واپس کر دیتے ہیں۔ یعنی میت کے لئے برائے فراغت ذمہ یہ حیلہ کرتے ہیں۔ لیکن ان یتیموں کا مال ہرگز تقسیم نہیں کرتے۔ اگر کسی علاقے میں یتیم کا مال تقسیم ہوتا ہے، تو ان کو مناسب ہے کہ یہ مال تقسیم نہ کریں، بلکہ میت کے لئے برائے فراغت ذمہ کریں۔

اعتراض دہم: جو چیز بین سنت وبدعت دائر ہو جائے اسے ترک کرنا چاہیئے، لہٰذا حیلۂ اسقاط بھی ترک کرنا چاہیئے اس قاعدہ کی رو سے

الجواب: یہ قاعدہ مطلقاً نہیں بلکہ اسی وقت ہے، جب کہ احدھما کے لئے مرجح موجود نہ ہو اگر دلیل مرجح موجود ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ ترک کرنا چاہیئے۔

حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں:

من تردد فی کون الشئی بدعۃ و سنۃ یترکھا اذا لم یظھر المرجح لأحد الطرفین۔[1]

تو لہٰذا حیلہ اسقاط کے لئے دلیل مرجح موجود ہے کہ اتنی جم غفیر فقہاء سے منقول ہے، اور اصول وکتب معتبرہ سے کچھ مخالفت نہیں، **فتلک العشرۃ بتلک العشرۃ۔**

اور بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مروجہ طریقہ میں وصیت کی عادت نہیں تو حیلۂ اسقاط میں مال تقسیم کرتے ہیں، حالانکہ بعض ورثاء غائب ہوتے ہیں اور ان کی رضامندی نہیں ہوتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ رضا دو قسم کی ہے، ایک صراحۃً رضا، دوسری دلالۃً رضا اور اس حیلہ میں غائبین کی رضا دلالۃً موجود ہوتی ہے، اور یہ کافی ہے قرینہ اس پر یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ بعد از حیلہ اسقاط اس بارے میں گفتگو کریں تو وہ اس پر راضی اور خوش ہوتے ہیں نہ کہ ناراض۔

اور بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ:

ترک ما ترکہ النبی ﷺ سنۃ کما ان فعل ما فعلہ النبی ﷺ سنۃ۔

ترجمہ: یعنی جس چیز کو نبی کریم ﷺ کیا ہوا اس کا کرنا ہمارے لئے سنت ہے۔

---

[1] (حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ، ص ۱۰۴)

اس طرح جو چیز انہوں نے چھوڑی ہو اس کا چھوڑنا بھی سنت ہے، لہٰذا حیلہ اسقاط چھوڑنا چاہیئے۔

الجواب: اس ترک سے مراد ترک مطلقاً نہیں ہے، بلکہ وہ ترک مراد ہے کہ ایک چیز کے لئے مقتضی وباعث موجود ہو اور کچھ مانع نہ ہو تو نبی کریم ﷺ نے اسے ترک کیا ہو، تو ہمارے لئے بھی اس چیز کو ترک کرنا سنت ہے، جیسا کہ اذان برائے عیدین کیونکہ نماز عیدین کے لئے مقتضٰی وباعث موجود تھا اور کچھ مانع بھی نہ تھا، لیکن نبی کریم ﷺ نے نماز جمعہ کے لئے اذان پر امر کیا لیکن عیدین پر نہ کیا۔

لہٰذا ہم بھی عیدین کے لئے اذان نہیں دیں گے اور حیلۂ اسقاط کا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کچھ مقتضی وباعث موجود نہ تھا، کیونکہ اس وقت نماز وغیرہ اوامر کی زیادہ پابندی ہوتی تھی اور ترک ورکن وشرط کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے اس لئے شاید اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حیلۂ اسقاط نہ کیا ہو۔ یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حیلۂ اسقاط اس لئے نہ کیا کہ کہیں امت پر سنت نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں حیلۂ اسقاط ایصال ثواب کی ایک مخصوص قسم اور اس شئ کے تمام افراد ممکنہ کا ایک فرد ہے۔

اور کوئی اہل علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ عہد اسلاف میں ایصال کا رواج نہ تھا اگر کوئی ہمت کر کے ایسا کہہ دیں تو ان کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا، کہ وہ گروہ اعتزال میں شامل ہو سکیں گے۔

الحاصل:

آپ حضرات نے نفس حیلہ کے جواز قرآن مجید وحدیث وفقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں سن لئے کہ نفس حیلہ جائز ہے، جس میں کہ ابطال حق نہ ہو۔ اور تحلیل حرام کے لئے نہ ہو، حالانکہ یہ حیلہ اسقاط جائز حیلوں میں سے ہے۔ جیسا کہ سابقاً مفصل بیان کیا گیا ہے۔

اور فقہاء کرام کی تصریحات بھی پڑھ کر اس حیلۂ اسقاط کے بارے میں شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

خصوصًا صاحب منحة الخالق بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

وهذه حيلة شرعيةٌ۔ کہ یہ حیلۂ اسقاط شرعی حیلہ ہے۔

اور صاحب روح البیان حنفی لکھتے ہیں:

ويعمل بالحيل الشرعية بالاتفاق۔

ترجمہ: اتفاق علماء کرام اس پر ہے کہ شرعی حیلوں پر عمل کیا جائے۔

حالانکہ الصواعق الربانیہ میں صاحب الخلاصہ وبرھنہ وجامع رموز وارشاد الطالبین سے نقل کرتے ہیں:

ہر کہ از حیلہ منکر شود کافر گردد۔

بحث الاسقاط (اسقاط کی بحث)

ترجمہ: یعنی جو کوئی حیلہ شرعی سے منکر ہو وہ کافر ہو تا ہے۔

دیکھئے صواعق الربانیۃ، ص ۶۴، المکتبۃ المحمودیۃ:

حالانکہ یہ حیلہ قرآن وحدیث وکتب معتبرہ سے مخالفت نہیں رکھتا ہے، بلکہ اس اعتبار سے:

ان من القواعد المقررۃ ان للوسائل حکم المقاصد فوسیلۃ الطاعۃ طاعۃ و وسیلۃ المعصیۃ معیصۃ۔

ترجمہ: قاعدہ مقررہ یہ ہے کہ وسائل کے لئے مقاصد کا حکم ہے، تو معصیت کا وسیلہ و ذریعہ معصیت ہے اور اطاعت کا ذریعہ و وسیلہ طاعت ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ اسقاط وسیلہ و ذریعہ سبب نجات میت ہے۔ بلکہ اگر اس تمام کو نظر انداز کرے تو بھی صدقہ نفلی ضرور ہو تا ہے حالانکہ صدقہ نفلی گناہوں کو زائل کرتا ہے۔

چنانچہ عظۃ النساء میں ایک حدیث ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظھن و امرھن بالصدقۃ۔

ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عورتوں کو وعظ کیا اور ان کو صدقہ پر امر کیا۔

تو لفظ بالصدقہ کے تحت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

ای النفلیۃ لمارا ھن اکثر اھل النار لانھا ممحاۃ لکثیر من الذنوب المدخلۃ النار۔

ترجمہ: یہ ہے کہ جب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اکثر عورتوں کو اہل دوزخ دیکھا۔ تو ان کو صدقۂ نفلی پر امر کیا۔ کیونکہ صدقۂ نفلی بہت گناہوں کو محو وزائل کرتا ہے، جو کہ سب دخول جہنم ہے۔[1]

اور مذہب حنفی عقائد کی مسلمہ کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں:

و فی دعاء الاحیاء للأموات و صدقتھم عنھم نفع لھم خلافًا للمعتزلۃ اتفق اھل السنۃ علیٰ ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء۔

ترجمہ: زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا یا صدقہ و خیرات کرنا مردوں کے لئے نفع کا باعث ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

امام اجل حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔

اور حضرت علامہ علاء الدین علی بن محمد البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں:

ان الصدقۃ من المیت تنفع المیت و یصل ثوابھا و ھو اجماع العلماء۔

---

[1] (باب عظۃ النساء قسطلانی)

بیشک میت کی طرف سے صدقہ دینامیت کے لئے نافع و مفید ہے اور اس صدقہ کا میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔[1]

اور مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ:

الصدقة تطفئ غضب الرب۔

کہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۹۱۱ھ شرح صدور میں فرماتے ہیں:

وأخرج الطبراني في الأوسط عن أنس سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من أهل بيت يموت منهم ميت فيتصدقون عنه بعد موته إلا أهداها له جبريل على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر فيقول يا صاحب القبر العميق هذه هدية أهداها إليک أهلک فاقبلها فتدخل عليه فيفرح بها ويستبشر ويحزن جيرانه الذين لا يهدى إليهم شيء۔

علامہ طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے مر جانے کے بعد اس کے گھر والے اس کے لئے صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اس صدقہ و خیرات کو ایک نورانی طبق میں رکھ کر مرنے والے کی قبر لے جاکر کہتے ہیں کہ اے گہری قبر والے یہ ھدیہ و تحفہ تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا تو اسے قبول کر۔ وہ قبر والا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور دوسروں کو خوشخبری دیتا ہے۔ اس کے ہمسائے یعنی پڑوسی جن کو ان کے گھر والوں کی طرف سے کوئی ہدیہ نہیں پہنچتا غمگین و افسردہ ہوتے ہیں۔[2]

جب آپ نے اس حیلۂ اسقاط کے متعلق یہ موزوں گفتگو سن لی اور یہ بھی سمجھ لیا کہ ہمارے اہل سنت والجماعت کے نزدیک صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور یہ حیلہ اسقاط صدقہ نفلی سے بالکل خارج نہیں ہوتا۔ حالانکہ صدقہ نفلی ان گناہوں کو محو کرتی ہے جو کہ سبب دخول نار ہو، تو عجیب انصاف ہے کہ حیلۂ اسقاط کے رد میں کتنی تصانیف ہوئی ہیں اور کتنی ہوتی ہیں جب کہ اس حیلہ کے مجوزین یعنی کرنے والے حضرات نہ اس حیلہ کو دین کا لازم جزء قرار دیتے ہیں، کہ مثلاً یہ فرض ہے یا واجب یا سنت۔ بلکہ ایک مستحسن بمعنی ما استحسنه الفقهاء والعلماء ونیک امر قرار دیتے ہیں، جو موجب نفع و فائدہ میت

---

[1] (تفسیر خازن)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، ج۱، ص۳۰۰)

ہے۔ حالانکہ دنیا میں کتنی رقم اسراف فی سبیل الشیطٰن ہوتی ہے کتنی بے جا و محل آتشبازیوں پر روپیہ خرچ کرتے ہیں کتنی بے جا و محل بندوقیں آسمان کی طرف چلاتے ہیں۔

تجوریوں کی تجوریاں کنجریوں کی نذر ہو جاتی ہیں، یہ سارے انفاق فضول اور باعث معصیت ہیں، معترضین میں سے کسی نے بھی اس بارے میں کوئی تصنیف نہیں کی ہے اور نہ ہی کوئی دیکھنے میں آرہا ہے جو کہ اس قسم کی تصنیف کر رہا ہو۔ کہ یہ روپے انفاق فی سبیل الشیطن ہے۔ اس میں غائبین کی رضامندی نہیں ہے اور اس میں یتیم کی مال کی حق تلفی ہوتی ہے، اس کام سے باز آؤ، یہ بدعت ہے اور حرام ہے۔

بلکہ یہ لوگ حیلہ اسقاط پر خوامخواہ اعتراض کرنا اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں حالانکہ یہ حیلہ اسقاط نہ فی نفسہ حرام ہے اور نہ مفضی الیٰ حرام ہے۔ اور مع ذلک برائیوں میں لوگ شیطان کی راہ میں کتنا زیادہ خرچ کرنے کے عادی بن گئے ہیں۔

اگر بلحاظ مد مقابل ایک مستحسن کام میں لوگ خرچ کرنے کے عادی ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ لہٰذا اس حیلہ ٔ اسقاط کے رد میں تالیفات کرنا محض غلط خیال ہے اور ہم نے صرف یہ گفتگو کی، کہ یہ حیلہ اسقاط حرام کام نہیں ہے۔ اور اس میں میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔، انتھی عبارتہ۔

متن اعلام المؤمنین

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ دعا کی فضیلت اور شرافت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن کی دلیل

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي (البقرة ١٨٦)

ترجمہ: اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہیے میرا حکم مانیں۔

دوسرا قول

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (الأعراف ٥٥)

ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں۔

تیسرا قول

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (الإسراء ١١٠)

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

چوتھا قول

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ٦٠)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے (تکبر کرتے) ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

وعید کا لاحق ہونا تکبر کی وجہ سے ہے اور تکبر دعا نہ کرنے کی وجہ سے آتا ہے۔

احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے دلائل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ۔

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

دعا عبادت کا مغز ہے۔[1]

اور یہ قول کہ:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔

دعا ہی عبادت ہے۔[2]

یا یہ قول:

ليس شيء أكرم على الله من الدعاء۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز مکرم نہیں ہے۔[3]

یا یہ قولِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے:

يَكْفِي مِنَ الدُّعَاءِ مَعَ الْبِرِّ مَا يَكْفِي الطَّعَامَ مِنَ الْمِلْحِ۔

نیکی کے ساتھ دعا کرنا ایسا کافی ہوتا ہے جیسے کھانے میں نمک۔[4]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمانا:

الدعاء مفتاح الحاجات۔

دعا تمام حاجتوں کو ختم کر دیتی ہے۔

یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان:

مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔

جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گے۔[5]

روح البیان میں ہے:

وقال بعض الفضلاء: الدعاء مفتاح باب السماء واسنانه لقمة الحلال۔

بعض فضلاء نے فرمایا دعا آسمان کی کنجی ہے اور حلال لقمہ اس چابی کے دندانے ہیں۔[6]

---

1 (سنن الترمذی، ج۵، ص ۴۵۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)
2 (سنن الترمذي، ج۵، ص ۲۱۱، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)
3 (الدولة الأموية عوامل الإزدهار وتداعيات الإنهيار، ج۲، ص ۳۱۲)
4 (المجالسة وجواهر العلم، ج۵، ص ۴۳۱، الناشر: جمعية التربية الإسلامية (البحرين - أم الحصم)، دار ابن حزم (بيروت - لبنان))
5 (سنن الترمذی، ج۵، ص ۵۵۲، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)
6 (روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۷، الناشر: دار الفكر - بيروت)

روح البیان میں دعا کے بارے میں کثیر آیات واحادیث موجود ہیں۔ اور دعا سے کسی کو روکنا حرام ہے۔ خواہ مخواہ دعا نہ کرے یا کسی اور کو روکے۔ اس پر حضرت سفیان بن عیینیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

وقال سفیان بن عیینة لا یمنعن أحد کم من الدعاء ما یعلم من نفسه۔

تم میں سے کوئی شخص اپنی ان حاجات کے لئے دعا کرنا نہ چھوڑے جو وہ اپنے نفس میں نہیں جانتا۔[1]

اِحیاءعلوم الدین میں ہے:

فإن الله عز وجل أجاب دعاء شر الخلق إبلیس لعنه الله إذ قال رب فانظرني إلی یوم یبعثون قال إنک من المنظرین۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں برے شیطان وابلیس کی بھی دعا قبول فرمائی جب شیطان نے کہا کہ اے میرے رب مجھے مہلت عطا فرما قیامت تک، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مہلت دی گئی۔[2]

وھکذا في قطب الإرشاد، ص ۳۷۔

اور ایسا ہی قطب الارشاد، ص ۳۷ میں بھی ہے۔

خیال کرو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس مردود کی بھی دعا قبول فرمائی، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ مولوی مفتاح الدین جو رہ مصنف اصلاح الرسوم کس دلیل سے مسلمانوں کو دعا کرنے سے روکتا ہے۔ اور بے شمار آیات واحادیث (جو مطلق ہیں) سے چشم پوشی کر رہا ہے۔

جان لو کہ فرض نماز انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پنج وقتہ فرض ہے۔ ان میں سے بعض نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں جیسے ظہر، مغرب، عشاء اور بعض کے بعد سنن ونوافل نہیں جیسے فجر وعصر۔ تو جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں تو ان فرض نمازوں کے بعد اگر کوئی شخص اپنے کسی کام جانا چاہتا ہے تو جا سکتا ہے، خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد، کیونکہ ان نمازوں کے بعد ذکر اور دعا کا التزام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں (ذکر اور دعا) مستحب ہیں۔ اور شارع کی طرف سے مستحب میں التزام (لازم کرنا) نہیں ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (الجمعة ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

[1] (إحیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۳۰۶، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

[2] (إحیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۳۰۶، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

کیونکہ شرط اور جزاء میں انفصال ہے، اور فانتشروا امر کا صیغہ برائے اباحت اور رخصت ہے۔ کیونکہ اگر کوئی رات تک مسجد میں برائے ذکر و دعا بیٹھا رہے تو جائز ہے۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

فانه لو لبث في المسجد الى الليل يجوز بل هو مستحب۔

اگر کوئی رات تک مسجد میں بیٹھے تو جائز بلکہ مستحب ہے۔[1]

اسی طرح ذکر و دعا کے عدم لزوم پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے:

عَنْ عُقْبَةَ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأَى أَنَّهُمْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ فَقَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ۔

حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اقتداء میں مدینہ منورہ میں عصر کی نماز ادا کی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جلدی کھڑے ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بعض ازواج کے حجرے میں گئے۔ اس سے لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) گھبرا گئے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام کے پاس آئے تو دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جلدی جانے پر متعجب ہیں تو فرمایا کہ مجھے سونے کا ایک ٹکڑا یاد آیا تو میں نے یہ ناپسند سمجھا کہ رات آ جائے اور وہ میرے گھر میں رہے تو میں نے جا کر تقسیم کرنے کا حکم دیا۔[2]

لیکن نماز کے بعد دعا کرنا بہتر ہے خواہ انفرادی دعا ہو یا اجتماعی دعا۔

جیسا کہ امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول ہے:

و قال مجاهد إن الصلاة جعلت في خير الساعات فعليكم بالدعاء خلف الصلوات۔

نماز بہترین اوقات میں فرض کی گئی ہے، لہٰذا تم لوگوں پر نماز کے بعد دعا کرنا لازم ہے۔[3]

خاص کر ان نمازوں کے بعد دعا کرنا بہتر ہے کہ جن کے بعد سنن و نوافل نہ ہوں، جیسے نماز فجر و عصر، اس مقام پر دعا کرنا نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

---

[1] (روح البیان، ج۹، ص ۵۲۴، الناشر: دار الفكر - بيروت)

[2] (صحيح البخاري، ج۳، ص ۳۵۲، المكتبة الفاروقية)

[3] (احياء علوم الدين، ج ۱، ص ۳۰۴، الناشر: دار المعرفة - بيروت)

جیسا کہ عینی علی البخاری میں ہے:

ويدعو في الفجر و العصر لأنه لا صلاة بعدهما، فيجعل الدعاء بدل الصلاة، ويستحب أن يدعو بعد السلام۔

فجر اور عصر کے بعد دعا کریں کہ ان کے بعد نوافل نہیں ہیں تو دعا نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ سلام کے بعد دعا ہو۔[1]

اور فتح الباری میں ہے:

و إنما هو استحسان رآه من رآه عوضا من السنة بعدهما (أي فجر و عصر)۔

اور بے شک یہ استحسان ہے جنہوں نے اس دعا کو سنت کا قائم مقام سمجھا عصر اور فجر کے بعد۔[2]

اور فتاویٰ برہنہ میں ہے:

ہر نمازیکہ بعد او سنت نیست زود تر رو گردانیدن ودست بدعا برداشتن امام و منفرد سنت است فی الحدیث و بعد کل فریضة دعوة مستجابة۔

ہر وہ نماز کہ جس کے بعد سُنت نہیں ہے تو چہرہ پھیر کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا امام و منفرد کے لئے سُنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔[3]

اور جس فرض کے بعد سُنت ہے تو سنت گھر میں ادا کرنا بہتر ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «صَلاَةُ الْمَرْءِ فِى بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهِ فِى مَسْجِدِى هَذَا إِلاَّ الْمَكْتُوبَةَ۔

کسی مرد کی نماز (نفل) گھر میں پڑھنا مسجدِ نبوی میں پڑھنے سے افضل ہے سوائے فرض کے کہ فرض نسبت میں افضل ہے۔[4]

اسی طرح سنن ترمذی میں ہے اور مسجد میں سنت ادا کرنا بغیر عذر کے بھی جائز ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ فِي الْمَسْجِدِ، حَتَّى صَلَّى العِشَاءَ الآخِرَةَ. فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دِلاَلَةٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي الْمَسْجِدِ۔

---

[1] (عمدة القاری شرح بخاری، ج٦، ص ١٢٢، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)
[2] (فتح الباری، ج ١١، ص ١٣٣، الناشر: دار المعرفة - بيروت)
[3] (فتاویٰ برهنه، ص ٣٠١)
[4] (سنن أبي داؤد، ج ١، ص ٤٠٣، الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت مسجد میں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز تک رہتے اس حدیث میں دلالت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مغرب کی دو سنتیں مسجد میں پڑھتے تھے۔[1]

اور فرض کے بعد جو سنتیں ہیں ان میں تاخیر مکروہ ہے سوائے: **اللھم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والإکرام** کے مقدار۔ اور یہ کلمات بھی ضروری نہیں بلکہ اس کی مقدار بیٹھنا یا اس مقدار کوئی اور دعا پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور یہ کلمات حقیقت میں دعا نہیں ہیں۔

جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

اللھم أنت السلام الخ لأنہ لیس دعاء بل ثناء۔

اللھم أنت السلام الخ دعا نہیں ثناء ہے۔[2]

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرض نماز کے بعد سوائے اس دعا کے کوئی دعا نہیں پڑھی تو ان لوگوں نے دعا اور ثناء میں فرق نہیں کیا۔ اور دوسرا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر جھوٹ باندھا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہر نماز کے بعد مختلف دعا فرمائی ہے جیسا کہ اہلِ علم کو اس کا علم ہے۔

اور جس مقام پر فرض پڑھے تو اس مقام پر کھڑے ہو کر سنت پڑھنا مکروہ ہے۔ بلکہ نمازی کے لئے دائیں، بائیں، آگے یا پیچھے ہو کر سنت پڑھنی چاہئیں۔ خواہ امام ہو یا مقتدی و منفرد۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

أَیَعْجِزُ أَحَدُکُمْ أَنْ یَتَقَدَّمَ أَوْ یَتَأَخَّرَ أَوْ عَنْ یَمِینِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ۔

کیا تم اس سے عاجز ہو کہ فرض نماز کے بعد آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو جاؤ؟[3]

اور امام کے لئے مستحب ہے کہ فرض نماز کے بعد بائیں جانب ہو کر سنت ادا کرے، پھر مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرے۔

جیسا کہ نور الایضاح میں ہے:

ویستحب للإمام بعد سلامه أن یتحول إلی یسارہ لتطوع بعد الفرض وأن یستقبل بعدہ الناس ویستغفرون اللہ ثلاثا ویقرؤن آیة الکرسي والمعوذات ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونہ کذلک ویکبرونہ کذلک ویقولون لا

---

[1] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۵۰۰، الناشر: شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابي الحلبي - مصر)

[2] (طحطاوی، ص ۱۷۱)

[3] (سنن أبي داؤد، ج ۱، ص ۳۸۴، الناشر: دار الکتاب العربي - بیروت)

إله إلا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شيئ قدير ثم يدعون لانفسهم وللمؤمنين رافعي أيديهم ثم يمسحون بها وجوههم وزاد في شرحه مراقي الفلاح ويستحب للإمام أن يستقبل بعده أي بعد التطوع وعقب الفرض أن لم يكن بعده نافلة الناس، اهـ۔

مستحب ہے امام کے لئے کہ سلام پھیرنے کے بعد بائیں طرف ہو کر نفل (سنت) ادا کرے اور سنتوں کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے ۳ بار استغفر اللہ پڑھے، پھر آیۃ الکرسی، معوذ تین پڑھے اور ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھے اور لا اِلٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر پڑھے۔ پھر اپنے لئے اور تمام مؤمنوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے پھر ہاتھ چہرہ پر پھیرے۔

اور مراقی الفلاح میں ہے کہ امام کے لئے اس فرض کے بعد، جس کے بعد نفل ہے نفل کے بعد ورنہ فرض کے بعد منہ پھیرنا مستحب ہے۔ اسی طرح طحطاوی میں ہے۔[1]

شرنبلالی نے غنیہ میں لکھاہے:

والمستحب للإمام أن يستقبل الناس بوجهه ويستغفر الله ثلاثا ويدعو لنفسه وللمؤمنين لقول أبي امامة رضي الله تعالىٰ عنه قيل يا رسول الله أي الدعاء إسمع قال جوف الليل الأخير دبر الصلاة المكتوبة، رواه الترمذي والنسائي رافعا يديه۔

امام کے لئے مستحب ہے کہ لوگوں کی طرف منہ پھیر کر تین بار استغفار پڑھے پھر اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا کرے جیسا کہ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کہا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول کی جاتی ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: آخری رات کے پہر میں اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔

اور مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے:

روي أبو بكر بن شيبة في مصنفه عن الأسود العامري عن أبيه قال صليت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفجر فلما سلم إنصرف ورفع يديه ودعا۔ (الحديث)

اسود العامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سلام پھیرا تو پھر گئے اور ہاتھ مبارک اٹھائے اور دعا فرمائی۔[2]

---

[1] (الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح، ص ۱۲۳)

[2] (مجموعة الفتاوىٰ، ج ۲، ص ۳۸۶)

بلکہ امام کے لئے واجب ہے کہ محراب میں بیٹھا رہے اور مقتدی اپنے مقام پر بیٹھے رہیں۔ اور امام لوگوں کی طرف منہ کرکے دعا کرے۔

جیسا کہ عینی شرح بخاری میں ہے:

إذا أراد الإمام أن ينتقل في المحراب ويقبل على الناس للذكر والدعاء جاز أن ينتقل كيف شاء وأما الأفضل فأن يجعل يمينه إليهم ويساره إلى المحراب وقيل عكسه وبه قال أبو حنيفة ومن فوائد الحديث وجوب غض البصر ومكث الإمام في موضعه ومكث القوم في أماكنهم، إلخ۔

اور جب امام ارادہ کرے کہ محراب میں سنتیں پڑھے پھر لوگوں کی طرف منہ کرے ذکر اور دعا کے لئے، جائز ہے امام جیسے بھی چاہے سُنتیں پڑھے اور افضل یہ ہے کہ امام اپنی دائیں طرف لوگوں کی طرف کرے اور بائیں طرف محراب کی طرف کرے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا عکس بھی کر سکتا ہے، اور یہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ واجب یہ ہے آنکھیں بند کرے اور امام اور مقتدی اپنے اپنے مقام پر بیٹھے رہیں۔[1]

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ پنج وقتہ نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنا مستحب ہے۔ کاش مولوی مفتاح الدین ذرا اپنے آرام میں خلل لاکر کتب کا مطالعہ کرتا تو اس طرح بلا تحقیق حکم نہ لگاتا کیونکہ عالمِ دین کے لئے یہ عار و شرم کا سبب ہے۔

رہی بات دعا میں ہاتھ اٹھانے کی تو فعلی طور پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بہت کم ثابت ہے مگر قولی ترغیبات بے شمار ہیں، جیسے ما قبل میں چند احادیث گزر گئی ہیں۔ اور ہم اقوال وافعال دونوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابع ہیں۔ لیکن بعض لوگ جو اس کو بدعت کہتے ہیں بڑی جرأت کرتے ہیں۔

جیسا کہ فیض الباری شرح صحیح البخاری میں ہے:

واعلم أن الأدعية بهذه الهيئة الكذائية لم تَثْبُت عن النبيِّ صلى الله عليه وسلّم ولم يَثْبُت عنه رفع الأيدي دُبُر الصلوات في الدعوات إلا أقل قليل، ومع ذلك وَرَدَت فيه ترغيباتٌ قوليةٌ، والأمر في مثله أن لا يُحكَم عليه بالبدعة، فهذه الأدعية في زماننا ليست بسنةٍ بمعنى ثبوتها عن النبيّ صلى الله عليه وسلّم وليست ببدعة بمعنى عدم أصلها في الدين، وهكذا شأنه في باب الأذكار والأوراد، اختار لنفسه ما اختاره الله له. وبقي أشياء رَغَّب فيها للأمة، فإن التزم أحد منا الدعاء بعد الصلاة برفع اليد، فقد عَمِلَ بما رغَّب فيه، وإن لم يكثره بنفسه. فاعلم ذلك۔

اس ہیئت کذائیہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دعا کرنا منقول نہیں ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا بھی ثابت نہیں ہے۔ مگر بہت کم ثابت ہے، مگر ترغیباتِ قولیہ بہت ثابت

---

[1] (عمدة القاری شرح صحيح البخاري، ج٦، ص ١٢٢، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

ہیں۔ اور ایسے معاملہ میں حکم یہ ہے کہ اس پر بدعت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ پس یہ دعائیں ہمارے زمانے میں سنت نہیں، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ثابت نہیں۔ مگر بدعت نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ اس کی اصل ثابت نہیں ہے۔ یہی معاملہ باب الاذکار اور باب الاوراد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے لئے وہی پسند فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے پسند فرمایا۔ اور کچھ چیزیں رہ گئیں جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے امت کو ترغیب دی۔ پس اگر ہم میں سے کوئی شخص نماز کے بعد دعا پر التزام کرتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو اس نے مرغوب چیز پر عمل کیا، اگرچہ یہ عمل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اکثر نہیں فرمایا۔ یہ جان لو![1]

علمائے حقانی یہی ہیں کہ جنہوں نے انصاف پر مبنی فیصلہ کیا اور احتیاط سے قدم اٹھایا۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کو ایسے علمائے حقانی کی اقتداء کرنی چاہیئے نہ کہ کس وناکس کی جیسے مولوی مفتاح الدین۔

نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے جواز پر یہ حدیث ہے:

الصَّلَاةُ مَثْنَى مثنى تشهد فِي كل رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُول واين قول ابن عباس است در تفسیر کلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی میفرماید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومیخواہد یانقول خود تَرْفَعُهُمَا إِلَى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُولُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا». وَفِي رِوَايَةٍ: «فَهُوَ خداج». رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

نماز دو رکعت ہے ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے۔ عاجزی، تضرع اور مسکین کی شکل میں نماز پڑھے، پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور باطن اپنے چہرے کی طرف کرو، اور کہو یارب یارب اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کی نماز آدھی ہے، ناقص ہے۔[2]

اور شرح النقایہ میں ہے:

(ثُمَّ يَدْعُو حَتَّى تَنْجَلِي الشَّمْسُ) وقوله: ثم يدعو يقتضي تأخير الدعاء عن الصلاة، وهو السّنَّة لِمَا روى الترمذي في كتاب الدعوات، وحسَّنه عن أبي أُمَامَة قيل: «يا رسول الله، أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الأخير، ودُبرِ الصلاة المكتوبة۔

[1] (فيض الباري شرح صحيح البخاري، ج ۲، ص ۳۷۵، مكتبة مشكاة الإسلامية)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۲۵۳، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

پھر یہاں تک دعا کرو کہ سورج روشن ہو جائے۔ ثم یدعو سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نماز کے بعد کی جائے اور یہی سنت ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے کتاب الدعوات میں ذکر کیا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کہا گیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں اور فرض نماز کے بعد۔[1]

اور مشکوٰۃ میں ہے:

وفي العيني شرح البخاري وفيه مشروعية الدعاء بعد الصلاة واباحة طلب الدعاء عن الغير۔

عینی میں ہے اس میں نماز کے بعد دعا کے استحباب ومشروعیت پر دلیل ہے اور کسی اور سے دعا کرانے کی اباحت ہے۔[2]

یہ درج بالا مذہب کی کتب ہیں جو فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا اثبات کر ہی ہیں اور اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ صرف ایک بار ہاتھ اٹھایا جائے اور پھر نہ اٹھایا جائے۔ تو امام صاحب کا محراب سے بھاگ جانا اور مقتدیوں کا بغیر دعا مانگے منتشر ہونا جیسے کہ بعض علاقوں میں پنج پیریوں کی عادت ہے یقیناً یہ مستحب کو ترک کرنا ہے جس سے بندہ فضل الٰہی سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دعا قربِ خداوندی کا سبب ہے۔

جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے:

فَثَبَتَ أَنَّ الدُّعَاءَ يُفِيدُ الْقُرْبَ مِنَ اللهِ, فَكَانَ الدُّعَاءُ أَفْضَلَ الْعِبَادَاتِ۔

ثابت ہوا کہ دعا کرنا اللہ تعالیٰ کا قرب عطا فرماتا ہے، لہٰذا دعا افضل عبادات میں سے ہے۔[3]

بلکہ اجتماعی طور پر دعا کرنا دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

الله يسمع دعاءهم ويقبل تضرعهم والدعاء مهما كان أعم كان إلى الإجابة أقرب فإنه لا بد أن يكون في المسلمين من يستحق الإجابة فإذا أجاب الله دعاء البعض فهو أكرم من أن يرد الباقي۔

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعا اور عاجزی کو سن کر قبول فرماتا ہے جب بھی دعا کی جائے، خاص کر جب لوگ دعا میں جمع ہو جاتے ہیں تو یہ دعا قبولت کے لئے اقرب ہو جاتی ہے کیونکہ مسلمانوں میں ضرور کوئی ایسا شخص ہوتا ہے کہ جس کی دعا قبول کی

---

[1] (شرح النقاية، ج ۱، ص ۴۱۳، المكتبة القديمة)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج ۵، ص ۳۲۷)

[3] (التفسير الكبير، ج ۵، ص ۲۶۴، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

جاتی ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ جماعت کے ایک شخص کی دعا قبول کرتا ہے تو یہ کرم کے خلاف ہے کہ باقی لوگوں کی دعا کو رد کر دے۔[1]

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

وينزل بهامع الناس لأن الانتباذ تجبر والحال حال تضرع والإجابة في الجمع أرجى۔

اور لوگوں کے ساتھ مل کر دعا کرے کیونکہ لوگوں سے الگ ہو جانا تجبر ہے حالانکہ حالت دعا عاجزی کی حالت ہوتی ہے، اور اجتماعی دعا قبولت کی زیادہ پُرامید ہوتی ہے۔[2]

دوسری بات یہ کہ مسلمانوں اور خاص کر اہل اللہ فقراء کی دعا بطریقہ اجتماعی عالم (دنیا) کے قیام کا سبب ہے۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

قوام الدنيا باربعة أشياء بعلم العلماء وعدل الأمراء وسخاوة الأغنياء ودعوة الفقراء۔

دنیا کا قیام چار باتوں پر ہے: علماء کے علم، بادشاہوں کے عدل، مالداروں کی سخاوت اور فقراء کی دعاؤں پر۔[3]

اس لئے مناسب ہے کہ سلف صالحین سے منقول دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔

اور تین بار دعا کرنا بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے منقول ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كان عليه السلام إذا دعا دعا ثلاثا وإذا سئل سئل ثلاثا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم جب بھی دعا یا سوال فرماتے تو تین تین بار فرماتے۔

اور کلمہ کان جب شروع کلام میں آجائے تو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔

جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ۔ (مشکوٰۃ)

ودر لفظ کان محدثانرا سخن است مقرر ومشهور میان جمهور آن هست که افادهٔ دوام واستمرار میکند یعنی چون گویند که بود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم که این کار میکرد مراد آن بود که دوم میکرد وعادتِ شریف این بود۔

[1] (روح البیان، ج ۱، ص ۱۱۷، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)
[2] (الهداية شرح البداية، ج ۱، ص ۱۴۳، الناشر المكتبة الإسلامية)
[3] (تفسير روح البيان، ج ۱، ص ۲۹۸، الناشر: دار الفكر - بيروت)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب بھی کلام فرماتے تو تین بار بار فرماتے تاکہ لوگ اس بات کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سمجھ سکیں۔ مشہور علماء کے نزدیک محدثین حضرات کا لفظ "کان" کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے یعنی محدثین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ کام کیا کرتے تھے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عادتِ شریفہ اس کام کے دوام پر تھی۔[1]

تین بار دعا کرنے کی تصریح امام طحطاوی نے بھی فرمائی ہے:

وينبغي أن يلح بالدعاء مرة بعد أخرى ووقتا بعد وقت وأن يكرره ثلاثا قوله أن يلح من الإلحاح وهو المبالغة اي وأن يبالغ في الدعاء بالمداومة والمواظبة في الحالات ولا يكفى بمرة ولا مرات لقوله عليه السلام إن الله يحب الملحين في الدعاء، إلخ۔

مناسب ہے کہ دعا میں عاجزی کی جائے بار بار اور ہر وقت اور یہ کہ تین بار دعا کرے اور الحاح کا معنی مبالغہ کرنا ہے کہ دعا کرنے میں مبالغہ کیا جائے کہ ہر حالت میں دوام اور ہمیشگی رہے ایک بار پر اکتفانہ کیا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دعا میں مبالغہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔[2]

اور قطب الارشاد میں ہے:

ويكرر الدعاء واقله التثليث ويلح فيه بالمداومة والمواظبة في الحالات ولا يكفى بمرة ويتحقق الاضطرار والاحتياج والافتقار۔

اور کم از کم تین بار دعا کیا کریں اور ہمیشہ اور دوام سے دعا کریں ایک بار پر اکتفانہ کریں اور اپنی طرف سے اضطرار، احتیاج اور فقر کو ظاہر کریں۔

اور تکرار کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی جیسی چیز کئی بار کئی اوقات میں واقع کرنا۔

جیسا کہ تلویح میں ہے:

وَتَكْرَارُهُ وُقُوعُهُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى, وَذٰلِكَ بِإِيقَاعِ أَفْعَالٍ مُتَمَاثِلَةٍ فِي أَوْقَاتٍ مُتَعَدِّدَةٍ۔

اور اس کی تکرار یعنی فعل کا بار بار مکرر ہونا، کرنا یہ ایک ہی فعل کو کئی واقعات میں بار بار کرنے کو کہتے ہیں۔[3]

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو اٹھا کر بار بار دعا کرنا ثابت ہے۔ اب دعا سے انکار کرنا یا ہاتھوں کو اٹھانے سے انکار کرنا نصوص قطعیہ سے انکار کو لازم ہے۔

---

[1] (اشعة اللمعات، ص ۱۶۷)

[2] (شرح حصن الحصين للمعلى، كذا في احياء العلوم، ص ۱۷۱)

[3] (التلويح على التوضيح، ج ۱، ص ۲۹۸، الناشر دار الكتب العلمية)

جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے:

فَمَنْ أَبْطَلَ الدُّعَاءَ فَقَدْ أَنْكَرَ الْقُرْآنَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنهَا۔

جس نے دعا کو رد کیا اس نے قرآن کا انکار کیا، نعوذ باللہ۔[1]

جمہور کے ہاں دنیاوی اور اخروی فوائد پر مشتمل ہے۔ اور دعا اور اس کے فوائد سے انکار کرنا کسی جاہل ہی کا قول ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے:

فَقَالَ بَعْضُ الْجُهَّالِ الدُّعَاءُ شَيْءٌ عَدِيمُ الْفَائِدَةِ, وَاحْتَجُّوا عَلَيْهِ مِنْ وُجوهٍ, وَقَالَ الْجُمْهُورُ الْأَعْظَمُ مِنَ الْعُقَلَاءِ: إِنَّ الدُّعَاءَ أَهَمُّ مَقَامَاتِ الْعُبُودِيَّةِ, وَيَدُلُّ عَلَيْهِ وُجوهٌ مِنَ النَّقْلِ وَالْعَقْلِ۔

بعض جہلاء کہتے ہیں کہ دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس پر دلیل بھی دیتے ہیں اور جمہور اہل عقل فرماتے ہیں کہ دعا عبودیت کے اہم مقامات میں سے ہے اور اس پر عقل و نقل دلالت کرتے ہیں۔[2]

جیسا کہ دعا کے بعض فوائد عثمان بن عیسٰی صدیقی حنفی نے عقائد سنیہ میں نقل کئے ہیں:

وفي الدعاء فوائد كثيرة قد ورد في الأحاديث الصحاح أشرف العبادات الدعاء وانه مفتاح الرحمة وسلاح المؤمن وعماد الدين وليس شيئ أكرم على الله من الدعاء وإن الله تعالىٰ يغضب على من لا يسأله وأن الدعاء يرد البلاء والقضاء وأنه ينفع مما نزل ومما لم ينزل وان الدعاء جند من أجناد الله يرد القضاء بعد أن يبرم وأكثر من الدعاء فإن الدعاء يرد القضاء المبرم, كذا في منهج الأعمال۔

دعا میں کافی فوائد ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ عبادات میں اشرف و افضل عبادت دعا ہے اور دعا رحمت کی کنجی، مؤمن کا اسلحہ، دین کا ستون ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے معزز کوئی عمل نہیں، اور جو دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے۔ اور دعا مصیبتوں اور موت کو ٹالتی ہے اور دعا فائدہ دیتی ہے اس چیز میں جو نازل ہوا یا نازل نہ ہوا، دعا اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہے، اور قضاء مبرم کو بھی ٹالتی ہے، دعائیں زیادہ کیا کرو کیونکہ دعا قضاء مبرم کو بھی ٹالتی ہے۔[3]

جان لو کہ اس مقام میں دس امور کا جاننا ضروری ہے:

۱۔ دعا کی تعریف

۲۔ دعا میں وصف عارض (کہ آیا دعا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب)

---

[1] (تفسير كبير، ج۵، ص۲۶۴، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

[2] (تفسير كبير، ج۵، ص۲۶۲، ۲۶۳، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

[3] (عقائد سنيه، ص۳۷)

۳۔ دعا کا ادب

۴۔ دعا کا طریقہ

۵۔ دعا کی قبولیت کا وسیلہ

۶۔ دعا کی ترغیب

۷۔ دعا کے فوائد

۸۔ دعا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے؟

۹۔ دعا کی قبولیت کی شرائط

۱۰۔ دعا کی اقسام اور دعا کی متعدد کیفیات اور ان تمام کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ عقل مندوں کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ کو تفصیل سے بیان کریں نہ کہ اجمالی طور پر۔

دعا کی تعریف کی دو وجوہ ہیں:

۱۔ دعا ذکر و عبادت سے عبارت ہے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

فَقَوْلُهُ: «الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» مَعْنَاهُ أَنَّهُ مُعْظَمُ الْعِبَادَةِ وَأَفْضَلُ الْعِبَادَةِ، كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْحَجُّ عَرَفَةُ أَيِ الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ هُوَ الرُّكْنُ الْأَعْظَم۔

ترجمہ: دعا عبادت ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ دعا معظم و افضل عبادات میں سے ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا فرمان ہے حج عرفہ ہے یعنی عرفہ میں وقوف کرنا ہے یعنی یہ رکنِ اعظم ہے۔[1]

اور دعا کو عبارت کہنا برائے مبالغہ ہے۔

۲۔ دعا عبارت ہے کہ اپنے حوائج اپنے رب سے مانگی جائے۔

دعا کے اوصاف میں سے یہ ہے کہ نفس دعا یا فرض نماز کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔

کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (غافر ۶۰)

ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

---

[1] (مشكوٰة المصابيح، ج ۲، ص ۲۹۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

یہ دعا کرنے کا امر ہے اور جب امر کے صیغے میں اباحت اور ندب کا قرینہ موجود نہ ہو بلکہ مطلق ذکر کیا جائے تو یہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ مطلق وجوب کے لئے آتا ہے جیسا کہ کتبِ اصول میں ہے۔ لیکن چونکہ یہاں پر ندب کا قرینہ موجود ہے کیونکہ دعا کی مشروعیت بندوں کے نفع کے لئے ہے، لہٰذا دعا واجب نہیں ہے لوگوں پر۔ تاکہ ان کا نفع حاصل کرنا جو اختیاری ہے وہ لازم نہ ہو جائے۔ اور ایسے مامور بہ امور (کہ جن کی مشروعیت بندوں کے نفع کے لئے ہے) کی مثالیں قرآن مجید میں کثیر ہیں۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (الجمعة ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

یا یہ آیت کہ:

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدة ۲)

ترجمہ: اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔

ان دونوں آیات میں امر برائے ندب (مستحب) ہے۔ کیونکہ رزق طلب کرنا اور شکار کے لئے جانا انسانوں کے نفع کے لئے ہے۔

جیسا کہ تلویح میں ہے:

إِنَّمَا شُرِعَ حَقًّا لِلْعَبْدِ فَلَوْ وَجَبَ لَصَارَ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ فَيَعُودُ عَلَى مَوْضُوعِهِ بِالنَّقْضِ۔

ترجمہ: یہ بندے کے حق کے لئے مشروع ہے، اگر اس کو واجب کیا جائے تو بندے پر لازم ہو جائے گا تو یہ اپنے مقام پر نقض کے ساتھ واپس لوٹ آئے گا۔[1]

اسی طرح دعا کے استحباب پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تصریح فرمائی:

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتَغْفِرَ ثَلَاثًا وَيَقْرَأُ آيَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْمُعَوِّذَاتِ وَيُسَبِّحُ وَيَحْمَدُ وَيُكَبِّرُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ؛ وَيُهَلِّلُ تَمَامَ الْمِائَةِ وَيَدْعُو وَيَخْتِمُ بِسُبْحَانَ رَبِّكَ، إلخ۔

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ تین بار استغفار پڑھے، پھر آیۃ الکرسی، معوذتین، ۳۳ بار تسبیح، تحمید اور تکبیر پڑھے اور آخر میں ایک بار **لا اِلٰہ الا اللہ** پڑھے، اور دعا کرے اور **سبحان ربک، الخ** پر دعا ختم کرے۔[2]

---

[1] (شرح التلويح على التوضيح، ج ۱، ص ۲۹۴، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

[2] (رد المحتار، ج ۱، ص ۵۳۰، الناشر: دار الفكر - بيروت)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

عبادت پر عمل کرنا عمل نہ کرنے سے بہتر ہے

اشعۃ اللمعات کا یہ قول بھی دعا کے استحباب پر دلالت کرتا ہے:

الدعاء مخ العبادۃ واتیان بعبادت اولیٰ تر است از ترک آن۔

دعا عبادت کا مغز ہے، اور عبادت پر عمل کرنا عمل نہ کرنے سے بہتر ہے۔

کیونکہ مستحب یہ ہے کہ کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔

جیسا کہ تلویح اور احیاء العلوم میں ہے:

ونعني بالمستحبات ما ورد الخبر بفضله ولم ينقل المواظبة عليه۔

ترجمہ: مستحبات وہ ہیں کہ جس کی فضیلت پر خبر وارد ہو اور اس پر ہمیشگی اور دوام منقول نہ ہو۔ [1]

اسی طرح نمازوں کے بعد دعا کا امر استحباب پر قول ہے۔

جیسا کہ شامی میں ہے:

فَدَلَّ أَنَّ الْأَمْرَ لِلِاسْتِحْبَابِ وَالنَّدْبِ كَأَمْرِهِ بِالدُّعَاءِ فِي أَدْبَارِ الصَّلَوَاتِ وَنَحْوِهِ إلخ۔

ترجمہ: استحباب اور ندب کے امر کی دلالت جیسے نمازوں کے بعد دعا کرنے کا امر۔ [2]

نماز کے بعد دعا اور ہاتھ چہرے پر ملنا سنت ہے

اسی طرح عقائدِ سنیہ میں ہے:

ثم الدعاء بعد الصلاۃ المکتوبۃ مسنون وکذا رفع الایدي ومسح الوجه بعد الفراغ مسنون قال علیه الصلاۃ والسلام إذا دعوۃ اللہ فادع ببطن کفیک ولا تدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهک وان ربک حي کریم یستحیی من عبده أن یرفع إلیه یدیه ثم لا یضع فیهما خیرا وفي روایۃ یستحیی أن یبسط العبد یدیه إلیه فیردهما صفرا، کذافي منهج العمال۔

ترجمہ: نمازوں کے بعد دعا سنت ہے، اسی طرح ہاتھ چہرے پر ملنا بھی سنت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرو، ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف نہ کرنا، اور جب

---

[1] (احیاءعلوم الدین، ج ۱، ص ۱۹۲، الناشر: دار المعرفۃ-بیروت)

[2] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۹۹، الناشر: دار الفکر-بیروت)

دعا سے فارغ ہو جاؤ تو چہروں پر ملو۔ کیونکہ آپ کا رب بہت زیادہ سخی اور حیاء کرنے والا ہے کہ اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور وہ اس کے ہاتھ خالی لوٹائے۔[1]

دعا کے آداب

یہ ہیں کہ ہاتھوں کو سینے کی حد تک اٹھائے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ رَفْعَكُمْ أَيْدِيَكُمْ بِدْعَةٌ مَازَادَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى هَذَا يَعْنِي إِلَى الصَّدْرِ رَوَاهُ أَحْمد۔

ترجمہ: ہاتھوں کو اتنی مقدار سے زیادہ اٹھانا بدعت ہے جتنی مقدار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اٹھائے تھے۔ یعنی سینے کی حد تک۔[2]

یا یہ حدیث شریف ہے:

الْمَسْأَلَةُ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْکَ حَذْوَ مَنْكِبَيْکَ أَوْ نَحْوِهِمَا وَالِاسْتِغْفَارُ أَنْ تُشِيرَ بِأُصْبُعٍ وَاحِدَةٍ وَالِابْتِهَالُ أَنْ تَمُدَّ يَدَيْکَ جَمِيعًا۔

سوال اور دعا یہ ہے کہ ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھائے یا اس کے قریب تک اور استغفار پڑھے، انگلی سے اشارہ کرے، عاجزی اور تضرع کرے اور دعا میں مبالغہ کرے اور اپنے ہاتھ دراز کرے۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: والابتهالُ هَكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُورَهُمَا مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُ۔

اور ایک روایت میں ہے عاجزی کرے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور ہاتھ کی پشت چہرے کی طرف کرے، سوال اور دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہاتھوں کو کاندھے تک اٹھائے کیونکہ جو جس سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اس کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے پھر سوال کرتا ہے۔[3]

یہ حدیث دعا میں مطلقًا ہاتھ اٹھانے پر دلالت کرتی ہے اور اس میں تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ کیونکہ ہاتھ اٹھانا دعا کے تابع ہے اور دعا میں تعداد میں کوئی حصر و قید نہیں ہے۔ اور جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام متعلقات کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] (عقائدسنیہ، ص۳۷)

[2] (مشکوٰۃالمصابیح، ج۲، ص۶۹۷، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)

[3] (مشکوٰۃالمصابیح، ج۲، ص۶۹۶، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)

جیسا کہ فصول میں ہے:

لأن الشئي إذا ثبت ثبت مع لوازمه وتوابعه۔

ترجمہ: جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات وتوابع کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔[1]

اس قاعدہ کے تحت ہاتھوں کا اٹھانا بھی اختیاری طور پر ثابت ہوا۔ تو سائل مانگنے کی تعداد میں مختار ہے کہ جتنی مرضی ہو ہاتھ اٹھائے۔

جیسا کہ نزھۃ المجالس میں ہے:

فالمؤمن يرفع يديه إلى ربه خمسين مرة مثلا تراه يردهما خائبتن۔

ترجمہ: مؤمن اپنے رب کی بار گاہ میں پچاس بار ہاتھ اٹھائے تو آپ کا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ اس کو خالی ہاتھ لوٹائے گا؟[2]

یا یہ حدیث ہے:

سَلُوا اللَّهَ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا فَإِذَا فَرَغْتُمْ فامسحوا بهَا وُجوهكُم». رَوَاهُ دَاوُد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ہتھیلیوں کے ساتھ مانگو، ہاتھ کی پشت سے نہ مانگو اور جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ چہروں پر ملو۔[3]

یہ احادیث دعا میں ہاتھ اٹھانے پر دلالت کرتی ہیں، جتنی بار چاہے ہاتھ اٹھائے اس میں تعداد کی قید نہیں ہے۔ کیونکہ دعا میں ہاتھ اٹھانا شارع علیہ السلام کی طرف سے مامور بہ ہے۔

اس دلیل کی بناء پر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوه". رَوَاهُ مُسلم۔

ترجمہ: جب میں تم لوگوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اس پر حسبِ استطاعت عمل کرو، اور جب کسی کام سے روکوں تو رک جاؤ۔[4]

اور منطوق کی نص پر عمل کرنا اولیٰ وافضل ہے۔

جیسا کہ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میزانِ کبریٰ میں لکھا ہے:

والعمل بمقتضى المنطوق اولى۔

ترجمہ: منطوق کے مقتضاء پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔[1]

---

[1] (فصول، ص ۱۲۱)
[2] (نزھۃ المجالس، ج ۱، ص ۶۲، الناشر: المطبعۃ الکاستلیۃ-مصر)
[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۶۹۴، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)
[4] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۲۷۷، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)

اور یہ حدیث بھی دعا میں ہاتھ اٹھانے پر بلا حصر دلالت کرتی ہے:

إذا سئلتم الله فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسئلوه بظهورها۔

ترجمہ: جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو ہتھیلیوں کی طرف سے کرو، ہاتھ کے ظاہری طرف سے نہ کرو۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہاتھوں کو اٹھانے کو دعا کے ساتھ معلق فرمایا ہے اور دعا کرنا ایک امر ممکن ہے، اور دعا کرنے سے کوئی امر محال لازم نہیں آتا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بعض مقامات پر تین بار دعا کرنا بھی واقع اور ثابت ہے۔

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا فرماتے ہوئے فرمایا:

اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ۔

ترجمہ: یا اللہ! انس کے مال واولاد میں کثرت اور برکت عطا فرما۔[2]

اور بعض مقامات پر یعنی قبیلۂ احمس کے لئے دعا کرتے ہوئے دس بار دعا فرمائی:

فَدَعَا لأَحْمَسَ عَشْرَ دَعَوَاتٍ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لأَحْمَسَ فِي خَيْلِهَا وَرِجَالِهَا۔

ترجمہ: دس بار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے احمس قبیلے کے لئے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ان کے گھڑ سوار اور پیدل چلنے والوں میں برکت عطا فرما۔[3]

معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنی حاجات اور دعا میں بار بار ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تکرار دعا اور ہاتھ اٹھانا بار بار ثابت ہے۔ اور یہ آدابِ دعا میں سے بھی ہے۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دعا کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کو معلق فرمایا ہے، اور مطلق کے ساتھ معلق چیز بھی ممکن ہوتی ہے۔

جیسا کہ شرح العقائد میں ہے:

والمعلق بالممكن ممكن، لأن معناه الإخبار بثبوت المعلق عند ثبوت المعلق به، والمحال لا يثبت على شيء من التقادير الممكنة۔

---

[1] (میزان الکبریٰ، ص ۱۶۹)

[2] (صحيح البخاري، ج ۱۹، ص ۴۰۷، المكتبة الفاروقية)

[3] (سنن ابي داؤد، ج ۳، ص ۴۰، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

ترجمہ: ممکن کے ساتھ معلق چیز بھی ممکن ہوتی ہے یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ یہ خبر دینا ہے کہ معلق معلق بہٖ کے ساتھ ثابت ہوتا ہے، اور جو چیز محال ہوتی ہے تو وہ ممکن کے ساتھ معلق نہیں ہوتی۔[1]

عقلاء پر یہ ثابت ہوا ہے کہ دعا کے وقت تکرار اور ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی سجدۂ شکر کے باب میں صراحتًا ثابت ہے۔

جس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ -صلی اللہ علیہ وسلم- مِنْ مَكَّةَ نُرِيدُ الْمَدِينَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيبًا مِنْ عَزْوَرَا نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰہَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰہَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا ذَكَرَهُ أَحْمَدُ ثَلاَثًا قَالَ إِنِّى سَأَلْتُ رَبِّى، إلخ۔ (رواہ أحمد و أبو داؤد)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ جانے کے لئے نکلے، جب ہم عزورا کے مقام پر اترے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دست مبارک اٹھائے اور تھوڑی دیر اللہ تعالیٰ سے دعا کی پھر سجدہ ریز ہوئے، کافی دیر سجدہ فرمایا پھر اٹھ کر ہاتھ اٹھائے اور پھر کافی دیر سجدہ ریز ہوئے، پھر اٹھے اور ہاتھ اٹھائے اور پھر سجدہ فرمایا، پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی۔[2]

معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام سے تین بار ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے اور ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول و فعل کے مکلف ہیں تو ہم پر بھی اتباع لازم ہے۔

جیسا کہ میزانِ کبریٰ میں ہے:

أن الشارع إذا فعل فعلا و سكت عن التصريح بوجوبه أو ندبه فالأدب أن يتاسي به في ذلك الفعل بقطع النظر عن ترجيح القول بوجوبه أو ندبه، إلخ۔

ترجمہ: شارع علیہ السلام جب کوئی کام کریں یا کسی کام پر وجوب یا استحباب کی تصریح سے سکوت فرمائیں تو مستحب یہ ہے کہ اس فعل پر عمل کیا جائے، اس کو نہ دیکھا جائے کہ یہ واجب ہے یا نہیں (یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ نے اس کے وجوب کی تصریح نہیں فرمائی)۔[3]

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۴۴، مكتبة أهل السنة والجماعة)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۴۵، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[3] (ميزان الكبرىٰ، ص ۱۶۶)

اب اصلاح الرسوم کے مصنف کا صفحہ نمبر ۵۵ میں یہ لکھنا کہ وہ فعل جو باب سجدۂ شکر میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہاتھ مبارک کے اٹھانے میں تکرار فرمایا تو وہ ایک دفعہ ہی ایسا ہوا تھا بلکہ اس کے درمیان سجدہ بھی فرماتے رہے۔(انتھی عبارت)

ہم کہتے ہیں کہ یہ مولوی مفتاح الدین کی طرف سے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ایک بہانہ ہے۔کیونکہ سجدۂ شکر بھی ایک دعا ہے،اور مطلق سجدہ کرنا آدابِ دعا میں سے ہے۔

فضیلت والے اوقات کو تلاش کرنا آداب دعا میں سے ہے

جیسا کہ فتح الباری میں ہے:

ومن جملة آداب الدعاء تحری الأوقات الفاضلة كالسجود, وعند الأذان۔

ترجمہ: آداب دعا میں سے یہ ہے کہ فضیلت والے اوقات کو تلاش کیا جائے جیسے اذان کے وقت سجدہ کرنا۔[1]

تو درمیان میں سجدہ کو فاصلہ کہنا غلط ہے۔اگر مولوی مفتاح الدین کو نقلاً یا الہامًا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دو دفعہ ہاتھ اٹھانے کے درمیان سجدہ اس لئے فرمایا کہ بار بار ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے،تو مولوی مفتاح الدین ضرور اس کو لکھتے اور اس کا دعویٰ بھی ثابت ہو جاتا مگر اس طرح کی کوئی دلیل نہیں،لہٰذا مولوی مفتاح الدین کا یہ کہنا محض دعوئ بلا دلیل ہے۔

اسی طرح اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تمام افعال معلول بالعلت ہو جائیں (مانے جائیں) تو پھر بیٹھ کر دعا مانگنا بھی ممنوع قرار پائے گا۔کیونکہ اس درج بالا واقعے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تین بار کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔تو مولوی مفتاح الدین کھڑے ہو کر دعا کو بھی لازم قرار دے،مگر وہ اس سے خاموش ہے۔تو وہ حدیث کے ایک جملہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرتا ہے اور دوسرے سے سکوت اختیار کرتا ہے جو تعجب سے خالی نہیں ہے۔

دعا کا طریقہ

یہ ہے کہ پہلے ثناء پڑھے،پھر درود شریف پڑھے کیونکہ اس سے دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ولأن الثناء والصلاة يقدمان على الدعاء تقريبا إلى الإجابة كما في غيره مع الدعوات والرفع سنة الدعاء (أي رفع الأيدي طريقة حسنة في الدعاء)۔

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ص ۱۱، ص ۱۴۱، الناشر: دار الفکر (مصور عن الطبعة السلفية))

ترجمہ: ثنااور درود شریف دعا سے مقدم ہوں گے تاکہ جلدی قبول ہو جائے جیسا کہ دیگر دعاؤں میں ہوتا ہے اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے جو اچھا طریقہ ہے۔[1]

هكذا في المستخلص، ص ۴۳۲۔

اسی طرح المستخلص، ص ۴۳۲ میں بھی ہے۔

حمد وثناء اور درود شریف کے بعد دعا کرنے والے شخص کو نبی کریم ﷺ کی جانب سے دعا کی قبولیت کی بشارت

اسی طرح دعا کی مقبولیت کا طریقہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں سکھایا ہے:

عَن فضَالة بن عُبَيْدٍ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ». قَالَ: ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذَلِكَ فَحَمِدَ اللهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّهَا الْمُصَلِّي ادْعُ تُجَبْ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيّ نَحوه۔

ترجمہ: اس درمیان کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر نماز پڑھی اور کہا یااللہ مجھ پر رحم کرنا اور میری مغفرت فرما، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے نمازی تم نے جلدی کی۔ جب تم نماز کو پڑھو پھر بیٹھ کر حمد وثناء اور مجھ پر درود شریف پڑھو، پھر دعا کرو۔ کہا: پھر دوسرا شخص آیا اور نماز پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور درود شریف پڑھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے نمازی دعا کرو، قبول ہو گی۔[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر ۳)

ترجمہ: تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو۔

دعا میں وسیلہ

اور جہاں تک دعا میں وسیلہ کا تعلق ہے تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود شریف پڑھنا ہے دعا سے پہلے یا بعد میں، یا پہلے اور بعد دونوں مواقع پر۔

---

[1] (الهداية شرح البداية، ج ۱، ص ۱۴۱، الناشر المكتبة الإسلامية)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۲۹۳، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نبيك. رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

ترجمہ: دعا زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اوپر نہیں جاتی جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود شریف نہ پڑھو۔[1]

درود شریف ایک مقبول وظیفہ ہے

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

إِذَا دَعَوْت اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَاجْعَلْ فِي دُعَائِك الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ مَقْبُولَةٌ، وَاَللَّهُ سُبْحَانَهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَقْبَلَ بَعْضًا وَيَرُدَّ بَعْضًا۔

ترجمہ: جب تم دعا کرو تو دعا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ درود شریف مقبول وظیفہ ہے اور اللہ تعالیٰ سخی ذات ہے وہ ایسا نہیں کرتا کہ کچھ دعا قبول کرے اور کچھ رد کرے۔[2]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دعا کی ترغیب فرمائی کیونکہ دعا میں بہت سے اغراض ومقاصد ہیں۔

جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

بجہت اشتمال دعا بر معانی واغراض کہ مغز وخلاصہ عبادت است۔

ترجمہ: دعاء کئی اغراض ومقاصد پر مشتمل ہے ایک یہ کہ دعا عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے۔[3]

والثاني لأن الغرض من العبادة الثواب وهو المطلوب بالدعاء۔

ترجمہ: دوسری غرض یہ ہے کہ عبادت سے ثواب کا مقصد ہوتا ہے اور وہ مقصد دعا سے حاصل ہوتا ہے۔[4]

اور تیسری بات یہ ہے کہ دعا میں بارگاہِ الٰہی میں اپنی عاجزی، فقر اور عبودیت کا اظہار ہے۔

دعا کے فوائد

دعا کے فوائد تین ہیں:

ا۔ یا تو سائل کو اپنا مقصد دنیا میں ملے گا۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۲۹۶، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۲۰، الناشر: دار الفكر - بيروت)

[3] (اشعۃ اللمعات، ص ۱۸۳)

[4] (سنن الترمذی، باب ماجاء في فضل الدعاء، حاشیہ نمبر ۳، أبواب الدعوات، ج ۲، ص ۱۷۳، فاروقی کتب خانہ)

۲۔ یا آخرت میں ذخیرہ کیا جائے گا۔

۳۔ دعا کی مقدار کے مطابق گناہ معاف ہو جائیں گے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيها إثم ولا قطيعة رحم إلا أعطاه الله بها إحدى ثلاث: إما أن يعجل له دعوته، وإما أن يدخرها له في الآخرة، وإما أن يصرف عنه من السوء مثلها. قالوا: إذا نكثر قال: الله أكثر رواه أحمد۔

ترجمہ: جب کوئی ایسا مسلمان دعا کرتا ہے کہ جس کی دعا میں گناہ یا صلہ رحمی ختم کرنا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرمائے گا:

۱۔ یا تو دنیا میں اس کی دعا قبول کی جائے گی۔

۲۔ یا آخرت میں ذخیرہ کی جائے گی۔

۳۔ یا اس کے مثل اس کی برائی، گناہ ختم کر دیئے جائیں گے۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کہ اب تو ہم زیادہ دعائیں کریں گے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دعا کی کثرت کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے پر نہیں اکتاتا۔

دعا نہ کرنے پر مرتب ہونے والے اثرات

یہ ہیں کہ دعا نہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب نازل ہوتا ہے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰہَ يغضبْ عَلَيْہِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب نازل فرماتا ہے (یعنی عذاب نازل فرماتا ہے)۔[2]

دعا کی اجابت کی شروط

دعا کی اجابت کی شروط بہت زیادہ ہیں: حلال کھانا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۷، ص ۲۴۸)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۶۹۴، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

ادعوني بشرط الدعاء وهو الاكل من الحلال قيل الدعاء مفتاح الحاجة وأسنانه لقمة الحلال۔

ترجمہ: مجھ سے دعا کی شرط کے مطابق دعا کرو اور وہ حلال کھانا ہے۔ کہا گیا کہ دعا سے حاجتیں کھل جاتی ہیں یعنی (دعا) چابی ہے، مگر اس کے دندانے حلال رزق ہیں۔[1]

اور یہ کہ دعا کی قبولیت پر یقین کیا جائے، مشکوک اور تردد والی دعا نہ کرے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ بالإضافة وتركها أي معرض عن الله أو عما يسأله، رواه الترمذی۔

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں دعا کرو کہ تم کو اس کی قبولیت کا یقین ہو، جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں فرماتا اور جو دل اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔[2]

دعا کی اقسام

دعا کی تین اقسام ہیں۔

اصل میں دعا کی دو اقسام ہیں:

۱۔ مقبولِ قطعی ۲۔ جس کی قبولیت معلوم نہ ہو

قطعی قبول دعا درود شریف ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَكُلُّ الْأَعْمَالِ فِيهَا الْمَقْبُولُ وَالْمَرْدُودُ إلَّا الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا مَقْبُولَةٌ غَيْرُ مَرْدُودَةٍ۔

ترجمہ: ہر عمل میں مقبول و مردود ہوتا ہے سوائے درود شریف کے کہ وہ یقیناً مقبول ہے مردود نہیں ہوتا۔[3]

اور دوسری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں:

۱۔ حرام دعا ۲۔ جائز دعا

حرام دعا وہ ہے کہ محال چیزوں کی دعا کی جائے: جیسے بغیر شادی کے اولاد کی دعا کرنا، یا بغیر درخت کے پھل کی دعا کرنا۔

---

[1] (روح البیان، ج۸، ص ۲۰۱، الناشر: دار الفکر-بیروت)
[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص ۶۹۴، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)
[3] (ردالمحتار، ج۱، ص ۵۲۰، الناشر: دار الفکر-بیروت)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

أَوْ وَلَدًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ، أَوْ ثِمَارًا مِنْ غَيْرِ أَشْجَارٍ۔

ترجمہ: بچے کی دعا بغیر ہمبستری کے، پھلوں کی دعا بغیر درخت کے۔[1]

اور دوسری قسم دعا تمام علماء میں معروف ہے۔

دعا کی کیفیت

دعا کی کیفیت کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا

جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ فعل فرمایا اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اس میں تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے:

سَلُوا اللّٰہَ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا، إلخ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ہتھیلیوں کے ذریعے دعا کرو، الٹے ہاتھوں سے دعا نہ کرو۔[2]

۲۔ انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا

دوسرا یہ کہ انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا جائے، بوجہ سردی یا شرعی عذر کے۔

جس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے:

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ مَرَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- وَأَنَا أَدْعُو بِأُصْبُعَيَّ فَقَالَ: أَحِّدْ أَحِّدْ. وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ (أي أشر بواحدة ليوافق التوحيد المطلوب)۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا گزر ہوا اور میں دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ایک انگلی سے، ایک انگلی سے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا تاکہ توحید کے موافق ہو جائے۔[3]

---

[1] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۲۲، الناشر: دار الفكر-بيروت)

[2] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۲، ص ۶۹۴، الناشر: المكتب الإسلامي-بيروت)

[3] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۵۵، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

۳۔ بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنا

تیسری دعا یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنا، یہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ثابت ہے۔ بہت سے مواقع پر جیسے کہ طواف کی نماز ہوتی یا سوتے وقت کی دعا میں، کہ اس میں ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اس کے علاوہ وہ دعائیں کو منقول ہیں نماز کے بعد یا سوتے وقت یا کھانے کے بعد (کہ ان میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہاتھ مبارک نہیں اٹھائے)۔

جب آپ کو معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور اسی طرح حدیث میں بھی ہے کہ دعا ہاتھ اٹھا کر مانگی جائے تو اب کتبِ فقہ کا ملاحظہ فرمائیں کہ ان میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں

کبیری میں ہے:

آداب الدعاء عشرة ذکر منها أن یدعو مستقبل القبلة ویرفع یدیه، إلخ۔

ترجمہ: دعا کے دس آداب ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے جائیں۔[1]

شامی میں ہے:

(یَرْفَعُهُمَا کَالدُّعَاءِ) وَالرَّفْعُ فِیهِ، وَفِي الِاسْتِسْقَاءِ مُسْتَحَبٌّ (فَیَبْسُطُ یَدَیْهِ) حِذَاءَ صَدْرِهِ (نَحْوَ السَّمَاءِ) لِأَنَّهَا قِبْلَةَ الدُّعَاءِ وَیَکُونُ بَیْنَهُمَا فُرْجَةٌ، (قَوْلُهُ کَالدُّعَاءِ) أَيْ کَمَا یَرْفَعُهُمَا لِمُطْلَقِ الدُّعَاءِ فِي سَائِرِ الْأَمْکِنَةِ وَالْأَزْمِنَةِ عَلَى طِبْقِ مَا وَرَدَتْ بِهِ السُّنَّةُ۔

ترجمہ: دونوں ہاتھ اُٹھائے جائیں اور استسقاء میں بھی مستحب ہے۔ آسمان کی طرف سینے کی سیدھ میں ہاتھ اٹھائے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے، دونوں ہاتھوں میں کشادگی ہو جیسا کہ ہر مقامات میں مطلق دعا کی جاتی ہے جس پر سنت وارد ہے۔[2]

کذافي الطحطاوي، ص ۱۷۳، والهدایة، ص ۲۲۲، والمستخلص، ص ۴۳۲۔

اسی طرح طحطاوی، ص ۱۷۳، ھدایہ، ص ۲۲۲ اور مستخلص، ص ۴۳۲ میں ہے۔

---

[1] (کبیری، ص ۲۸۸)

[2] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۰۷، الناشر: دار الفکر-بیروت)

روح البیان میں ہے:

والمستحب ان یرفع یدیه عند الدعاء الی حذآء صدره کذا فعله النبي علیه السلام کما رواه ابن عباس رضی الله عنهما والأفضل أن یبسط کفیه ویکون بینهما فرجة وان قلت ولا یضع احدی یدیه علی الاخری فان کان وقت عذر او برد فأشار بالمسبحة قام مقام بسط کفیه والسنة ان یخرج یدیه حین الدعاء من کمیه۔

مستحب یہ ہے کہ دعا کے وقت سینے کے برابر اٹھائے اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عمل فرمایا تھا۔ افضل یہ ہے دونوں ہاتھ کھولے اور کشادگی لائے اگرچہ کم ہو، اور اگر عذرِ شرعی ہو یا سردی ہو تو ایک انگلی سبابہ سے اشارہ کرے یہ ہاتھ کے مشابہ ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ آستین سے نکالے۔[1]

اور فتح الباری میں ہے:

ومن جملة آداب الدعاء تحری الأوقات الفاضلة کالسجود، وعند الأذان، ومنها تقدیم الوضوء والصلاة، واستقبال القبلة، ورفع الیدین، وتقدیم التوبة، والاعتراف بالذنب، والإخلاص، وافتتاحه بالحمد والثناء والصلاة علی النبي صلی الله علیه وسلم۔

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ افضل اوقات کو تلاش کرے، جیسا کہ سجدہ، اذان کا وقت، دعا سے پہلے وضو کرے اور نماز ادا کرے، قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے، پہلے توبہ کرے، گناہوں کا اعتراف کرے، اور دعا میں اخلاص ہو، اور حمد وثناء اور درود شریف سے افتتاح کرے۔[2]

دعا میں ہاتھ اٹھانا فقہاء کرام، مفسرین اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں

اب فقہاء کرام ومفسرین اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا میں ہاتھ اٹھانے کی علت دیکھیں۔

روح البیان میں ہے:

فما معنی رفع الأیدي إلی السماء وقت الدعاء؟ قلت: معناه الاستعطاء من الخزانة لأن خزائنه تعالی في السماء کما قال: {وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ} (الذاریات ۲۲) وقال: {وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُهُ} (الحجر ۲۱)۔

ترجمہ: دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کا کیا معنیٰ ہے؟ میں کہتا ہوں کہ یہ خزانہ سے عطا طلب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے آسمان میں ہیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: آسمان میں تم لوگوں کا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا اور ہر چیز ہمارے پاس خزانہ ہے۔[1]

---

[1] (روح البیان، ج۸، ص۲۰۲، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2] (فتح الباری، ج۱۱، ص۱۴۱، الناشر: دار الفکر (مصور عن الطبعة السلفیة))

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

فقہاء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی یہ علت ذکر کی

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

لأن السماء قبلة الدعاء۔

ترجمہ: آسمان دعا کا قبلہ ہے۔[2]

محدثین کے اقوال

اشعۃ اللمعات میں ہے:

زیرا کہ سوال ببطون کف صورت طلب ویقین داشتن باجابت است وجمع یدین ماذون بکثرت عطیہ است۔

ترجمہ: ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے دعا کی قبولیت کی امید ویقین ہے، اور دونوں ہاتھوں کا اٹھانا عطیہ کی کثرت ہے۔[3]

دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے

روح البیان میں ہے:

ومنه عرف أن مسح اليدين على الوجه عقيب الدعاء سنة، وهو الأصح كما في "القنية".

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے۔ اور یہی صحیح ہے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

قال في "الأسرار المحمدية": كان عليه السلام يأمر أصحابه بمسح الوجه باليدين بعد الفراغ من الدعاء، ويحرض عليه۔

ترجمہ: اسرار محمدیہ میں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دعا کے بعد چہرے پر ملنے کا حکم دیتے تھے اور ترغیب دلاتے تھے۔[4]

---

[1] (روح البیان، ج۵، ص ۲۸۱، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2] (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ج۲، ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

[3] (اشعۃ اللمعات، ص ۱۸۴)

[4] (روح البیان، ج۸، ص ۱۵۳، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

ہاتھوں کو چہرے پر ملنے کی حکمت

جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

الحکمۃ في ذلک عود البرکۃ علیہ وسرایتھا إلی باطنہ وتفاؤلا بدفع البلاء وحصول العطاء، ھکذا في روح البیان۔

ترجمہ: اس میں حکمت یہ ہے کہ برکت اس پر آئے اور اس کے باطن تک جائے اور اس سے مصیبتیں ختم ہوں اور عطاء حاصل ہو، اسی طرح روح البیان میں ہے۔[1]

اور جب پنج وقتہ نمازوں کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث اور فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم وثابت ہوا تو یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی مفتاح الدین (وہابی) کا دعویٰ باطل ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے کہ نمازوں کے بعد دعاء مذہب کی کتب میں نہیں ہے۔

آیات واقوال مفسرین سے دلائل

اب ذیل میں آیات واقوال مفسرین سے دلائل ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ دعا سے انکار حقیقت میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مبارکہ اور کتبِ فقہ سے انکار کرنا ہے۔ وہ آیات قرآنیہ درج ذیل ہیں۔

روح البیان میں ہے:

{وَالَّذِينَ يَقُولُونَ} أي في أعقاب صلواتھم أو في عامۃ أوقاتھم {رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ} {إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا} ودلت الآیۃ علی الدعاء مطلقاً خصوصاً في أعقاب الصلوات وھو مخ العبادۃ فلیدع المصلي مفرداً وفي الجماعۃ إماماً کان أو مأموماً ولیقل: "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد اللھم إني أسألک الجنۃ وما قرب إلیھا۔

ترجمہ: وہ لوگ جو نماز کے بعد یا عام اوقات میں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے، بے شک جہنم کا عذاب بہت سخت ہے۔ یہ آیت مطلق دعا پر دلالت کرتی ہے، خصوصًا نماز کے بعد دعا پر۔ دعا عبادت کا مغز ہے، چاہیئے کہ نمازی خواہ منفرد ہو یا امام یا مقتدی یا جماعت سے دعا کرے اور دعا میں کہے: اے اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پر رحمت بھیج، میں جنت اور جنت کو قریب کرنے والے عمل کی دعا کرتا ہوں۔[2]

تفسیر خازن آیت قرآن "فإذا فرغت فانصب وإلی ربک فارغب" کے تحت ہے:

"فإذا فرغت فانصب وإلی ربک فارغب" قال ابن عباس: إذا فرغت من الصّلاۃ المکتوبۃ, فانصب إلی ربک في الدعاء, وارغب إلیہ في المسألۃ۔

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ج ۱، ص ۳۱۴، الناشر المطبعۃ الکبری الأمیریۃ ببولاق)

[2] (روح البیان، ج ۶، ص ۲۷۱، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

ترجمہ: جب آپ فارغ ہو جائیں تو دعا میں کوشش فرمائیں اور اپنے رب کی طرف رغبت فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو اپنے رب کی طرف دعا کرتے ہوئے راغب ہو جائیں۔[1]

تفسیر مدارک میں ہے:

فإذا فرغت من صلاتک فاجتهد في الدعاء۔

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں کوشش کریں۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس آیت کی تفسیر فرمانا دلالت کرتا ہے کہ آپ نے ضرور بالضرور اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنی ہو گی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کسی حق پرست شخص کے لئے اور جو حق پرستی نہیں چاہتا تو اس کے سامنے تمام دلائل بے کار ہیں۔

فتح الباری میں ہے:

الدعاء بعد المکتوبة أفضل من الدعاء بعد النافلة کفضل المکتوبة علی النافلة۔

ترجمہ: فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے اتنا افضل ہے جتنا فرض (نماز) نفل (دعا) سے افضل ہے۔[3]

و أیضًا باب الدعاء بعد الصلاة: أي المکتوبة وفي هذه الترجمة رد علی من زعم أن الدعاء بعد الصلاة لا یشرع، و أیضًا قلت و ما ادعاه من النفي مطلقا مردود۔

اس میں اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جو مطلق دعا کی نفی (انکار) کرتا ہے تو اس کا قول مردود ہے۔[4]

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۵۰ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے قوم کے ساتھ مل کر سنت کے بعد دعا نہیں فرمائی۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَتَفَرَّقَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد۔

---

[1] (تفسیر خازن، ج۷، ص ۲۶۵، دار النشر: دار الفکر - بیروت/لبنان)

[2] (تفسیر مدارک، ج۳، ص۶۵۷، الناشر: دار الکلم الطیب، بیروت)

[3] (فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۳۴، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

[4] (فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۳۳، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مغرب کے بعد دو رکعت میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ لوگ چلے جاتے تھے۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ اثر (قول) حدیث نہیں ہے اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے ساتھ متضاد بھی ہے:

عَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: مَا أحصي مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ: بِ (قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ) و (قل هو الله أحد)، رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

ترجمہ: میں نے بارہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو مغرب کے فرض کے بعد دو رکعت سنت میں اور فجر کی سنتوں میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھتے سُنا۔[2]

توجب دو معارض اقوال آئے ہیں کہ ایک میں لمبی لمبی نماز پڑھنے کا اثبات ہے اور دوسرے میں مختصر مختصر نماز پڑھنے کا اثبات ہے تو دونوں اقوال قابلِ حجت نہ رہے۔

جیسا کہ علماء اصول کا یہ مشہور قاعدہ ہے کہ:

إذا تعارضا تساقطا۔

جب دو اقوال میں تعارض آجائے تو دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قول کی تائید حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

كَانَ يَقُولُ: عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوبَةِ۔

ترجمہ: آپ فرمایا کرتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعت جلدی پڑھا کرو کہ یہ فرض نماز کے ساتھ مل کر اوپر چڑھتے ہیں۔[3]

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث یہ دونوں ایک ہی دعویٰ کے لئے مثبت ہیں جو جلدی سنت پڑھنا اور مختصر سنت پڑھنا ہے کے مقابلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول قابلِ عمل نہیں ہے۔

---

[1] (مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٣٧١، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٢٦٩، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[3] (مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٣٧١، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

دوسری بات یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول فعلی ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قولی ہے، اور جب قولی اور فعلی کا مقابلہ آجائے تو قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

جیسا کہ کبیری میں ہے:

أن القول مقدم على الفعل لأن الفعل يحتمل الإختصاص، إلخ۔

ترجمہ: قول فعل پر مقدم ہے کیونکہ فعل اختصاص کا احتمال رکھتا ہے۔[1]

شامی میں ہے:

وَهَذَا فِعْلٌ، وَالْقَوْلُ أَوْلَى، لِأَنَّ الْفِعْلَ يَحْتَمِلُ الْخُصُوصِيَّةَ وَالْعُذْرَ وَغَيْرَ ذَلِكَ۔

ترجمہ: یہ فعل ہے اور قول فعل سے اولیٰ ہے، کیونکہ قول خصوصیت اور عذر وغیرہ کا احتمال رکھتا ہے۔[2]

مولوی مفتاح الدین نے اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۱۵ میں لکھا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کی نیت سے ایسا قول و فعل شریعت میں جاری کر دیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمایا تو اس نے دین میں ایسا نیا کام ایجاد کیا کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

اور صفحہ نمبر ۱۷ میں لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اس کام کو ترک کر دیا جائے جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نہیں کیا ہے، حالانکہ کرنے کا تقاضا بھی تھا اور مانع بھی موجود نہ تھا، الخ۔

ہم کہتے ہیں کہ اصلاح الرسوم کے یہ مقدمات بمنزلہ بے اختیار مرتعش کی حرکت (وائبریشن) کی طرح ہے، اور مذہب حنفی کی معتبر کتب کے خلاف ہے، کیونکہ ہمارے زمانے میں بہت ایسے اعمال ہیں کہ جو مجتہد کے اجتہاد سے مشروع وجائز ہیں۔ اور متاخرین کے استحسان سے جائز ہیں۔ حالانکہ وہ امور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فعلاً ثابت نہیں ہیں اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے کہ امامت، تعلیم قرآن یا تعلیمِ علومِ شرعیہ پر اجرت لینا۔ یا مدارس کی تعمیرات، استصناع، مزارعت، اجارہ وغیرہ، یا زبان سے نیت کے الفاظ کی ادائیگی کرنا، یا قرآن مجید میں حرکات وسکنات یا رکوع کی علامات وغیرہ کہ فقہاء کرام نے ان کے جواز پر تصریح فرمائی ہے۔ تو اب اصلاح الرسوم کے مصنف کو چاہیئے کہ ان تمام ابواب ومسائل کو فقہ کی کتابوں سے نکال دے، حالانکہ یہ تمام امور واحکامات مذہب کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ تو اب اصلاح الرسوم کے مقدمات کی غلطی تمام اہلِ علم پر ظاہر ہوگی۔

---

[1] (کبیری، ص ۲۱۶)

[2] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۴۲، الناشر: دار الفکر-بیروت)

درج بالا امور کے جواز پر در مختار میں ہے:

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والأذان، اھ۔

ترجمہ: آج تعلیم قرآن، امامت اور اذان پر اجارہ کے جواز پر فتویٰ دیا جائے گا۔[1]

كذافي شرح الياس، ص ١٣٦۔

ایسا ہی شرح الیاس، ص۱۳۶ میں بھی ہے۔

کبیری میں ہے:

والمستحب في النيت ان ينوي ويقصد بالقلب ويتكلم باللسان بان يقول أصلى صلاة كذا، قال في الهداية: ويحسن ذلک (أی يتكلم باللسان)۔۔۔(إلى ان قال) ونقل إبن الهمام عن بعض الحفاظ أنه قال لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بطريق صحيح ولا ضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح اصلى كذا ولا عن أحد من الصحابة والتابعين رضي الله تعالىٰ عنهم بل المنقول أنه كان صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم إذا قام إلى الصلاة كبر، اھ۔

ترجمہ: نیت کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دل سے ارادہ کرے اور زبان سے تلفظ ادا کرے اور کہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں، ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض حفاظ سے ذکر کیا ہے کہ نیت کرنا زبان سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے صحیح روایت کے مطابق ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی ضعیف کے مطابق کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نماز کے شروع میں فرمایا ہو کہ میں فلاں نماز پڑھتا ہوں، نہ نیت کرنا صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے بلکہ ان سے منقول ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو کہتے اللہ اکبر۔[2]

اور شامی میں ہے:

وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، زَادَ فِي الْحِلْيَةِ: وَلَا عَنْ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعِ، بَلْ الْمَنْقُولُ {أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إذَا قَامَ إلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ}، اھ۔

ترجمہ: نہ ہی کسی صحابی و تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نیت ثابت ہے۔ اور حلیہ میں اضافہ کیا ہے کہ آئمہ اربعہ سے بھی نیت ثابت نہیں ہے بلکہ ان سے منقول ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو اللہ اکبر کہتے۔[3]

هكذا في البحر، ج ٢، ص ٢٩٢، والحموى على الإشباه، ص ٢٠، وأيضًا في كشف الغمه، ص ٨١، ومراقى الفلاح، ص ٣٩۔

---

1 (الدر المختار، ج٦، ص ۵۵، دار الفکر، بیروت)

2 (کبیری، ص ۲۲۹، مکتبه اسلامیه، کانسی روڈ، کوئٹه)

3 (ردالمحتار، ج٣، ص ٢٩١)

اسی طرح بحر، ج ۲، ص ۲۹۲، حموی علی الاشباہ، ص ۲۰، کشف الغمہ، ص ۸۱، اور مراقی الفلاح، ص ۳۹ میں بھی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

یحسن ذلک (أي التکلم باللسان)۔

ترجمہ: اور ہدایہ میں ہے کہ زبان سے نیت کا تکلم کرنا اچھا ہے۔[1]

ہدایہ ہی میں ہے:

قالوا في زماننا لا بد للعجم من دلالة فترک ذلک إخلال بالحفظ وهجران القرآن فیکون حسنا۔

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں عجمیوں کے لئے ضروری ہے کہ زبان سے نیت کریں اور اس کو ترک کرنا حفظ میں خلل اور قرآن مجید کو چھوڑنا آجائے گا۔ اس لئے اچھا ہے۔[2]

شامی میں ہے:

جَوِّدُوا الْقُرْآنَ کَانَ فِي زَمَنِهِمْ وَکَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَکَانِ۔

ترجمہ: قرآن مجید کو اختلافات سے پاک رکھو، بہت سی چیزیں زمان ومکان کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔[3]

اصلاح الرسوم کے مصنف نے صفحہ نمبر ۵۳ میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا دعا میں تین بار ہاتھ اٹھانا جنت البقیع میں واقعۃ الحال تھا۔ اور واقعۃ الحال کے لئے عموم بغیر عموم کے لفظ سے نہیں ہوتا۔

اور صفحہ نمبر ۵۴ میں لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا کا قیاس کرنا اس پر صحیح نہیں ہوتا کیونکہ مجتہد کا قیاس معتبر ہوتا ہے، انتہٰی۔

ہم دو وجوہ سے اس کا جواب دیتے ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نماز کے بعد کی دعا قیاس کی محتاج نہیں ہے، کیونکہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر نص وارد ہے۔ جیسا کہ ما قبل صفحات میں گزر چکا ہے تو قیاس کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ فعل کی حکایت کی تعبیر جو واقعۃ الحال سے کی جاتی ہے میں عموم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات ماننے کے قابل نہیں ہے کہ محکی عنہ فعل کے ساتھ کسی اور چیز کو الحاق کرنا مجتہد کے قیاس کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ کسی اور کا الحاق کرنا اس کے ساتھ جائز ہے کسی اور وجوہ کے ساتھ۔

---

[1] (الهداية، ج ۱، ص ۹۲، باب الشروط الصلاة التي تتقدمها، الناشر مكتبه شركة علميه، ملتان)

[2] (الهداية، كتاب الكراهية ومسائل متفرقه، ج ۴، ص ۴۷۴، الناشر شركة علميه، ملتان)

[3] (ردالمحتار، ج ۶، ص ۳۸۶، الناشر: دار الفكر - بيروت)

جیسا کہ تلویح میں ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا عُمُومَ لَهُ لِأَنَّ الْوَاقِعَ إِنَّمَا يَكُونُ بِصِفَةٍ مُعَيَّنَةٍ, وَفِي زَمَانٍ مُعَيَّنٍ, وَغَيْرُهُ إِنَّمَا يَلْحَقُ بِهِ بِدَلِيلٍ مِنْ دَلَالَةِ نَصٍّ أَوْ قِيَاسٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ۔

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ حکایت فعل میں عموم نہیں ہوتی کیونکہ واقع ہونے والی چیز صفت معین کے ساتھ زمانۂ معین میں ہی ہوتی ہے، اور کسی اور کو اس کے ساتھ ملحق کرنا کسی دلیل کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ نص ہو یا قیاس وغیرہ۔[1]

متن اعلام المؤمنین بحث الدعاء پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

فرض نماز کے بعد دعائیں مقبول ہوتی ہیں

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"عَنْ أَبِي أُمَامَةَ, قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ, وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ"۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، فرمایا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ کون سی دعاء زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض کے بعد۔"[2]

جبکہ نماز جنازہ فرض نماز ہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرض نماز کے بعد دعا سنی جاتی ہے، تو جس دعا کو حضور ﷺ دعائے مقبول فرماتے ہیں اور بعض متعصب علماء اس کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں تو آپ ان کا حکم خود سوچیں۔

علمائے دیوبند کے علامہ رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور مولانا محمد زکریا میں لکھتے ہیں:

ولکنا معاشر العوام الذين عمتهم الغفلة وأحاطت بهم القسوة حتى لا يكاد أحدنا يؤدي الأحكام حسب ما أمر به لسنا نتمكن من الإكتفاء بالدعوات الضمنية التي أشير إليها في الآية بل لا بد من إتيان الدعاء مستقلاً على حدة فيعزر تارك الدعوات بعد الصلوات ولا يعزر على تركها۔

ترجمہ: نماز میں ضمنی دعاؤں پر ہمیں اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مستقل دعا نمازوں کے بعد ضروری ہے۔ تو دعا نہ کرنے والوں کو تعزیر دیا جائے گا اور معذور تصور نہ کیا جائے گا۔[3]

---

[1] (شرح التلویح علی التوضیح، ج ۱، ص ۲۱۱، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

[2] (رواہ الترمذی ثم مشکوۃ ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ج ۲، ص ۲۹۱)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

بعض علماء سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

کقولہ تعالیٰ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن ٦٠)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں ادعوا اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔

اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی تو دعا بعد السنن جائز ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (المنشرح ٧)

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا:

فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتھد فی الدعاء۔[1]

یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (المؤمنون ۱۰۹)

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلاً یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے:

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الخ الآیۃ (سورۃ الحشر)۔

---

[1] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔ اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الأية۔ (البقرة ١٨٦)

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے:

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ الخ الأية۔ (الفرقان ٧٧)

تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔

علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوٰۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں:

فاعلموا ايها الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب عند العلماء۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

فمن قال ان الدعاء بعد السنة بدعة فهو ضال مضل اجتنبه ص ١٥۔

مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں:

ان الدعاء بعد السنن و النوافل مستحب صرح به فقهائنا و من انكره فهو ضال مضل۔[1]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ "لا يجتمع قوم فيدعوا بعضهم ويؤمن بعضهم الا اجابهم الله"۔[2] جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔

مسجد میں اجتماعی دعا کے استحباب پر متقدمین و متأخرین علماء کرام کا اجماع ہے

علامہ شامی نے فرمایا ہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المسجد۔

متقدمین و متأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔[1]

---

[1] (دعا بعد از سنن و نوافل ص ۳۷)

[2] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ "اجمع العلماء سلفا و خلفا علی عدم استحباب ذکر الجماعۃ فی المسجد" نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے:

"ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تکن بعدہ نافلۃ الناس ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین بالادعیۃ الماثورۃ الجامعۃ رافعی ایدیھم حذاء الصدر وبطونھما مما یلی الوجہ بخشوع وسکون ثم یختمون بقولہ تعالٰی سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الأیۃ ثم یمسحون بھا ای بایدیھم وجوھھم فی أخرہ واقرہ الطحطاوی"۔

مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ الخ کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔

طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے:

احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔ استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غور غشتوی دیوبندی کا فتویٰ "دعا بعد السنن بھیئۃ اجتماعیۃ" ارشادات نصیری میں موجود ہے۔

دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ "مسئلۃ التوسل والدعاء" میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱)

مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[2]

اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں:

"الدعاء بالجمع بعد السنۃ مستحب" (تسھیل الترمذی)

وفی الھدایۃ والسنۃ فی الادعیۃ تاخیرھا عن الصلوۃ الخ۔

---

[1] (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد))

[2] (بحوالہ تسھیل الترمذی، ص ۳۱۵)

یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔[1]

دوسری جگہ لکھا ہے:

"الاجابة فی الجمع ارجی" (ج ۲، ص ۱۴۴)

کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین"۔[2]

دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔[3]

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریباً باون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "عقائد المسلمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "اطفاء الفتن فی مسئلة الدعا بعد السنن" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔

فالحاصل الدعا بعد السنن و النوافل بهیئة الاجتماع مستحب و الفاعل ماجور عند الله تعالی و المانع محروم عن الله تعالی من الاجر العظیم۔

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن و فی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع و قال الامام الرازی و حقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العنایة و استمداده ایاه المعونة۔[4]

قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع و هذا هو المراد بقولهم الدعاء حاجت خواستن۔[5]

و الدعاء اظهار العبودیة و الذلة و الانکسار و الرجوع الی الله تعالی۔[6]

---

[1] (هدایة کسوف ص ۲۲۵)

[2] (خزینة الاسرار، ص ۱۴۰)

[3] نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الهدایٰ، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظهر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمدالله مردان صوابی۔ تسهیل المشکوٰة، ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت الله صوابی۔ الحجج البینات لمولانا شائسته گل علیه الرحمه۔ المسائل المنتخبه، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پر مولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۲۲، لمفتی سید احمد شاه اخون کلی سوات المعروف به قاضی بابا قدس سره۔ الرسائل السته، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامه عبد المتین علیه الرحمه شموزی سوات۔

[4] (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۰۶)

[5] (منهاج الحقائق، ص ۳)

[6] (کبیر ص ۱۳۶، ج ۲)

وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما ھو اظہار العبودیۃ والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک۔[1]

وفی قسطلانی مع مافی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظہار الافتقار الی اللہ تعالی۔[2]

وفی فتح الباری ولمافی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظہار الافتقار۔[3]

وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظہار الافتقار الی اللہ تعالی۔[4]

وفی تفسیر الخازن الدعاء ھو السوال وھو نوع من نوع العبادۃ۔[5]

اللہ تعالی نے دعا کو عبادت فرمایا ہے کقولہ تعالی:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ٦٠)

قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انکر القرآن۔[6]

قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی۔[7]

وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویۃ والاخرویۃ الجلیلۃ والحقیرۃ (صاوی)

وقولہ تعالی عن عبادتی الخ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ وقرء ھذہ الآیۃ ﷺ (مدارک)

وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل وجوھا کثیرۃ ان یکون المراد من الدعاء العبادۃ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ ومما یدل علیہ قولہ تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔[8]

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ:

جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[9]

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے:

"کقولہ علیہ السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء ھو العبادۃ"۔[1]

1

[1] (روح البیان ص ٤٣، ج ٢)
[2] (قسطلانی ص ١٥٨، ج ٩)
[3] (ج ١١، ص ٣٤)
[4] (طحطاوی ص ١٧٣، تنویر الایمان، ص ١٥٥)
[5] (خازن ج ٢، ص ١٠٣)
[6] (تفسیر کبیر ج ٥، ص ١٠٩)
[7] (تفسیر ابن جریر، ج ٢٤، ص ٥٢، نزھۃ المجالس، ج ١، ص ٦٧، ابن کثیر، ج ٤، ص ٨٦)
[8] (کبیر، ج ٢، ص ١٣٧)
[9] (روضۃ الطالبین ص ٣٣)

قال القرطبی فدل ھذا ان الدعاء ھو العبادة۔[2]

وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدعاء مخ العبادة۔[3]

و قال الرازی لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادة۔[4]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فان السنة تابعة للفرض و مکملة لھا وقت العرض۔[5]

قال عبد الرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیة عنھا۔[6]

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے:

عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامة الصلوة فان کان اکملھا کتبت لہ کاملة و ان لم یکن اکملھا قال للملائکة انظروا ھل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بھا ما ضیع من فریضة ثم الزکوة ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔[7]

وفی رد المحتار ان السنن من لواحق الفریضة و توابعھا و مکملاتھا فلم تکن اجنبیة عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضة۔[8]

و ھذا ھو السند علی کون الدعاء عبادة و ھذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوة او لا و ان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الصفات و یراد منہ الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین۔[9]

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ عنھما فی تفسیرہ فاذا فرغت فانصب من الصلوة المکتوبة لا من الصلوة المطلقة قلنا قال ابن عباس فی تفسیرہ بصیغة الاطلاق ای قال ابن عباس و قتادة فاذا فرغت من صلوتک۔[10]

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری، صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را

---

[1] (تفسیر خازن، ج۴، ص ۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج۱۵، ص ۳۲۶، ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص ۵۱، ابن کثیر، ج۴، ص ۸۵، مشکوة، ج ۱، ص ۲۱۱، کتاب الدعوة)

[2] (قرطبی، ج۱۵، ص ۳۲۶)

[3] (ترمذی، ج۲، ص ۱۹۵، مشکوة، ج ۱، ص ۲۱۱، البصائر، ص ۱۲۲، روضة الطالبین معزاد الطالبین، ص ۳۳، نفائس مطلوبہ، ص ۱۴)

[4] (کبیر، ج۴، ص ۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

[5] (مرقات، ج۲، ص ۱۱۹، طبع ملتان)

[6] (الفقہ علی المذاھب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰)

[7] (مسند احمد، ج۴، ص ۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱۱، ص ۴۱)

[8] (ردالمحتار، ص ۳۹۱) و ایضا فی الکبیری، ص ۳۵۵)

[9] (البصائر، ص ۱۲۲ لمولانا حمد اللہ دیوبندی مظاھری)

[10] (تفسیر قرطبی، ج۲۰، ص ۱۰۸، در منثور، ج۶، ص ۳۶۵، مظھری، ج ۱۰، ص ۲۹۴، ابن جریر، ج۳۰، ص ۱۵۱، روح المعانی، ج۳۰، ص ۱۹۸، بیضاوی، ج۲، ص ۵۶۵، جلالین، ص ۵۶۵، مدارک، ص ۳۹۰)

تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۴۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا۔ (ص ۷۴۲)

ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔[1]

مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد دعا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعترض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا کما لا یخفی علی من یعلم الخ تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے:

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهیئة اجتماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوة المکتوبة ولم یثبت ذالک فی عهده ﷺ ولا اخص بالمواظبة۔ نعم ثبتت ادعیة کثیرة بالتواتر بعد المکتوبة ولکنها من غیر رفع الایدی ومن غیر هیئة اجتماعیة۔ نعم ثبت دعاءه ﷺ برفع الیدین باجتماع بعد النافلة فی واقعتین احدهما واقعة بیت ام سلیم حین صلی فیه السبحة ودعا لانس رضی اللہ عنهما۔[2]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ثم ان الدعاء بعد الصلوة بهیئة اجتماعیة برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلة فی اللاستسقاء وفی قصة الصلوة فی بیت ام سلیم۔[3]

---

[1] (مخزن الدلائل ص ۷۷)

[2] (معارف السنن، ج ۳، ص ۴۰۹)

[3] (معارف السنن، ج ۴، ص ۴۲)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

شاہ انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیة و نرفع لها الایدی لثبوته عن عقیب النافلة و ان لم یثبت بعد المکتوبة فاذا ثبت جنسه لم تکن بدعة اصلا۔[1]

وهذا امر مسلم ان الصلوة لاستسقاء سنة کما فمتی احتاج الناس الی الماء فانه یسن ان یصلوا صلوة الاستسقاء۔[2]

و قال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء۔[3]

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال خرج یوما رسول الله ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلا اذان و اقامة ثم خطبنا و دعا۔[4]

مندرجہ بالا حدیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"عن انس قال دخل النبی ﷺ و ما هو الا انا و امی و ام حرام خالتی فقال قوموا افاصلی لکم فی غبر وقت صلوة فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منه قال جعله علی یمینه ثم دعا لنا اهل البیت بکل خیر من الدنیا و الأخرة فقال امی یا رسول الله ﷺ خویدمک ادع الله له قال فدعا لی بکل خیر و کان فی أخر ما دعا لی به اللهم اکثر ماله و ولده و بارک له فیه۔[5]

قال العلامة عبد الهادی الشاه منصوری فی کتابه عن عبد الله بن زید قال خرج رسول الله ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بهم رکعتین و جهر فیهما بالقراءة و استقبل القبلة یدعو و رفع یدیه و حول رداءه حین استقبل القبلة انتهی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع المسلمین و کذا رواه ابن ماجة۔[6]

قال العلامة سبحان الدین کوکاروی فی کتابه فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "و عن سعد ان رسول الله ﷺ مر بمسجد بنی معویة دخل فرکع فیه رکعتین و صلینا معه و دعا ربه طویلا الخ"۔[7]

و قال عبد الرحمن الجزری و یستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا و یقرأ اية الکرسی و المعوذتین و یسبح و یحمد و یکبر فی کل ثلاثا و ثلاثین و یهلل تمام المأة بان یقول لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک و له الحمد

---

[1] (فیض الباری، ج ۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج ۴، ص ۴۱۷، طبع)

[2] (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۶۳۱)

[3] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۴۴۸)

[4] (ابن ماجه، ص ۹۱)

[5] (مسلم، ج ۱، ص ۲۳۴، ج ۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوة بیهقی، ج ۶، ص ۱۹۵)

[6] (تسهیل الترمذی، ص ۳۱۴)

[7] (مشکوة، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبه، ص ۳۵)

وھو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللھم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت و لا ینفع ذا الجد منک الجد و یدعوا و یختم بقولہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔[1]

و قال ابن نجیم (صاحب البحر) لا کن عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ۔[2]

وفی شرح شرعۃ الاسلام و یختم الدعاء بعد المکتوبۃ قبل السنۃ علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول و الحنفی فی الفروع) من انہ قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنۃ و بعد السنن و الاوراد علی ما روی عن غرہ و ھو المشھور المعمول فی زماننا فانہ مستجاب بالحدیث۔[3]

و قال الحسن الشرنبلالی فی کتابہ و ان یستقبل بعدہ الناس و یستغفرون اللہ و یقرؤن أیۃ الکرسی و المعوذتین و یسبحون اللہ ثلاثا و ثلاثین و یحمدونہ کذالک و یکبرونہ کذالک ثم یقولون لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسھم و للمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحوا وجوھھم فی أخرہ۔[4]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہو گا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضۃ۔ کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع و مرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔

اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا:

کقولہ بعدہ ای بعد التطوع و عقیب الفرض اذا لم یکن بعدہ نافلۃ۔[5]

و فی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ و یستحب ان یشتغل بعدہ ای بعد التطوع الخ۔[6]

و فی منیر الایضاح شرح نور الایضاح و یستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ۔[7]

و ایضا فی ذریعۃ النجاح حاشیۃ نور الایضاح ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ الخ۔[8]

---

[1] (الفقہ علی مذاھب الاربعۃ، ج ۱، ص ۳۳۰، در مختار، ج ۱، ص ۵۱)
[2] (بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)
[3] (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۱۹۲، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)
[4] (نور الایضاح، ص ۸۰)
[5] (طحطاوی، ص ۱۷۱)
[6] (البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد اللہ دیوبندی)
[7] (منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)
[8] (ص ۷۹ لمولانا عبد الرزاق بتھر الوی)

وفی سنن الهدی والجمهور علی ان الاولی الاشتغال بالسنة ثم بالدعاء وعلیه عمل اهل الحرمین وسائر دیار العرب۔[1]

وقال اشرف علی التهانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعده نافلة ان یستقبل الناس الخ۔[2]

وقال ایضا فتحصل من هذا کله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل هواه ووسوس له الشیطان فاغواه۔[3]

قال العلامة حمد الله الدیوبندی السهارنفوری وعلم من الادلة المذکورة ان الدعاء بعد العبادات قاعدة متقررة فی الشرع ونجعلها کبری ونضم معها الصغری سهلة الحصول۔ الصلوة عبادة وکل عبادة فالدعاء بعدها مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوة فالدعاء بعدها مستحب اما الصغری فظاهر لان الصلوة اهم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانها من الاصول الموضوعة المسلمة عند الفقهاء المستنبطة من النصوص علا انه ورد الامر بالدعاء بعد الصلوة علی طریق الخصوص قال الله تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیره من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوة فاتعب فی الدعاء روی هذا التفسیر عن قتادة وضحاک وغیرهما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوة، ج ۲، ص ۹۳۷۔[4]

بحر العلوم علامہ عبد المتین سواتی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوة الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة الخ۔

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر و عصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔[5]

وعن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ما اجتمع ثلاثة بدعوة قط الا کان حقا علی الله ان لا یرد ایدیهم۔[6]

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز با جماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک

---

[1] (سنن الهدی، ص ۴۸، بحواله دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاهر شاه قادری)

[2] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثوره لمولوی تهانوی دیوبندی)

[3] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۱ اشرف علی تهانوی دیوبندی)

[4] (البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

[5] (الرسائل السته، ص ۶۹)

[6] (حلیة الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)

بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔[1]

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان

قال ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ: دعا النبی ﷺ ثم رفع یدیه، و رأیت بیاض اِبطیه۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ حضور اکرم ﷺ نے دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی۔[2]

عن انس رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ: رفع یدیه حتی رأیت بیاض ابطیه۔ رواہ البخاری (رضی اللہ عنہ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔[3]

قال ابن عمر رضی اللہ عنہما: رفع النبی ﷺ یدیه و قال: اللهم اِنی أبرأ الیک مما صنع خالد۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا: اے اللہ! جو خالد نے کیا میں تیری بارگاہ میں اس سے بری ہوں۔[4]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما، قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیه فی الدعاء، لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه۔ رواہ الترمذی و الحاکم و البزار۔ و قال ابو عیسیٰ: هذا حدیث صحیح۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو اپنے چہرہ اقدس پر پھیرنے سے پہلے (ہاتھ) نیچے نہ کرتے تھے۔[5]

---

[1] (رسائل و مسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)

[2] (اخرجه البخاری رضی اللہ عنه فی الصحیح، کتاب:الدعوات، باب:رفع الایدی فی الدعاء، ۲۳۳۵/۵، وفی کتاب:المغازی، باب:غزوة اوطاس، ۱۵۷۱/۴، الرقم:۴۰۶۸)

[3] (اخرجه البخاری رضی اللہ عنه فی الصحیح، کتاب:الدعوات، باب:رفع الایدی فی الدعاء، ۲۳۳۵/۵، وفی کتاب:الاستسقاء، باب:رفع الامام یده فی الاستسقاء، ۳۴۹/۱، الرقم:۹۸۴، وفی کتاب:المناقب، باب:صفة النبی ﷺ، ۱۳۰۷/۳، الرقم:۳۳۷۲)

[4] (اخرجه البخاری رضی اللہ عنه فی الصحیح، کتاب:الدعوات، باب:رفع الایدی فی الدعاء، ۲۳۳۵/۵، وفی باب:بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمة، ۱۵۷۷/۴، الرقم:۴۰۸۹، وفی کتاب:الأحکام، باب:إذا قضیٰ الحاکم بجور، أو خلاف أهل العلم فهو رد، ۲۶۲۸/۶، الرقم:۶۷۶۶، والنسائی فی السنن، کتاب:آداب القضاة، باب:الرد علی الحاکم اذا قضی بغیر الحق، ۲۳۶/۸، الرقم:۵۴۰۵، وابن حبان فی الصحیح، ۵۳/۱۱، الرقم:۴۷۴۹، والبیهقی فی السنن الکبریٰ، ۱۱۵/۹، وعبد الرزاق فی المصنف، ۲۲۱/۵، الرقم:۹۴۳۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱۵۰/۲، الرقم:۶۳۸۲۔

[5] (أخرجه الترمذی فی السنن کتاب:الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب:ماجاء فی رفع الأیدی عند الدعاء، ۴۶۳/۵، الرقم:۳۳۸۶، وعبد الرزاق فی المصنف، ۲۴۷/۲، الرقم:۳۲۳۴، والحاکم فی المستدرک، ۷۱۹/۱، الرقم:۱۹۶۷، والبزار فی المسند، ۲۴۳/۱، الرقم:۱۲۹، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ۱۲۴/۷، الرقم:۷۰۵۳، وعبد بن حمید فی المسند، ۴۴/۱، الرقم:۳۹، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱۵۶/۱، الرقم:۲۳۶، والمناوی فی فیض القدیر، ۱۳۸/۵)

عن السائب بن یزید عن ابیه ان النبی ﷺ کان اذادعافرفع یدیه مسح وجهه بیدیه۔رواه ابوداود واحمد والطبرانی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو (اس کیلئے) اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے (پھر دعا کے بعد) اپنے چہرہ انور پر ہاتھ پھیرتے۔[1]

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال:قال رسول الله ﷺ: مامن عبد یرفع یدیه حتی یبدو ابطه یسأل الله مسألة الاآتاهااِیاه مالم یعجل۔قالوا:یارسول الله ﷺ، وکیف عجلته؟قال:یقول:قدسألت وسألت ولم أعط شیئاً۔رواه الترمذی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بغل ظاہر ہو جاتی ہے پھر وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! جلدی سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کہے: میں نے مانگا، میں نے مانگا لیکن مجھے کچھ نہ دیا گیا۔[2]

عن ابن عمررضی الله عنهماقال:قال رسول الله ﷺ:ان ربکم حیی کریم، یستحی أن یرفع العبدیدیه، فیردهماصفراًلاخیرفیهما،فاذارفع أحدکم یدیه فلیقل:{یاحی لااله الاانت یاارحم الراحمین}ثلاث مرات ثم اذا ردیدیه فلیفرغ ذلک الخیرعلی وجهه۔رواه ابن حبان وابویعلی والبزار والطبرانی واللفظ له۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے وہ اس بات سے حیا محسوس کرتا ہے کہ اس کا کوئی بندہ (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹا دے پس جب بھی تم میں سے کوئی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو یوں کہے: **{یاحی لااله الاانت یاارحم الراحمین}** یہ کلمات تین بار دہرائے پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انہیں اپنے چہرہ پر پھیر لے۔[3]

عن الزهری قال: کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه عندصدره فی الدعاء، ثم یمسح بهماوجهه۔رواه عبدالرزاق وقال:وربمارأیت معمراًیفعله واناافعله۔

---

[1] (أخرجه أبوداودفی السنن،کتاب:الصلاة، باب:الدعاء، ۲/۷۹، الرقم:۱۴۹۲، واحمدبن حنبل فی المسند، ۴/۲۲۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر،۲۲/۲۴۱،الرقم:۶۳۱،والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۴۵، والسیوطی فی الجامع الصغیر،۱/۱۴۵،الرقم:۲۱۶،والمقریزی فی مختصرکتاب الوتر،۱/۱۵۲)

[2] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب:الدعوات عن رسول الله ﷺ باب:(۱۳۸)،الرقم:۳۶۰۸/۳۹۶۹)

[3] (أخرجه ابن حبان فی الصحیح،۳/۱۰۶،الرقم۸۷۶،وأبویعلی فی المسند،۳/۳۹۱،الرقم۱۸۶۷،والهندی فی کنزالعمال،۲/۸۷،الرقم:۳۲۶۶،۳۲۶۸، والبزار عن سلمان رضی الله عنه فی المسند،۶/۴۷۸،الرقم۲۵۱۱،والطبرانی فی المعجم الکبیر،۱۲/۴۲۳،الرقم:۱۳۵۵۷،والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۱/۲۲۱،الرقم۸۴۷، وابن راشدفی الجامع،۱۰/۴۴۳،والقضاعی فی مسندالشهاب،۲/۱۶۵،الرقم۱۱۱۱،والمنذری فی الترغیب والترهیب، ۲/۳۱۵، الرقم۲۵۲۷،والهیثمی فی مجمع الزوائد،۱۰/۱۶۹،والعجلونی فی کشف الخفاء،۲/۲۷۱،الرقم۲۲۹۷)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں اپنے ہاتھ مبارک سینہ اقدس تک بلند فرماتے اور پھر دعا کے بعد ان کو اپنے چہرہ انور پر پھیر لیتے۔

اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معمر کو اکثر (دعا میں) ایسے کرتے دیکھا اور میرا اپنا معمول بھی یہی ہے۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا دعا جعل باطن کفه الی وجهه۔ رواہ الطبرانی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنی مبارک ہتھیلیوں کو اپنے رخ زیبا کی طرف فرما لیتے۔[2]

عن خلاد بن السائب الانصاری رضی اللہ عنه ان رسول اللہ ﷺ کان اذا دعا جعل باطن کفیه الی وجهه۔ رواہ احمد۔

حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ انور کے سامنے کر لیتے۔[3]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنه رأیت رسول اللہ ﷺ یدعو هکذا بباطن کفیه وظاهرهما۔ رواہ ابو داود واحمد نحوہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دعا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کے باطن اور (نماز استسقاء میں) ظاہر کو یوں کیا ہوا تھا۔[4]

عن سلمان رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ قال: ان اللہ عز وجل لیستحی اذا رفع العبد یدیه ان یردهما صفرا لا شیء فیهما رواہ الطبرانی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عز وجل کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ جب اس کا بندہ دعا کیلئے (اس کے سامنے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی (بغیر کچھ ڈالے) لوٹا دے۔[5]

---

[1] (أخرجه عبد الرزاق فی المصنف، ۲/۲۴۷، الرقم: ۳، ۳۲۳۵، ۳۲۳۴/۱۲۳، الرقم: ۵۰۰۳)

[2] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۱/۴۳۵، الرقم: ۱۲۲۳۴، وفی المعجم الأوسط، ۵/۲۵۰، الرقم: ۵۲۲۶، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/۱۴۵، الرقم: ۲۱۷، والمناوی فی فیض القدیر، ۵/۱۳۳)

[3] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۵۶، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/۱۴۶، الرقم: ۲۴۷، ۲۱۷، والمزی فی تهذیب الکمال، ۷/۷۷، الرقم: ۱۴۱۸، والعسقلانی فی تلخیص الحبیر، ۲/۱۰۰، الرقم: ۷۲۳، والشوکانی فی نیل الأوطار، ۴/۳۵)

[4] (أخرجه ابو داؤد فی السنن، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، ۲/۷۸، الرقم: ۱۴۸۷ واحمد بن حنبل فی المسند، ۵/۴۲۷، الرقم: ۲۳۶۷۰، والشیبانی فی المبسوط، ۱/۱۰۲، والقرطبی فی الجامع الاحکام القرآن، ۱۱/۳۳۷، وابن عدی فی الکامل، ۵/۳۲، الرقم: ۱۲۰۲)

[5] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/۲۵۶، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۱/۸۴، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والهندی فی الکنز العمال، ۲/۸۷، الرقم: ۳۲۶۷)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ اذا دعا العبد فرفع یدیہ فسأل، قال اللہ عزوجل: انی لأستحیی من عبدی ان اردہ۔ رواہ الطبرانی فی الدعاء۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کو اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک میں اپنے اس بندے سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کی دعا کو رد کردوں۔[1]

عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان ربکم حیی کریم، یستحی اذا رفع العبد یدیہ ان یردھما صفرا الاخیر فیھما۔ رواہ الدارقطنی فی الافراد کما قال الھندی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور سخی ہے۔ اسے اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی بندہ (دعا کیلئے اس کے سامنے) اپنے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی، ان میں خیرات ڈالے بغیر واپس لوٹا دے۔[2]

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال: لاتستروا الجدر من نظر فی کتاب اخیہ بغیر اذنہ فانما ینظر فی النار سلوا اللہ ببطون أکفکم ولا تسألوہ بظھورھما فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم۔[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دیواروں کو (پردوں سے) نہ چھپایا کرو اور جو شخص اپنے بھائی کے خط میں بغیر اس کی اجازت کے دیکھتا ہے بیشک وہ جہنم کی آگ میں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہتھیلیاں اوپر کر کے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت اوپر نہ رکھا کرو اور جب فارغ ہو جاؤ تو انہیں چہروں پر مل لیا کرو۔[4]

الْأَسْوَدِ الْعَامِرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الفجر فماسَلَّمَ انْحَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا۔

اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں نماز فجر ادا کی پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو ایک طرف ہو کر اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔[5]

---

[1] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۵۶/۲، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۸۴/۱، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والهندی فی الکنز العمال، ۸۷/۲، الرقم: ۳۲۶۷)

[2] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۵۶/۲، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۸۴/۱، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والهندی فی الکنز العمال، ۸۷/۲، الرقم: ۳۲۶۷)

[3] (رواه ابوداود والحاکم وابن ابی شیبة والبیهقی والطبرانی۔ ورجاله ثقات)

[4] (اخرجه ابوداؤد فی السنن، کتاب: الصلوٰة، باب: الدعا، ۷۸/۲، الرقم: ۱۴۸۵، والحاکم فی المستدرک، ۷۱۹/۱، الرقم: ۱۹۶۸، وابن ابی شیبة فی المصنف، ۵۲/۶، الرقم: ۲۹۴۰۵، والبیهقی فی السنن الکبری، ۲۱۲/۲، الرقم: ۲۹۶۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳۱۹/۱۰، الرقم: ۱۰۷۷۹، وفی مسند الشامیین، ۴۳۲/۲، الرقم: ۱۶۳۹، والشیبانی فی الأحاد والمثانی، ۴۱۰/۴، الرقم: ۲۴۵۹، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۳۰۶/۲، الرقم: ۳۳۸۳، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱۵۲/۱، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۶۹/۱۰، وقال: رجاله ثقات، والقرطبی فی الجامع الاحکام، ۳۳۷/۱۱)

[5] (تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، باب مايقول اذاسلم من الصلاة، ج۲ ص ۱۷۱ دار الکتب العلمية — بيروت، اخرجه ابن ابی شیبه فی المصنف، ۲۶۹/۱، الرقم: ۳۰۹۳، وقال: رواه ابن أبی شیبة فی مصنفة، وابن القدامة فی المغنی، ۳۲۸/۱)

عن محمد بن ابی یحی قال: رأیت عبدالله الزبیر رضی الله عنهما و رأی رجلاً رافعا یدیه یدعو قبل ان یفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال، ان رسول الله ﷺ لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته رواه المقدسی، والطبرانی کما قال الهیثمی۔ وقال: ورجاله ثقات۔

محمد بن ابی یحیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا اورانہوں نے ایک آدمی کو ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے ہوئے دیکھا قبل اس کے کہ وہ نماز سے فارغ ہوتا پس جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس کو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیشک حضور نبی کریم ﷺ (دعا کیلئے) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو جائیں۔[1]

عن انس عن النبی ﷺ انه قال ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلاة ثم یقول اللهم الهی واله ابراهیم واسحق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل علیهم السلام أسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر، وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب، وتنفی عنی الفقر، فانی متمسکن الا کان حقا علی الله عزوجل ان لا یرد یدیه خائبتین۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مومن ایسا نہیں جو ہر نماز کے بعد اپنی ہتھیلیاں پھیلاتا ہے پھر یہ کہتا ہے: اے میرے اللہ! اے میرے اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کے معبود اور جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے معبود! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا قبول فرما کیونکہ میں مجبور ہوں اور تم مجھے میرے دین میں مجھے مضبوط رکھ کیونکہ میں ابتلاء میں ہوں اور تم مجھے اپنی رحمت سے حصہ وافر عطا فرما کیونکہ میں گناہگار ہوں اور مجھ سے فکر کو دور فرما کیونکہ میں ایک مسکین ہوں پھر اللہ اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے اور اس کے ہاتھوں کو ناکام واپس نہیں لوٹاتا۔[2]

عن انس بن مالک رضی الله عنهما قال: خرجت مع رسول الله ﷺ من البیت الی المسجد، وقوم فی المسجد رافعی ایدیهم یدعون الله عزوجل فقال لی رسول الله ﷺ: هل تری ما أری بأیدی القوم؟ فقلت: ما تری فی ایدیهم؟ فقال: نور قلت: ادع الله أن یرینیه، قال: فدعا، فرأیته، فقال: یا انس استعجل بنا حتی نشرک القوم، فأسرعت مع نبی الله ﷺ فرفعنا أیدینا۔ رواه البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الدعاء واللفظ له۔

---

[1] (أخرجه فی المقدسی المختارة، ۹/۳۳۶، الرقم: ۳۰۳، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۱۶۹، وقال: رواه الطبرانی وترجم له فقال محمد بن یحییٰ الأسلمی عن عبدالله بن زبیر ورجاله ثقات، والمبارکفوری فی تحفة الأحوذی، ۲/۱۰۰، وقال: رواه الطبرانی ورجاله ثقات۔)

[2] (رواه ابن عساکر وابن السنی واللفظ له والدیلمی والهندی، أخرجه ابن عساکر، ۱۶/۳۸۳، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة، ۱/۵۲، الرقم: ۱۳۹: والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۱/۴۸۱، الرقم: ۱۹۷۰، والهندی فی کنز فی کنز العمال، ۲/۱۳۴، الرقم: ۳۴۷۵، والمبارکفوری فی تحفة الاحوذی، ۲/۱۷۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گھر سے مسجد کی طرف نکلا اور کچھ لوگ مسجد میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اللہ عزوجل سے دعا مانگ رہے تھے تو مجھے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو ان کے ہاتھوں میں ہے؟ تو میں نے عرض کیا: آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (میں ان کے ہاتھوں میں) نور دیکھ رہا ہوں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی یہ نور دکھائے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انس جلدی کرو یہاں تک کہ ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ (دعا میں) شریک ہو سکیں۔ پس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی ان لوگوں کی طرف گیا پھر ہم نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لئے۔[1]

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: الصلاة مثنى، مثنى تشهد فی کل رکعتین، وتخشع وتضرع، وتمسکن وتقنع یدیک تقول ترفعهما الی ربک مستقبلا ببطونهم وجهک وتقول: یارب یارب، ومن لم یفعل ذلک فهو کذا و کذا۔ رواه الترمذی والنسائی واحمد والطبرانی۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز (نفل) دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے، خشوع و خضوع سکون اور اپنے رب کی طرف ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ ان کا اندرونی حصہ منہ کی جانب رہے اور پھر کہنا اے رب! اے رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے۔[2]

عن المطلب عن النبی ﷺ قال: الصلاة مثنى مثنى ان تشهد فی کل رکعتین وتباءس وتمسکن وتقنع بیدیک وتقول: اللهم اللهم فمن لم یفعل ذلک فهی خداج، رواه ابوداود وابن ماجة والنسائی وابن خزیمة۔

وقال ابن خزیمة بعد تخریج الحدیث المذکور: فی هذا الخبر زیادة شرح ذکر رفع الیدین لیقول: اللهم اللهم، وفی خبر اللیث ترفعهما الی ربک تستقبل بهما وجهک وتقول: یارب یارب، ورفع الیدین وتشهد قبل التسلیم لیس من سنة الصلاة، وهذا دالّ علی انه انما أمره برفع الیدین والدعاء والمسألة بعد التسلیم من المثنی۔

حضرت مطلب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نماز کی دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت پر تشہد ہے اور عاجزی اور سکون کا حال عرض کرتا ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے، یا اللہ یا اللہ! اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز نامکمل ہے۔

---

[1] (أخرجه البخاری فی التاریخ الکبیر، ۲۰۲/۳، الرقم: ۶۹۲، والطبرانی فی الدعاء، ۸۵/۱، الرقم: ۲۰۶)

[2] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الصلاة، عن رسول اللہ ﷺ باب: ماجاء فی التخشع فی الصلاة، (ج ۱ ص ۸۷/۲۲۵)، الرقم: ۳۸۵، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ۴۵۰/۱، ۲۱۲، الرقم: ۶۱۵، ۱۴۴۰، واحمد بن حنبل فی المسند، ۱۶۷/۴، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۹۵/۱۸، الرقم: ۷۵۷، والمنذری فی الترغیب والترهیب، ۲۰۳/۱، الرقم: ۷۷۰، وأبو المحاسن فی المعتصر المختصر، ۳۸/۱، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱۰۶/۱، وابن قتیبه فی تأویل مختلف الحدیث، ۱۶۸/۱)

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کے بعد بیان فرماتے ہیں: اس حدیث میں دعا میں ہاتھ اٹھانے کی مزید شرح ہے اور یہ کہ دعا مانگنے والے کو کہنا چاہیئے: اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! اور لیث کی روایت میں ہے کہ دعا مانگنے والا اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھائے اور ان کو اپنے چہرے کے سامنے رکھے اور یہ کہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اور رفع یدین اور سلام سے پہلے تشہد سنت نماز میں سے نہیں ہے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رفع یدین اور دعا اور سوال کرنا سلام کے بعد ہے یعنی دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد (نماز مکمل کرنے کے بعد) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیئے۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: المسألة أن ترفع يديک حذو منكبيک أو نحوهما والاستغفار ان تشير باصبع واحد والابتهال ان تمد يديک جميعا۔

وفی رواية: عن عباس بن عبدالله بن معبد بن عباس بهذا الحديث قال فيه والابتهال هكذا ورفع يديه وجعل ظهورهما مما يلی وجهه۔ رواه أبو داود وعبدالرزاق والطبرانی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاؤ یا ان کے برابر اور استغفار ایک انگلی سے اشارہ کرنا ہے اور اظہار عجز دونوں ہاتھوں کا اکٹھے پھیلانا ہے۔

اور عباس بن عبد اللہ بن معبد بن عباس رضی اللہ عنہم اسی حدیث کی روایت میں فرماتے ہیں کہ اظہار عجز اس طرح ہے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشت اپنے چہرے کے سامنے رکھی۔[2]

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اذا دعوت اللہ فادع ببطون كفيک۔ ولا تدع بظهورهما۔ فاذا فرغت فامسح بهما وجهک۔ رواه ابن ماجة۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے دعا کیا کرو نہ کہ ان کی پشت سے اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو چہرے پر مل لو۔[1]

---

[1] (أخرجه أبو داود فی السنن، كتاب: الصلاة، باب: فی صلاة النهار، ۲/۲۹، الرقم: ۱۲۹۶، وابن ماجة فی السنن، كتاب: اقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ماجاء فی صلاة الليل والنهار مثنى مثنى، ۱/۴۱۹، والنسائی فی السنن الكبرىٰ، ۱/۲۱۲، الرقم: ۱۳۲۵، ۴۵۱، الرقم: ۱۴۴۱، ۶۱۶، وابن خزيمة فی الصحيح، ۲/۲۲۰-۲۲۱، الرقم: ۱۲۱۲-۱۲۱۳، واحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۱۶۷، والدارقطنی فی السنن، ۱/۴۱۸، الرقم: ۴، والبيهقی فی السنن الكبرىٰ، ۲/۴۸۸، الرقم: ۴۳۵۴، والديلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/۴۰۷، الرقم: ۳۸۱۱، والمنذری فی الترغيب والترهيب، ۱/۲۰۳، الرقم: ۷۷۰)

[2] (أخرجه أبو داود فی السنن، كتاب: الصلاة، باب: الدعاء، ۲/۷۹، الرقم: ۱۴۸۹-۱۴۹۰، وعبدالرزاق فی المصنف، ۲/۲۵۰، الرقم: ۳۲۴۷، والطبرانی فی كتاب الدعاء، ۱/۸۶، الرقم: ۲۰۸، والمقدسی فی الاحاديث المختارة، ۹/۴۸۶، الرقم: ۴۶۸-۴۶۹، والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۱/۱۴۳، وقال: أخرجه ابوداود والحاكم، وايضا فی الدراية فی تخريج أحاديث الهداية، ۲/۱۷، الرقم: ۴۲۶، والزيلعی فی نصب الراية، ۳/۵۱، والصنعانی فی سبل السلام، ۴/۲۱۹، والزرقانی فی شرح الموطا، ۲/۵۹، الرقم: ۱۲۳، والمناوی فی فيض القدير، ۱/۱۸۴، والعظيم آبادی فی عون المعبود، ۴/۲۵۳)

وقال الامام البیہقی فی الشعب وأما آدابه:

فمنها: المحافظة علی الدعاء فی الرخاء دون تخصیص حال الشدة والبلاء۔

ومنها: افتتاح الدعاء وختمه بالصلاة علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ومنها: أن یدعو فی دبر صلوته۔

ومنها: أن یرفع الیدین حتی یحاذی بهما المنکبین اذا دعا۔

ومنها: ان یمسح وجهه بیدیه اذا فرغ من الدعاء۔

امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں فرمایا:

آداب دعا میں سے ہے:

(انسان کا) ہمیشہ دعا پر استقامت اختیار کرنا اگرچہ وہ خوشحالی میں ہو اور دعا کو صرف سختی اور مصیبت کے ساتھ خاص نہ کرنا۔

اور یہ کہ دعا کے آغاز اور آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا۔

اور یہ کہ اپنی نمازوں کے بعد دعا کرنا۔

اور یہ کہ ہاتھوں کو دعا میں اپنے کندھوں کے برابر بلند کرنا۔

اور یہ کہ دعا سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔[2]

وقال الامام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی: قال جماعة من اصحابنا وغیرهم السنة فی کل دعاء لرفع بلاء کالقحط ونحوه أن یرفع یدیه ویجعل ظهر کفیه الی السماء احتجوا بهذا الحدیث قوله عن انس رضی اللہ عنه أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان لا یرفع یدیه فی شیء من دعائه الا فی الاستسقاء حتی یری بیاض ابطیه، هذا الحدیث یوهم ظاهره انه لم یرفع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا فی الاستسقاء ولیس الامر کذلک بل قد ثبت رفع یدیه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الدعاء فی مواطن غیر الاستسقاء وهی اکثر من أن تحصر وقد جمعت منها نحوا من ثلاثین حدیثا من الصحیحین او احدهما۔

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی نے فرمایا: ہمارے علمائے کرام اور بعض دیگر نے کہا ہے کہ ہر دعا میں جو کسی مصیبت جیسے قحط وغیرہ کے ٹالنے کیلئے ہو ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف کرے۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے بعض لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ استسقاء کے علاوہ

---

[1] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، کتاب: الدعاء، باب: رفع الیدین فی الدعاء، ۱۲۷۲/۲، الرقم: ۳۸۶۶، وفی کتاب: اقامة الصلاة والسنة فیها، ۳۷۳/۱، الرقم: ۱۱۸۱، والکنانی فی مصباح الزجاجة، ۱۴۱/۱، الرقم: ۴۲۲، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱۵۱/۱، الرقم: ۶۵، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۲۷۵/۱، الرقم: ۳۸۶۶)

[2] (أخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ۴۵/۲)

دعا میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے حتیٰ کہ (جب آپ ﷺ ہاتھ بلند فرماتے تو) آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی مبارک نظر آتی تھی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ وہم ڈالتا ہے کہ آپ ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے اور معاملہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز استسقاء کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اور یہ مواقع بے شمار ہیں اور میں نے صحیحین یا ان دونوں میں کسی ایک میں سے اس طرح کی تیس احادیث جمع کی ہیں۔[1]

قال الامام ابن تیمیه فی الفتاوی: وَإِنْ أَرَادَ أَنَّ مَنْ دَعَا اللهَ لَا يَرْفَعُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ، فَهَذَا خِلَافُ مَا تَوَاتَرَتْ بِهِ السُّنَنُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فَطَرَ اللهُ عَلَيْهِ عِبَادَهُ مِنْ رَفْعِ الْأَيْدِي إِلَى اللهِ فِي الدُّعَاءِ۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا اور اگر اس سے کسی نے یہ مراد لیا ہے کہ دعا کرنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے تو یہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول سنن متواترہ کے خلاف ہے اور اس (انسانی) فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں (یعنی مانگنے والا ہمیشہ ہاتھ بڑھاتا ہے) اور وہ یہ ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ بلند کیے جائیں۔[2]

واخرج الامام ابن رجب الحنبلی: مدّیدیه الی السماء وهو من آداب الدعاء التی یرجی بسببها اجابته۔

امام ابن رجب حنبلی نے ایک طویل حدیث میں (حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کی کیفیت دعا بیان کرتے ہوئے) بیان کیا: انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور یہ آداب دعا میں سے جس کے سبب امید قبولیت رکھی جاتی ہے۔[3]

وقال الامام جلال الدین السیوطی: احادیث رفع الیدین فی الدعاء فقد وردعنه ﷺ نحو مائة حدیث فیه رفع یدیه فی الدعاء وقد جمعتها فی جزء (فض الوعافی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) لکنها فی قضایا مختلفة فکل قضیة منها لم تتواتر والقدر المشترک فیها وهو الرفع عند الدعاء تواتر باعتبار المجموع۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے تقریباً سو کے قریب احادیث منقول ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے دعا میں ہاتھ بلند فرمائے ان تمام احادیث کو میں نے ایک مستقل کتاب **(فض الوعافی احادیث رفع الیدین فی الدعاء)** میں جمع کر دیا ہے اگرچہ یہ دعائیں مختلف قضایا سے متعلق ہیں مگر ان میں ہاتھ اٹھانا چونکہ قدرے مشترک ہے اس لئے یہ (ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا) مجموعی اعتبار سے احادیث متواتر (سے ثابت) ہو گیا۔[4]

---

[1] (أخرجه النووی فی شرح علی صحیح مسلم، ۱۹۰/۶)
[2] (أخرجه ابن تیمیه فی مجموع فتاوی، ۲۶۵/۵)
[3] (أخرجه ابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱۰۵/۱)
[4] (أخرجه السیوطی فی تدریب الراوی، ۱۸۰/۲)

فتح الباری میں ہے :

ولاسیمامع کثرة الاحادیث الواردة فی ذلک (ای رفع الایدی فی الدعاء)فان فیه احادیث کثیرة افردهاالمنذری رحمة الله علیه فی جزء سردمنهاالنووی رحمة الله علیه فی الاذکاروفی شرح المهذجملة وعقدلهاالبخاری رحمةاللهعلیهفی الادب المفردصفحه ٩٠ (طبع التازیه)باباً۔۔الخ۔[1]

ان صریح حوالوں سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

قال فی الاصل وینزل بها(ای عرفات)مع الناس لان الانتباذتجبروالحال حال تضرع والاجابة فی الجمع ارجیٰ۔

اصل میں ہے کہ عرفات سے لوگوں کے ساتھ اتریں کیونکہ اکیلا اترنا تکبر ہے اور حال عاجزی کا ہے اوراجتماعی دعامیں مقبولیت کی بہت زیادہ امید ہے۔[2]

واللہ اعلم ورسولہ ﷺ

تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاءمانگنے کا بیان

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعامانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔

حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے:

کقولهباب تکریر الدعاء۔[3]

علامہ عینی فرماتے ہیں:

هذاباب فی بیان تکریر الدعاء وهو ان یدعو به مرة بعداخری لان فی تکرره اظهار الموضع الفقر والحاجة الی الله عز وجل والتذلل والخضوع له وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجه ابن حبان فی صحیحه۔[4]

---

[1] (فتح الباری، ص ۱۴۲، ج ۱۱)

[2] (ھدایہ صفحہ ۲۲۴ ج ۱)

[3] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)

[4] (عینی حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)

اگر کسی چیز کو تین مرتبہ طلب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے:

کقولہ علیہ السلام "عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز وجل الجنۃ ثلاثا الا قالت الجنۃ اللھم ادخلہ الجنۃ ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللھم اجرہ من النار"۔[1]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا و اذا سأل سأل ثلاثا۔[2]

مولوی یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین و من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لامساغ لانکارھا"۔[3]

قال النووی فی شرحہ فیہ استحباب اطالۃ الدعاء و تکریرہ و رفع الیدین۔[4]

و قال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء و یکررہ ثلاثا۔[5]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے:

عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا و قال النووی فیہ استحباب تکریر الدعاء ثلاثا۔[6]

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور۔

---

[1] (مسند احمد، ج۳، ۱۵۵)

[2] (التعلیق علی الترغیب الترھیب، ج ۲، ص ۴۸۴ لعلامہ مصطفی عمارہ، مخزن الدلائل، ص ۵۵، مشکوٰۃ، ص ۲۲۳)

[3] (معارف السنن شرح ترمذی، ج۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)

[4] (شرح مسلم للنووی، ج۷، ص ۴۷ دار المعرفۃ بیروت، الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني ج۸ ص ۱۷۴ کتاب الجنائز، الكوكب الوهَّاج والرَّوض البَهَّاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج ص ۲۷۵ ج ۱۱ دار المنهاج - دار طوق النجاة)

[5] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

[6] مسلم (ج ۲، ص ۱۰۸)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمة اعادها ثلاثا حتی تفهم عنه۔[1]
کے تحت فرمایا:

"در لفظ کان محدثان را سخن است مقرر و مشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام و استمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت ﷺ کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد و عادت شریف این بود الخ"۔[2]

وقال الرازی فی تفسیره فقال بعض الجهال الدعاء شیء عدیم الفائدة واحتجوا علیه من وجوه وقال جمهور من العقلاء ان الدعاء اهم مقامات العبودیة ویدل علیه وجوه من العقل والنقل الخ۔[3]

وقال العلامة الشیخ السید احمد شاه فی کتابه ومنها ای من أداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول الله ﷺ یدیه ثم قال اللهم اغثنا اللهم اغثنا اللهم اغثنا قال الامام النووی هکذا هو مکرر ففیه استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔[4]

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔[5]

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکرره ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔[6]

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومن آداب الدعاء ان یکرره ثلاثا۔[7]

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعا میں تکرار چاہئے۔[8]

---

[1] (مشکوٰۃ ص ۳۳)
[2] (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص ۴۵)
[3] (کبیر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)
[4] (ج ۱، ص ۲۹۳) (تنویر الایمان ص ۲۱۴)
[5] (شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۴۳۷)
[6] (کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۹)
[7] (حصن حصین ص ۱۴ وشرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم) (اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)
[8] (احسن الوعاء لآداب الدعاء ص ۲۲)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

اعلیٰ حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ شرح میں فرماتے ہیں:

"قال الرضا تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: من لم یسئل اللہ یغضب علیہ"۔

بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار و ہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔[1]

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی فرماتے ہیں:

وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الھدایۃ ومن ضرورۃ التعمیم التکرار۔[2]

مولوی قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العلامۃ الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا۔[3]

وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا واخرج الطبرانی عن ابی ھبیرۃ عن حبیب ابن مسلمۃ الفھری وکان مستجابا انہ امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ تعالی وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ۔[4]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازمی الحنفی لکھتے ہیں:

بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے:[5]

اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[6]

اس کی شرح میں مولانا عبد الہادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں:

وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلھا التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاھل بالسنۃ النبویۃ والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی بہ جامع الکمالات وھو المحقق۔[7]

---

[1] (ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص ۲۳، ۲۲)
[2] (الھدایۃ ج ۲، ص ۳۶۶) (تنبیہ الاخوان، ص ۳)
[3] (طحطاوی، ص ۱۷۳)
[4] (معارف السنن لبنوری، ج ۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۷، حیاۃ الصحابۃ، ج ۳، ص ۳۳۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ص ۳۰۹ بحوالہ منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی
[5] صحیح البخاری "باب تکریر الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵)"
[6] (مقالات غازی ص ۱۶)
[7] (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱۶)

”بحث الدعاء“ (دعا کی بحث)

قال العلامة الشیخ سید احمد شاہ فی کتابہ ”وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء واقلہ التثلیث ویلح فیہ بالمداومۃ والمواظبۃ فی الحالات ولا یکفی بمرۃ ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔

افعال متماثلہ کو اوقاتِ متعددہ میں کرنا تکرار ہے

تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے:

”وتکرارہ ای الفعل وقوعہ مرۃ بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلۃ فی اوقات متعددۃ“۔[1]

قال العلامۃ الشیخ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری الداجوی ”ومن أداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقلہ التثلیث۔

آگے فرماتے ہیں:

وذکر الامام مسلم (ج ۱، ص ۳۱۳) فی واقعۃ بقیع الغرقد انہ علیہ السلام رفع یدیہ ثلاثا قال الامام النووی فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکرر رفع الیدین۔[2]

قال العلامۃ عبد الرزاق بتھر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔[3]

مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا لحدیث مسلم وابی داؤد ان رسول اللہ ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا۔[4]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: ویلح الداعی فی الدعاء ویکررہ ثلاثا لانہ نوع من الالحاح۔[5]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکررہ ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وھو ادناہ واوسطہ خمسا واکملہ سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراۃ وفی حق احمس عشر مراۃ رواہ ابو داؤد ص ۸۰۔[6]

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا رواہ الطبرانی فی الاوسط۔[7]

---

[1] (تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)

[2] (البصائر ص ۱۲۴)

[3] (ذریعۃ النجاح حاشیہ نور الایضاح ص ۷۹)

[4] (مقالات ص ۱۶)

[5] (امداد الفتاوی مسائل المنثورہ ص ۵۷۰، جلد اول)

[6] (الرسائل الستہ ص ۷۲)

[7] (کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)

دعا کے آداب:

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا:

کمافی البیہقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔[2]

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔[3]

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا:

کمافی البیہقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[4]

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں:

ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸)

وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم وذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک اھ۔[5]

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔[6]

---

[1] (مقالات فریدی ص ۱۵)

[2] (امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

[3] (احسن الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)

[4] (مقالات غازی ص ۱۴)

[5] (البصائر ص ۱۲۴)

[6] (ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوۃ ج ۱، ص ۲۱۳)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

عن عمر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[1]
عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ ودعا۔[2]

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں:

ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنۃ۔[3]

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[4]

علامہ مولانا سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲، ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ:

وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔[5]

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وکذا رفع الیدین ومسح الوجہ بعد الفراغ کذا فی منہج العمال والعقائد السنیۃ کذا فی التحفۃ المرغوبۃ۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی:

لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین ولما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما وفی السعایۃ لما ندب فی مطلق الدعاء استحبہ العلماء فی ھذا الدعاء ایضا۔[6]

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ۔

جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعۃ ما زاد رسول اللہ ﷺ علی ھذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۸۸، المسئلۃ ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادۃ فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیہ ای الاکف الی المدعو لہ او لاثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں:

فالمؤمن یرفع یدیہ الی ربہ خمسین مرۃ مثلا اتراہ تردھما خائبتین الخ۔[7]

---

[1] (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)
[2] (معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)
[3] (روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)
[4] (دعا بعد السنن والنوافل، ص ۳۲)
[5] (نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)
[6] (صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)
[7] (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں:

دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔(ترمذی، ابو داؤد)

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے۔(معجم طبرانی)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

و منها ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد و الصلٰوة علی الدعاء و الصلوة و الثناء علی اللہ اولا و أخرا۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

و یبدأ الدعاء بالحمد للہ و الثناء علیه و یختم به و یصلی علی النبی ﷺ اوله و أخره و وسطه۔[2]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعا کیلئے اول و آخر حمد الٰہی بجالائے اور اول و آخر نبی ﷺ اور ان کے آل و اصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔[3]

اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں بیہقی و ابو الشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد و اهل بیته۔[4]

دعا سے پہلے حمد و صلٰوۃ پڑھنا

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما هو اهله و صل علی ثم ادعه۔[5]

---

[1] (البصائر ص ۱۲۴)

[2] (امدادالفتاوی، ج ۱، ص ۵۶۹)

[3] (احسن الوعاء ص ۱۵)

[4] (ذیل المدعا ص ۱۶)

[5] (مقالات ص ۱۶)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں:

منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳ ، وقال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لید ع بعد ما شاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶۔[1]

آگے لکھتے ہیں کہ:

ولان الثناء و الصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات و الرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء۔[2]

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

و من آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصٰلحین۔[3]

قطب الارشاد میں ہے:

و یتوسل الیہ تعالی بانبیائہ و الصالحین من عبادہ من العلماء و الشھداء و الاولیاء۔[4]

و ینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ و الاولیاء الصالحین۔[5]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔[6]

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالا عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ وقال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا۔[7]

---

[1] (تنویر الایمان، ص ۲۱۲)
[2] (ھدایہ ص ۲۲۲، ھکذا فی المستخلص ص ۲۳۲، اعلام المؤمنین، ص ۴۱)
[3] (البصائر ص ۱۲۴)
[4] (قطب الارشاد، ص ۲۴)
[5] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، دعا بعد السنن و النوافل، ص ۲۱)
[6] (احسن الوعاء، ص ۱۸)
[7] (ذیل المدعا، ص ۱۸)

فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرنے کا بیان

بعض علماء فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے مسئلہ مذکورہ سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض تو وہ ہے کہ جس کے بعد سنن نہ ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے بعد سنن ہوں مثلاً ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ تو قسم اول فرض کے بعد متصل اوراد و تسبیحات اور دعا کرنا ثابت اور مسنون ہے۔

کما فی الاحادیث و الفقہ۔ اور قسم ثانی فرض کے بعد عا کرنا اسی طرح تسبیحات پڑھنا مکروہ ہے اور اس مکروہ عمل کو اکثر مساجد میں کیا جاتا ہے کہ ان فرض نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن ہوں لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (اماموں) نے اپنا مذہب اس مسئلے میں چھوڑا ہے۔ کیونکہ مذہب کی کتابوں میں ہے کہ:

و المختار عند الحنفیة ان یشتغل بعد اداء المکتوبة بالسنة و یکره ان یشتغل بالدعاء و التسبیح۔

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھیں دعا اور تسبیحات میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔[1]

اسی طرح طحطاوی میں بھی فرض اور سنتوں کے درمیان دعا کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے:

و عند الحنفیة یکره المکث قاعدا یشتغل بالدعاء و الصلوة علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السنة اه۔

احناف کے نزدیک سنتوں سے پہلے بیٹھ کر درود شریف میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔[2]

و فی قطب الارشاد ص ۲۵۲ و یستحب فی حق المقتدی و المنفرد وصل السنة بالمکتوبة الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی یؤدی تاخیره الی الکراهة روی ان جلوس الامام فی مصلاه بعد الفراغ من الصلٰوة مستقبل القبلة بدعة۔

امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض سے متصل سنت پڑھیں اور یہ استحباب خاص کر امام کے حق میں زیادہ اشد ہے کہ اس کے لئے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنے مصلیٰ (جائے نماز) پر قبلہ رو بیٹھنا مکروہ ہے۔ (بدعت ہے) بلکہ **اللھم انت السلام الخ** پڑھ کر فوراً کھڑا ہونا ہے۔ ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب حضور ﷺ سلام پھیرتے تو اللھم انت السلام الخ کی مقدار آرام فرماتے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ ان الفاظ سے دعا فرماتے اور یہ الفاظ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے:

قال الطحطاوی: اللھم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ **اللھم انت السلام الخ** دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔[1]

---

[1] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۲۷ نقلاعن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۶۳۶ باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم)

[2] (قسطلانی باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم ۲، ص ۱۳۶ نقال عن فتح الباری بحوالہ اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

مولانا عبد المتین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و العلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد صلوات الخمس فی الفجر و العصر عقیب الفرض و فی الاوقات الثلاثۃ بعد الفراغ من السنۃ۔[1]

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فجر اور عصر میں فرض کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنت کے بعد دعا کرنا مستحب طریقہ ہے۔[2]

و القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون۔

فرض سے متصل سنت پڑھنا مسنون ہے۔[3]

یعنی اللھم انت السلام الخ سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہئے۔

بحر الرائق ص ۳۷۱ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے:

عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ۔

ہمارے (احناف) کے نزدیک سنتوں کو اس دعا پر مقدم کرنا ہے جو نماز کے فارغ ہونے کے بعد مانگی جاتی ہے۔

جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان سے فراغت سنن کی ادائیگی کے بعد حاصل ہوتی ہے

قطب الارشاد میں ہے:

وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں ہیں تو اس سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب سنن ادا کی جائے کیونکہ ان اوقات میں سنن مؤکدہ اور لازم ہیں اور فرض کے ساتھ ملحق ہیں اور فرض کے مکملات ہیں بالاتفاق جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ آثار واخبار میں جو فرض کے بعد ادعیہ واذکار منقول ہیں تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ فرض کے بعد متصل پڑھی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھی جائیں کیونکہ سنن فرض کیلئے مکمل ہیں اور اسی طرح ملحق و تابع ہیں اور یہ پہلے مذکور ہے کہ سنت فرض کے متصل پڑھی جائیں گی۔[4]

---

[1] (الطحطاوی ص ۱۸۶ فی باب الاذکار)

[2] (الرسائل الستۃ)

[3] (نور الایضاح) طحطاوی مراقی الفلاح ص ۱۸۶)

[4] (قطب الارشاد ص ۲۵۲، امیر حمزہ کتب خانہ، کانسی روڈ، شامی ص ۳۹۱)

والظاهر ان الدعاء لیس بین السنة والفرض لان الفصل بین السنة والفرض بما زاد علی اللهم انت السلام مکروه وقال العلامة الشامی فی ج ۱، ص ۴۷۷ وکذالو فصل بقرأة الاوراد لان السنة الفصل بمقدار اللهم انت السلام حتی لو زاد تقع سنته لا فی محلها المسنون۔[1]

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں:

فعلم من هذا ان الدعاء بین الفرض والسنة مکروه (البصائر ص ۱۲۳)۔

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل عتیق صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر دعائیں جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اذکار کی شکل میں ہے۔ لیکن فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہ تو آپ ﷺ سے مروی ہے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتمد کتاب میں اس کی مثال موجود ہے۔ اور پھر خاص کر اس پر دوام کرنا تو یہ بدعت ہے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس کی بدعت ہونے کے بارے میں یوں فتویٰ دیا:

مسئلة: اذا دعا الامام والماموم عقیب صلوة الفرض جائز ام لا؟ الجواب: دعاء الامام والمأمومین جمیعا عقیب الصلوة فهو بدعة لم یکن علی عهد النبی صلی الله علیه وآله وسلم۔[2]

عن مجاهد قال قال عمر رضی الله عنه جلوس الامام بعد التسلیم بدعة۔[3]

فاما فی صلوة الظهر والمغرب والعشاء یکره له المکث قاعدا لانه مندوب الی التنفل بعد هذه الصلوة والسنن لجبر نقصان ما یمکن فی الفرائض فیشتغل بها وکراهیة القعود فی مکانه مروی عن علی وعمر وابن مسعود رضی الله عنهم۔[4]

قال قال العلامة ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی وان کانت صلوة بعدها سنة یکره له المکث قاعدا وکراهیة المکث مرویة عن الصحابة روی عن ابی بکر وعمر وانهما کانا اذا فرغا من الصلوة قاما کانهما علی الرضف۔[5]

---

[1] (البصائر ص ۱۲۳ لمولانا حمد الله دیوبندی)

[2] (زاد المعاد ج ۱، ص ۲۶، الفتاوی الکبری لابن تیمیه ج ۱، ص ۲۱۹، طبع لبنان بیروت، مخزن الدلائل ص ۵۸)

[3] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبه ج ۱، ص ۳۰۲، مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۱۳۸)

[4] (مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۳۸، طبع کراتشی)

[5] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۶۰)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ فرض کے بعد اللھم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا اور سنت مؤخر کرنا مکروہ ہے امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قلت اریت الامام اذا فرغ من صلوٰۃ ان یقعد فی مکانہ الذی یصلی فیہ او یقوم قال اذا کانت صلوٰۃ الظھر او المغرب او العشاء فانی اکرہ لہ ان یقعد فی مقعدہ حین یسلم احب الی ان یقوم و اما الفجر و العصر ان شاء قام و ان شاء قعد۔[1]

عبد الرحمن (جزری) فرماتے ہیں:

الحنفیۃ قالوا یکرہ تنزیھا ان یفصل بین الصلوٰۃ و السنۃ الا بمقدار اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام۔[2]

صاحب کبیری فرماتے ہیں:

و یکرہ للمصلی ان یمکث فی مکانہ الذی صلی فیہ بعد ما سلم فی صلوٰۃ بعدھا سنۃ کالظھر و الجمعۃ و المغرب و العشاء الا قدر ما یقول اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام۔[3]

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

و یکرہ الدعاء عند الختم بجماعۃ بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[4]

علامہ عبد المتین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے قسطلانی ص ۱۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

و استنبط من مجموع الادلۃ ان الامام لہ احوال لان الصلوۃ اما ان تکون مما یتنفل بعدھا او لا فان کان الاول ھل یشتغل قبل التنفل بالذکر الماثور ثم یتنفل و بذاک اخذ الاکثرون و عند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء و الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السد الخ۔[5]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ بحر الرائق ج ۲، ص ۴۹ میں ہے:

القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون و کان النبی ﷺ اذا سلم لم یمکث الا مقدار اللھم انت السلام الخ۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

و اما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائض الخ۔[6]

---

[1] (کتاب الاصول المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۷)
[2] (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱، ص ۳۳۰)
[3] (کبیری شرح منیہ ص ۳۱۹)
[4] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۱۰۵)
[5] (الرسائل الستہ ص ۶۸)
[6] (الکوکب الدری ج ۱، ص ۱۹۳)

"بحث الدعاء" (دعا کی بحث)

مولوی زکریا دیوبندی لکھتے ہیں:

والسنۃماتؤدی متصلابالمکتوبۃ۔[1]

صاحب کبیری لکھتے ہیں:

فان کان بعد المکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام الخ ویکرہ تاخیر السنۃ عن حال اداء الفریضۃ باکثر من نحو ذالک المقدار لما روی مسلم عن عائشۃ (کبیری ص ۳۵۵) وقال صاحب الدر المختار ویکرہ تاخیر السنۃ الا مقدار اللھم انت السلام الخ قال صاحب رد المحتار فی ج ۱، ص ۳۹۱ قولہ اللھم انت السلام الخ لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ۔[2]

مفتی اعظم صوبہ سرحد علامہ شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال فی الاختیار کل صلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء بل یشتغل بالسنۃ کیلا یفصل بین السنۃ والفرض اہ۔[3]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے فرمایا:

بعدالفریضۃالاشتغال بالسنۃاولی من الاشتغال بالدعاء۔[4]

قسطلانی فرماتے ہیں:

وعند الحنفیۃ یکرہ لہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃ افضل من الدعاء والتسبیح والصلوٰۃ۔[5]

شیخ الحدیث علامہ غازی محمد الغازی الحنفی دیوبندی لکھتے ہیں فرض وسنت کے درمیان دعاء واذکار پڑھنا مکروہ ہے۔ اور احناف کے نزدیک دلیل حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں:

ان المسنون عدم الفصل بین الفریضۃ والسنن الا قدر ما یقول اللھم انت السلام کما فی حدیث عائشۃ عند مسلم والترمذی وھو الذی ذکرہ فی شرح الحاکم الشھید۔[6]

علامہ غازی آگے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسئلے پر مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کرے۔[1]

---

[1](الغابر ج ۱، ص ۱۹۳)

[2](نفائس مطلوبہ ص ۲۹)

[3](ثم المراقی اذکار ص ۱۸۷ (اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

[4](خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۹۵)

[5](ارشاد الساری شرح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴۔ مقالات ص ۲۳)

[6](فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۱۳)

علامہ غازی آگے لکھتے ہیں:

وکذا ذکر فی عقائد النسفیة والمختار عند الحنفیة ان یشتغل بعد اداء المکتوبة بالسنة ویکرہ ان یشتغل بالدعاء والتسبیح۔[2]

مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر علامہ عبد الہادی حقانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وعند الحنفیة یکرہ المکث قاعدا ان یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنة بعد اداء الفریضة افضل من الدعاء والتسبیح والصلوۃ۔[3]

علامہ الزمان فرید عصر الحاج شائستہ گل علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلے پر دو مستقل رسالے تصنیف فرمائے جن میں سے پہلا: کراھة الدعاء بین الفرض والسنة۔ اور دوسرا رسالہ بنام "توضیح المرام فی کراھة الدعاء بعد السلام" ہے، جن میں علامہ موصوف نے مسئلہ مذکورہ پر دلائل ظاہرہ باہرہ نقل فرمائے ہیں۔ علامہ عبد الجلیل صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: وقال فی الطحطاوی کل الصلوٰۃ بعدھا سنة یکرہ القعود بعدھا والدعاء (تنبیہ الاخوان ص ۴) حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنتوں میں فرض کے بعد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ مگر اللھم انت السلام الخ کی مقدار تک یعنی اس مقدار بیٹھنا مکروہ نہیں ہے۔[4]

اسی طرح علامہ موصوف فرماتے ہیں:

وفی شرح صدر الشھید ان القیام الی السنة متصلا بالفرض مسنون وفی تاتارخانی الاشتغال بالسنة بعد اداء الفرائض اولی من الاشتغال بالورد وان اخذ بالدعاء یکرہ۔[5]

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اذا سلم الامام من الظھر او المغرب او العشاء کرھت له المکث قاعدا لکنه یقوم الی التطوع۔[6]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی کے دار العلوم مظہر العلوم سے شائع شدہ کتاب "السیف المبیر علی اتباع ملا فنجفیر" میں ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

---

[1] (طحطاوی ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، شرح الکبیر ص ۳۴۲، لمعات ج ۳، ص ۴۰۹، ھکذا فی الفتاوی الھندیة والدر المختار مراقی الفلاح ص ۱۷۱، حاشیة الغرغشتوی ج ۱، ص ۹۴، نور الایضاح، الاشباہ والنظائر ص ۸۴، خلاصة الفتاوی ج ۱، ص ۹۵، منھاج السنن ج ۲، ص ۱۲۲، ردالمحتار ج ۱، ص ۴۹۴، بحر الرائق ج ۱، ص ۳۰۳)

[2] (معارف السنن، جامع الکمالات، مقالات غازی ص ۱۸، ۱۷)

[3] (ارشاد الساری ج ۲، ص ۱۴۴۔ کمالات الحقانی علی مقالات الغازی ص ۱۷)

[4] (اعلام المؤمنین ص ۳۴)

[5] (شرح الیاس ص ۱۶۹، وایضا فی فتح القدیر ص ۴۱۶ وحموی ص ۱۲۹، الجوھرة النیرة ص ۷۲، قسطلانی ج ۲، ص ۱۳۶، عینی البخاری ج ۳، ص ۱۸۹، کشف الغمه ص ۹۰، عقائد سنیه ص ۳۸، تنویر الایمان ص ۱۹۹)

[6] (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۱۴، تنویر الایمان ص ۱۷۹)

”بحث الدعاء“ (دعا کی بحث)

دلیل و المختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ و یکرہ ان یشتغل بالدعاء و التسبیح الخ۔[1]

علامہ ظاہر شاہ قادری فرماتے ہیں سنن و فرائض کے درمیان دعا کرنا اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وکذا لو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنۃ الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنۃ لا فی محلھا المسنون۔[2]

عمدۃ القاری میں ہے:

و النص ان التاخیر مکروہ۔[3]

فتاوی برھنہ میں ہے:

وبعد از سلام فرض زود برخیزد ودرنگ نکند مگر بقدر اللھم انت السلام الخ زیادہ ازین کراھت ست وبدعت۔

فتاوی ھندیہ میں ہے:

وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظھر و المغرب و العشاء یشرع فی السنۃ و لا یشغل بادعیۃ طویلۃ کذا فی التاتار خانیہ لان الاوراد تکون بعد السنۃ لانھا بین الفرض و السنۃ مکروہ۔

ترجمہ: کتاب الحجۃ میں ہے جب امام ظہر، مغرب اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو جائے تو شروع کرے سنت میں لمبی دعاؤں کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اسی طرح تاتار خانیہ میں بھی ہے، اس لئے اوراد سنتوں کے بعد ادا کئے جاتے ہیں، فرض اور سنت کے درمیان اوراد کو ادا کرنا مکروہ ہے۔[4]

حضرت علامہ مفتی ابو عیسیٰ محمد جمال الدین حلیمی صاحب نے فتوی دیتے ہوئے فرمایا: نماز فرض سنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم انت السلام الخ اس سے زیادہ دعا اوراد مکروہ ہیں۔[5]

مفتی حاجی محمد انور قادری فرماتے ہیں فرض کے بعد سوائے اللھم انت السلام الخ کے تاخیر کرنا ساتھ اوراد و دعاؤں کے مکروہ ہے۔ چونکہ سنت بعد الفرض تکمیل نماز ہے اس لئے فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے سوائے اللھم انت

---

[1] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۷۳ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۲۳۶؛ السیف المبیر ص ۷۰)

[2] (شامی ج ۱، ص ۱۷۰)

[3] (عمدۃ القاری، ج۳، ص ۱۲۲)

[4] (اطفاء الفتن ص ۷)۔ (دعا بعد السنن و النوافل ص ۱۴، ۱۳، (ھندیہ ج ۱، ص ۷۷))

[5] (شامی ج ۱، ص ۷۷۴، مراقی ص ۱۷۰، فتاوی برھنہ وغیرہ) (فتوی مرکزی دار العلوم جامعہ چشتیہ کرانی شریف کوئٹہ بلوچستان)

السلام کے۔ فرض نماز جس کے بعد سنت ادا کرنا ہو تو فرض اور سنتوں کے درمیان بیٹھنا یا اوراد دعائیں کرنا یا ذکر میں مشغول ہونا سب مکروہ ہے۔ شامی، مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ فرائض اور سنن کے درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(فتوی مکتبہ اسلامیہ دار العلوم ربانیہ شیدو) علامہ مفتی غریب اللہ صاحب فتوی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال صاحب خلاصۃ الفتاوی بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[1]

وفی الاشباہ والنظائر والاشتغال بالسنۃ عقب الفرض افضل من الدعاء۔[2]

(فتوی مدرسہ مجددیہ مانکی تحصیل صوابی) علامہ مفتی عبد السبحان قادری فرماتے ہیں:

عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ اھ۔[3]

قولہ لیس بدعاء الخ۔

یعنی فرض کے بعد جو **اللھم انت السلام الخ** پڑھا جاتا ہے یہ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔

علامہ مفتی اعظم صوبہ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتبر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ:

اللھم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء وقولہ حَیِّنَا الخ لا اصل لہ بل مختلق بعض الناس۔[4]

اسی وجہ سے مسلم وترمذی ومشکوٰۃ وغیرھا نے اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں نقل کئے ہیں۔ لہٰذا **اللھم انت السلام** کے پڑھنے کے ساتھ دعا بمعنی سوال کا طرز عمل (ہاتھ اٹھانا) غلط حرکت ہے اور حدیث مذکور میں دعا بمعنی سوال نہیں ہے۔[5]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

قال الفقھاء ان اللھم انت السلام کما ھو وارد فی الاحادیث لیس بدعاء بل ذکر کما قال العلامۃ الطحطاوی فی شرح المراقی ص ۱۷۱ قولہ والدعاء ھذا لاینافی الاتیان باللھم انت السلام اھ لانہ لیس بالدعاء بل ثناء۔

آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا الکلام ان انت السلام کما ھو الماثور فی الروایات لیس بدعاء۔[6]

---

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۱، ص ۹۵)

[2] (الاشباہ والنظائر، ص ۱۲۷)

[3] (بحر الرائق صفۃ الصلوۃ ج ۱ ص ۲۲۱۔ (فتوی دار العلوم قادریہ سبحانیہ، کراچی) (دعا بعد السنن والنوافل ظاہر شاہ میاں قادری)

[4] (القصاص) شرح المشکوٰۃ ثم طحطاوی ص ۱۸۶، شرح القاری لمسند الامام اعظم ص ۲۰۶، واشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۴۲۸ وفتح القدیر نوافل ج ۱، ص ۱۸۶ وغیرھا)

[5] (کراھۃ الدعاء بین الفرض والسنۃ ص ۲)

[6] (البصائر ص ۱۲۲)

علامہ محمد فاضل عتیق فرماتے ہیں کہ آج کل جو حضرات فرض نماز کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر اللھم انت السلام الخ پڑھتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں: ان ھم الا یخرصون۔ کیونکہ مذکورہ کلمات دعا نہیں : کقولہ لانہ لیس بدعاء بل ثناء، طحطاوی ص ۱۷۱۔

انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

ان ادعیۃ النبی ﷺ قد اخذت مأخذ الاذکار و لیس فی الاذکار رفع الایدی۔[1]

مولوی یوسف بنوری دیوبندی لکھتے ہیں:

ھو فی تعلیقاتہ علی الآثار و اکثر ما جاءت الادعیۃ بعد المکتوبۃ فھی علی شان الاذکار لا سوالات الحاجات۔[2]

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہما فرماتے ہیں: نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر و مغرب و عشاء میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہئے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔[3]

تنبیہ احادیث میں کسی دعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے اس سے کم زیادہ نہ کریں کہ جو فضائل ان اذکار کیلئے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کم وزیادہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل (تالا) کسی خاص قسم کی کنجی سے کھلتا ہے اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کر دیں تو اس سے نہ کھلے۔[4]

مذکورہ تنبیہ سے صاف ظاہر ہوا کہ جو اوراد و وظائف جیسے اور جتنی تعداد میں منقول ہیں اسی طرح ادا کیا جائے تو فرض نماز جس کے بعد سنن ہو اس کے بعد جتنی قدر ثناء منقول ہے وہی پڑھنا چاہئے کما مر۔ اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنت ہیں ان کے بعد لمبی دعا کرنا مکروہ ہے۔[5]

حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ مفتی دار العلوم امجدیہ وقار الفتاویٰ میں فرماتے ہیں جن فرضوں کے بعد سنت موکدہ ہیں ان کے بعد صرف اللھم انت السلام تا یا ذا الجلال و الاکرام یا اس کے

---

[1] (فیض الباری ج ۲، ص ۴۳۱)

[2] (معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۴)۔ (مخزن الدلائل ص ۸۵، ۸۴)

[3] (ردالمحتار، بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

[4] (بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

[5] (فتاوی دار العلوم دیوبند)

برابر کوئی اور دعامانگے اس سے زیادہ لمبی دعانہیں کرنی چاہئے۔اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعامانگیں مگر اتناطول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔[1]

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئے۔لہٰذا جو حضرات مفتی وقار الدین قدس سرہ کے معتقدین ہیں، انہیں چاہئے کہ طویل دعاکرنا چھوڑدیں اور مختصر دعامانگیں۔،انتھی عبارتہ۔

---

[1](وقار الفتاوی،ص ۱۲۲،ج ۲)

متن اعلام المؤمنین

بحث زيارة القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

یادرکھیں کہ یہاں پر چھ امور کو یادرکھنا اور جاننا ضروری ہے:

۱۔زیارت قبور آیاواجب ہے یاسُنت یامستحب یامباح؟

۲۔خواتین کازیارت القبور کے لئے جانا۔

۳۔زیارۃ القبور کے آداب۔

۴۔زیارتِ قبور کے فوائد۔

۵۔دعاکے وقت وسیلے کاجواز۔

٦۔زیارت القبور سے روکنے والوں کا حکم۔

زیارتِ قبور مستحب ہے

زیارتِ قبور مستحب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ: قبروں کی زیارت کرو کہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں۔[1]

یہ امر ہے اور امر بغیر ندب واباحت کے قرینے کے وجوب کے لئے آتا ہے کیونکہ امر کا صیغہ برائے ایجاب وضع کیا گیا ہے۔

جیساکہ تلویح میں ہے:

على أن الأمر المطلق للوجوب۔

ترجمہ: امر مطلق کا موجب، وجوب ہے۔[2]

لیکن اس مقام میں استحباب کا قرینہ موجود ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے زیارت القبور کا حکم دل کی نرمی اور موت کی یاد دہانی کے لئے فرمایا ہے۔اور یہ اباحت اور استحباب کا فائدہ دیتا ہے۔

---

[1] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۵۵۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] (شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه، ج ۱، ص ۲۹۲، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

بحث زيارة القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

جیسا کہ اس پر اشعۃ اللمعات میں تصریح موجود ہے:

زیارۃالقبور سنت است باتفاق زیراکہ سببِ رقتِ قلب وتذکر موت است۔

ترجمہ: زیارت القبور بالاتفاق سنت ہے، کیونکہ اس سے دل کی نرمی اور موت یاد آتی ہے۔[1]

كذافي الشامی، ص ۹۴۲، و الطحطاوی، ص ۳۴۱، جامع الرموز، ص ۴۴۳۔

اسی طرح شامی، ص ۹۴۲، طحطاوی، ص ۳۴۱ اور جامع الرموز، ص ۴۴۳ میں ہے۔

زیارت القبور برائے خواتین میں فقہاء کا اختلاف

اور زیارت القبور برائے خواتین میں فقہاء کا اختلاف ہے، تاہم بعض نے عدم جواز اور بعض نے جواز کا قول فرمایا ہے۔

فریقِ اول (عدم جواز) کی دلیل

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا فرمان ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيّ وَالنَّسَائِيّ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، اور جو قبروں پر سجدہ گاہ اور چراغ جلاتی ہیں ان پر لعنت فرمائی ہے۔[2]

لیکن صحیح یہ ہے کہ زیارت القبور خواتین کے لئے جائز ہے، اور درج بالا حدیث کا جواب دیا ہے کہ درج بالا حدیث کا پہلا جملہ لعن اللہ زوّارات القبور منسوخ ہے اس حدیث کے ذریعے کہ:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها، اھ۔ لكن اشكلوا بان المراد من قوله فزوروها جواز زيارة القبور للذكور كما تدل عليه الصيغة فنقول أن في الصيغة تغليب للذكور على الإناث كما هو الاكثر في النصوص والجواز للكل ثابت على سبيل العموم والشمول۔

ترجمہ: میں نے تم لوگوں کو زیارت القبور سے روکا تھا اب زیارت کرو، لیکن اشکال یہ وارد کیا ہے کہ فزوروھا میں مردوں کے لئے اجازت ہے، جیسا کہ اس پر مذکر کا صیغہ دلالت کرتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ مذکر کا صیغہ برائے تغلیب ہے جیسا کہ اکثر نصوص میں آتا ہے، جبکہ عمومی طور پر جواز سب کے لئے ہے۔[3]

---

[1] (اشعۃ اللمعات، ص ۷۶۲)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۲۳۰، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[3] (الكوكب الدري على جامع الترمذي، ج ۱، ص ۱۵۲، ایچ ایم سعید کمپنی)

جیسا کہ الکوکب الدری میں ہے:

لعن الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج] أما مسألة زيارة النساء القبور فمذهب حنفاء الله فيه أن النهي الوارد في الزيارة كما سخت في حق الرجال نسخت في حق النساء أيضًا لأنهن تبع الرجال في الخطابات وأما قوله عليه السلام «لعن الله زائرات القبور» فكان في وقت النهي ولما رخصهم في الزيارة بقوله كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها رخص النساء أيضًا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قبور کی زیارت کرنے والی خواتین پر لعنت فرمائی ہے۔ رہا عورتوں کا قبروں پر جانے کا مسئلہ تو احناف کا مذہب یہ ہے کہ جس سے قبروں کی زیارت کی ممانعت کا منسوخ ہونا جیسے مردوں کے لئے ہے تو عورتوں کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ خواتین مردوں کے تابع ہیں خطابات میں، اور رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو زیارت کرنے والی خواتین پر تو وہ ممانعت کے وقت تھی، لیکن جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مردوں کو زیارت القبور کی اجازت دی تو یہ اجازت خواتین کے لئے بھی ہے۔[1]

اور بذل المجہود شرح ابی داؤد میں ہے:

فظاهر هذا الحديث العموم، لأن الخطاب في: "نهيتكم" كما أنه عام للرجال والنساء على وجه التغليب أو أصالة الرجال، فكذلك الحكم في: "فزوروها"۔

ترجمہ: اس حدیث کے ظاہر میں عموم ہے، کیونکہ جیسے نهيتكم میں خطاب عام تھا مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے، بوجہ تغلیب کے اصل میں مردوں کے لئے تھا۔ اسی طرح فزوروها میں بھی عمومیت ہے۔[2]

لأن الزيارة علل بتذكر الموت ويحتاج إليه الرجال والنساء فلا مانع للإذن، اهـ۔

کیونکہ زیارت القبور کی علت موت کو یاد کرنا ہے اور یہ مرد و عورت دونوں کے لئے ہے تو خواتین کی اجازت کے لئے مانع نہیں ہے۔

یا جواب یہ ہے کہ:

حمل المنع على من تكثر الزيارة لأن الزوارات صيغة المبالغة۔

یہ منع کثرت سے قبروں پر جانے والی خواتین کے لئے کہ زوارات مبالغہ کا صیغہ ہے۔

اسی طرح زیارت القبور برائے مرد حضرات کی احادیث دلالت کرتی ہیں اپنی تعلیلات کے ساتھ کہ اگر خواتین خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ کریں یعنی جزع و فزع نہ کریں تو پھر ان کا حکم مردوں کی طرح یکساں ہے جواز زیارت قبور میں۔

---

[1] (الكوكب الدري على جامع الترمذي، ج ١، ص ٥٢ ١، ايچ ايم سعيد كمپنی)

[2] (بذل المجهود شرح ابی داؤد، ج ١٠، ص ٥٢٧، الناشر: مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية، الهند)

اسی طرح خواتین کے لئے زیارت القبور کا جواز حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ عِنْدَ قَبْرٍ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ اتَّقِي اللَّهَ وَاصْبِرِي۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے کہ جو قبر کے پاس رو رہی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو۔[1]

اس حدیث میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس خاتون کو صبر کا حکم دیا ہے نہ کہ زیارت القبور سے منع فرمایا ہے، اور شارع علیہ السلام کا سکوت دلیل جواز ہے۔

امام طحطاوی نے بھی زیارت القبور کے جواز کی تصریح فرمائی ہے:

والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء لأن السيدة فاطمة رضي الله تعالى عنها كانت تزور قبر حمزة كل جمعة وكانت عائشة رضي الله تعالى عنها تزور قبر أخيها عبد الرحمن بمكة كذا ذكره البدر العيني في شرح البخاري۔

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ رخصت مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے ہر جمعہ کو جاتی تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بھائی عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے مکہ جاتی تھیں۔[2]

هكذا في الشامي، ص ٩٢٢، وجامع الرموز، ص ٢٤٢۔

اسی طرح شامی، ص ۹۲۲ اور جامع الرموز، ص ۲۴۲ میں بھی ہے۔

اسی طرح زیارت القبور کا جواز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ثابت ہوتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَيْفَ أَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ تَعْنِي فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ قَالَ: "قُولِي: السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَيَرْحَمُ اللَّهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ للاحقون". رَوَاهُ مُسلم۔

---

[1] (صحيح البخارى، ج۴، ص ۲۷۴، المكتبة الفاروقية)

[2] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ١، ص ٢١٤، الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق، مصر)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھا کہ زیارت القبور کے وقت میں کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ایسا کہو: اے مؤمنو! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمارے متقدمین ومتأخرین پر رحم فرمائے، اور ہم بھی ان شاء اللہ تم لوگوں سے آ ملنے والے ہیں۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زیارت القبور کے وقت کی دعا کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جواب دیا، دعائی سکھائی مگر زیارت القبور سے منع نہ فرمایا، تو اگر خواتین کے لئے زیارت القبور منع ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منع فرماتے نہ کہ دعا کا طریقہ سکھاتے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے:

این حدیث دلالت دارد بر جواز زیارت مر نساء وبدانکہ حدیث لعن پیش از رخصت بود۔

ترجمہ: یہ حدیث خواتین کی زیارت القبور کے جواز پر دلالت کرتی ہے، جان لو کہ لعنت کا مسئلہ رخصت سے پہلے تھا۔[2]

درج بالا احادیث واقوال فقہاء سے معلوم ہوا کہ خواتین کا زیارت القبور کرنا جائز ہے اور جو منع کرتا ہے تو وہ ناسخ ومنسوخ کا فرق نہیں کر پاتا۔ یا ان تک ناسخ احادیث نہیں پہنچیں۔

زیارت القبور کے آداب

زیارت القبور کے آداب درج ذیل ہیں:

* قبر کی طرف منہ کر کے قبلے کی طرف پیٹھ کر کے سلام کیا جائے۔

* قبر کو ہاتھ نہ لگایا جائے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورٍ بِالْمَدِينَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مدینہ منورہ کی قبور کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔[3]

---

[1] (مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٥٥٣، الناشر: المكتب الإسلامي-بيروت)
[2] (اشعة اللمعات، ص ٦١٥)
[3] (مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٥٥٣، الناشر: المكتب الإسلامي-بيروت)

اور سلام سے مراد سلامِ تحیہ نہیں ہے کہ مردے کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہو، یا میت کی طرف سے سلام کا جواب دینے کا اقتضاء (تقاضا) کرنا ہے، بلکہ سلام سے مراد زیارت کرنے والے کی طرف سے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو سلامتی عطا فرمائے۔

طحطاوی میں آداب زیارۃ القبور میں ہے:

والمستحب في زيارة القبور إن يقف مستدبر القبلة مستقبلا وجه الميت وأن يسلم ولا يمسح القبر ولا يقبله ولا يمسه فإن ذلک من عادة النصاری، اھ۔

ترجمہ: زیارت القبور میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اور میت کی طرف منہ کرکے سلام کرے، اور قبر کو ہاتھ نہ لگائے نہ بوسہ دے کیونکہ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔[1]

زیارت القبور کے فوائد

زیارت القبور کے بہت سے فوائد ہیں جن میں چار عمدہ ہیں اور تین امورِ زائر کی طرف راجع ہیں:

* موت کو یاد کرنا۔

* دل کی نرمی۔

* آخرت کو یاد کرنا۔

پہلی بات کی دلیل یہ حدیث ہے:

فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا قبروں کی زیارت کرو اس سے موت یاد آتی ہے۔[2]

اور آخری دونوں باتیں اس فرمان میں مذکور ہیں:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وتذكر الْآخِرَة. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه۔

ترجمہ: میں نے تم لوگوں کو قبر کی زیارت سے روکا اب زیارت کرو کہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور موت یاد دلاتی ہے۔[3]

---

1 (حاشية الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ج ۱، ص ۶۲۱، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

2 (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۵۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

3 (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۵۴، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

اور ایک بات میت کی طرف راجع ہے جو دعا اور سلام ہے، اس کی دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب قبرستان کی طرف جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سکھاتے کہ یہ پڑھا کرو: اے مؤمنو (مُردوں)! تم پر سلامتی ہو، ان شاء اللہ ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔ [1]

آخری فائدے کو امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا:

واجعلوا زیارتکم لها صلاۃ علیهم واستغفار الهم۔

ترجمہ: قبروں کی زیارت سے اموات کے لئے رحمت اور استغفار طلب کرو۔ [2]

دعا میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا وسیلہ پیش کرنا

رہی بات دعا میں انبیاء کرام، اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور سلف صالحین کا وسیلہ پیش کرنا تو یہ ان کی حیات اور بعد الممات جائز ہے۔ زائر یوں دعا کرے کہ اے اللہ! اپنے فلاں دوست کے وسیلے سے میری فلاں مراد و مقصد پورا فرما۔ توسل بالصلحاء، نقلی و عقلی دلائل سے ثابت ہے۔

نقلی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے:

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذْ قحطوا استسقى بالعباس بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا. قَالَ: فَيُسْقَوْنَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

ترجمہ: جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا فرماتے کہ یا اللہ! ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وسیلے سے دعا کرتے تو بارش ہوتی، اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں ہم پر بارش برسا تو بارش ہو جاتی۔ [3]

---

1 (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۵۲، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)
2 (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ج ۱، ص ۶۱۹، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)
3 (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۴۷۸، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)

رہی عقلی دلیل تو وہ یہ ہے:

لأن المؤمن إذا توسل بعباد اللہ المقربین و الأولیاء الصالحین لا یعتقدون ان ھؤلاء شرکاء اللہ تعالیٰ بل یعتقد انھم واسطۃ بینہ وبین ربہ فی إجابۃ دعائہ وقضاء حوائجہ فلا یکون بذلک مشرکا لأنہ سوال من اللہ تعالیٰ بواسطۃ احبائہ وھم الأولیاء الصالحون خلافا للوھابیۃ الضالّین لاجراءھم حکم الإشراک علی المؤمنین الموحدین بتوسل الصالحین۔

ترجمہ: جب مؤمن اللہ تعالیٰ کے مقربین اور اولیاء کرام کو وسیلہ بناتے ہیں تو ان کا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ یہ اللہ والے، اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں دعا کی قبولیت میں، تو اس وسیلے سے کوئی مشرک نہیں ہوتا، کیونکہ سوال (مانگنا اور طلب) اللہ تعالیٰ سے ہے، مگر وسیلہ اور واسطہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کا ہے جو اولیاء کرام ہیں، مگر وہابی گمراہ اس کے خلاف ہیں کہ وہ مسلمان مؤحدین پر توسل کے مسئلہ میں شرک کا حکم لگاتے ہیں۔

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین

مسلمان اولیاء کرام کو بالذات وبالفعل والاستقلال نہیں سمجھتے

حضرت علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قال التاج الدین السبکی ولا یقصد الناس بسؤال الأولیاء ذلک قبل الموت وبعدہ نسبتھم إلی الخلق والإیجاد والإستقلال بالأفعال فان ھذا لا یقصدہ مسلم بل لا یخطر ببال احد من العوام فضلا عن غیرھم (أي عن العلماء) دلائل۔ فصرف (الوھابیۃ) الکلام (أي ھذا الکلام الصادر من أھل السنۃ والجماعۃ) إلیہ (أي إلی الخلق والإیجاد والاستقلال بجعلہ أسنادًا حقیقًا)۔

ومنعہ (أي منع ھذا القول بکونہ شرکاء) من باب التلبیس في الدین والتشویش علی العوام وکیف یحکم بالکفر علی من إعتقد ثبوت التصرف لھم في حیاتھم وبعد موتھم حیث کان مرجع ذلک إلی قدرۃ اللہ تعالیٰ خلقا وإیجادا کیف وکتب جمھور المسلمین طافحۃ بہ وانہ جائز البتۃ حتی کاد أن یلحق بالضروریات بل بالبدیھات۔

ترجمہ: (مسلمان جب بھی اولیاء کرام سے مانگتے ہیں) وہ اولیاء کرام کو بالذات وبالفعل والاستقلال نہیں سمجھتے (اولیاء کرام سے بالذات مانگنا) یہ خیال کبھی کوئی عام مسلمان نہیں کرتا (کیونکہ بالذات دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یوں ہی وہ اللہ تعالیٰ بالفعل وبالاستقلال عطا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی بالذات بالفعل بالاستقلال عطا کرنے والا نہیں) رہے علماء

ربانیین (کہ وہ باذن اللہ تعالیٰ کشف والہام ومکاشفہ کے ذریعہ اولیاء اللہ زندہ یا صاحبِ مزار ہوں کے مراتب ودرجات کو جانتے ہیں) سو وہ اس حکم سے مستثنٰی ہیں۔

مگر وہابیہ نے اس قول (جو ابھی اوپر بیان کیا ہے) کو اسنادِ حقیقی کی طرف منسوب کرکے شرک کہا (جبکہ ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر ان باتوں کا اسنادِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف ہو تو شرک ہوگا مگر یہاں تو اسنادِ مجازی ہے پھر شرک کیسے؟)۔[1]، انتھی عبارته۔

متن اعلام المؤمنین

توسل کے جواز پر طریقہ محمدیہ میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے:

وَجَوَّزَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ أَنْ يَقُولَ بِحُرْمَةِ فُلَانٍ، اھ۔

ترجمہ: دعا میں یہ کہے کہ یا اللہ میں فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہی تجھ سے دعا کرتا ہوں۔[2]

بارگاہِ خداوندی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام علیہم الرضوان کا وسیلہ پکڑنا جائز اور مشروع امر ہے

اور اس عبارت کی شرح میں حدیقہ میں ہے:

أن التوسل إلى الله تعالىٰ بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وبأصحابه والتابعين عليهم رضوان الله تعالىٰ أجمعين أمر جائز مشروع وهو نوع من الشفاعة وهي حق عند أهل السنة خلافًا للمعتزلة، كما نقل عن بعض العارفين أنه كان يقول للمريدين إذا سألتم من الله شيئا فاسئلوه بي فاني أنا الواسطة الان بينكم وبينه تعالىٰ۔

یہ بات حاشیۂ خیال میں رکھ لی جائے کہ بارگاہِ خداوندی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام علیہم الرضوان کا وسیلہ پکڑنا جائز اور مشروع امر ہے، یہ شفاعت کی ایک نوع ہے اور اہل سنت کے نزدیک حق ہے، مگر معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ بعض عارفین سے منقول ہے کہ وہ اپنے مریدین سے کہتے تھے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو میرے وسیلے سے دعا کرو کیونکہ میں تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تمہارا واسطہ ہوں۔[3]

اور روح البیان میں ہے:

وينبغي أن يتوسل إلى الله تعالى بالأنبياء والأولياء الصالحين۔

---

[1] (نفحات القرب، ص ۲۹، دار جوامع الکلم، قاھرہ، مصر)

[2] (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج۵، ص ۲۵، المكتبة الفاروقية)

[3] (الحديقة الندية، ص ۱۲۷، مکتبہ فاروقیہ، پشاور)

ترجمہ: مناسب ہے کہ انبیاء واولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنائے۔[1]

قطب الارشاد میں ہے:

وفي قطب الإرشاد ويتوسل إليه تعالىٰ بأنبيائه والصالحين من عباده من العلماء والشهداء والأولياء وقد سبق التوسل بالأعمال الصالحة كما في حديث أصحاب الغار، اهـ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے صالحین، علماء، شہداء اور اولیاء کو وسیلہ بنایا جائے اور حدیثِ غار میں اعمالِ صالحہ کے توسل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ ابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدة۵ ۳۵)

ترجمہ: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

نصوصِ قطعیہ، عباراتِ معتبرہ اور کتبِ مذہب سے توسل کا جواز معلوم ہو گیا۔

مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ توسل ووسیلہ کے جواز کے باوجود دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، شر اور نقصان کو ختم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں، اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے، جیسے کہ اس آیت کا تقاضا ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر ۲)

ترجمہ: اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک لے تو اس کی روک کے بعد اس کا کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی عزّت وحکمت والا ہے۔

اور حدیث نبوی میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے: اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اسی کی بادشاہی اور حمد وثناء ہے، وہی ہر چیز پر قادر ہے، یا اللہ تیری عطا کو کوئی منع کرنے والا نہیں، اور تیری منع کو کوئی دینے والا نہیں ہے، اور تیری قدرت کے مقابلے میں کوئی نفع نہیں دے سکتا۔[3]

---

[1] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۴۳، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2] (قطب الارشاد، ص ۴۲، امیر حمزہ کتب خانہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[3] (صحیح البخاری، ج ۳، ص ۳۴۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

رہی بات مانعین کی کہ ہم عوام کو زیارت القبور سے اس لئے روکتے ہیں کہ عوام کفر و شرک میں واقع ہو جاتے ہیں، تو یہ ان مانعین کا خود ساختہ ذہن و فکر ہے، جس سے یہ لوگ حق کے دائرے سے نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ ہماری بحث جواز و عدم جواز پر ہے، نہ کہ خود ساختہ عقائد اور اصطلاحات پر۔

روح البیان میں ہے:

إما قول بعض المغرورين بأننا نخاف على العوام إذا اعتقد وأولياً من الأولياء وعظموا قبره والتمسوا البركة والمعونة منه أن يدركهم اعتقاد أن الأولياء تؤثر في الوجود مع الله فيكفرون ويشركون بالله تعالى فننهاهم عن ذلك، فاعلم أن هذا الصنيع كفر صراح مأخوذ من قول فرعون على ما حكاه الله تعالى لنا في كتابه القديم وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ (غافر ٢٦) وكيف يجوز هذا الصنيع من أجل الأمر الموهوم وهو خوف الضلال على العامة۔

ترجمہ: بعض مغرور (مانعین، مخالفین اور باطل پرست مولوی) کا یہ کہنا کہ ہم اپنے زمانے میں یہ خوف اور ڈر محسوس کر رہے ہیں کہ عوام لوگ ولی پر (خدائی کا) اعتقاد رکھتے ہیں، ان کی قبر کی تعظیم کرتے ہیں اور برکت اور مدد کی التماس کرتے ہیں تو اس سے ان کا یہ عقیدہ بن جاتا ہے کہ ان اولیاء کا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات چلانے کا اثر و طاقت ہوتی ہے، تو اس سے یہ زائرین کافر و مشرک ہو جاتے ہیں اس لئے ہم ان کو زیارت القبور سے روکتے ہیں۔ جان لو کہ یہ کفری عقیدہ رکھنا صریح کفر ہے، اور یہ مأخوذ ہے فرعون کے قول سے جو کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس کی حکایت میں بیان فرمایا ہے: اور فرعون بولا مجھے چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو پکارے میں ڈرتا ہوں کہیں وہ تمہارا دین بدل دے یا زمین میں فساد چمکائے۔ اور ایک موہوم (وہمی) بات کی وجہ سے زیارت القبور سے روکنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور اس سے تو عام لوگوں کی گمراہی کا خوف ہے۔[1]

قال أي إبليس وما هي لي توبته قال تسجد لقبر آدم قال تركته حيا واسجد له ميتا وفيه اشارة الى ان السجدة لآدم وهو مقبور كالسجدة له وهو غير مقبور إذ الأنبياء عليهم السلام احياء عند ربهم وكذا كمل الأولياء قدس الله أسرارهم والشيطان الرجيم غفل عن هذا فنكل عن قبول الحق الصريح ومثله من ينكر الأولياء او زيارة قبورهم والاستمداد منهم نسأل الله العصمة ونعوذ به من الخذلان۔

ترجمہ: ابلیس نے نوح علیہ السلام سے کہا کہ میری توبہ کیسے قبول ہو گی؟ تو نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ تو (ابلیس) آدم علیہ السلام کی قبر کی طرف سجدۂ تعظیمی کر تو شیطان نے کہا زندہ ہوتے میں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا اور اب وفات کے بعد کروں؟ (یعنی نہیں کروں گا) اس میں اشارہ ہے کہ قبر میں آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرنا ایسا تھا کہ جیسے ان کی زندگی میں

[1] (روح البیان، ج ۹، ص ۲۹، دار النشر / دار إحیاء التراث العربی)

ان کی طرف سجدہ کرنا تھا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں، اسی طرح اولیاء کاملین بھی قبروں میں زندہ ہیں اور شیطان رجیم اس سے غافل ہے اس لئے حق صریح کے قبول سے انکار کیا، اسی طرح جو اولیاء کے منکر ہیں یا ان کی قبور کی زیارت سے منکر ہیں اور ان سے استمداد کرنے کے منکر ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور گمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔[1]

بعض مغرورین کا اعتراض کہ عوام لوگ ولی پر (خدائی کا) اعتقاد رکھتے ہیں پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین

اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کے ہاتھوں پر وہ تمام امور پیدا فرماتا ہے جو مقدر ہو چکے ہیں

حضرت علامہ الشیخ الولی عبد الغنی النابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وأما قول بعض المغرورين: بأننا نخاف على العوام إذا اعتقدوا وليا من الأولياء وعظموا قبره والتمسوا البركة والمعونة منه ان يدركهم اعتقاد ان الأولياء تؤثر في الوجود مع الله تعالىٰ فيكفرون ويشركون بالله تعالىٰ، فنناهم عن ذلك ونهدم قبور الأولياء ونرفع البنيانات الموضوعة عليها، ونزيل الستور عنها، ونجعل الإهانة للأولياء ظاهرًا حتى تعلم العوام الجاهلون أن هؤلاء الأولياء لو كانوا مؤثرين في الوجود مع الله تعالىٰ لدفعوا عن أنفسهم هذه الإهانة التي نفعلها معهم۔ فاعلم إن هذا الصنيع كفر صريح مأخوذ من قول فرعون على ما حكاه الله تعالىٰ لنا في كتابه القديم بقوله تعالىٰ: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ (غافر ٢٦) وكذلك هؤلاء المغرورون لم يكمل إيمانهم بعد بان الله تعالىٰ يحب أولياءه، وأنه يخلق على ايديهم في حياتهم جميع ما قدر أن يريدوه مما لم يخالف الشرع وجميع ما تريده روحانيتهم بعد موتهم بأمره تعالىٰ الذي روحانياتهم منه من الأمور الخارقة للعادة وكانهم لم يعلموا بعد ان الايمان حق وانه منح عند الله تعالىٰ فقلوبهم مملوءة من ظنون وشكوك وأوهام وتحيرات وزيغ۔ وقد عموا وصموا وختم الله تعالىٰ على قلوبهم حتى لم يقدروا على الفرق بين الحق والباطل۔ ومن يضلل الله فماله من هاد ولو أنهم صدقوا في خوفهم ذلك على عامة المسلمين لقرروا لهم أحكام العقائد والتوحيد وعلموهم البراهين والحجج القطعية من غير منازعة ولا جدال وحملوهم على الفهم في العقائد والنظر في الفضائل۔ وشدوا عليهم في ذلك غاية التشديد، فان العامة متى تحققوا في نفوسهم ان الفاعل واحد على كل حال۔ ولا تأثير لشيء البتة تحولت خواطرهم عن إعتقاد التاثير في غيره تعالىٰ وعلموا ان كل ما سواه تعالىٰ بيده تعالىٰ، فتن وتحيرات تسمى أسبابا يضل الله بها من يشاء ويهدي من يشاء۔ قال تعالىٰ: وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ (البروج ٢٠) يعني من وراء جميع الأشياء المحسوسات والأشياء المعقولات على معنى أنه لا يشبهها ولا

[1] (روح البیان، ج۴، ص۱۳۷، الناشر: دار الفکر-بیروت)

تشبهه البتة۔ وعلى فرض أن يكون غرضهم ذلك المذكور فكيف يجوز انتهاك حرمات الله تعالىٰ في حق أوليائه وأهل خاصته بهدم قبابهم وتحقير قبورهم في عيون العامة وهتك ستورهم الموضوعة احترامًا لهم من أجل هذا الأمر الموهوم وهو خوف الضلال على العامة۔ وكيف يجوز الظن السوء في حق العامة ولم يكن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابه وسلم ولا أصحابه يفعلون ذلك لان الظن السوء بالمسلمين حرام محقق كما قدمناه۔

ترجمہ: بعض فریب خوردہ لوگوں کا یہ کہنا کہ عوام جب کسی ولی کے معتقد ہوں گے، اس کے مزار کی تعظیم کریں گے اور اس سے برکت و امداد طلب کریں گے تو ہمیں خوف ہے کہ وہ یہ اعتقاد کر لیں گے کہ اولیاء کرام کو اللہ تعالی کے ساتھ ایجاد و تخلیق میں دخل ہے اس طرح وہ کفر اور شرک میں واقع ہو جائیں گے اس لئے ہم انہیں ایسی باتوں سے روکتے ہیں، اولیاء کرام کے مزارات منہدم کرتے ہیں اُن پر بنائی ہوئی عمارتیں گراتے ہیں، ان کے پردے اتارتے ہیں اور کھلم کھلا اولیاء کی توہین کرتے ہیں تا کہ عوام جاہل جان لیں کہ اگر اولیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ وجود میں موثر ہوتے تو ہم جو ان کی توہین کرتے ہیں اس کا دفاع کرسکتے، تمہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ یہ فعل صریح کفر ہے اور قرآن مجید میں فرعون کے نقل کردہ قول کے مماثل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ (غافر ۲۶)

فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے دو، انہیں چاہیئے کہ اپنے رب کو بلائیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل نہ کردیں یا زمین میں فساد پیدا نہ کردیں۔

اسی طرح یہ مبتلائے فریب جنہیں ابھی تک کامل یقین نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو محبوب رکھتا ہے اور ان کی زندگی میں ان کے ہاتھوں پر تمام وہ امور پیدا فرماتا ہے جو مقدر ہو چکے ہیں کہ اولیاء کرام ان کا ارادہ کریں گے بشر طیکہ مخالف شریعت نہ ہوں، اور ان کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام وہ غیر معمولی چیزیں پیدا ہوئی ہیں جن کا ارادہ ان کی خدا دادروحیں کرتی ہیں، گویا ان لوگوں کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ ایمان حق ہے اور اللہ کے نزدیک نجات دینے والا ہے۔

ان لوگوں کے دل مشکوک و شبہات، اوہام و تحیرات اور گمراہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے حتی کہ حق و باطل کے درمیان فرق نہیں کرسکتے جسے اللہ تعالی گمراہی میں ڈال دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اگر ان لوگوں کو عامۃ المسلمین پر کفر و شرک میں واقع ہونے کا واقعی خوف ہوتا تو انہیں عقائد و توحید کے احکام سکھاتے، اور نزاع و جدال کے بغیر انہیں قطعی دلائل و براہین سکھاتے، اور انہیں عقائد کے سمجھنے اور فضائل میں غور و فکر پر آمادہ کرتے اور اس سلسلے میں ان پر پوری سختی کرتے۔ کیونکہ عوام الناس کے دلوں میں جب یہ بات بیٹھ جائے گی کہ فاعل (حقیقی) صرف

ایک ذات ہے اس کے علاوہ کوئی مؤثر حقیقی نہیں تو ان کا خیال بھی اس طرف نہیں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی موثر ہے اور وہ یقین رکھیں گے کہ تمام مخلوق اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ فتنے اور حیرتیں، ایسے اسباب ہیں جن کے ذریعے اللہ جسے چاہتاہے گمراہی میں ڈالتاہے اور جسے چاہتاہے ہدایت دیتاہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَ اللّٰہُ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ مُّحِیۡطٌ (البروج ۲۰)

یعنی اللہ تعالیٰ تمام محسوسات اور معقولات کو محیط ہے۔

مقصد یہ ہے کہ کوئی شے اس کے مشابہ نہیں اور وہ کسی کے مشابہ نہیں ہے۔ بالفرض اگر عوام الناس کی وہی مراد ہے جو ذکر کی گئی ہے تو محض عوام کی گمراہی کے ڈر کی بناپر اولیاء و مقربین کے قبوں کو شہید کرنا، عوام کی نگاہوں میں ان کے مزارات کی توہین اور ان کے احترام کے پیش نظر لگائے گئے پردوں کو پھاڑنے سے اولیاء کے حق میں اللہ کی حرمتوں کی توہین کس طرح جائز ہوگی؟ (یہ بھی سوچنا چاہیے کہ) عوام کے حق میں بدگمانی کا کیا جواز ہوگا حالانکہ نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس طرح کرتے تھے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیونکہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی حرام ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں۔[1]

غیر شرعی توہمات کی وجہ سے اصلاً نیکی کا کام ترک کرنا مناسب نہیں

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولا تترک لما یحصل عندها من منکرات ومفاسد کاختلاط الرجال بالنساء وغیر ذلک لأن القربات لا تترک لمثل ذلک بل علی الإنسان فعلها وإنکار البدع بل وإزالتها إن أمکن اه۔

ترجمہ: امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ (الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ) میں فرمایا: مزارات پر ہونے والے غیر شرعی امور یا دیگر مفاسد مثلاً: عورتوں اور مردوں کے اختلاط کے سبب حاضری مزارات اولیاء پر ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا۔ کیونکہ نیکی کے کاموں کو اس نوعیت کے غیر شرعی امور کے سبب اصلاً ترک نہیں کیا جاتا، بلکہ بندے کو چاہیئے کہ نیکی کا کام جاری رکھے اور نت نئی خرابیوں کا سدّباب کرے بلکہ جس حدتک ممکن ہو قلعہ قمع کرے۔[2]، **انتهی عبارته**۔

[1] (کشف النور عن أصحاب القبور، ص۱۷، ۱۸، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

[2] (ردالمحتار علی الدرالمختار، ج۱، ص۶۶۵، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

متن اعلام المؤمنین

جس نے نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے نبی کریم ﷺ کی بحالتِ حیات زیارت کی

مانعین سے پوچھا جائے کہ انبیاء کی قبور کی زیارت جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز کہتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زیارت تو ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي». رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيّ فِي شعب الْإِيمَان۔

ترجمہ: جس نے میری وفات کے بعد حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔[1]

جب انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت نص سے ثابت ہوئی تو اولیاء اللہ کی قبور بھی بمنزلہ قبور انبیاء کے ہیں کہ اغراض ومقاصد ایک ہی ہیں۔

جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

واختلاف کردہ اند در نساء مگر در زیارت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

ترجمہ: لوگوں نے خواتین کی زیارت میں اختلاف کیا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت کے لئے آنے میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ تو اولیاء کی قبور کی زیارت کے لئے بھی خواتین آسکتی ہیں کیونکہ قبور انبیاء اور قبورِ اولیاء میں کوئی فرق نہیں ہے۔[2]

اگر کوئی کہے کہ دعا قبول فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو قبور کے پاس جانے کی کیا ضرورت اور حاجت ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ قبولیتِ دعا کے خاص مقامات ہیں جن میں ایک مقام صلحاء کی قبور ہیں۔

قبولیتِ دعا کے لئے کچھ خاص مقامات ہیں

جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے:

وللدعاء أماكن يظن فيها الاجابة مثلا عند رؤية الكعبة وعلى الصفا والمروة وجرب استجابة الدعاء عند قبور الصالحين بشروط معروفة عند أهلها اللهم أفض علينا من بركات الصالحين۔

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص ۸۴۰، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)
[2] (اشعۃ اللمعات، ص ۷۶۴)

ترجمہ: چند مقامات پر دعا کی قبولیت کا غالب گمان ہے، جیسا کہ کعبہ کا دیدار، صفا و مروہ اور صالحین کی قبور کے پاس دعا جن کے لئے معروف و مشہور شرائط ہیں، یااللہ ہم پر صالحین کی برکات نازل فرما۔[1]

كذا في قطب الإرشاد، ص ۴۲۔

اسی طرح قطب الارشاد، ص ۴۲ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ اولیاء کی قبور کے پاس دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول و منظور ہے۔

زیارت القبور کی بابت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیارت القبور کے بارے میں سوال ہوا تھا تو آپ نے یہ جواب دیا:

و ماتبين لي أن الأمر كذلك بل الزيارة مأمور بها۔

ترجمہ: میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، یعنی زیارت القبور منع نہیں ہے بلکہ زیارت القبور کا حکم دیا گیا ہے کہ جایا کرو۔[2]

زیارت القبور کی بابت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی طرح ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

قد كان نهى أي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عنه أي زيارة القبور ثم أذن فيه فلو فعل انسان ولم يقل الا خيرا لم ار بذلك بأسا۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے زیارت القبور سے منع فرمایا پھر اس کی اجازت عطا فرمائی تو اگر کوئی زیارت القبور کے لئے جاتا ہے اور خلافِ شرع کام نہیں کرتا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[3]

ہر جمعہ والدین کی قبور کی زیارت کرنے والا والدین کا فرمانبردار لکھا جائے گا

اسی طرح خواتین کا زیارت القبور کے لئے جانے کا جواز اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے:

مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهُ وَكُتِبَ بَرًّا. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شعب الْإِيمَان۔

ترجمہ: جو اپنے والدین یا ایک کی قبر کی زیارت کے لئے ہر جمعہ کو جائے گا تو وہ والدین کا فرمانبردار لکھا جائے گا۔[4]

---

[1] (روح البيان، ج ۱، ص ۲۹۸، الناشر: دار الفكر - بيروت)

[2] (إحياء علوم الدين، ج ۱، ص ۲۴۴، الناشر: دار المعرفة - بيروت)

[3] (صحیح البخاری، حاشیہ نمبر ۲، باب زیارۃ القبور، ص ۱۷۱)

[4] (مشكوٰة المصابيح، ج ۱، ص ۵۵۳، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

دوسری یہ حدیث ہے:

من دخل المقابر فقرأ سورۃ یس خفف اللہ عنهم یومئذ و کان له بعدد من فیها حسنات۔

جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۃ یٰسٓ پڑھے تو اللہ تعالیٰ تمام قبروں والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور اس پڑھنے والے کو بقدر ان کی گنتی کے نیکیاں عطا فرماتا ہے۔[1]

ان احادیث میں کلمہ "مَنْ" ہے جو اصولی طور پر ذوی العقول خواہ مرد ہو یا عورت کو شامل ہوتا ہے۔ اور عام کی تخصیص بغیر دلیلِ مستقل کے جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ فصول میں ہے:

التخصیص في إصطلاحهم قصر العام علی بعض افرادہ بدلیل مستقل مقترن, اھ۔

ترجمہ: اصولیوں کی اصلاح میں تخصیص یہ ہے کہ عام کو اس کے بعد افراد پر قصر (محصور) کر دیا ہے اور وہ بھی ملی ہوئی ایک مستقل دلیل سے، اھ۔[2]

توجو شخص زیارت القبور صرف مردوں کے ساتھ خاص کرتا ہے تو اس کو مستقل دلیل دینی ہو گی۔

جب آپ کو زیارت القبور برائے خواتین کا جواز نصوص قطعیہ اور کتبِ معتبرہ سے ثابت ہو اتو اب مولوی مفتاح الدین کے قول، صفحہ نمبر ۸۳ میں دیکھیں کہ زیارت القبور صرف مردوں کے لئے خاص ہے، خواتین کے لئے مقبرہ میں جانے کا جواز نہیں ہے۔

اور دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول پیش کیا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

ترجمہ: اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خواتین کی ایجاد کردہ بدعات دیکھتے تو مسجد میں آنے سے روکتے جیسے بنی اسرائیل کی خواتین روکی گئی تھیں۔[3] الخ عبارت۔

[1] (الجامع لأحکام القرآن، ج ۱۵، ص ۳، الناشر: دار عالم الکتب، الریاض، المملکة العربیة السعودیة)

[2] (فصول، ص ۲۱)

[3] (صحیح البخاری، ج ۳، ص ۳۷۸، المکتبة الفاروقیة)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

ہم کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے خواتین کا مقبرہ آنے سے روکنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ مساجد میں آنے سے روکنے پر دلالت کرتا ہے، جو ہمارا موضوع نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ مولوی مفتاح الدین نے اس حدیث سے اپنے دعویٰ پر کس طرح دلیل لی ہے۔

مولوی مفتاح الدین نے اپنے دعویٰ پر یہ دلیل پیش کی:

و أما النساء فلا يحل لهن ان يخرجن إلى المقابر, اھ۔

ترجمہ: خواتین کے لئے قبرستان جانا جائز نہیں ہے۔[1]

اور دوسری دلیل یہ ہے:

و إعلم أن النساء كلما قصدت الخروج كانت في لعنة الله و ملائكته۔

ترجمہ: خواتین جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہیں۔[2]، انتهى عبارته

ہم کہتے ہیں کہ یہ دو عبارتیں خواتین کے زیارت القبور کے لئے جانے کے عدم جواز پر مطلقًا دلالت نہیں کرتیں بلکہ اس زیارت پر دلالت کرتی ہیں جو شریعت کے خلاف ہو، کہ جس میں دوبارہ غم کا اظہار اور رونا دھونا ہو۔

جیسا کہ شامی میں ہے:

و جزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنازة. و قال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن و البكاء و الندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز, و عليه حمل حديث «لعن الله زائرات القبور» و إن كان للاعتبار و الترحم من غير بكاء و التبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس۔

ترجمہ: شرح منیۃ میں کراہت کا قول ہے، علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اگر یہ جانا غم کو دوبارہ تازہ کرنے یا رونے دھونے کے لئے ہو جیسا کہ خواتین کی عادت ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں اس حدیث: لعن الله زائرات القبور۔ کو ان پر حمل کیا جائے گا اور اگر ان کا قبروں پر جانا مُردوں کے لئے رحم کی دعا یا صالحین کی قبر تبرک کے حصول کے لئے ہو تو پھر قبر پر جانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔[3]

و أيضًا في البحر, ج ٢, ص ٢١٠, و الطحطاوي, ص ٣٤١۔

اور اسی طرح البحر، ج ۲، ص ۲۱۰ اور طحطاوی، ص ۳۴۱ میں بھی ہے۔

---

[1] (مجالس الأبرار, ص ٣٣٦)

[2] (كبيرى, ص ٤٩٨)

[3] (رد المحتار, ج ٢, ص ٢٤٢, الناشر: دار الفكر-بيروت)

الحاصل یہ کہ مجالس الابرار اور کبیری کی عبارت مطلق نہیں ہے بلکہ کئی قیود کے ساتھ مقید ہے، جو علامہ شامی کے قول میں مذکور ہیں۔ کیونکہ اگر یہ ممانعت مطلق لی جائے تو پھر یہ نصوص قطعیہ اور کتبِ معتبرہ کے ساتھ مخالفت ہو جائے گی۔ تو پھر تو یہ قابلِ استدلال ہی نہیں رہے گی۔ جبکہ روایاتِ فقہیہ اور احادیث مبارکہ میں تضاد اور مخالفت کی صورت میں بظاہر تطبیق کی کوشش کی جائے گی نہ کہ ایک کے ظاہر کو دوسرے پر حمل کریں گے، اور فقہاء کرام کے اطلاقات غالبًا قیودات کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔

فقہاء کرام کے اطلاقات کو محض فہمِ مستقیم رکھنے والے علماء ہی جانتے ہیں

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

أَنَّ إِطْلَاقَاتِ الْفُقَهَاءِ فِي الْغَالِبِ مُقَيَّدَةٌ بِقُيُودٍ يَعْرِفُهَا صَاحِبُ الْفَهْمِ الْمُسْتَقِيمِ الْمُمَارِسُ لِلْأُصُولِ وَالْفُرُوعِ وَإِنَّمَا يَسْكُتُونَ عَنها اعْتِمَادًا على صِحَّةِ فَهْمِ الطَّالِبِ۔

ترجمہ: فقہاء کرام کے اطلاقات غالبًا قیودات کے ساتھ مقید ہوتے ہیں جن کو فہمِ مستقیم والے اور تجربہ رکھنے والے اور اصول اور فروع کو جاننے والے حضرات ہی جانتے ہیں۔ اور بے شک یہ لوگ ان سے سکوت فرماتے ہیں، طالب کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے۔[1]

تو جب آپ قارئین حضرات کو انبیاء و صلحاء کے توسل کے جواز کا علم ہوا جو نصوص قطعیہ اور روایاتِ معتبرہ سے ثابت ہے تو اب مولوی مفتاح الدین کا صفحہ نمبر ۱۸ میں یہ قول دیکھئے:

جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اولیاء اور انبیاء کے وسیلہ سے قربِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس وسیلہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمان بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

انتهٰی عبارته

ہم کہتے ہیں کہ ہماری بحث اللہ تعالیٰ اور مؤمنوں کے مابین توسل کے بارے میں ہے، جیسا کہ ہم نے ماقبل صفحات میں بیان کیا ہے، جبکہ یہ آیت اس سے نفیًا واثباتًا خاموش اور ساکت ہے۔ کیونکہ آیت کعب بن اشرف یہودی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

[1] (البحر الرائق، ج ۱، ص ۷۷، الناشر دار المعرفۃ، بیروت)

جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے:

نزلت حين دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم كعب بن الأشرف ومن تابعه الى الايمان فقالوا نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ فقال تعالى لنبيه عليه السلام قل لهم انى رسول الله أدعوكم اليه فان كنتم تحبونه فاتبعونى على دينه وامتثلوا امرى يحببكم الله۔

ترجمہ: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کعب بن اشرف اور اس کے متبعین کو دعوت الی الایمان دی تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ ان سے فرمائیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں، اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میرے دین کی اتباع کرو اور میری بات مانو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔[1]

اس شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی نہ کہ مسلمانوں کے بارے میں۔ لہٰذا اس آیت سے توسل کی نفی کرنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا مولوی مفتاح الدین بہت افسوس کہ اپنی خود غرضی کے تحت آیت کا مصداق بھی بدلتا ہے اور عوام کو دھوکہ دے رہا ہے بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔

شاعر نے کہا کہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنے دل کو تسکین دے رہا ہے۔

اور یہ خود بین بندہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ ہر طاقت کے اوپر بڑے اللہ تعالیٰ کی بھی طاقت ہے، باغی طاغی کو بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔

مولوی مفتاح الدین نے اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۸۲ میں لکھا ہے کہ اہل قبور کو آواز دینا (نداء کرنا) شرک ہے۔ انتهى عبارته

ہم کہتے ہیں کہ اس کا یہ قول کتب معتبرہ کے خلاف ہے۔

شامی میں ہے کہ اموات کو آواز دینا (نداء کرنا) جائز ہے:

ويقول يا سيدي أحمد يا إبن علوان ان لم ترد على ضالتي وإلا نزعتک من ديوان الأولياء فان الله تعالیٰ يرد على من قال ذلک ضالته ببركته أجهوري مع زيادة۔

ترجمہ: کہے کہ یا سیدی احمد ابن علوان اگر تم نے میری گمشدہ سواری نہ لوٹائی تو میں تم کو اولیاء کے رجسٹر سے خارج کر دوں گا پس اللہ تعالیٰ اس کی گمشدہ سواری واپس لوٹائے گا ان کی برکت سے۔[2]

---

[1] (روح البیان، ج۲، ص۲۲، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2] (ردالمحتار علی الدر المختار، ج۳، ص ۳۵۵، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

كذافي حاشية شرح المنهج للداؤدی، ج۳، ص ۳۵۲۔

اسی طرح حاشیہ شرح المنہج للداؤدی، ج۳، ص ۳۵۲ میں ہے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ بلند جگہ پر کھڑا ہو کر، قبلہ رو ہو کر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں اور سید ابن علوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصال ثواب کرے اور پھر درج بالا کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی گمشدہ چیز واپس کر دے گا۔ تو اگر فورشدہ اولیاء کو آواز دینا ناجائز ہوتا تو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ ذکر نہ فرماتے۔

دوسری بات یہ کہ اولیاء کی زندگی اور موت برابر ہے تو جب حیات میں ان کو نداء وآواز دی جاسکتی ہے تو وفات کے بعد بھی جائز ہے۔

اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی حیات وممات برابر ہے

روح البیان میں ہے:

وأن حياتهم ومماتهم سواء، فإنهم ماتوا عن أوصاف وجودهم بالاختيار قبل الموت بالاضطرار فهم أحياء على كل حال، إلخ۔

ترجمہ: اولیاء کی حیات وممات برابر ہے کیونکہ یہ اولیاء اپنے اختیار (ریاضات) کی وجہ سے زندگی ہی میں اپنے وجود سے فوت ہو گئے ہیں تو یہ اب ہر حال میں زندہ ہیں۔[1]

اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۸۲ میں ہے بالاتفاق علماء کے نزدیک ولی سے فریاد رسی اور استمداد طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ انتهى عبارته

ہم کہتے ہیں کہ اتفاق کا دعویٰ کرنا افتراء اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ اہل قبور سے استمداد طلب کرنا تمام صوفیاء اور بعض فقہاء کے ہاں جائز ہے۔

جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

واثبات کردہ اند آنرا مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم وبعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ واین ہر محقق ومقرر است نزد اہلِ کشف وکمال۔

[1] (روح البیان، ج۸، ص۱۷۸، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

ترجمہ: مشائخ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بھی۔ اور یہ امر متحقق و مقرر ہے اہل کشف و کمال کے ہاں۔[1]

اسی طرح استمداد پر روح البیان کے مصنف نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

وقد ورد فی الحدیث (إذا تحیرتم فی الأمور فاستعینوا من اهل القبور)، اھ۔

ترجمہ: جب تم کسی معاملہ میں حیران و فکر مند ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد طلب کرو۔[2]

دوسری بات یہ کہ اگر اہل قبور سے استمداد شرک ہے تو پھر دنیاوی زندگی میں بھی صلحاء واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے توسل اور طلب دعا نہ کی جائے، جبکہ بات اس طرح نہیں ہے۔

جیسا کہ زاد اللبیب میں ہے:

ولو کان هذا اي الاستمداد شرکا وتوجها إلی غیر الله کما یزعمه المنکر فینبغي أن یمنع التوسل وطلب الدعاء من الصالحین من عباد الله واولیائه في حالة الحیوٰة, أیضًا ولیس ذلک مما بمنع فانه مستحب مستحسن شائع في الدین۔

ترجمہ: اگر یہ استمداد شرک ہے اور غیر اللہ کی طرف توجہ ہے جیسا کہ منکر کا دعویٰ اور قول ہے تو پھر مناسب ہے کہ ظاہری حیات میں بھی اولیاء کا توسل اور ان سے دعا کروانا بھی منع ہو جائے جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اولیاء اللہ کی زندگی میں ان سے دعا کروانا اور ان کا توسل پیش کرنا جائز ہے اور دین میں شائع اور مشہور ہے۔[3]

اگر صاحبِ اصلاح الرسوم کے دعویٰ کو تعمق اور غور سے دیکھا جائے تو اہلِ حق پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس کے سارے دعوے بلا دلیل ہیں، اور محض مغالطہ ہے اور عوام کو دھوکہ دینا ہے۔ جیسا کہ آپ کو گزشتہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے تو جب ولی اللہ سے زندگی میں دعا کروانا اور ان کا وسیلہ بنانا جائز ہے تو وفات کے بعد بھی ان سے استمداد و وسیلہ جائز ہے۔

جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے بعد از وقات۔

ترجمہ: کہ جس طرح ان کی زندگی میں ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے تو ان کی وفات کے بعد بھی ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔[4]

---

[1] (اشعۃ اللمعات، ص ۷۶۲)

[2] (روح البیان، ج۵، ص ۱۷۸، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[3] (زاد اللبیب، ص ۹۵)

[4] (اشعۃ اللمعات، ص ۷۶۲)

صالحین وفات کے بعد بھی اپنے زائرین کی مدد کرتے ہیں

بلکہ صالحین وفات کے بعد بھی اپنے زائرین کی مدد کرتے ہیں۔

جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

زیراکہ صالحانرا امدادِ بلیغ است مر زیارت کنندگان را بر اندازہ ادب ایشان۔

ترجمہ: صالحین کے لئے اپنے زائرین کی امداد کرنے کا اختیار ہے وہ زائرین جتنا ادب کریں گے اتنی امداد زیادہ ہوگی۔[1]

اسی طرح زندگی میں صالحین سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں تو بعد الوفات بھی ان سے کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ جب ارواح اپنے اجسام سے الگ ہو جاتی ہیں تو ان کا اثر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

روح البیان میں ہے:

وببركات الأولياء يأتي المطر من السماء ويخرج النبات من الأرض وبدعائهم يندفع البلاء عن الخلق، وأن حياتهم ومماتهم سواء، فإنهم ماتوا عن أوصاف وجودهم بالاختيار قبل الموت بالاضطرار فهم أحياء على كل حال ولذا قيل:

مشو بمرگ ز امداد اہل دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ: اولیاء کرام کی برکت سے آسمان سے بارش، زمین سے پودے اور نباتات نکلتے ہیں۔ اور ان کی دعاؤں سے مخلوق سے مصیبتیں ٹلتی ہیں۔ ان کی حیات و ممات برابر ہے، کیونکہ یہ اولیاء موت سے پہلے اپنے اختیار سے اپنے وجود کے اوصاف سے مرے ہوتے ہیں۔ تو یہ ہر حال میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

اہل دل کی موت سے ان کی امداد سے ناامید مت ہو جانا
کہ ان اولیاء کی نیند عین بیداری ہے[1]

---

[1] (اشعۃ اللمعات، ص ۷۶۲)

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ جب اثر مزار شریف کا بیان آیا تو کہا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا، بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان اور روٹیوں کا محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمائیں۔ حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے یا آدھا آنہ روز ملا کرے گا۔ ایک مرتبہ میں زیارتِ مزار کو گیا، وہ شخص بھی حاضر تھا۔ اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا کہ مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ پائین قبر سے ملا کرتا ہے۔ (امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق، ص ۱۱۴، ۱۱۵، مکتبہ امداد اللہ مہاجر مکی، محلہ خانقاہ دیوبند)

دیوبندی عالم احسن گیلانی اپنے بڑوں کو شرک سے بچانے کے لئے لکھتے ہیں کہ بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں، ہمارا بھی ارواحِ صالحین سے مدد لینے کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت وجماعت کا ہے۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۱، ص ۲۱۱، مکتبہ رحمانیہ)

درج بالا عبارت سے اولیاء کی حیات ہر وقت ثابت ہوئی۔

حیات الاولیاء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بھی حیات الاولیاء ثابت ہوتی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِي فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي وَاضِعٌ ثَوْبِي وَأَقُولُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً من عمر. رَوَاهُ أَحْمد۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے کمرے (حجرے) میں جاتی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مدفون تھے تو چادر اوڑھے بغیر جاتی تھی اور دل میں کہتی کہ یہ میرے شوہر ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہونے کے بعد بھی بلا اہتمام جاتی تھی اور کہتی تھی کہ میرے شوہر اور والد ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں دفن ہوئے تو پھر میں پردہ کرکے جاتی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حیا کرتے ہوئے۔[2]

اشعۃ اللمعات میں ہے:

ودرین حدیث دلیل واضح است بر حیات میت وعلم وے۔

ترجمہ: اس میں واضح دلیل ہے کہ میت زندہ اور صاحبِ علم ہوتے ہیں۔[3]

اور ہماری مراد اہلِ قبور سے استمداد کی یہ ہے:

ان الداعي الفقير المحتاج إلى الله يدعو الله ويطلب حاجته من فضله تعالىٰ ويتوسل روحانية هذا العبد المكرم المقرب عند الله تعالىٰ ويقول اللهم ببركة هذا العبد الذي رحمته وأكرمته ولمالك به من اللطف والكرم اقض حاجتي واعط سوالي انک أنت المعطي الكريم فالمعطى والمسئول عنه والمامور به هو رب تعالىٰ وتقدس وما الأولياء في البين إلا وسيلة لا فعل لهم ولا قدرة ولا تصرف، اھ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ فقیر اور دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاجت پوری ہونے کی دعا کرتا ہے، اور اس بندہ مکرم ومقرب کی روحانیت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہے اور کہتا ہے یا اللہ! اپنے اس بندۂ مکرم کہ جس پر تو نے رحم وکرم فرمایا ہے اور اس پر لطف فرمایا ہے کے وسیلے سے میری حاجت پوری فرما اور سوال (مانگنے

---

[1] (روح البیان، ج۸، ص۱۷۸، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۱، ص۵۵۴، الناشر: المکتب الإسلامي-بیروت)

[3] (اشعۃ اللمعات، ص۷۶۷)

والی چیز عطا فرما) بے شک تو عطا کرنے والی کریم ذات ہے، اور تجھ ہی سے سوال کیا جاتا ہے اور دعا کرنے کا حکم بھی کیا گیا اور حاجت پوری کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور درمیان میں اولیاء وسیلہ ہیں جن کی دعا کی قبولیت میں کوئی فعل، قدرت اور تصرف نہیں ہے۔[1]

الحاصل یہ کہ خواص وعوام اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امور میں متصرف بالذات اور مالک اللہ تعالیٰ ہے جس کا اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صلحاء کا وسیلہ بنانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی مجاز (جواز) ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (البقرۃ ۱۰۷)

ترجمہ: کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی نہ مددگار۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا (الملک ۲۹)

ترجمہ: تم فرماؤ وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ کیا۔

أي فوضنا أمورنا إلى غيره تعالیٰ لعلمنا بان ما عداہ کائنا ما کان بمعزل من النفع۔

ترجمہ: نہ کہ کسی اور پر توکل کیا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام مخلوقات نفع دینے سے الگ ہیں (یعنی نفع نہیں دے سکتیں)۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود فرمایا:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدۃ ۳۵)

ترجمہ: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

تمام قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ جب نصوصِ قطعیہ اور کتبِ معتبرہ سے توسل اور استمداد عند اہل القبور ثابت ہوا تو اب آپ اصلاح الرسوم کے قول پر نظر کریں کہ انہوں نے اہل قبور سے استمداد کو صفحہ نمبر ۲۸ میں شرک کہا ہے اور صفحہ نمبر ۹۴ میں لکھا ہے کہ ان مستحبات کے کرنے میں بہت سے مفاسد کا خوف ہے۔

غرض مولوی مفتاح الدین کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبور کی زیارت کے لئے جانا بہت سے مفاسد اور منکرات کا مجموعہ ہے، اسی وجہ سے جانا بہتر نہیں ہے۔

[1] (زاداللبیب، ص ۹۵)

ہم کہتے ہیں کہ زیارت القبور احکامِ شرعیہ میں سے ایک حکمِ شرعی ہے جو بہت سے ثواب اور اجر پر مشتمل ہے، لہٰذا ان مفاسد کی وجہ سے اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا جو قبور کے پاس ہوتے ہیں۔

متن اعلام المؤمنین بحث وسیلہ پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

ولی کسے کہتے ہیں؟

ابوالمنتھی شرح فقہ اکبر میں ہے:

الولی فی اللغة القریب فاذا کان العبد قریباً من حضرة اللّٰہ تعالیٰ بسبب کثرة الطاعة و کثرة اخلاصه کان الرّب قریباًمنه برحمته و فضله و احسانه۔۔۔الخ۔

ترجمہ: ”ولی لغت میں قریب کو کہتے ہیں اور جب بھی بندہ کثرتِ اطاعت سے اور اخلاص سے اللہ تعالی کے حضور قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت، فضل اور احسان سے ان کے قریب ہوتا ہے“۔[1]

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان کی آنکھیں ہو جاتا ہوں، ان کے کان ہو جاتا ہوں، ان کے ہاتھ بن جاتا ہوں تو دیکھیئے کہ ولی سے کرامت ظاہر کرانے میں کیا مصلحت ہے۔

کرامت کسے کہتے ہیں؟

ابوالمنتھی میں ہے:

و کرامات الاولیاء ای خوارق الّتی تصدر عن الاولیاء تسمی کرامت لان اللّٰہ تعالی یرید بصدورها عنهم کرامهم و اعزازهم۔

ترجمہ: ”اولیاء کی کرامت حق ہے، ہر وہ کام جو خلافِ عادت ہو اور اولیاء سے صادر ہو جائے اس کو کرامت کہتے ہیں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خلافِ عادت کام ظاہر کرا کر مخلوق کو عند اللہ ان کی بزرگی عزت اور اکرام ظاہر فرماتا ہے“۔[2]

[1] (ابو المنتھی شرح فقہ اکبر ص ۴۷)
[2] (ابو المنتھی ص ۴۶)

اور جو عند اللہ دنیا میں معزز و مکرم ہوں، بعد الوفات بھی معزز و مکرم ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ولایت بعد الممات بھی باقی ہوتی ہے۔

توسل، استمداد اور استغاثہ کے معنیٰ

توسل، تشفع، استعانت اور استمداد وغیرہ الفاظ استعمالاً قریب المعنی ہیں۔

چنانچہ کُتب لغت قاموس، صراح اور لسان العرب وغیرہ میں ان کے معنی اس طرح مرقوم ہیں:

التوسل: وسیلہ جستن، تقرب حاصل کردن۔

استمداد: طلب مدد۔

استعانت: طلب نصرت، طلب رحمت، طلب باراں، طلب فریادرسی۔

وسیلہ کا معنی

تفسیر مدارک میں ہے:

وھی کلما یتوسل بہ ای یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو، وہ "وسیلہ" ہے۔[1]

تفسیر خازن میں ہے:

الوسیلۃ فعلیۃ من وسل الیہ اذا تقرب الیہ و المعنی اطلبوا الیہ القرب بطاعۃ و العمل بما یرضی۔

ترجمہ: وسیلہ بروزن فعلیہ عرب کہتے ہیں **وسل الیہ اذا تقرب الیہ** آیت کے معنی یہ ہے، اے مومنو قرب اور نزدیکی حاصل کرو اللہ تعالیٰ کی طرف اطاعت سے اور ہر اس عمل سے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔[2]

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الوسیلة: التوصل إلى الشيء برغبة وهي أخص من الوصيلة، لتضمنها لمعنى الرغبة۔

وسیلہ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے (یعنی توصل) کے ہیں اور وسیلہ میں رغبت کا پہلو شامل ہونے کی وجہ سے یہ "وصیلۃ" سے خاص ہے۔[3]

---

[1](تفسیر مدارک ص ۴۹۱)
[2](تفسیر خازن ص ۴۹۱)
[3](مفردات الفاظ القرآن ص ۸۷۱)

ابن منظور رحمہ اللہ تعالیٰ لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الوسیلة هي في الأصل ما یتوصل به إلی الشيء و یتقرب به۔

در حقیقت وسیلہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔[1]

امام زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

الوسیلة: کل ما یتوسل به أی یتقرّب... به إلی اللّٰه تعالی۔

ہر وہ چیز جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک پہنچا جائے یعنی قرب حاصل کیا جائے، اسے ہی وسیلہ کہتے ہیں۔[2]

اور آیت کا عام ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ اعمالِ صالحہ ہے کیونکہ اعمالِ صالحہ نجات کے اسباب سے ایک سبب ہے، جیسا کہ غار والی حدیث جو تمام صحاح ستّہ کی کتب میں موجود ہے، نجات کے لئے اور بھی بہت سے اسباب ہیں۔

جیسا کہ اسماعیل قتیل دہلوی نے "منصبِ خلافت" میں لکھا ہے:

"مراز وسیلہ شخصے باشد کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت۔"

ترجمہ: وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو۔

شاہ ولی اللہ نے بھی القول الجمیل میں یہی لکھا ہے۔ بہر حال وسیلہ قربِ الٰہی کے لئے سبب کو کہتے ہیں اور قرب کے تمام اسباب غیر اللہ ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وسیلہ کا حکم فرمایا ہے۔

معلوم ہوا توسل غیر اللہ سے شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے کیونکہ مامور بہ ہے۔

اے اللہ کے بندو مجھے راستہ دکھاؤ!

روی الحاکم فی صحیحه و ابو عوانة و البزاز بسند صحیح و ابن السنی عن ابن مسعود (رضی اللہ عنه) ان النبی ﷺ قال اذا انفلتت دابة احدکم فی ارض فلاة فلیناد یا عباد اللہ احبسوا یا عباد اللہ احبسوا یا عباد اللہ احبسوا ثلاثا فان اللہ حاضر سیحبسها[3] وقد روی اللطبرانی ان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی[4] ذکر هذا الحدیث الائمة فی کتبهم و نقلوه اشاعة و حفظا للامة ولم ینکروه منهم النووی فی الاذکار و ابن القیّم فی کتابه الکلم الطیب و ابن مفلح فی الاداب بعد أن ذکر هذا الاثر قال عبد اللہ بن الإمام احمد سمعت ابی یقول حججت خمس حجج فضللت الطریقة في حجة و کنت ماشیا فجعلت أقول یا عباد اللہ دلّونا علی الطریق فلم أزل أقول ذلک حتی وقعت علی الطریق، إنتهٰی۔

---

[1] (لسان العرب ص ۷۲۵ ج ۱۱)

[2] (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ج ۱ ص ۶۲۸ تحت الایة المائدة ۳۵)

[3] (أبو یعلی الموصلی في المسند، حدیث نمبر: ۵۲۶۹، وعنه ابن السني وأبو عوانة کلهم عن عبداللہ إبن مسعود و الطبراني في الکبیر، حدیث: ۱۰۵۱۸، و الهیثمي في مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۱۳۲، والالبانی في السلسلة الضعیفة، ج ۲، ص ۱۰۸، ۱۰۹)

[4] (أنظر: الطبراني في معجم الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی سے جنگل میں سواری بھاگ جائے تو تین مرتبہ پکارے "اے اللہ کے بندو میری سواری پکڑو!" ۔ اللہ تعالیٰ حاضر ہے سواری کو بند کر دے گا، طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص محتاج ہو جائے تو یہ آواز لگائے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو! تینوں ائمہ نے اس حدیث کا ذکر اپنی کتب میں کیا ہے۔ اور امت کی اشاعت اور حفظ کے لئے نقل کیا ہے اور کسی نے انکار نہ کیا۔ بعض ان ائمہ سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انہوں نے کتاب الاذکار میں اور ابن قیم نے الکلام الطیب میں اور ابن مفلح نے کتاب الآداب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ حدیث کے بعد عبد اللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ میں نے پانچ حج کئے، ایک بار حج کرنے جا رہا تھا کہ راستہ بھول گیا، میں پیدل تھا تو میں پے در پے یہ آواز لگا رہا تھا کہ اے اللہ کے بندو مجھے راستہ دکھاؤ، یہاں تک بولتا رہا کہ راستہ مل گیا۔[1]

عباد اللہ کے بارے میں ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال ملّا علی قاری فی شرحۃ المراد بعباد اللہ الملائکہ او المسلمون او رجال الغیب المسلمون بالابدال۔

ترجمہ: عباد اللہ سے مراد ملائکہ یا مسلمان، یا رجال الغیب ہیں جو کہ مسلمان ابدال میں سے ہیں۔

و قال قاضی شوکانی فی تحفۃ الذاکرین و فی الحدیث دلالۃ علی جواز الاستغاثۃ ممن لا یراھم الانسان من عباد اللہ سبحانہ تعالیٰ من الملائکۃ و صالح الجن و لیس فی ذلک بأس۔

ترجمہ: قاضی شوکانی نے تحفۃ الذاکرین میں لکھا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے استغاثہ کے جواز پر، اللہ تعالیٰ کے ان بندوں سے جن کا انسان دیکھ نہیں سکتے، وہ ملائکہ اور صالح جن ّہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی امت کی مدد کے لئے ایک مخلوق پیدا کی ہے جن کو دیکھا نہیں جا سکتا اور وہ مومنوں کی حاجت کے وقت ان کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ہدایت یعنی استمداد عن غیر اللہ ہمیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ **استعانت عن غیر اللہ** کو شرک سمجھو یا جائز سمجھو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب نا معلوم الحقیقت مخلوق سے استعانت جائز ہے تو اسی طرح **یا رسول اللہ ﷺ مدد**، اور **یا غوث الاعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مدد** کہنا بھی جائز ہے۔

عن عبد اللہ بن یزید الخطمي: اللھم ارزُقنی حُبّکَ، و حُبَّ مَن یَنفَعُني حُبُّہُ عندَک۔

[1] (الصواعق الإلٰهية في الرد على الوهابية، ص ١١٦، دار ذو الفقار، بيروت، لبنان، حصن حصين ايضاً للامام شارح مسلم)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی دعاؤں میں یوں فرماتے تھے، اے اللہ اپنی محبت نصیب فرما اور ہر اس شخص کی محبت نصیب فرما جس کی محبت میرے لئے تیری بارگاہ میں فائدہ مند ہو۔[1]

عن أبي الدرداء: کان داودُ یقولُ: اللھم إني أسالُکَ حُبَّکَ، و حُبَّ مَن یُحِبُّکَ، و العملَ الذي یُبَلِّغُني حُبَّکَ۔

ترجمہ: ابی دردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ان الفاظ سے دعا مانگتے تھے، یا اللہ میں تجھ سے تیری محبت اور ان کی محبت جن کی محبت تیرے ساتھ ہو، مانگتا ہوں۔ اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو تیری محبت کا ذریعہ بن جائے۔[2]

حدیثِ مذکورہ بالا میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مقربین کی محبت کا سوال کیا ہے، معلوم ہوا کہ مقربین کی محبت نجات اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں اور ان سے بغض و عداوت دنیا و آخرت کا خسارہ و نقصان ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"اَلْمَرءُ مَعَ مَن اَحَبَّ"۔

یعنی دنیا میں جو جس سے محبت کرے گا بروزِ قیامت اسی کے ساتھ ہو گا۔[3]

اور جو ان سے بغض و عداوت رکھے تو وہ ان سے دور جہنم میں ہو گا۔

مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِلّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہِ وَ رُسُلِہِ وَ جِبْرِیلَ وَ مِیکَالَ فَإِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِلْکَافِرِینَ (البقرۃ ۹۸)

ترجمہ: "جو کوئی دشمن ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسول کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے کافروں کا۔"

پتہ چلا کہ انبیاء (علیہم السلام) اور ملائکہ (علیہم السلام) سے عداوت کفر اور غضبِ الٰہی کا سبب ہے، اور محبوبانِ خدا سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا یوں ذکر فرمایا:

وَ مَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُولَ فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِینَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّینَ وَ الصِّدِّیقِینَ وَ الشُّھَدَاءِ وَ الصَّالِحِینَ وَ حَسُنَ أُولَئِکَ رَفِیقًا (النساء ۶۹)

---

[1] (مشکوٰۃ ص ۲۱۱)

[2] (مشکوٰۃ ص ۲۱۲)

[3] (البخاري (ت ٢٥٦)، تهذيب التهذيب ٦/٢٠٠• البخاري (ت ٢٥٦)، صحيح البخاري ٦١٦٨] • صحيح • [أخرجه البخاري (٦١٦٨)، ومسلم (٢٦٤٠) البزار (ت ٢٩٢)، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ١٣/٢٨١• الطبراني (ت ٣٦٠)، المعجم الأوسط ٢/٣٥٢ • ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، ذخيرة الحفاظ ٤/٢٤٥٨• المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب و الترهيب ٤/٨٦• الذهبي (ت ٧٤٨)، سير أعلام النبلاء ١٢/١٣٥• الهيثمي (ت ٨٠٧)، مجمع الزوائد ١٠/٢٨٣•)

ترجمہ: جو اللہ اور رسول (ﷺ) کی تابعداری کرے تو وہ لوگ قیامت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گاے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین میں سے، اور ان کی معیّت بہت اچھی ہے۔

اللہ ربّ العزت ہمیں ان کی معیّت نصیب فرمائے۔ آمین!

مفتی رشید احمد، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں:

توسل چاہے زندہ سے ہو یا مردہ سے، ذوات سے ہو یا اعمال سے، اپنے اعمال سے ہو یا دوسروں کے، سب جائز ہے اور دعا میں یہ جائز ہے کہ یا اللہ فلاں پیغمبر یا ولی کے طفیل میری حاجت پوری فرما۔[1]

آیات القرآن فی جواز الوسیلۃ

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء ۶۴)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شِفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

ذرا غور کیجیے کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے نبی! تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ تعالیٰ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و نعمت پائیں گے۔

اگر آیت إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحۃ ۵) میں مطلق استعانت کا ذات الٰہی میں حصر مقصود ہو تو کیا صرف انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہی سے استعانت شرک ہو گی، کیا یہی غیر خدا ہیں اور سب اشخاص و اشیاء جن سے مدد لینا متعارف ہے خدا ہیں؟ نہیں نہیں جب مطلقاً ذات احدیت سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھہری تو کیسی ہی استعانت کسی غیر خدا سے کی جائے ہمیشہ ہر طرح سے شرک ہی ہو گی، انسان ہوں یا جمادات، احیاء ہوں یا اموات، ذوات ہوں یا صفات، افعال ہوں یا حالات غیر خدا ہونے میں سب داخل ہیں۔ تو اب کیا جواب ہے آیت کریمہ کا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (البقرۃ ۴۵)

"اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔"

کیا صبر خدا ہے جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے کیا نماز خدا ہے جس سے استعانت کا ارشاد کیا ہے؟

---

[1] (مسئلہ التوسل والدّعا، ص ۱۳)

اگر غیر خدا سے مدد ملنی مطلقاً محال ہو تو اس حکم الٰہی کا حاصل کیا؟ اور اگر ممکن ہو تو جس سے مدد مل سکتی ہے اس سے مدد مانگنے میں کیا قباحت؟

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا موجب مغفرت ہے، چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ:

'ایک اعرابی نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد اسی آیت کے ذریعہ سے مغفرت چاہی تھی روضہ ءمبارک سے آواز آئی: قدغفرلک۔

"یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا۔"

غرض اللہ تعالیٰ نے وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ بر سبیل التفات فرمایا، اس میں رسول اللہ ﷺ کی شان کی بزرگی اور آپ کے استغفار کی تعظیم مقصود ہے اور اس امر پر آگاہ کرنا تھا کہ آپ کی شفاعت مقبول ہو گی۔

از گناہ مے کشاں خواہد گزشتن کردگار چوں شفیع خویشتن ساقی کوثر کردہ اند

ترجمہ: مے کشوں کے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا جب کہ انہوں نے اپنی شفاعت کرنے والا حضرت ساقی کوثر ﷺ کو بنایا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال رکوع نمبر ۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَأَنۡتَ فِيهِمۡ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُونَ (الانفال ۳۳)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔"

غرض رسول اللہ ﷺ کا وجود کفار کے لئے بھی باعث رحمت تھا، چنانچہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں رہے اس وقت کوئی عذاب ان میں نازل نہ ہوا مگر جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو پھر ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔

حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ گناہ گار کیسا ہی بڑے سے بڑا گناہ کر لے اس کے لئے دو چیزیں پناہ ہیں، ایک تو میرا وجود اور دوسرا استغفار۔

گفت پیغمبر شمارا اے مہاں چوں پدر ہستم شفیق و مہرباں

ترجمہ: اے میرے سردارو! حضرت نبی کریم ﷺ نے تم کو کہا ہے کہ میں باپ کی مانند تم پر شفقت اور مہربانی فرمانے والا ہوں۔

زاں سبب کہ جملہ اجزائے منید　　جزو را از کل چرا برمے کشید

ترجمہ: اس لئے کہ تم سب میرے اجزاء ہو جزو کو تم کل سے کیوں باہر نکالتے ہو۔

جو وجود باوجود اپنی برکت سے مانع عذاب ہے اس سے رفع تکالیف اور حصول مرادات میں مدد طلب کرنا کیوں مستعد ہے اور کیوں داخل شرک ہے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول استمداد کی تائید میں

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خلیفہ منصور عباسی نے حج کیا اور روضہ ء مقدسہ کی زیارت کی تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے دریافت کیا کہ اے ابو عبداللہ! میں قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف؟ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم اس رحمتہ للعالمین کی طرف سے کیوں منہ پھیرتے ہو؟ آپ ﷺ تو تمہارے اور تمہارے دادا آدم علیہ السلام تک وسیلہ ہیں۔ لہٰذا آپ کی طرف ہی منہ کرکے آپ ﷺ کو شفیع بناؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء ٦٤)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تھے تو زیارت کرنے والے کو آپ ﷺ کی طرف منہ کرنا اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا پڑتی تھی، پس روضہ ء مقدسہ میں حاضر ہونے کے وقت یعنی آپ ﷺ کی زیارت کا یہی احترام ہے۔[1]

دیکھئے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محدث کبیر امام کل پیشوائے اہل مدینہ کے الفاظ سے صاف توسل و استمداد کی تائید ہوتی ہے، حضور ﷺ کی قبر مبارک کی طرف رخ کرنا، حضور ﷺ کو وسیلہ سمجھنا اور حضور ﷺ کو شفیع بنانا صاف استمداد کی تعلیم ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ سورۃ یونس کے پہلے رکوع میں ارشاد فرماتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس ٢)

"اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔"

[1] (شفا قاضی عیاض، زرقانی، مواهب اللدنیة) (زرقانی)

قدم صدق کی تفسیر جمل میں اس طرح آئی ہے:

قال زید بن اسلم ھو شفاعته صلى الله عليه وآله وسلم۔

"زید بن اسلم نے کہا کہ قدم صدق سے مراد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہے۔"

اس آیت میں ایک بشارت عام مسلمانوں کو دی گئی ہے کہ وہ اس بات سے خوش ہوں کہ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہوگی۔ اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو شفاعت کا اذن بارگاہ الٰہی سے مل چکا ہے۔

(ب) سورۃ بنی اسرائیل رکوع نمبر ۹ میں ارشاد ہوتا ہے:

عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا (الاسراء ۷۹)

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

اس مقام پر عسٰی کا کلمہ معنی قطعی الوقوع میں مستعمل ہے، مقام محمود مقام شفاعت کو کہتے ہیں۔

چنانچہ جلالین میں ہے:

وھو مقام الشفاعة فی فصل القضاء۔

ترجمہ: وہ شفاعت کا مقام ہے مقدمات کے فیصلے میں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو مقام محمود پر ضرور سرفراز فرمائے گا۔

(ج) سورۂ طٰہٰ رکوع ۸/ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى (طٰہٰ ۱۳۰)

اور اپنے رب کو سراہتے (تعریف کرتے) ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر اس امید پر کہ تم راضی ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے لفظ ترضیٰ کے تحت فرماتے ہیں:

ماتنال من الشفاعة۔

یعنی شفاعت کا حکم ملنے سے رسول اللہ ﷺ راضی ہوں گے۔

(د) سورۃ والضحیٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (والضحیٰ ٦)

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ چوں ای آیت نازل شد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیاران خود فرمودند کہ من ھر گز راضی نشوم تاآنکہ یک یک کس راازاُمت خود بہ بہشت داخل نہ کنم۔

ترجمہ: کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میں اپنے ایک ایک امتی کو بہشت میں نہ لے جاؤں گا۔

امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ماو گناہ چو کوہ ھر دم و غم نے کہ ھست بہ کتف نازکت بار گران ھمہ

ترجمہ: ہم اور ہمارے گناہ ہر آن پہاڑ کی مانند ہیں پھر بھی غم نہیں کیوں کہ یہ سب کچھ آپ کے نازک کندھوں پر بوجھ ہے۔

(ہ) طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا:

ألا أُخبرُكم بما خَيَّرَني ربِّي آنفًا؟ قلنا: بلى يا رسولَ اللهِ! قال: خيَّرَني بينَ أن يدخلَ ثُلُثَي أُمَّتي الجنَّةَ بغيرِ حسابٍ ولا عذابٍ وبينَ الشَّفاعةِ قلنا: يا رسولَ اللهِ! ما الذى اخترتَ؟ قال: اخترتُ الشَّفاعةَ۔

ترجمہ: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو وہ اختیار بتاؤں جو ابھی مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ تہائی امت کو بغیر حساب و عذاب کے بہشت میں داخل کروں، یا شفاعت قبول کروں، پھر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ان دونوں امور سے کس کو اختیار فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شفاعت کو۔[1]

جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دو امر میں اختیار دیا کہ جس کو چاہیں قبول فرمائیں اور اس سے آپ ﷺ نے شفاعت کو اختیار کیا تو آپ ﷺ ماذون ہو چکے اور شفاعت عام ہو گی، اس میں قید ثلث یا نصف کی نہیں جیسا کہ دوسری حدیث سے مصرع ہوتا ہے۔

احمد اور طبرانی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خُيِّرتُ بينَ الشفاعةِ أو يدخُلَ نِصفُ أُمَّتي الجنَّةَ، فاخترَتُ الشفاعةَ، لأنَّها أعَمُّ وأكفى۔

ترجمہ: مجھے شفاعت میں اختیار دیا گیا اور اس امر میں کہ نصف امت کو بہشت میں داخل کروں، ان دونوں میں سے میں نے شفاعت کو اختیار کیا، اس لئے کہ شفاعت عام تر اور کافی تر ہے۔[2]

---

[1] (صحيح الترغيب ٣٦٣٧•الهيتمي المكي (ت٩٧٤)، الزواجر ٢/٢٤٨)

[2] (حمد شاكر (ت١٣٧٧)، مسند أحمد ٧/٢٢٧••أخرجه ابن ماجه (٤٣١١) البوصيري (ت٨٤٠)، مصباح الزجاجة ٤/٢٦٠•إسناده صحيح)

یعنی اس میں نصف یا ثلث کی قید نہیں ہے۔

ملا غنیمت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

چوں در حرف شفاعت لب کند باز

سزد بر رحمت ار عصیاں کند باز

ترجمہ: جب سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شفاعت کی عرض داشت کے لب مبارک کھولیں گے اس وقت گناہ رحمت الٰہی کے سامنے ناز دکھائیں تو ان کو ایسا کرنا سزاوار ہے۔

سوالش تا بزیر لب رسیدہ جوابش گفت عین اللہ بدیدہ

ترجمہ: آپ کی دعا ابھی زیر لب ہی پہنچی تھی کہ خود ذات باری تعالیٰ نے اُس کے جواب میں فرمایا قبول ہے۔

دعایش عرض مطلب آرزو کرد شنیدن تا لب استقبال او کرد

ترجمہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعا نے اپنے مطلوب کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے کی آرزو کی تو قبولیت الٰہیہ نے آپ کے لبوں تک اس کا استقبال کیا۔

(و) عن أبي أمامة الباهلي: وعَدَني ربي أن يُدْخِلَ الجنةَ من أمتي سبعين ألفًا لا حسابَ عليهم ولا عذابَ، مع كلِّ ألفٍ سبعون ألفًا۔

ترجمہ: حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری اُمت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب و عذاب داخل جنت کرے گا، ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ (مشکوٰۃ)[1]

(ز) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سالت ربی فوعدنی ان یدخل من امتی سبعین الفاً علیٰ صورۃ القمر لیلۃ البدر۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ میں نے پروردگار سے سوال کیا، اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میری اُمت سے ستر ہزار آدمی چودھویں رات کے چاند کی طرح داخل جنت کرے گا۔[2]

[1] (أخرجه الترمذي (٢٤٣٧)، وابن ماجه (٤٢٨٦)، وأحمد (٢٢٣٠٣) ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، تخريج مشكاة المصابيح ٥/١٧٢)

[2] (رواہ بیہقی والبزاز والطبرانی واحمد)

اللہ تعالیٰ کا نعمتیں عطا کرنے میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ شریک کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ (التوبہ ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرمادیا کہ اگر منافق اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو عطا فرمایا تھا اور یہ کہتے کہ ہم کو اللہ ہی بس ہے اور وہ آگے اپنے فضل سے اور بہتیرا عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بھی۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ ہر ایک قسم کی نعمتیں دینے دلانے میں اپنے رسول ﷺ کو بھی شریک فرماتا ہے کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح میں معطی ہوں اسی طرح رسول بھی ہے، اب اس لحاظ سے اگر کوئی انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام سے امداد کا طالب ہو تو وہ کس طرح مشرک ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے عین مطابق امداد طلب کر رہا ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کو اپنے کاموں میں شریک کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ (التوبۃ ۷۴)

"کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔"

دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے رسول کو دولت دینے میں اپنے ساتھ شامل اور شریک کیا جس نے بظاہر ہمارے فریق مخالف کے لئے مشکل پیدا کر دی ہے۔ مگر نافہم لوگوں کی عقل کا قصور ہے کہ وہ خواہ مخواہ عوام الناس کو شرک کا مغالطہ دے کر ان کے پاؤں صراط مستقیم سے پھسلاتے ہیں، جبکہ خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اپنے کاموں میں شریک فرماتا ہے تو پھر شرک کس طرح ہو سکتا ہے، حقیقت میں یہ لوگ شرک کی حقیقت سے بالکل ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے میں جبرئیل علیہ السلام اور صالحین کو شریک فرمانا

اللہ تعالیٰ میں فرماتا ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ (التحریم ۴)

"تو بے شک اللہ ان کا مدد گار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔"

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی مدد میں اپنے ساتھ جبرئیل علیہ السلام اور صالحین کو بھی مدد گار بناتا ہے تو اب اگر ان مدد گاروں سے عوام الناس مدد طلب کریں تو یہ شرک کس طرح ہو سکتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عین ارشاد کے مطابق ہے۔ جبکہ وہ خود اپنے ساتھ جبرئیل علیہ السلام اور صالحین کو رسول اللہ ﷺ کی امداد کرنے میں اپنا شریک بتلاتا ہے، تو پھر اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا کس طرح شرک ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے ساتھ دوستی میں رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو شریک کرنا

اللہ تعالیٰ میں فرماتا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (۵۵) وَمَنْ يَتَوَلَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (المائدة ۵۶)

"تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔"

دیکھئے اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ دوستی میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو شریک کیا، جو بظاہر شرک معلوم ہوتا ہے، لیکن در حقیقت اس معیت میں رسول ﷺ اور صالحین کی عزت و توقیر ثابت ہوتی ہے، اور ان سے امداد طلب کرنا اصل میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنا ہے۔ یہی ایک نقطہ ہے جو منکرین کی سمجھ میں نہیں آتا، اولیاء کرام انبیاء کرام علیہم السلام سے امداد و اعانت طلب کرنا در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی اعانت طلب کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ خود اللہ تعالیٰ ان کو اپنی معیت میں شریک گردانتا ہے تو اس معیت کے کسی وجود سے اگر امداد طلب کی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہو گی۔ عوام الناس بھی اس قوت سے امداد کے طالب ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قوت ایسے نیک اور پاک وجودوں میں ودیعت کی ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی ان کو اپنی معیت میں شریک کرتا ہے کہ وہ حقیقت میں غیر اللہ نہیں ہوتے۔ بتوں کے ساتھ اولیاء اللہ کو تشبیہ دینا جو آیات بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو اولیاء اللہ پر چسپاں کرنا صریحاً تحریف قرآن اور کفر ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ سورۃ المومن رکوع نمبر ا میں ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (المؤمن ۷)

"وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔"

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کا کام اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور مخلوق خدا کی سفارش کرنا ہے۔

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا (النساء ۸۵)

"جو اچھی سفارش کرے اُس کے لیے اس میں سے حصّہ ہے۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بھائی کی نیک امر میں سفارش کرے گا اس پر خدا کی نعمتیں نازل ہوں گی۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى۔ (المائدۃ ۲)

"اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

ذرا لفظ بر اور تقوٰی پر غور کریں کہ کیا بر اور تقوٰی خدا ہیں کہ جن کے پائے جانے کے باعث ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم ہوا ہے۔ عقل سلیم والا تو خود ہی بول اُٹھے گا کہ واقعی بر اور تقوٰی تو خدا نہیں ہیں، لیکن ہاں یہ اوصاف جس وجود پاک میں ہوں گے ان میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی۔

الاحادیث النبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی جواز الوسیلة

(۱) مسند احمد بن حنبل میں حضرت شریح ابن عبید سے بروایت حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ابدال کے متعلق فرمایا:

يسقى بهم الغيث وينصر يهم على الاعداء ويصرف بهم عن اهل الشام العذاب۔

ترجمہ: یعنی ان چالیس ابدال کے وسیلہ سے بارش ہوگی۔ دشمنوں پر فتح حاصل کی جائے گی اور شام والوں سے عذاب دور ہوگا۔[1]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے وسیلہ سے بارش، فتح و نصرت اور بلا دفع ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا ابو المغیرة ثنا صفوان حدثنی شریح یعنی عبید قال ذکر اهل الشام ثم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وھو بالعراق فقالوا العنهم یا امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ثم الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بھم العذاب۔

---

[1](مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۲ رقم حدیث ۸۹۶ مطبوعہ مؤسسة قرطبة مصر)

ترجمہ: شریح بن عبید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عراق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین ان پر لعنت کیجئے؟ آپ نے کہا نہیں کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہیں جب بھی ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو اس کا دل بنا دیتا ہے اس کی وجہ سے بارش ہوتی ہے ان کی وجہ سے دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے ان کی وجہ سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

واخرج الطبرانی وابن عساکر عن عوف بن مالک قال لاتسبوا اھل الشام فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فیھم الابدال بھم تنصرون وبھم تمطرون۔[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ای ببرکتھم او بسبب وجودھم فیما بھم یدفع البلاء عن ھذہ الامۃ۔

ترجمہ: ابدالوں کی برکت اور ان میں ان کے وجود مسعود کے سبب بارشیں ہوتی ہیں دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور ان کی برکت سے امت محمدیہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔[2]

(۲) دارمی شریف میں ہے کہ ایک دفعہ مدینہ شریف میں بارش بند ہوگی اور قحط پڑ گیا لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

انظروا قبر النبی ﷺ فاجعلوا منہ کوی الی السماء حتی لا یکون بینہ وبین السماء سقف ففعلوا فمطروا مطراً حتی یکون نبت العشب وسمت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق۔

ترجمہ: یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ روضہ رسول اللہ ﷺ کی چھت کھول دو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے لوگوں نے ایسا ہی کیا تو فوراً بارش ہوئی یہاں تک کہ چارہ اگا۔ اونٹ موٹے ہوگئے گویا چربی سے بھر گئے معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کی قبر کے وسیلہ سے بارشیں آتی ہیں۔[3]

---

[1] (الدر المنثور فی التفسیر الماثور سورۃ البقرہ تحت آیت نمبر ۲۵۱ ج ۱ ص ۵۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۳۰۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ ملتان)

[3] (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۶ رقم الحدیث ۹۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (امتاع الاسماع ج ۱۴ ص ۶۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المواہب اللدنیہ ج ۴ ص ۲۷۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (زرقانی علی المواہب ج ۱۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الوفاء باحوال المصطفی لابن جوزی ص ۸۱۷۔۸۱۸ رقم الحدیث ۱۵۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ﷺ ج ۲ ص ۵۶۰ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

(۳) شرح السنہ میں ابن مکندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے غلام حضرت سفینہ عہد فاروقی میں گرفتار ہوگئے آپ قید سے بھاگ نکلے کہ اچانک ایک شیر سامنے آگیا آپ نے شیر سے فرمایا:

یا ابا الحارث انا مولی رسول اللہ ﷺ کان من امری کیت و کیت فاقبل الاسد لہ بصبصۃ حتی اقام الی جنبہ کلماسمع صوتا اھوی الیہ ثم اقبل یمشی الی جنبہ حتی بلغ الجیش ثم رجع الاسد۔

ترجمہ: یعنی اے شیر! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں۔ میرا واقعہ ایسا ایسا ہوا ہے یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا حضرت سفینہ کے پاس آجاتا۔ غرض اسی طرح حفاظت اور خدمت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ لشکر اسلام میں پہنچ گئے پھر لوٹ گیا معلوم ہوا کہ حضور پرنور ﷺ کے وسیلہ سے شیر بھی تابع ہوجاتے ہیں۔ اور شیر حضور کے غلاموں کو پہنچاتے ہیں۔[1]

(۴) مسلم و بخاری میں ہے کہ معراج کی رات پچاس نمازیں فرض ہوئیں:

فرجعت فمررت علی موسی فقال بم امرت قلت امرت خمسین صلوۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمسین صلوۃ کل یوم وانی واللہ جربت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المغالجۃ فارجع الی ربک فسئلہ الخفیف لامتک۔

ترجمہ: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم واپسی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرے تو آپ نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ملا؟ فرمایا ہر دن پچاس نمازوں کا فرمایا۔ حضور آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں اپنی امت کے لئے رب سے رعایت مانگئے۔ غرض کہ کئی بار عرض کرنے پر پانچ رہیں۔[2]

معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے یہ رعایت اور رحمت ملی کہ پچاس نمازوں کی صرف پانچ باقی رہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا وسیلہ ان کی وفات کے بعد بھی فائدہ مند ہے۔

(۵) مسلم و بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑا تو جمعہ کے دن خطبہ میں ایک شخص نے حضور سے عرض کیا تو حضور نے اسی حالت میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے **فوالذی نفسی بیدہ ما وضعھا حتی ثار السحاب امثال**

---

[1] (فضائل صحابہ لابن حنبل ج ۲ ص ۹۰۶ رقم الحدیث ۱۷۲۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (الاحادیث المختارۃ ج ۲ ص ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲ رقم الحدیث ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثہ مکہ مکرمۃ)، (الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۱ ص ۵۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ذکر زید بن وھب رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۴۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی و الرشاد ج ۱۰ ص ۳۷۰۔ ۳۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (البدایہ و النہایہ ابن کثیر ج ۶ ص ۲۱۶۔ ۲۱۷ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمہ)، (خصائص الکبری باب اختصاصہ ﷺ بان طائفۃ من امتہ لاتزال علی الحق و ان فیھم اقطابا و اوتادا و نجباء و ابدالا الخ ج ۲ ص ۳۷۰ مطبوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۷۳ رقم الحدیث ۲۹۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب کیف فرضت الصلوۃ ج ۱ ص ۵۰۔ ۵۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مشکوۃ المصابیح باب فی المعجزات ص ۵۲۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

الجبال ثم لم ینزل عن منبرہ حتی رایت المطر یتحادر علی الحیتہ۔ یعنی خدا کی قسم ابھی حضور ﷺ کی دعا کے ہاتھ نیچے نہ گئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھا اور حضور اقدس منبر سے نہ اترے تھے کہ بارش کا پانی آپ کی ریش مبارک سے ٹپکتا تھا سات دن بارش ہوتی رہی اگلے جمعہ کو پھر زیادتی بارش کی شکایت کی گئی۔

فرفع یدیہ فقال اللھم حوالینا ولا علینا فما یشیر الی ناحیۃ من السحاب الا انفرجت۔

ترجمہ: تو حضور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ مولیٰ اب ہم پر نہ ہی پھٹ جاتا تھا۔[1]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام مصیبتوں کے وقت حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔

(۶) مسلم و بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

انما انا قاسم واللہ یعطی۔

ترجمہ: ہم تقسیم فرمانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حضور پر نور تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم فرمانے والا وسیلہ ہوتا ہے لہذا نبی ﷺ خالق کی ہر نعمت کا وسیلہ ہیں۔

(۷) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ماعز سے ایک بڑا گناہ ہو گیا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ **یارسول اللہ طھرنی** اے اللہ تعالیٰ کے رسول مجھے پاک فرمادیں۔[3]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رب کا گناہ کر کے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے کہ ہمیں پاک فرمادیں کیونکہ حضور انور ﷺ کو وسیلہ نجات جانتے تھے۔

(۸) مسلم شریف باب السجود میں ہے کہ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا **اسئلک مرافقتک فی الجنۃ** میں آپ سے مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔[4]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کو رب کی تمام نعمتوں حتیٰ کہ جنت کے حصول کا وسیلہ سمجھ کر حضور پر نور ﷺ سے مانگتے تھے۔

---

[1] (صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب من تمطر فی المطر حتی یتحادر علی لحیتہ ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ الاستسقاء فصل فی الکفایۃ بالدعاء من الصلوۃ فی خطبۃ جمعۃ و اجابۃ السائل و الدعاء لقحوط المطر اذا کثر ج ۱ ص ۲۹۳، ۲۹۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (صحیح البخاری کتاب الجہاد ج ۱ ص ۴۳۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الاول ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (مشکوۃ المصابیح کتاب الحدود الفصل الاول ص ۳۱۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۴۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۹) ترمذی شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت کبشہ کے گھر ان کے مشکیزہ سے دہن مبارک لگا کر پانی پیا۔ تو **قمت الیھا فقطعته** میں اٹھی اور میں نے مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔[1]

اس کی شرح مرقاۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ای فم القربة فحفظته بی بیتی و اتخذته شفاء۔

ترجمہ: یعنی مشکیزہ کا منہ کاٹ کر گھر میں محفوظ رکھا تاکہ اس سے شفا حاصل کی جائے۔

معلوم ہوا کہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی مشکیزہ کے منہ کے ذریعہ بیماروں کی شفا حاصل کرتی تھیں اور حضور ﷺ سے مس ہو جانے کی برکت سے اس چمڑہ کو شفا کا وسیلہ جانتی تھیں۔

(۱۰) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے پاس حضور ﷺ کا جبہ شریف تھا اور فرماتی تھیں:

ھذا جبة رسول اللہ ﷺ کانت عند عائشة فلما قبضت قبضتھا و کان النبی ﷺ یلبسھا فنحن نغلسھا للمرضی نستشقی بھا۔

ترجمہ: یعنی یہ جبہ شریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اسے لے لیا اس جبہ شریف کو نبی ﷺ پہنتے تھے اور اب ہم یہ کرتے ہیں کہ مدینہ میں جو بیمار ہو جاتا ہے اسے دھو کر پلاتے ہیں اس سے شفا ہو جاتی ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن شریف سے مس کئے ہوئے جبہ کو شفا کا وسیلہ سمجھ کر اسے دھو کر پیتے ہیں۔

(۱۱) نسائی شریف میں ہے کہ یہود کی ایک جماعت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئی اور عرض کی کہ ہمارے شہر میں عبادت خانہ ربیعہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے توڑ کر مسجد بنائیں۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ کتاب الاشربہ ج ۲ ص ۱۱۳۲ رقم الحدیث ۳۴۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الجامع الصحیح للترمذی ابواب الاشربہ ج ۴ ص ۳۰۶ رقم الحدیث ۱۸۹۲ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۵۳۱۸ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (مسند حمیدی ج ۱ ص ۱۷۲ رقم الحدیث ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۲۵ ص ۱۵ رقم الحدیث ۸ مطبوعہ مکتبة العلوم و الحکم الموصل)

[2] (صحیح مسلم کتاب اللباس ج ۳ ص ۱۶۴۱ رقم الحدیث ۲۰۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب اللباس ج ۴ ص ۴۹ رقم الحدیث ۴۰۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۷ رقم الحدیث ۲۶۹۸۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبری للبیھقی ج ۲ ص ۴۲۳ رقم الحدیث ۴۰۱۰ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)، (طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۹۸ رقم الحدیث ۲۶۴ مطبوعہ مکتبة العلوم و الحکم الموصل)، (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۱ رقم الحدیث ۶۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

فاستَوهبناهُ مِن فضلِ طَهورِهِ فدعا بماءٍ فتوضّأ وتمضمَضَ، ثمَّ صبَّهُ في إداوةٍ وأمرَنا فقالَ: اخرُجوا فإذا اتيتُمْ أرضَكُم فاكسِروا بيعتَكُم وانضَحوا مَكانَها بِهذا الماءِ واتَّخِذوها مسجدًا۔

ترجمہ: ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غسالہ مانگا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پانی منگا کر وضو کیا اور کلی کی اور یہ تمام پانی کلی اور وضو کیا ہوا ایک برتن میں ڈال کر ہمیں عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ اپنے بیعہ میں اس پانی کو چھڑک دو اور وہاں مسجد بنالو۔[1]

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غسالہ باطنی گندگی دور کرنے کا وسیلہ ہے۔

(۱۲) ابن البر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت فرمائی۔ کہ مجھے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا۔ وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ اس کپڑے کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وخذ ذالک الشعر والاظفار فاجعله فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ بال اور ناخن لو! انہیں میرے منہ اور آنکھوں اور سجدوں کی جگہوں میں رکھ دینا۔
معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات کو راحت قبر کا وسیلہ سمجھ کر اپنی قبروں میں ساتھ لے جاتے ہیں۔ (الحرف الحسن)[2]

(۱۳) ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کو قمیص کا کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹ کر آرام فرمایا۔

وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا:

إنّي ألبَسْتُها قميصي لتُلْبَسَ مِن ثيابِ الجنَّةِ واضْطَجَعْتُ معها في قبرِها خففَ عنها مِن ضَغْطةِ القبرِ۔

ترجمہ: ہم نے اپنی چچی صاحبہ کو اپنی قمیص اس لئے پہنائی تاکہ ان کو جنت کا لباس پہنایا جائے اور ان کی قبر میں اس لئے آرام فرمایا تاکہ انہیں تنگی قبر سے امن ملے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لباس جنتی جوڑے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور جس جگہ ان کا پاک قدم پڑ جائے وہاں آفات سے امن ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] (سنن النسائی کتاب المساجد باب اتخاذ البیع مساجد ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ طبع مجتبائی لاهور وفی نسخه ج ۲ ص ۳۸ رقم الحدیث ۷۰۱ مطبوعه مکتب المطبوعات الاسلامیه حلب)

[2] (اسد الغابه فی معرفة الصحابه ج ۵ ص ۲۰۳ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)، (تهذیب الاسماء للنووی ج ۲ ص ۱۰۳ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱۴) مسلم شریف میں ہے:

إذا صلّى الغداة جاء خدمُ المدينة بآنيتهم فيها الماء، فما يُؤتى بإناءٍ إلّا غمس يدهُ فيها۔

ترجمہ: جب نبی ﷺ نماز فجر پڑھتے تھے تو مدینہ منورہ کے بچے برتنوں میں پانی لے آئے تھے۔[2]

معلوم ہوا کہ مدینے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک کی برکت کو بیماروں کی شفا کا وسیلہ سمجھتے تھے اور نبی ﷺ بھی ان کو منع نہ فرماتے تھے۔ بلکہ اپنا ہاتھ شریف پانی میں ڈال دیتے تھے۔

(۱۵) مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے فرمایا:

يَأْتِي على النّاسِ زَمانٌ، فَيَغْزُو فِئامٌ مِنَ النّاسِ، فيقولونَ: فِيكُمْ مَن صاحَبَ رَسولَ اللهِ ﷺ؟ فيقولونَ: نَعَمْ ،فيُفْتَحُ لهمْ۔

ترجمہ: یعنی لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ جہاد کریں گے پس کہیں گے کیا تم میں کوئی صحابی رسول اللہ بھی ہیں۔ جواب ملے گا۔ ہاں اس صحابی کے وسیلہ سے انہیں فتح نصیب ہو گی۔[3]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے وسیلہ جہاد میں فتح نصیب ہوتی ہے اور ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے اس حدیث میں تابعین تبع تابعین کے وسیلہ کا ذکر بھی ہے یعنی اولیاء اللہ کے توسل سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۶) بخاری شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

هلْ تُنْصَرُونَ وتُرْزَقُونَ إلّا بضُعفائِكُمْ۔

ترجمہ: تم کو نہیں فتح ملتی اور نہیں رزق ملتا مگر ضعیف مومنوں کی برکت اور وسیلہ سے۔[4]

معلوم ہوا کہ فقراء کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے رزق ملتا ہے فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] (طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۵۱ رقم الحدیث ۸۷۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۱۵۲ رقم الحدیث ۱۹۱ مطبوعہ مکتبۃ المعارف سعودی عرب ریاض)، (حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ذکر عاصم بن سلیمان احول ج ۳ ص ۱۲۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (العلل المتناھیۃ حدیث فی فضل فاطمۃ بنت اسد ج ۱ ص ۲۷۰ رقم الحدیث ۴۳۳ ممطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۹ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (وفاء الوفاء باخبار المصطفی ﷺ ج ۳ ص ۸۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (التذکرۃ فی احوال الموتی و امور الآخرۃ باب ماجاء فی ضغط القبر علی صاحبہ وان کان صالحاً ج ۱ ص ۹۵ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

[2] (مشکوۃ المصابیح باب فی اخلاقہ شمائلہ ﷺ ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی، مسلم ت ۲٦۱، صحیح مسلم ۲۳۲٤)

[3] (صحیح البخاری کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل اصحاب النبی ﷺ ج ۳ ص ۱۳۳۵ رقم الحدیث ۳۴۴۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ج ۴ ص ۱۹۶۲ رقم الحدیث ۲۵۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۷ رقم الحدیث ۱۰۵۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۱ ص ۸۶ رقم الحدیث ۴۷٦۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[4] (مشکوۃ باب فضل الفقراء الفصل الاول ص ۴۴٦ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) البخاري (ت ۲٥٦)، صحيح البخاري ۲۸۹٦• أحمد شاكر (ت ۱۳۷۷)، مسند أحمد ۳/٥۱

(۱۷) ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

شَفاعتي لأهلِ الكبائرِ من أمَّتي۔

ترجمہ: یعنی میری سفارش وشفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہے۔[1]

اس کی شرح میں شیخ عبد الحق لمعات میں فرماتے ہیں:

ای لوضع السیات و اما الشفاعۃ لرفع الدرجات فلکل من الاتقیآء و الاولیآء۔

ترجمہ: یعنی گناہگاروں کے لئے تو معافی دلانے کی سفارش ہوگی۔ لیکن درجات بلند کرانے کی شفاعت وہ ہر متقی اور ولی کے لئے ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر قسم کا مومن حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ کا حاجتمند ہے۔ بہت سے بدعمل لوگ بھی حضور پرنور ﷺ کی شفاعت سے جنتی ہوجائیں گے۔ اور کوئی ولی بھی حضور اقدس ﷺ سے بے نیاز نہیں۔

(۱۸) ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

يَشفعُ يومَ القيامةِ ثلاثةٌ الأنبياءُ ثُمَّ العُلَماءُ ثُمَّ الشُّهداءُ۔

ترجمہ: یعنی قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء علیہم السلام علمآء رحمہم اللہ تعالیٰ پھر شہداء رحمہم اللہ۔[2]

لوگو! معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طفیل علماء شہداء عام مسلمانوں کے لئے وسیلہ نجات ہیں۔

(۱۹) ترمذی، دارمی، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يدخُلُ الجنَّةَ بشفاعةِ رجلٍ من أمتي أكثَرُ من بني تميمٍ۔

ترجمہ: یعنی میرے ایک امتی کی شفاعت سے بنی تمیم قبیلہ سے زیادہ آدمی جنت میں جائیں گے۔[3]

اس کی شرح مرقات میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

قیل الرجل عثمان ابن عفان قیل اویس قرنی وقیل غیرہ۔

---

[1] (سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ و الرائق باب ماجاء فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۶۲۵ رقم الحدیث ۲۴۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب السنہ باب فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۴۷۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ج ۲ ص ۱۴۴۳ رقم الحدیث ۴۳۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۱۷۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ و الرقائق باب ماجاء فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۶۲۶ رقم الحدیث ۲۴۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ج ۲ ص ۱۴۴۳ رقم الحدیث ۴۳۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الدارمی ج ۲ ص ۴۲۳ رقم الحدیث ۲۸۰۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹۔۴۷۰ رقم الحدیث ۱۵۸۵۷ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (مسند ابو یعلی ج ۱۲ ص ۲۸۰ رقم الحدیث ۶۸۶۶ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شخص اویس قرنی ہیں بعض نے کہا کوئی اور بزرگ ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی بھی وسیلہ نجات ہیں۔

(۲۰) شرح سنہ میں ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے۔ ایک اونٹ نے جو کھیت میں کام کررہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا اور منہ اپنا زانوئے پاک پر رکھ کر فریادی ہوا۔

سرکار دوعالم نے اس کے مالک کو فرمایا کہ:

فإنّه شَكا لِكَثرةِ العملِ وقلّةِ العَلَفِ، فأَحسِنوا إليه۔

یہ اونٹ شکایت کرتا ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور چارہ کم دیتے ہو۔ اس کے ساتھ بھلائی کرو۔[1]

معلوم ہوا کہ بے عقل جانور بھی حضور ﷺ کو رفع حاجات کے لئے وسیلہ جانتے ہیں۔ جو انسان ہو کر ان کے وسیلہ کا منکر ہو وہ اونٹ سے زیادہ بے عقل ہے۔

(۲۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل سے ابو لہب کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوئی کیونکہ اس کی لونڈی ثوبیہ نے حضور سرور دوعالم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔[2]

معلوم ہوا کہ نبی کا وسیلہ ایسی نعمت ہے جس کا فائدہ ابو لہب جیسے مردود نے بھی کچھ پالیا۔ مسلمان تو ان کا بندہ بے دام ہے۔

(۲۲) بخاری شریف کتاب المساجد میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حج کو جاتے ہوئے ہر اس جگہ نماز پڑھتے تھے جہاں نبی ﷺ نے اپنے حج کے موقع پر نماز پڑھی تھی۔[1]

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب المعجزات الفصل الثانی ص ۵۴۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) ابن کثیر (ت ۷۷٤)، البداية والنهاية ١٤٥/٦ •• أخرجه أحمد (١٧٥٦٥) شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج العواصم والقواصم ١٠٤/٥•)

[2] (صحیح البخاری کتاب النکاح باب وامهاتکم اللاتی ارضعنکم ج ۵ ص ۱۹۶۱ رقم الحدیث ۴۸۱۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۴۷۸ رقم الحدیث ۱۳۹۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبری للبیھقی ج ۷ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۱۳۷۰۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان ج ۱ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۲۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ ج ۱ ص ۱۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ج ۳ ص ۹۸۔ ۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (نصب الرایۃ الاحادیث الھدایۃ ج ۳ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الحدیث القاھرۃ مصر)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۷ ص ۱۷۱۔ ۱۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (البدایۃ والنھایۃ ج ۲ ص ۲۲۹۔ ۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاھور)، (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۰ ص ۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ مقامات بخاری شریف نے بتائے بھی ہیں معلوم ہوا کہ جس جگہ بزرگ عبادت کرے وہ جگہ قبولیت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

مزید احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عمرو بن علی قال حدثنا ابو قتیبة قال حدثنا عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار عن ابیه قال سمعت ابن عمر یتمثل بشعر ابی طالب:

وابیض یستسقی الغمام بوجھه　　　　ثمال الیتمی عصمة للارامل

وقال عمر بن حمزة حدثنا سالم عن ابیه وربما ذکرت قول الشاعر وانا انظر الی وجه النبی ﷺ یستسقی فما ینزل حتی یجیش کل میزاب۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھه　　　　ثمال الیتامی عصمة للارامل

ترجمہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابو طالب کا یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا وہ روشن چہرے والے کہ جن کے چہرہ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے ملجا اور بیواؤں کے فریادرس ہیں۔

سالم نے اپنے والد ماجد سے روایت کی کہ کبھی میں شاعر کی اس بات کو یاد کرتا اور کبھی نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھتا کہ اس کے ذریعے بارش مانگی جاتی تو آپ اترنے بھی نہ پاتے کہ سارے پرنالے بہنے لگتے۔[2]

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑ جاتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارش کی دعا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے کرتے اور کہتے اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا

---

[1] (اسد الغابة فی معرفة الصحابة ج ۳ ص ۳۲۷ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)، (جامع المسانید و السنن ج ۲۸ ص ۲۲۳ ۷ مطبوعه دار الفکر بیروت)

[2] (صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ج ۱ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۹۶۳ مطبوعه دار ابن کثیر بیروت)

وسیلہ پکڑا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا جان کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا۔ پس انہیں بارش عطا کی جاتی۔ [1]

امام مسلم بن حجاج متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن اسیر بن جابر ان اھل الکوفۃ وفدوا الی عمر فیھم رجل ممن کان یسخر باویس فقال عمر ھل ھھنا احد من القرنیین؟ فجاء ذلک الرجل فقال عمر ان رسول اللہ ﷺ قد قال ان رجلا یاتیکم من الیمن یقال لہ اویس لا یدع بالیمن غیر ام لہ قد کان بہ بیاض فدعا اللہ فاذھبہ عنہ الا موضع الدینار او الدرھم فمن لقیہ منکم فلیستغفر لکم۔

ترجمہ: اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کوفہ ایک وفد لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ وفد میں ایک ایسا آدمی بھی تھا حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے مذاق کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہاں کوئی قرن کا رہنے والا ہے؟ تو وہ شخص پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تمہارے پاس یمن سے ایک شخص آئے گا اس کا نام اویس ہو گا۔ یمن میں اس کی والدہ کے سوا کوئی نہیں ہو گا۔ اس کو برص کی بیماری تھی اس نے اللہ عزوجل سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دینار یا درھم کے برابر سفید داغ کے سوا باقی داغ اس سے دور کر دیئے۔ تم میں سے جس شخص کی اس سے ملاقات ہو تو اسے چاہئیے کہ وہ اس سے تمہاری مغفرت کی دعا کرائے۔ [2]

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

واخرج البیھقی من وجہ آخر عن عمر ان رسول اللہ ﷺ سیکون فی التابعین رجل من قرن یقال لہ: اویس بن عامر علیہ الرحمۃ یخرج بہ رضح فیدعو اللہ ان یذھبہ عنہ فیذھبہ فیقول: اللھم دع لی فی جسدی منہ ما اذکر بہ نعمتک علی فیدع لہ فی جسدہ فمن ادرکہ منکم فاستطاع ان یستغفر لہ فلیستغفر لہ۔

ترجمہ: بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تابعین میں قرن کا ایک شخص ہو گا۔ اس کا نام اویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ ہو گا۔ اس کے جسم میں سفیدی ظاہر

---

[1] (صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ج ۱ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۹۶۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن الکبری للبیھقی ج ۳ ص ۳۵۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۹۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (زرقانی علی المواھب ج ۱۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ ج ۴ ص ۱۹۶۸ رقم الحدیث ۲۵۴۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۴۵۶ رقم الحدیث ۵۷۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند البزار ج ۱ ص ۴۷۹ رقم الحدیث ۳۴۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (البدایہ والنھایہ ابن کثیر ج ۶ ص ۱۹۸ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمہ)، (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (تھذیب التھذب ج ۱ ص ۳۸۶۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷۸)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہوگی وہ اللہ عزوجل سے اسے دور کرنے کی دعا کرے گا اور وہ دور ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ دعا کرے گا "اللھم دع لی فی جسدی منه ما اذکر به نعمتک علی" اے خدا میرے جسم سے اس سفیدی کو دور کردے اور میرے جسم میں اتنی سفیدی چھوڑدے کہ میں تیری نعمت کو یاد رکھوں تو اللہ عزوجل اس کے جسم میں اتنی سفیدی چھوڑدے گا لہذا تم میں سے کوئی اگر اس سے ملے اور وہ استطاعت رکھتا ہو کہ اس سے استغفار کرائے تو اسے لازم ہے کہ اس سے استغفار کی درخواست کرے۔[1]

محدث کبیر امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں:

قالوا یا رسول اللہ کیف لنا برجل منھم قال ذاک اویس القرنی قالوا و ما اویس القرنی قال اشھل ذا صھوبة بعید ما بین المنکبین معتدل القامة آدم شدید الادمة ضارب بذقنه الی صدره رام بذقنه الی موضع سجوده واضع یمینه علی شماله یتلو القرآن یبکی علی نفسه ذو طمرین لا یؤبه له متزر بازار صوف ورداء صوف مجھول فی اھل الارض معروف فی اھل السماء لو اقسم علی اللہ لا بر قسمه الا وان تحت منکبه الایسر لمعة بیضاء الا وانه اذا کان یوم القیامة قیل للعباد ادخلوا الجنة ویقال لاویس قف فاشفع فیشفع اللہ عزوجل فی مثل عدد ربیعة ومضر یا عمرو و یا علی اذا انتما لقیتماه فاطلبا الیه ان یستغفر لکما یغفر اللہ لکما۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ان بزرگوں میں سے ہمیں کوئی آدمی مل سکتا ہے؟ فرمایا ہاں "اویس قرنی" ہے جس سے تمہاری ملاقات ہوگی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی علامات پوچھیں ارشاد فرمایا اس کی آنکھیں سرخ مائل ہوں گی سرخ بالوں والا ہوگا۔ کشادہ کاندھوں والا میانے قد والا گندم گوں، سینے پر بالوں والا، دایاں بائیں پر رکھتا ہوگا قرآن کی تلاوت کرے گا اور اپنے پر بہت روتا ہوگا اہل سماء میں مشہور ہے اگر اللہ پر کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے تو اللہ اسے اپنی قسم میں بری کر دیتا ہے سنو اس کے بائیں کاندھے کے نیچے ایک چمک ہوگی اہل زمین میں اسے کوئی نہیں جانتا اون کا ازار باندھا ہوگا اون ہی کی چادر اوڑھی ہوگی خوب سن لو۔ قیامت کے دن عام لوگوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور اویس رضی اللہ عنہ سے کہا جائے گا کہ ادھر کھڑے ہو جاؤ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اے عمر و علی رضی اللہ عنہما جب تمہاری ان سے ملاقات ہوگی تو ان سے استغفار کرانا اللہ تمہاری مغفرت فرمائے گا۔[2]

---

[1] (خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیھقی ج ۶ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۴۔۳۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ذکر اویس بن عامر القرنی سید العباد و علم الاصفیاء ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2] (حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ذکر اویس بن عامر القرنی سید العباد و علم الاصفیاء ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

سیکون فی امتی رجل یقال له اویس بن عبدالله القرنی و ان شفاعة فی امتی مثل ربیعة و مضر۔[1]

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

و اخرج ابن سعد و الحاکم من طریق أسیر بن جابر عن عمر انه قال لاویس القرنی استغفر لی قال: کیف استغفر لک و انت صاحب رسول الله ﷺ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ان خیر التابعین رجل یقال له اویس القرنی۔

ترجمہ: ابن سعد و حاکم رحمہما اللہ نے بطریقہ اسیر بن جابر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں آپ کے لئے کیونکر استغفار کروں جبکہ آپ خود رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا خیر التابعین وہ شخص ہے جس کا نام اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔[2]

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

اصاب الناس قحط فی زمن عمر فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یارسول الله استسق لامتک فانهم قد هلکوا فاتی الرجل فی المنام فقیل له ائت عمر فاقرئه السلام و اخبره انکم مستقیون و قل له علیک الکیس علیک الکیس فاتی عمر فاخبره فبکی عمر ثم قال یارب لا آلو الا ماعجزت عنه۔

ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط میں مبتلا ہوگئے تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ) حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہ انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ کی امت ہلاک ہوا چاہتی ہے آپ اس کے لیے بارش کی دعا فرمائیں اس صحابی کو خواب میں کہا گیا کہ عمر کو جاکر سلام کہو اور انہیں بتاؤ کہ تمہیں بارش عطا کی جائے گی اور یہ بھی کہو کہ (امور خلافت ادا کرنے میں مزید) بیدار مغزی سے کام لو۔ اس صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو آپ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا اے میرے رب! جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔[3]

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

و روی ابن ابی شیبة باسناده صحیح۔

---

[1] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف السین ج ۱ ص ۲۹۳ رقم الحدیث ۴۷۷۳ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادة الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۶۹۴۳ مطبوعه دار الفکر بیروت)

[2] (خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۲۱ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)، (سبل الهدی و الرشاد ج ۱۰ ص ۱۰۱ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)، (حجة الله علی العالمین فی معجزات سیدالمرسلین ص ۳۹۵ مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت)، (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ج ۴ ص ۱۸۰ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

[3] (مصنف ابن ابی شیبه ج ۱۲ ص ۳۲ رقم الحدیث ۱۲۰۵۱ مطبوعه مکتبة الرشد الریاض)

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1]

امام ابن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہوگئے تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بارش کی دعا فرمائی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ زور دار بارش شروع ہوگئی۔ جب بارش زیادہ ہوگئی تو مدینہ منورہ کے آس پاس کے لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم تو ڈوب جائیں گے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے ارد گرد بارش ہو ہم پر نہ ہو۔ چنانچہ بادل آس پاس سے اس طرح ہٹ گیا جیسے تاج ہو۔

اس موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لو ادرک ابو طالب هذا الیوم لسره فقال له بعض اصحابه یا رسول الله اردت قوله:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

ترجمہ: اگر ابو طالب اس دن کو پاتے تو یقیناً انہیں خوشی ہوتی۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے۔

گورے رنگ والے جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے اور جو یتیموں اور بیواؤں کے ملجا و ماوی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔[2]

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

عَنْ سُلَيمِ بْنِ عَامِرِ الْخَبَائِرِيِّ، أَنَّ السَّمَاءَ قَحِطَتْ مَخْرَجَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ وَأَهْلُ دِمَشْقَ يَسْتَسْقُونَ، فَلَمَّا قَعَدَ مُعَاوِيَةُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ: أَيْنَ يَزِيدُ بْنُ الأَسْوَدِ الْجُرَشِيُّ؟ قَالَ: فَنَادَاهُ النَّاسُ، فَأَقْبَلَ يَتَخَطَّى، فَأَمَرَهُ مُعَاوِيَةُ، فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَقَعَدَ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَشْفِعُ إِلَيْکَ الْيَوْمَ بِخَيْرِنَا وَأَفْضَلِنَا، اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَشْفِعُ إِلَيْکَ بِيَزِيدَ بْنِ الأَسْوَدِ الْجُرَشِيِّ، يَا يَزِيدُ، ارْفَعْ يَدَيْکَ إِلَى اللهِ، فَرَفَعَ يَزِيدُ يَدَيْهِ، وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ، فَمَا كَانَ أَوْشَکَ أَنْ ثَارَتْ سَحَابَةٌ فِي الْمَغْرِبِ، وَهَبَّتْ لَهَا رِيحٌ، فَسُقِينَا حَتَّى كَادَ النَّاسُ لا يَصِلُونَ إِلَى مَنَازِلِهِمْ۔

ترجمہ: (بہت عرصہ تک) آسمان سے بارش نہ ہوئی تو حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق بارش کی دعا کے لیے باہر نکلے۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں بلایا تو وہ پھلانگتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر وہ منبر پر چڑھے اور ان کے قدموں

---

[1] (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (زرقانی علی المواهب ج ۸ ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (السیرة النبوة لابن هشام مع الروض الانف ج ۱ ص ۱۷۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

میں بیٹھ گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اے اللہ آج ہم بہتر اور افضل شخصیت کا وسیلہ پیش کرتے ہیں اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں یزید بن الاسود الجرشی کا وسیلہ پیش کرتے ہیں (پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) یزید! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاؤ۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے (اور دعا کی) اچانک مغرب کی طرف سے ایک بادل اٹھا ہوا چلنے لگی اور زور دار بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔[1]

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما أذنب آدم الذي أذنبه، رفع رأسه إلى العرش، فقال: أسألک بحق محمد إلا غفرت لي، فأوحى الله إليه: وما محمد؟ ومن محمد؟ فقال: تبارک اسمک، لما خلقتني رفعت رأسي إلى عرشک، فإذا فيه مكتوب: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم عندک قدرا ممن جعلت اسمه مع اسمک، فأوحى الله إليه: يا آدم إنه آخر النبيين من ذريتک، وإن أمته آخر الأمم من ذريتک، ولولا هو يا آدم ما خلقتک۔

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ السلام (اجتہادی) خطا ہوگئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے رب اگر تو نے مجھے معاف نہ فرمایا تو میں تجھ سے بحق محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی بخشش کا) سوال کرتا ہوں (کہ تو مجھے بخش دے) اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اور فرمایا اے آدم! محمد کیا ہیں اور محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے بابرکت نام والے جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر تیرے عرش کو دیکھا تو عرش (کے پایوں) پر لا الہ الا اللہ محمد رسول لکھا ہوا تھا سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم (تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے) وہ تیری اولاد میں سے تمام انبیاء میں سے آخری ہے اور اس کی امت تیری اولاد میں سب سے آخری امت ہے اور اے آدم اگر وہ (محمد) نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔[2]

مطلق استمداد و امداد کی مشروعیت کی تائید احادیث سے

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

عن عبداللہ بن عمر: اطْلُبوا الخيرَ عِندَ حِسانِ الوُجوهِ۔

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت، ج ۹، ص ۴۴۸، الناشر: مكتبة الخانجي - القاهرة)

[2] (طبرانی الاوسط ج ۶ ص ۳۱۴ رقم الحدیث ۶۵۰۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف الریاض)، (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

”خیر طلب کرو خوش رُو لوگوں کے پاس۔“[1]

(۲) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اطلُبوا الخیر و الحوائج من حِسانِ الوُجوہِ۔

”نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔“[2]

(۳) حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قد سمعنا نبینا قال قولا ھو لمن یطلب الحوائج راحۃ اغتدوا و اطلبوا الحوائج ممن زین اللہ وجھه بصباحة۔

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ وہ حاجت مانگنے والوں کے لئے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ صبح کرو اور حاجتیں اس سے مانگو جس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔ (رواہ العسکری)[3]

(۴) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن علي بن أبي طالب: اطلبوا المعروفَ من رُحماءِ أمّتي تعيشوا في أكنافِهم۔

”میرے نرم دل امتیوں سے نیکی و احسان مانگو ان کے ظل عنایت میں آرام کروگے۔“[4]

غرض احادیث میں کثرت سے وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے، ان سے حاجتیں مانگنے، اُن سے خیر و احسان طلب کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری حاجتیں بکشادہ پیشانی روا کریں گے۔ اور تم ان کے سایہء عاطفت میں عیش اٹھاؤ گے۔

پس اس سے بڑھ کر اور کیا صورت استعانت کی ہو گی؟

شُستہ رویاں نیز مے شویند گہ از دل غبار

نو خطے ہر جانب اشد روئے زیبا ھم خوش ست

ترجمہ: صاف چہرے والے بھی کبھی دل سے غبار دھولیتے ہیں نو خیز ہر جگہ میسر نہیں آتے حسین چہرہ بھی اچھا ہوتا ہے۔

---

[1] ((التاریخ الکبیر حدیث ۲۶۸ دار الباز مکۃ المکرمۃ ۱/۱۵۷)(موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۱ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۴۹/۲)(کشف الخفاء حدیث ۳۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۲) وأبو نعيم في «حلية الأولياء» (١٥٦/٣). وأبو يعلى (٤٧٥٩) الطبراني (ت٣٦٠)، المعجم الأوسط ١٧٦/٦•)

[2] (المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۸۱) ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، لسان الميزان ٥٦٦/٢• البيهقي (ت ٤٥٨)، شعب الإيمان ١٣٠٦/٣• الطبراني (ت٣٦٠)، المعجم الأوسط ٣٨٦/٤•

[3] (الدر المنثور فی الاحادیث المشتھرہ تحت حدیث ۸۸ المکتب الاسلامی بیروت ص ۲۸)

[4] (المستدرک للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/۳۲۱) السيوطي (ت٩١١)، الجامع الصغير ١١١٠• صحيح)

مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خوبصورت خوب سیرت ہوتا ہے:

نکورو میکشد از خوئے بدپائے چہ خوش گفت آں نکوروئے نکورائے

ترجمہ: خوبصورت لوگ (کبھی) بدخوبی کو ترک کردیتے ہیں اس حسین سیرت والے نے کیا ہی اچھا کہا۔

کہ ہر کس درجہاں نیکوست رویش بسے بہتر زروئے اوست خویش

ترجمہ: ہر وہ شخص کہ دنیا میں اس کا چہرہ خوب صورت ہے اس کے ایسے چہرے سے اس کی عادت بہت اچھی ہوتی ہے۔

(۵) طبرانی جامع صغیر میں روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

عن أبي سعيد الخدري: اطلُبُوا الحوائجَ إلى ذَوِي الرَّحمَةِ مِنْ أُمَّتِي تُرْزَقُوا وتَنْجَحُوا، فإنَّ اللهَ تعالى يقولُ: رحمتي في ذَوِي الرَّحمَةِ مِنْ عبادِي، ولا تَطْلُبُوا الحوائجَ عندَ القاسِيَةِ قلوبُهم فلا تُرْزَقُوا ولا تَنْجَحُوا، فإنَّ اللهَ تعالى يقولُ: إنَّ سخَطِي فيهِم۔

ترجمہ: تم اپنی حاجتیں میری امت کے رحم دل لوگوں سے طلب کرو تم کورزق ملے گا اور تم کامیابی حاصل کروگے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے بندوں میں سے رحم دل لوگوں میں ہے، اور سنگ دل لوگوں سے مراد نہ مانگو کہ تم کو نہ رزق ملے گا نہ کامیابی حاصل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان پر میرا غضب ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ حاجت ایسے لوگوں سے طلب کرنی چاہئے جن کے دل نرم ہیں، لیکن جو سخت دل ہیں ان سے حاجت طلب کرنا نہیں چاہئے، پس اگر غیر اللہ سے حاجت طلب کرنا ناجائز اور نامشروع ہوتا تو آپ بھلا کیوں فرماتے کہ نرم دل والوں سے مدد مانگو۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔

ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغاثہ کیا

ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُن کے دشمن کے واسطے مدد مانگی چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ القصص کے دوسرے رکوع میں ارشاد فرماتا ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينِ غَفْلَةٍ مِنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ (القصص ۱۵)

"اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا اور دوسرا اُس کے دشمنوں سے۔"

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ۔ (القصص ۱۵)

---

[1] (السيوطي (ت ۹۱۱)، الجامع الصغير ۱۱۰۱) »مكارم الأخلاق« (۵٦۸)، والطبراني في »المعجم الأوسط« (۴۷۱۷)

"تو وہ جو اُس کے گروہ سے تھا اُس نے موسیٰ سے مدد مانگی اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا تو موسیٰ نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا"۔

دیکھئے ایک اُمتی کا نبی سے مدد مانگنا اس آیت میں صراحتاً پایا جاتا ہے، اگر اس قسم کی استعانت منع ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس کی تردید فرما دیتا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا ناجائز اور کفر ہے جس طرح عبادت غیر کو جابجا منع فرمایا ہے۔

مسلمانو! خوب یاد رکھو کہ حقیقت میں تو مدد دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس شخص کو بظاہر بطور سبب مجاز حضرت موسیٰ علیہ السلام مدد دینے والے ہیں کیونکہ عالم اسباب کا یہ ایک نہایت ضروری سبب ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

سائل کو جھڑکنے کی نہی سے استمداد کے جواز پر استدلال

اللہ تعالیٰ سورۃ والضحیٰ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحی ۱۰)

"اور منگتا کو نہ جھڑکو"۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سائل تم میں سے کسی کے دروازے پر آئے تو اُس کو جھڑکو نہیں بلکہ اگر ہو سکے تو اس کے سوال کو پورا کرو۔

پس اگر غیر اللہ کے پاس جا کر مانگنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس طرح ہرگز نہ فرماتا کہ سائل کو جھڑکو نہیں بلکہ یوں ارشاد فرماتا:

کہ اگر کوئی سائل کسی کے دروازے پر آئے تو اس کو میرے دروازے پر بھیجو کیونکہ میں ہی ہر ایک سائل کی حاجت روائی کرنے والا ہوں چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا اس لئے صاف ظاہر ہوا کہ غیر اللہ سے مانگنا شرک نہیں ہے۔

یاد رہے کہ یہاں سوال عام ہے یعنی مانگنے میں سب کچھ داخل ہے خواہ پیسہ مانگا جائے یا کھانا یا وہ چیز مانگی جائے جو انسان دے سکتا ہے اور اس کی طاقت اور اختیار میں ہے۔

پس جبکہ ایک فعل کو غیر فاعل کے ساتھ مجازاً منسوب کرنے کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہو گیا بلکہ مجاز کو فصاحت و بلاغت میں داخل سمجھا جاتا ہے تو ایک مسلمان کے کلام کو کیوں نہ مجاز پر محمول کیا جائے اور کیوں اس کو محمول حقیقت کر کے موجب شرک قرار دیا جاتا ہے اور خواہ مخواہ اس کو مشرک اور کافر بنایا جاتا ہے۔

شواہد الحق میں ہے:

و المستغاث به في الحقيقة هو الله، و النبي صلى الله تعالى عليه و اسطة بينه و بين المستغيث فهو سبحانه مستغاث به و الغوث منه خلقاً و إيجاداً و النبي صلى الله تعالى عليه و سلم مستغاث و الغوث منه سبباً و كسباً۔

و مستغاث به و بالجملة فاطلاق لفظ الاستغاثة لمن يحصل منه غوث و لو سببا و كسبا امر معلوم لا شك فيه لغة و شرعا۔

یعنی:"رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یا حضور اقدس کے سوا اور انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلاۃ والثناء کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے نہ قصد کرتا ہے تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے وہ آپ اپنے حال پر روئے، ہم اللہ تبارک و تعالی سے عافیت مانگتے ہیں حقیقتاً فریاد اللہ عزوجل کے حضور ہے اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں، تو اللہ عزوجل کے حضور فریاد ہے اور اس کی فریادرسی یوں ہے کہ مراد کو خلق و ایجاد کرے، اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے اور حضور ﷺ کی فریادرسی یوں ہے کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ کام کریں جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔"[1]

بہر صورت یہ امر پایہء ثبوت کو پہنچ گیا کہ مجازی طور پر کسی غیر اللہ سے کسی چیز میں استعانت ہرگز موجب کفر و شرک نہیں، غیر اللہ کو ایک سفیر محض اور ذریعہء اجابت متصور کیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ امر کہ یہ اعانت و وسیلہ شرک سے بالکل خالی ہے اس امر پر موقوف ہے کہ شرک کی تشریح کی جائے کہ وہ کون سا شرک ہے کہ جس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لہٰذا اب مختصراً اس امر کو واضح کیا جاتا ہے۔

شرک کی تشریح

شرک لغت میں "باکسے شریک شدن" کہتے ہیں۔

اور شریعت میں شرک کی واضح تفسیر جو علماء نے کی ہے کہ کسی وصف کو غیر اللہ کے لئے اس طریقہ میں ثابت کرنا کہ جس طرح اور جس حیثیت سے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔

یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ازلی ابدی ذاتی غیر محدود و محیط کل ہے اسی طرح کسی نبی یا رسول یا ولی وغیرہ کو بھی ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ جملہ صفات کمالیہ کا مستجمع اور تمام عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ ہے اسی طرح غیر بھی۔

[1] ("الجوهر المنظم"، الفصل السابع، فيما ينبغي للزائر۔۔۔إلخ، ص ٦٢)

یہی وہ شرک ہے جس کی وجہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بلا توبہ اگر مر گیا تو ہمیشہ کے لئے دوزخ کا ایندھن ہوا اور اسی کے متعلق تہدید مزید اور وعید شدید آئی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الحج ۳۱)

"اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اُسے اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا اُسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء ۱۱۶)

"اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔"

(۳) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمن ۱۳)

"اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا۔ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔"

قرآن مجید کے بعد احادیث میں بھی شرک کی شدت حظر کو بالفاظ صریح بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

لا تُشْرِكْ بِاللهِ شيئًا وإنْ قُتِلْتَ و حُرِّقْتَ۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اگرچہ قتل کر دیا جائے اور تجھے جلا دیا جائے۔[1]

دیکھیے رسول اللہ ﷺ شرک سے بچنے کی یہاں تک تاکید کرتے ہیں کہ اگر جان بھی جائے تو بھی شرک نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ ایسا سنگین جرم ہے کہ یہ قابل معافی نہیں ہے۔

(۲) یا ابنَ آدمَ! لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرابِ الأرضِ خطايا ثُمَّ لَقِيتَنِي لا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لأتيتُكَ بِقرابِها مَغْفِرَةً۔

---

[1] (صحیح الترغیب ۵۷۰ • حسن)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کے بیٹے! بے شک تو اگر مجھ سے ملے دنیا بھر کے گناہ لے کر، پھر مجھ سے ملے کہ نہ شریک سمجھتا ہو میرا کسی کو تو بے شک میں لے آؤں تیرے پاس بخشش دنیا بھر۔[1]

مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں سب گناہ گاروں نے جتنے گناہ کئے ہیں اگر ایک آدمی وہ سب کچھ کرے لیکن شرک سے پاک ہو تو جتنے اس کے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ اس پر اتنی ہی بخشش کرے گا۔ (مشکوٰۃ)

شرک کی تشریح اور معیار

جس فعل کا شرک ہونا نص سے ثابت ہو وہ واقعی حرام اور ممنوع ہے۔ اور جس فعل کے شرک ہونے پر قرآن و حدیث ناطق نہ ہوں اس کو خواہ مخواہ شرک ٹھہرانا اور اس کے ممنوع ہونے پر فتویٰ دینا سراسر حماقت و نادانی ہے، کیونکہ اگر ہر جگہ شرک یا ابہام شرک کا بلا دلیل اعتبار کر لیا جائے گا تو دائرہ اسلام اس قدر تنگ ہو جائے گا کہ تلاش کرنے سے بھی کوئی مسلمان نہ ملے گا۔

مثال کے طور پر دیکھئے:

اللہ تعالیٰ موجود ہے، اب کسی غیر کو موجود ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس سے شرک کا وہم پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی موجود اور غیر اللہ بھی موجود، لہٰذا غیر اللہ معدوم محض ٹھہرے گا۔ تو کیا کوئی عاقل اس کو صحیح ماننے پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ علیم ہے تو دوسرا کوئی ذی علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہم شرک موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی علیم اور غیر اللہ بھی علیم۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ بصیر (یعنی دیکھنے والا)، رحیم (رحم کرنے والا)، کریم (بخشش کرنے والا) ہے، تو غیر اللہ بصیر اور کریم وغیرہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر شخص اندھا، بے ترس، بخیل اور گمراہ وغیرہ ہو گا، علیٰ ہٰذا القیاس اللہ تعالیٰ کے ہزاروں اسماء اور صفات ہیں جو غیر اللہ پر بولے جاتے ہیں۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (توبہ ۱۲۸)

"وہ رسول مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان"۔

---

[1] (صحیح الترغیب ۳۳۸۲ • حسن لغیرہ • أخرجه الترمذي (۳۵٤٠) واللفظ له، وأحمد (۱۳٤۹۳))

اور اس سے بھی زیادہ واضح یہ کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نام ہی وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا خود نام ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ نے غیر کو رحیم ورؤف، بشیر ونذیر، سمیع، بصیر وغیرہ اسماء وصفات سے ممتاز کر کے ایک گونہ سبیل اطلاق کو جائز قرار دیا، یا کہ معاذ اللہ شرک اور ابہام شرک کی تعلیم دی ہے؟ نہیں ہر گز نہیں، کیا کوئی عقل مند تصور بھی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ منع بھی فرمائے اور اس ہی کی اجازت بھی دے؟، پھر کس قدر یہ امر پر غضب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ امر غیر واقعی منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ حقیقت واقعی یہ ہے کہ محض تخیلات کاسدہ اور ظنیات فاسدہ سے خوامخواہ مسلمانوں کو مشرک بنایا جاتا ہے اور ابہام شرک کی بے معنی آڑ لے کر قرآن وحدیث کی غیر معمولی تحریف کی جاتی ہے، کیونکہ ابہام شرک اگر واقعی کوئی حیثیت رکھتا اور شریعت غراء میں اس کا اعتماد و اعتناء ہوتا تو ضرور قرآن و حدیث میں اس کی تصریح موجب تقریع ہوتی، پھر جبکہ ایسی چیز جس کی وجہ سے جملہ مخلوقات ہی راہ راست سے پھسل جاتی اور شرک وغیرہ میں مبتلا ہو جاتی کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کو قصداً اور ارادتاً ترک کر دیا گیا ہے۔

اسی لئے علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ جب کبھی اسماء صفات الٰہیہ کو غیر اللہ پر بولا جائے گا مناسب حیثیت سے جانبین اطلاق کریں گے، مثلاً لفظ علی جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ پر بولا جائے گا تو علو و رفعت ذاتی غیر مستفادی مراد ہو گی، اور جس وقت وہ غیر اللہ پر بولا جائے گا مراد علو و رفعت عرضی مستفادی مراد ہو گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی۔

در مختار میں ہے:

وجاز التسمية بعلي ورشيد من الأسماء المشتركة ويراد في حقنا غير ما يراد في حق الله تعالى۔

ترجمہ: علی ورشید وغیرہما کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے گو یہ نا بطریقہ اشتراک غیر اللہ بولے جاتے ہیں لیکن جب غیر اللہ پر بولے جائیں گے تو اسی طرح نہیں بولیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ پر بولے جاتے ہیں۔[1]

بہر صورت مطلع بالکل صاف ہے کہ دلائل شرعیہ اور نصوص قطعیہ سے کسی لفظ کی بخیال ابہام شرک ممانعت کا اطلاق ہر گز ثابت نہیں اور جبکہ ادلہ شرعیہ کسی حکم سے ساکت ہیں بلکہ اطلاق وجواز کی تصریح فرما رہی ہیں تو کسی کو بزعم خود یہ کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ اپنی طرف سے جو حکم چاہے ایجاد کر لے اور اس کو شرعی حکم قرار دے لے؟، ہاں جس لفظ کے اطلاق سے شریعت غراء نے ممانعت فرما دی ہے وہ بے شک منع ہو گا۔ جیسے لفظ "اللہ" کبھی غیر اللہ پر نہیں بولا جاتا، علیٰ ہذا القیاس خالق، معبود، مالک مطلق وغیرہ بھی غیر اللہ پر نہیں بولے جائیں گے، کیونکہ ان کا اطلاق شرعاً غیر پر ممنوع ہے۔

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۴۱۷)

آگے ہم قرآن مجید وحدیث شریف سے چند ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں معترضین کے دل سے مسئلہ استمداد وتوسل کا استبعار رفع ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان میں شمہ بہ انصاف ہو۔

توسل واستمداد کی اقسام اور اُن کی تشریح

اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ رکوع نمبر ٦ میں ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (النساء ٣٥)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

وسیلہ وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب کیا جائے، عام ازیں کہ ذات ہو یا فعل یا قول، وسیلہ کو مختص با افعال کہنا ایک ایسا امر ہے جس میں کوئی دلیل نہیں بلکہ ذوات فاضلہ کو افعال صادرہ پر بدرجہا تفضیل ہے، خصوصاً رسول اللہ ﷺ کو کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں افعال کو ان کی ذات بابرکات سے کیا مناسبت؟ پھر ایسے مقام پر وسیلہ سے ذوات مراد لینا نہایت مناسب ہے، صاحب مزرع الحسنات اس آیت کو رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ ہونے پر سند لاتے ہیں۔

مولوی اسمعیل دہلوی اپنی کتاب منصب امامت میں تحریر فرماتے ہیں:

مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت۔

ترجمہ: وسیلہ سے مراد وہ بزرگ آدمی ہے جو درجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ مقرب ہو۔

غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق وسیلہ مانگنے کا حکم فرمایا لیکن اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، چونکہ توسل اور مدد کی کئی قسمیں ہیں اس لئے قرآن مجید، احادیث نبویہ ﷺ اور اقوال الصالحین سے ان کی قسمیں لکھی جاتی ہیں۔

توسل اور امداد کی تین قسمیں ہیں

(اول) توسل بالاعمال یعنی عمل صالحہ سے توسل کرنا۔

(دوم) توسل بالجاہ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام و اولیائے کرام کے جاہ و رتبہ کے ذریعے توسل اور استغاثہ کرنا خواہ وہ مقدور بشر ہو یا نہ ہو۔

(سوم) انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے دعا یا سفارش کی درخواست کرنا۔

(ا) خدمت والدین، پاک دامنی اور ادائے حق کے توسل سے قبولیت دعاء

عن عبداللہ بن عمر: بينما ثلاثةُ رهْطٍ يتماشَونَ أخَذهمُ المطَرُ فأوَوا إلى غارٍ في جبلٍ، فبينما هم فيه حَطَّتْ صخرةٌ من الجبلِ فأَطبقَتْ عليهِم، فقال بعضُهم لبعضٍ: انظُروا أفضلَ أعمالٍ عمِلتُموها للهِ سبحانَه فسَلوه بها لعلَّه يُفرِّجُ بها

عنكم. فقال أحدُهم: اللهم إنه كان لي والدانِ كبيرانِ، وكانت لي امرأةٌ وولدٌ صِغارٌ وكنتُ أرعى عليهم، فإذا رُحتُ عليهم بدأتُ بأبوَيّ فسقيتُهما، فناءَ يومًا الشجرُ فلم آتِ حتى نام أبوايَ، فطيَّبتُ الإناءَ ثم حلَبتُ فيه ثم قُمتُ بحِلابي عِندَ رأسِ أبوايَ والصبيةُ يتضاغَونَ عِندَ رجلي، أكرَهُ أن أبدَأَ بهم قبلَ أبويَّ، وأكرَهُ أن أوقِظَهما من نومِهما، فلم أزَلْ كذلك قائمًا حتى أضاء الفجرُ، اللهم إن كنتَ تعلَمُ أني فعَلتُ ذلك ابتغاءَ وجهِك فأفرِجْ عنا فُرجةً نرى منها السماءَ، ففُرِّجَ لهم فُرجةٌ رأَوا منها السماءَ. وقال الآخَرُ: اللهم إنها كانت لي ابنةُ عمٍّ فأحبَبتُها حتى كانتْ أحبَّ الناسِ إليَّ فسألتُها نفسَها فقالتْ: لا حتى تأتيَني بمائةِ دينارٍ، فسعَيتُ حتى جمعتُ مائةَ دينارٍ فأتيتُها بها، فلما كنتُ بين رجليها قالتْ: اتقِ اللهَ لا تفتحِ الخاتمَ إلا بحقِّهِ، فقُمتُ عنها. اللهم إن كنتَ تعلَمُ أني فعَلتُ ذلك ابتغاءَ وجهِك فافرُجْ لنا منها فُرجَةً، ففرج لهم فرجة. قال الثالث: اللهم إني كنتُ استأجرت أجيرا بفرق ذرة، فلما قضى عمله عرضته عليه فأبى أن يأخذه ورغب عنه، فلم أزل أعمل به حتى جمعت منه بقرا ورعاها، فجاءني فقال: اتق الله وأعطني حقي ولا تظلمني، فقُلْتُ له: اذهب إلى تلك البقر ورعاتها فخذها، فقال: اتق الله ولا تهزأ بي، فقُلْتُ: إني لا أهزأ بك، اذهب إلى تلك البقر ورعائها فخذها، فذهب فاستاقها. اللهم إن كنتُ تعلم أني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج عنا ما بقي منها۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ اتفاقاً بارش ہونے لگی، اس لئے وہ پہاڑ کی غار میں جا گھسے، خدا کی قدرت اس غار کے منہ پر ایک پتھر آگیا جس سے غار کا منہ ڈھک گیا، پھر آپس میں یہ صلاح ٹھہری کہ اپنے اپنے نیک اعمال کا ذکر کرنا چاہئے، جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ غار کا منہ کھولے: تو ایک نے کہا کہ خداوند! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور بچے ننھے سے تھے میں بکریاں چرایا کرتا تھا جب گھر آتا تو دودھ نکال کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر بچوں کو، ایک روز درخت دور تھے (جن کے پتے بکریوں کو چرانے تھے) گھر کو آتے آتے شام ہوگئی، والدین سو گئے، میں دودھ نکال کر دودھ کا برتن لئے والدین کے سرہانے آ کھڑا ہوا، ادب سے ان کو اُٹھا نہ سکا، اور یہ امر مجھے پسند نہ تھا کہ خلاف معمول بچوں کو پہلے پلاتا، بچوں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ میرے پاؤں کے پاس بھوک سے چیختے تھے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، پس اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لئے کیا تھا تو اس پتھر کو اس قدر اُٹھا دے جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں چنانچہ اس قدر پتھر اٹھ گیا جس سے آسمان نظر آتا تھا۔

اور دوسرے نے کہا: خداوند! مجھے اپنی چچازاد بہن سے وہ شدید عشق تھا جو مردوں کو عورتوں سے ہے، میں نے اس سے وصال چاہا، اس نے کہا کہ اگر سو اشرفیاں دو تو مضائقہ نہیں۔ میں نے نہایت محنت سے سو اشرفیاں جمع کر کے اسے دیں جب میں وصل کے لئے اس کے سامنے بیٹھا تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! خدا سے ڈر میرے ساتھ زنا نہ کر، تو میں اُسے چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ تو اگر میں نے یہ کام تیری مرضی کے لئے کیا تھا تو پتھر کو کچھ اُٹھا، اب ایک ثلث پتھر اوپر آ گیا۔

اور تیسرے نے کہا کہ خداوند! میں نے ایک مزدور سے ایک فرق (سولہ رطل) دھان پر ٹھہرایا، جب اُس نے مزدوری کر کے اُجرت چاہی تو میں نے وہ دھان پیش کئے وہ ناخوش ہو کر چلا گیا، پھر میں اس دھان کو علیحدہ بوتا رہا، اس میں سے جو کچھ فائدہ ہوتا تھا اس کو ترقی دیتا تھا، یہاں تک کہ اس سے بیل وغیرہ مہیا کیے، ایک عرصے کے بعد وہ مزدور آیا اور اس نے اپنا حق مانگا، میں نے کہا کہ یہ سب لے جاؤ، اس نے کہا کہ خدا سے ڈرو مجھ سے مسخری نہ کرو، میں نے کہا کہ میں مسخری نہیں کرتا، غرض وہ سب لے گیا، تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام تیری خوشی کے لئے کیا تھا تو باقی ماندہ پتھر کو اُٹھادے چنانچہ وہ پتھر غار کے منہ سے سب کا سب الگ ہو گیا۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِسْتَدَلَّ أَصْحَابنَا بِهَذَا عَلَى أَنَّهُ يُسْتَحَبّ لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَدْعُوَ فِي حَال كَرْبه ، وَفِي دُعَاء الِاسْتِسْقَاء وَغَيْره بِصَالِحِ عَمَله ، وَيَتَوَسَّل إِلَى اللَّه تَعَالَى بِهِ ؛ لِأَنَّ هَؤُلَاءِ فَعَلُوهُ فَاسْتُجِيبَ لَهُمْ ، وَذَكَرَهُ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَعْرِض الثَّنَاء عَلَيْهِمْ، وَجَمِيل فَضَائِلهمْ۔[2]

پس جب اعمال سے توسل جائز ہوا تو ذوات مقدسہ سے بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا۔

(۲)عبادت صبح وشام سے استعانت کرنا

عن أبي هريرة: واسْتَعِينُوا بالغَدْوَةِ والرَّوْحَةِ وشيءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استعانت کرو صبح کی عبادت سے اور شام کی عبادت سے اور کچھ رات رہے کی عبادت سے۔[3]

(۳)سحری اور قیلولہ سے استعانت کرنا

عن عبداللہ بن عباس استعينوا بطعامِ السَّحَرِ على صيامِ النَّهارِ والقيلولةِ على قيامِ اللَّيلِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سحری کے کھانے سے دن کے روزے کے لئے اور دن کی نیند سے رات کے قیام کے لئے مدد لو۔[4]

---

[1] (البيهقي (ت ٤٥٨)، الآداب ٤٧٦ • صحيح • أخرجه البخاري (٥٩٧٤)، ومسلم (٢٧٤٣)، وأحمد (٥٩٧٤) باختلاف يسير، والبيهقي في «الآداب» (٧٦٣))

[2] (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ٧ ١ ص ٥٦)

[3] (البخاري (ت ٢٥٦)، صحيح البخاري ٣٩ • صحيح۔ البغوي (ت ٥١٦)، شرح السنة ٢/٤٧٠ • صحيح۔ صحيح الجامع ١٦١١ • صحيح • صحيح النسائي ٥٠٤٩ • صحيح •)

[4] (أخرجه ابن ماجه (١٦٩٣)، وابن خزيمة (١٩٣٩). المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ١/١٤٩ • ابن مفلح (ت ٧٦٣)، الآداب الشرعية ٣/١٤٦ • الزرقاني (ت ١١٢٢)، مختصر المقاصد ٩٤ • صحيح

عن عبداللہ بن عمرو بن ھلال المزني: استَعينوا على الرِّزقِ بالصَّدَقةِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن ہلال المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استعانت کرو صدقہ سے رزق کے لئے۔[1]

(۴) عورتوں کی سادہ پوشی سے استعانت کرنا

عن أنس بن مالك: اسْتَعينوا على النساءِ بالعُرْيِ، فإنّ إحداهنّ إذا كثرتْ ثيابُها، وأحسنتْ زينتُها، أعجبَها الخروجَ۔

ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ عورتوں کے خلاف استعانت حاصل کرو تنگی لباس سے، کیونکہ جب وہ ان کے جوڑے زیادہ ہوں گے اور ان کی زینت اچھی بنے گی وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔[2]

(۵) صبر اور نماز کے توسل سے امداد طلب کرنا

اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کو صبر اور نماز کے وسیلے سے امداد طلب کرنے کا حکم فرماتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (البقرۃ ۴۵) "اور صبر اور نماز سے مدد چاہو"۔

اس آیت کے معنی دو طرح ہوسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، جیسا کہ خود قرآن کریم ان معنوں کی تفسیر کرتا ہے:

اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ (الاعراف ۱۲۸) "اللہ کی مدد چاہو"۔

دوسرے یہ کہ صبر اور نماز کے وسیلہ سے مدد طلب کرو (جیسے سیاق آیت سے ظاہر ہے) اور یہی معنی مفسرین کے نزدیک مسلم ہیں، کیونکہ حرف ب یہاں وسیلہ کے معنی میں ہے، اور اگر پہلے معنی مراد لئے جائیں تو معاذ اللہ نماز اور صبر کو خدا سمجھا جاتا جو صریح شرک ہے۔

---

[1] (أخرجه ابن ماجه (١٦٩٣)، وابن خزيمة (١٩٣٩). المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ١/١٤٩• ابن مفلح (ت ٧٦٣)، الآداب الشرعية ٣/١٤٦• الزرقاني (ت ١١٢٢)، مختصر المقاصد ٩٤• صحيح)

[2] (السيوطي (ت ٩١١)، الجامع الصغير ٩٨٢• أخرجه الطبراني في «المعجم الأوسط» (٨٢٨٧)، وابن عدي في «الكامل في الضعفاء» (١/٣١٢)، ابن عدي (ت ٣٦٥)، لسان الميزان ٢/١٣٧• (كنز العمال بحواله عدعن انس حديث ۴۴۹۵۲ موسسة الرسالة بيروت ۱۶/۳۷۲)

اب ناظرین عقل سلیم سے خود ہی انصاف کریں کہ اس میں شرک کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ آیت کے معنی میں دو ہی طرح کا احتمال ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر پہلا مفہوم غلط ہے تو دوسرا ضرور بالضرور صحیح ہو گا۔ غرض اولیاء اللہ بھی خدا کے مقبول بندے ہوتے ہیں جن کے توسل سے امداد طلب کی جاتی ہے۔

خاصان خدا خدا نباشند   لیکن زخدا جدا نباشند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے خاص بندے خدا نہیں ہوتے لیکن وہ خدا سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتے۔

توسل بالجاہ

جب کسی بزرگ ترین ہستی کے سامنے اپنی مراد پیش کی جائے اور اس کے رحم و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے اس کے کسی خاص مقبول اور محبوب فرد کی جاہ و عزت کا واسطہ دیا جاتا ہے تو یہ توسل بالجاہ ہے بارگاہ حق میں اسی قسم کا توسل کرنا مشروع ہے۔ چنانچہ:

حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے توسل سے مغفرت چاہنا

عن عمر بن الخطاب: إنَّهُ لمّا اقترفَ آدمُ علیه السلام الخطیئةَ قالَ: یا ربِّ أسألُک بحقِّ محمَّدٍ لما غفرتَ لي، قالَ: وَکَیفَ عرفتَ مُحمَّدًا؟ قالَ: لأنّک لمّا خلقتني بیدِک ونفختَ فيَّ من روحِک رفعتُ رأسي فرأیتُ علی قوائمِ العرشِ مَکتوبًا: لا إلَهَ إلّا اللہ محمَّدٌ رسولُ اللّٰہِ، فعلِمتُ أنّک لم تُضفُ إلی اسمِک إلّا أحبَّ الخلقِ إلیک، قالَ: صدَقتَ یا آدمَ ولو لا محمَّدٌ ما خلقتُک۔

یعنی آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خطا کا ارتکاب کیا تو انہوں نے اپنے رب سے عرض کی، اے رب میرے! صدقہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میری مغفرت فرما۔ رب العٰلمین نے فرمایا: تو نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو کیونکر پہچانا؟ عرض کی: جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح ڈالی میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا پایا، جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے، اب کہ تو نے اس کے حق کا وسیلہ کر کے مجھ سے مانگا تو میں تیری مغفرت کرتا ہوں، اور اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں تیری مغفرت نہ کرتا، نہ تجھے بناتا۔[1]

---

[1] (ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، إتحاف المهرة ١٢/٩٧• ابن تيمية (ت ٧٢٨)، التوسل والوسيلة ١٦٦• ابن تيمية (ت ٧٢٨)، مجموع الفتاوى ١/٢٥٤• البيهقي (ت ٤٥٨)، دلائل النبوة ٥/٤٨٩• القسطلاني (ت ٨٢٣)، المواهب اللدنية ٣/٦٠٥ •صحيح۔ البيهقي (ت ٤٥٨)، تاريخ دمشق ٧/٤٣٧• ابن كثير (ت ٧٧٤)، البداية والنهاية ٢/٢٩٩• الهيثمي (ت ٨٠٧)، مجمع الزوائد ٨/٢٥٦• الطبراني (ت ٣٦٠)، المعجم الأوسط ٦/٣١٣)

ایک نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ ﷺ کے توسل سے بینا ہو جانا

عثمان بن حنيف - رضي الله عنه - :«أن رجلا ضرير البصر أتى النبيّ -صلى الله عليه وسلم- ، فقال: ادعُ اللهَ أن يُعَافِيَني، فقال: إن شِئْتَ دعوتُ، وإنْ شِئْتَ صَبَرْتَ، فهو خَيرٌ لك، قال: فادعُهُ، قال: فأمرهُ أن يتوضأَ فيُحْسِنَ الوُضوءَ، ويدْعوَ بهذا الدعاء: اللّهمّ إني أسألُك وأتوَجه إليك بنَبِيِّك محمدٍ: نبي الرحمة، إني توَجهتُ بك إلى ربّي في حاجتي هذه لتُقْضى لي، اللّهم فَشَفِّعْهُ فيّ». أخرجه الترمذي۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب جو نابینا تھے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم! آپ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہے انہوں نے عرض کی کہ حضور دعا کر دیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم نے ان کو یہ حکم دیا کہ تم خوب اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھو۔[1]

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِیُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

ترجمہ: "الٰہی! میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو، الٰہی! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"[2]

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ نابینا ہمارے پاس انکھیارے ہو کر اس شان سے آئے کہ گویا کبھی نابینا تھے ہی نہیں۔

اس مقام پر زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مواہب اللدنیہ نے لکھا ہے کہ اس دعا میں اول سوال تو اللہ تعالیٰ سے ہے کہ وہ اپنے حبیب اکرم ﷺ کو شفاعت کا اذن بخشے۔

---

[1] (جامع الأصول في أحاديث الرسول ج۴ ص ۳۴۹، ترمذی رقم ۳۵۷۸، ابن ماجۃ رقم ۱۳۵۸۔ مسند احمد ج۲۸ ص ۴۷۸، الترغیب والترھیب، کتاب النوافل، باب الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ ودعائھا، رقم ۱، ج ۱، ص ۲۷۲۔ جامع الترمذی، کتاب احادیث شتی، باب ۱۲۷، رقم ۳۵۸۹، ج۵، ص ۳۳۶۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج۹، رقم ۸۳۱۱، ص ۳۰، الاستمداد والتوسل ص ۵۸، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی ص ۴۱۷ رقم ۶۵۸، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۱۲۳، کتاب الاذکار للنووی ص ۸۳، اسد الغابۃ ج۳ ص ۵۷۱، تحفۃ الاشراف ج۷ ص ۲۳۶ رقم ۹۷۶۰، البدایۃ والنھایۃ ج۴ ص ۵۵۸، دلائل النبوۃ للبیھقی ج۶ ص ۱۶۶، الجوھر المنظم لابن حجر ص ۶۱، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۱۳-۵۱۹، تحفۃ الذاکرین للشوکانی ج۵ ص ۱۹۴، صحیح ابن خزیمۃ ج ۲ ص ۲۲۵ رقم ۱۲۱۹)

[2] (•أخرجه الترمذي (٣٥٧٨)، وابن ماجه (١٣٨٥)، وأحمد (١٧٢٧٩)، أخرجه ابن خزيمة (٢/٢٢٥)، والطبراني (٩/١٧)، والحاكم في «المستدرك» (١/٧٠٧) البيهقي (ت٤٥٨)، دلائل النبوة ٦/١٦٦•تخريج مشكاة المصابيح ٢٤٢٩•إسناده صحيح •أخرجه الترمذي (٣٥٧٨) ابن حبان (ت٣٥٤)، المجروحين ٢/١٩٠۔

چنانچہ وہ حاجت مند کہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ۔

اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں

جب وہ اللہ تعالیٰ سے شفاعت مانگ چکا تو پھر آنحضرت ﷺ سے مخاطب اور متوجہ ہو کر اس طرح شفاعت کا طالب ہوا۔

یَامحمد اِنِّیۡ قد تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ ھٰذِہٖ لِتقْضٰی لِیۡ۔

یارسول اللہ ﷺ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو۔

گویا وہ شخص یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت اور آپ ﷺ کے وسیلے سے میری اس حاجت کو کردے جب وہ شخص آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کر چکا۔

تو اب پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے یوں عرض کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

الٰہی! ان (رسول اللہ ﷺ) کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"

اس حدیث میں وضو اور نماز کی امر فرمایا اور بعض روایات میں صرف وضو کا ذکر ہے تو اس میں کیا بھید ہے؟ یہ بھید توسل کی عظمت اور اہتمام شان کا ظہور ہے ورنہ صرف دعا کا پڑھنا کافی تھا۔ خصوصاً حضور ﷺ کی تعلیم وامر اور وہ بھی بعد رد و کد جس میں احتمال عدم قبولیت کی گنجائش کا ہاتھ ہے جس کے لئے آداب دعا اور شرائط قبولیت کے لئے رعایت کی ضرورت ہوتی اس کے علاوہ محدث کو قرآن مجید پڑھنا روا اور داعی (دعا کرنے والے) کو وضو کی احتیاج ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مستغیث سے فرمایا۔

إن شِئْتَ دعوتُ، وإنْ شِئْتَ صَبَرْتَ۔

یعنی اگر تو چاہے تو صبر کر اور اگر تو چاہے تو میں دعا کرتا ہوں۔

اس نے عرض کیا کہ دعا مانگیے تو آپ ﷺ نے خود اس کے واسطے دعا نہ کی بلکہ یہ طریقہ دعا کا تعلیم فرمایا اس میں کیا نکتہ تھا؟ نکتہ یہ تھا کہ لوگ آپ ﷺ کا مرتبہ پہچانیں، آپ ﷺ کا وسیلہ ہونا جانیں آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کی قبولیت اور مراد پانے کو دیکھ لیں اور ساری امت کے واسطے قیامت تک یہ سلسلہ تعلیم توسل کا قائم ہو جائے کہ جب کوئی حاجت مند نامراد اپنی مراد اور حاجت بر آری چاہے تو اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو پکارے اور آپ ﷺ سے استغاثہ کرے اور آپ ﷺ کے وسیلے اور توسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مراد مانگے یا خود آپ ﷺ سے مانگے آپ ﷺ کو مظہر کامل اکمل عون وقدرت وتصرف الٰہی سمجھ کر قدرت وتصرف حق ہونے میں اولیاء اللہ، اہل کمال سب قائم مقام ہیں ان کے وسیلہ

اور توسل سے مراد مانگیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پائے کیونکہ نائب کو بعض امور میں حکم منیب کا ہوتا ہے خصوصاً جس امر میں نیابت ہے کہ اس میں فرع قائم مقام اصل کے ہوتی ہے جیسے مانحن فیه میں مظہر عون وقدرت وتصرف حق ہونے میں اولیاء اللہ ، اہل کمال سب قائم مقام رسول اللہ ﷺ کی ہے اور جس طرح بوسیلۂ رسول مراد ہے دین دنیا کی حق تعالیٰ عطا فرماتا ہے اسی طرح ان اہل کمال کے بھی وسیلے سے خلق فائز المرام ہوتی ہے اور اگر یہ نکتہ اور اس نکتہ کی اشارہ منظور ومد نظر نہ ہوتا تو اس تعلیم کی فی نفسہ کچھ حاجت نہ تھی خود رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے۔ اندھا نابینا ہو جاتا اس نابینا کو جو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا:

ان کان لک حاجة فادع مثل ذلک۔

یعنی جب تجھے کوئی کام مشکل اور مصیبت کا پیش آئے تو ایسا ہی کرنا کہ ہمیں پکارنا، ہماری طرف متوجہ ہونا ہمیں وسیلہ سمجھنا اور بذریعہ ہمارے توسل کے حق تعالیٰ سے مراد مانگنا تو حاجت روائی ہوگی ، مراد ملے گی ، مشکل آسان ہوگی ، مصیبت وبلا ٹل جائے گی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ توسل مخصوص بحضورِ حضور اور مختص بزمانۂ حیات نہیں ہے بلکہ عام ہے، غیبت اور حضور اور نزدیک ودور اور زمانۂ حیات سرورِ کائنات اور بعد وفات سرورِ عالم ﷺ کے فی جمیع الامور۔ لک۔ میں خطاب بظاہر اگرچہ نابینا کو ہے مگر ہر عاقل وبینا کے نزدیک عام ہے، ہر مخاطب حاجت مند کو اس طرح کا استعمال یعنی اطلاق خاص اور ارادۂ عام آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور محاورات عرب میں قدیما وحدیثا شائع وذائع ہے۔ اسی واسطے خود راویٔ حدیث حضرت عثمان بن حنیف نے اس حاجت مند کو یہ طریق توسل اور دعا تعلیم فرمائی جو حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مضطر تھا۔ چنانچہ اس وتوسل کی برکت سے وہ فوراً مقصود پر فائز اور کامیاب ہوا، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اگر لک۔ میں شائبہ تخصیص بشئی من الزمان والمکان والحضور والحیات والشخص وغیرھا۔ ہوتا تو صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل درآمد مستمر اس تعلیم وعمل پر ہرگز نہ ہوتا حالانکہ زمانۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک یہ عمل برابر مشائخ طریقت اور صلحائے امت رحمہم اللہ تعالیٰ میں چلا آیا اور مروج ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

ابو نعیم اور بیہقی کی روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے:

فقام وقد ابصر ببرکة محمد ﷺ۔

یعنی وہ نابینا صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی آنکھیں محمد ﷺ کی برکت سے منور اور روشن ہو گئیں۔

طبرانی کی روایت میں اتنا اور زیادہ آیا ہے:

كَاَن لم يكن به ضر۔

یعنی اس کی آنکھیں ایسی روشن ہو گئیں گویا کہ اس کی آنکھوں کو کبھی ضرر ہوا ہی نہیں تھا اور کبھی وہ اندھا ہی نہ تھا۔

اس حدیث شریف کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، طبرانی، معجم صغیر، ابو نعیم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور یہ الفاظ طبرانی کی روایت کے ہیں۔

حدیثِ حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ تینوں صورتیں توسل کی ثابت ہیں اور باعتبار ترکیب اور اختلاف روایات کے اس حدیث میں تینوں صورتیں مذکور ہیں، اس واسطے کہ بِنَبِیِّکَ۔ میں اگر مضاف محذوف مانیں اور ضرور ہے ماننا تو صورتِ اولیٰ متحقق ہے۔

اور تقدیر عبارت یہ ہو گی:

اللهم انی اسئلک و اتوجه الیک بوجاهه نبیک یابحق نبیک یابحرمة نبیک یابشفاعة نبیک یابطفیل نبیک یابوسیلة نبیک یاباستعانة نبیک یابواسطة نبیک یابامداد نبیک یاباستمداد نبیک یابوساطة نبیک۔

لتقضی میں دو روایتیں ہیں بلکہ تین نہیں چار "یے" اور "تے" کے ساتھ اور یائے معروف ، یا الف مقصورہ، بر تقدیرِ روایت یا اگر معروف کا صیغہ پڑھیں تو ضمیر راجع ہو گی طرف اللہ تعالیٰ کے، اور صورت اولیٰ کا ثبوت ہو گا، اگر الف مقصورہ پڑھیں تو نائب حاجتی فاعل ہو گا اور اس صورت میں بھی صورت اولیٰ مُبَرہَن ہے، اور حاصل معنی یہ ہوں گے کہ:

یااللہ! میں تجھ سے مراد مانگتا ہوں تیرے محبوب کو ذریعہ اور وسیلہ ٹھہرا کر، تو ان کی سفارش میرے باب میں قبول فرما کر میرا مقصود بر لا، یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں وسیلہ اور ذریعہ بناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اور وسیلہ سے میری مراد بر لائے۔

اور بر تقدیرِ روایت تا اگر صیغہ مجہول پڑھیں تو اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ کے قرینہ سے صورتِ ثانیہ کا تحقق بے تکلف ہے، اور اگر معروف کا صیغہ لیں اور مخاطب حق تعالیٰ کو کہیں بمقارنت اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ یا بقرینہ اَللّٰھُمَّ انی اسئلک تو صورتِ ثانیہ ثابت ہے، اور مطلب یہ ہو گا کہ یاحبیب اللہ! آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش کیجئے اور دعا فرمایئے کہ آپ کی سفارش اور دعا سے اللہ تعالیٰ مجھ کو فائز المرام کرے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور آپ ﷺ کی دعا اور سفارش مقبول ہے، اور اگر تا کی روایت پر صیغہ معروف کا لے کر حضور ﷺ کو مخاطب ٹھہرائیں بقرینہ یامحمد تو بے شبہ صورت ثالثہ

موجود ہے اور حاصل مطلب یہ ہو گا کہ میں اصل میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں اور مراد مانگتا ہوں ، مگر **یا حبیب اللہ یا رسول اللہ!** آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وسیلہ بنایا ہے اور ہم کو **ابتغاء وسیلہ** کا امر فرمایا ہے، آپ ﷺ قاسم ہیں اور اللہ تعالیٰ معطی ہے، لہٰذا میں آپ سے مراد مانگتا ہوں کہ آپ ﷺ میری مراد بر لائیں۔

دعا میں حق سائلین سے توسل کرنا

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دعائیں تعلیم کیا کرتے تھے جن میں سے ایک دعا یہ ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلے اور یہ کہے:

اللّٰهُمَّ إنّي أسألُک بحَقِّ السائلینَ علیک، وبحَقِّ مَمشايَ هذا، فإنّي لم أَخرُجْ أشَرًا ولا بطَرًا، ولا رِياءً ولا سُمعةً، خرَجْتُ اتِّقاءَ سَخَطِک وابتغاءَ مَرضاتِک، أَسألُک أنْ تُنقِذَني مِن النارِ، إنّه لا يَغفِرُ الذُّنوبَ إلّا أنت۔

ترجمہ: اے اللہ میں اس حق سے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلین کا ہے اور تیری طرف اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں تکبر یا ریاء سے یا سمعہ کی غرض سے نہیں نکلا بلکہ تیرے غضب کے خوف سے اور تیری مرضی چاہنے سے نکلا ہوں۔ پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مجھ کو دوزخ سے پناہ دے اور میرے گناہوں کو بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔[1]

تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کریں گے۔

اس حدیث شریف سے صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے توسل کیا اور صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا ہے کہ ہر نماز کو جاتے وقت اس دعا کا استعمال کرتے رہیں۔

یہی روایت ایک اور طریقے سے یوں آئی ہے:

عن بلال بن رباح: كانَ إذا خرجَ إلى الصَّلاةِ قالَ: باسمِ اللهِ، آمنتُ باللهِ، توكَّلتُ على اللهِ، لا حولَ ولا قوَّةَ إلّا باللهِ اللّٰهمَّ بحقِّ السّائلينَ عليکَ، وبحقِّ مَخرجي هذا فإنّي لم أخرُجْ أشرًا ولا بطرًا، ولا رِياءً ولا سُمعةً، خرجتُ ابتغاءَ مرضاتِکَ، واتِّقاءَ سخطِکَ، أسألُکَ أن تُعيذَني منَ النّارِ،، وتُدخِلَني الجنَّةَ۔

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے نکلتے تو کہتے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور نہیں طاقت پھیرنے کی اور نہ قوت مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ، الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں سوال کرنے والوں کے حق کے توسل سے جو تجھ پر ہے اور میرے تیری

---

[1] (أخرجه ابن ماجه (٧٧٨)، وأحمد (١١١٥٦) مجموع الفتاوى ١/٣٤٠ • العراقي (ت ٨٠٦)، تخريج الإحياء ١/٤٢٦ • ابن تيمية (ت ٧٢٨)، الرد على البكري ١٢٢ • تخريج منهاج القاصدين ٥٨)

طرف اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں فخر وخود پسندی ودکھاوے اور شہرت کے لئے نہیں نکلا۔ تیری خوشنودی چاہنے اور تیرے غضب سے بچنے کے لئے نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مجھے دوزخ سے امن دے اور جنت میں داخل کر۔[1]

اس حدیث شریف سے بھی انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء کرام اور تمام مومنین کے ساتھ توسل کرنا بلکہ اپنے نیک عمل کے ساتھ توسل کرنا بھی ثابت ہے۔ حدیث سابق اور اس حدیث میں اتنا فرق ہے اُس میں تعلیم ہے صحابہ اور عام اُمت کو، اور اس میں عمل ہے خود رسول اللہ ﷺ کا، اور اس میں **بحق ممشای هذا** ہے اور اس میں **بحق مخرجی هذا** ہے، دونوں کا مطلب واحد۔ مگر غور طلب دونوں حدیثوں میں یہ امر ہے کہ توسل ذوات انبیائے کرام علیہم السلام واولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقدم ذکر کیا ہے اور عمل صالح کے ساتھ مؤخر، اس سے معلوم ہوا کہ ذوات سے توسل مقدم ہے، اعمال صالحہ سے مؤخر، بخلاف زعم منکرین توسل انبیاء علیہم السلام اولیائے کرام کہ وہ توسل منحصر جانتے ہیں صرف صفات میں، حالانکہ ذوات کا مرتبہ قطعاً مقدم ہے صفات پر، بلکہ بمقابلہ مقبولین الٰہی کے اپنے اعمال صالح کی کچھ مقدار نہیں ہے۔ اسی واسطے آدم علیہ السلام نے باوجود تین سو برس رونے کے اپنے عمل کے ساتھ توسل نہ فرمایا، صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے ساتھ توسل کیا اور معافی پائی۔ اور آپ نے توسل بذوات کو مقدم رکھا توسل بالصفات پر بوجہ اخلاص عمل اور جامعیت کے۔

غرض حدیث قولی و فعلی سے توسل ثابت ہے اور اس پر تمام امت کا عمل ہے، غرض یوں کہنا جائز ہے کہ الٰہی بحرمت یا وجاہت یا بحق فلاں نبی یا فلاں ولی کے ہماری حاجت بر لا۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خدایا بحق بنی فاطمہ　　　　که بر قول ایماں کنم خاتمہ

ترجمہ: اے اللہ! حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اطہار کے طفیل ایمان کے کلمہ پر میرا خاتمہ ہو۔

خود رسول اللہ ﷺ کا فقرائے مہاجرین کے توسل سے دعا کرنا

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

در حدیث صحاح آمدہ است کان رسول اللہ ﷺ لایستفتح بصعالیک المهاجرین۔ یعنی پیغمبر خدا ﷺ در جنگہا طلب فتح می کرد بتوسل فقراء مہاجرین، ایں ہمہ طلب امداد و اعانت است الخ۔

[1] (ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، نتائج الأفكار ١/٢٦٨ • •أخرجه ابن ماجه (٧٧٨)، وأحمد (١١١٥٦) علاء الدين مغلطاي (ت ٧٦٠)، شرح ابن ماجه ٣/٢٢٥ • الدمياطي (ت٧٠٥)، المتجر الرابح٢٣١ •إسناده حسن۔العراقي (ت٨٠٦)، تخريج الإحياء١/٤٢٦)

ترجمہ: صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین کے توسل سے استفتاح فرماتے تھے۔ یعنی پیغمبر خدا ﷺ جنگ وجدل میں غریب مہاجرین کے توسل سے فتح کے لئے دعا کرتے تھے۔ یہ تمام طلب امداد اعانت ہے۔[1]

پس جب خود محبوب خدا، سرور دوسرا اپنے امتیوں کے توسل سے دعا کرتے ہیں تو امتیوں کے آپ ﷺ کے توسل سے دعا کرنے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کا توسل

عن الامام ابی عیسیٰ انہ رأی فی المنام رب العزۃ تبارک و تعالیٰ فسالہ عما یحفظ علیہ الایمان و یتوفاہ علیہ قال فقال لی قل بعد صلوٰۃ رکعتی الفجر قبل الصلوٰۃ رکعتی الفجر قبل صلوٰۃ فرض الصبح "الٰھی بحرمۃ الحسن و اخیہ و جدہ و بنیہ و أمہ و ابیہ نجنی من الغم الذی انا فیہ یا حی یا قیوم یا ذی الجلال و الاکرام اسئلک ان تحیی قلبی بنور معرفتک یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! یا ارحم الراحمین۔

ترجمہ: حضرت امام ابو عیسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ! مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم کی جائے جس سے ایمان کی حفاظت ہو مرتے دم تک اور ایمان پر خاتمہ بالخیر ہو اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا: نماز فجر کی سنت اور فرض کے درمیان یہ دعا پڑھا کرو:

"الٰھی بحرمۃ الحسن و اخیہ و جدہ و بنیہ و امہ و ابیہ نجنی من الغم الذی انا فیہ یا حی یا قیوم یا ذی الجلال و الاکرام اسئلک ان تحیی قلبی بنور معرفتک یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! یا ارحم الراحمین!۔

تو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس دعا کا ورد رکھا بعد نماز فجر کے سنت و فرض کے درمیان میں، اور اپنے شاگردوں اور دوستوں کو اس کی تعلیم دی، اور امر فرماتے رہے، اور ان کو اس عمل پر حرص اور شوق دلاتے رہے۔ اگر توسل ممنوع ہوتا تو اتنے بڑے امام اس پر ہمیشگی اور اس کا ورد کیونکر رکھتے اور اس عمل کی تعلیم اور شوق کس طرح دلاتے۔

بارش کے لئے حضور ﷺ سے طلب امداد

بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس طلب بارش کے لئے آیا اور چند اشعار پڑھے جن میں پہلا شعر یہ تھا:

اتیناک و العذراء یدمی لبانھا — و قد شغلت ام الصبی عن الطفل

یعنی ہم آپ ﷺ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ کنواری نے اپنی چھاتی خونیں کر لی ہے اور ماں اپنے بچہ سے بے پرواہ ہے۔

[1] (مکتوب شریف دفتر سوم مکتوب ۹۴)

اور آخری شعر یہ تھا:

ولیس لنا الا الیک فرارنا　　　وانی فرار الخلق الا الی الرسل

یعنی سوا آپ ﷺ کے ہم کس طرف جائیں مخلوقات کی بھاگ دوڑ رسولوں کی طرف ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کو منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اعرابی نے یہ شعر پڑھے تو آپ ﷺ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھ کر لوگوں کے لئے دعا فرمائی اور ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی لیکن

دم سوزناک از دل باخبر　　　قوی تر ز هفتاد تیر و تبر

ترجمہ: باخبر دل سے سوز والی سانس ستر تیروں اور کلہاڑوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنے توسل پر مہر تصدیق ثبت فرمانا

صحیح بخاری میں ہے کہ جب اعرابی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے قحط کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اور مینہ برسنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے چچا ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کون ان کا شعر ہمیں سناتا ہے، تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو طالب کا وہ شعر جو رسول اللہ ﷺ کی مراد تھی اُن کے قصیدے میں سے پڑھ کر سنایا:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه　　　ثمال الیتامی عصمت للارامل

ترجمہ: یعنی وہ گورے (مکھڑے والے ﷺ) جن کے چہرے مبارک کے توسل سے بارش مانگی جاتی ہے، یتیموں کے والی بیواؤں کے سہارا ہیں۔

یہ شعر سن کر آپ ﷺ کا چہرہ انور دمکنے لگا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اشعار کہنے کا سبب یہ ہے کہ زمانہء جاہلیت میں قریش میں قحط پڑا تھا تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارش کی دعا کی اور رسول اللہ ﷺ سے توسل کیا آپ ﷺ اس وقت بچے تھے تو آسمان سے خوب مینہ برسا۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ کے توسل سے دعا کرنا

عن أنس بن مالك أنَّ عمرَ بن الخطابِ كان إذا قحطُوا استسْقى بالعباسِ بن عبد المطلبِ، فقال: اللهم إنا كنّا نتوسلُ إليک بنبينا فتسقِينا، وإنا نتوسلُ إليک بعمِّ نبينا، فاسقنا فيسقونَ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاعدہ تھا کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے چنانچہ کہتے، الٰہی ہم تیری طرف اپنے نبی ﷺ سے توسل کرتے تھے تو تو بارش برسا دیتا تھا، اور اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا سے توسل کرتے ہیں، پس ہم پر بارش برسا دے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پس مینہ برس جاتا۔[1]

اس حدیث شریف سے نبی اور ولی دونوں کے ساتھ توسل کرنا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خلفائے راشدین کا ثابت ہے اور نیز یہ کہ ان کا ہمیشہ سے دستور تھا کہ مشکل اور مصیبت کے وقت توسل کیا کرتے تھے اور اس توسل سے وہ اپنی مرادیں پاتے تھے اور مشکلیں حل ہو جاتیں اور مصیبتیں ٹل جاتی تھیں۔

مگسل زاھل شوق کہ واصل شود بحر

خاروخسے کہ ھمرہ سیلاب مے شود

ترجمہ: ذات باری تعالیٰ کا شوق رکھنے والوں سے قطع تعلق نہ کر کیوں کہ وہ خس وخاشاک جو سیلاب کے ہمراہ ہو جاتا ہے وہ بھی سمندر میں جا پہنچتا ہے۔

چیونٹی کے توسل سے دعا کا قبول ہونا

عن أبي هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خرج نبي من الأنبياء بالناس يستسقي فإذا هو بنملة رافعة بعض قوائمها إلى السماء فقال ارجعوا فقد استجيب لكم من أجل شأن هذه النملة۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبیوں میں سے ایک نبی لوگوں کے ساتھ نماز استسقاء کے واسطے نکلے، پس ناگہاں نبی نے ایک چیونٹی کو دیکھا کہ وہ اپنے بعض پاؤں کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے، پس اس نبی نے کہا پھر چلو تمہاری دعا اس چیونٹی کے توسل سے قبول کی گئی۔[2]

---

[1] (البخاري (ت ٢٥٦)، صحيح البخاري ١٠١٠ صحيح • شرح الحديث)

[2] (سنن الدار قطنی، ج ٢/ص ٦٦)

مظاہر حق میں ہے کہ وہ چیونٹی یہ دعا کرتی تھی:

اللھم انا خلق من خلقک لا غنیٰ بنا عن رزقک فلا تھلکنا بذنوب بنی آدم۔

ترجمہ: الٰہی ہم تیری مخلوقات میں ایک مخلوق ہیں تیرے رزق سے ہم بے نیاز نہیں ہیں، پس ہم کو بنی آدم کے گناہوں کے سبب سے ہلاک نہ کر۔[1]

توسل بالدعا

انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام سے سفارش یا دعا کے لئے درخواست کرنا کافہ ءاہل سنت میں شائع وذائع ہے، مثلاً:

نبی الورٰی ضاقت بی الحال فی الورٰی　　　وانت لما املت فیک جدیر

یعنی اے پیغمبر عالم! دنیا میں میرا حال نازک ہے، اور آپ ﷺ میری دعا بر لانے کے اہل ہیں۔

فسل خالقی تفریح کربی فانه　　　علیٰ فرجی دون الانام قدیر

پس میرے خالق سے سوال کرو کہ میری مشکل حل کر دے کیونکہ وہ میری کشائش کی ساری مخلوق سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

گویا اس طرح عرض کریں کہ آپ ﷺ ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ سے سفارش کیجیے اور دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات آسان کرے اور ہماری حاجتیں پوری ہوں۔

اس کے جواز میں کسی ذی علم صاحب بسیرت کو کلام نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام بے شبہ بارگاہ ایزدی میں مقبول ہیں، اور ان کی سفارش اور دعا بھی غالباً مقبول ہے۔

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست

فانی است وگفت او گفت خداست

ترجمہ: شیخ کی وہ دعا ہر عام دعا کی مانند نہیں ہے، وہ تو فنا فی اللہ ہوتا ہے اس کا کہا خدا کا فرمان ہوتا ہے۔

چوں خدا از خود سوال وگد کند　　　پس دعائے خویش را چوں رد کند

ترجمہ: جب خدا اپنے آپ سے سوال اور مطالبہ کرے تو وہ اپنے مطلوب کو کیوں رد فرمائے گا۔

آں دعائے بیخوداں خود دیگر ست　　　آں دعا ردنیست گفت داور ست

ترجمہ: عشق حق میں بے خود لوگوں کی دعا ہی اور ہوتی ہے وہ دعا رد نہیں ہوتی وہ تو خدا کا فرمان ہوتا ہے۔

آں دعا حق مے کند چوں او فناست　　　آں دعا وآں اجابت از خداست

[1] (کتاب الصلوٰۃ، باب فی الرباح)

ترجمہ: وہ دعا (بندے کی زبان سے) خود خدا کرتا ہے کیوں کہ وہ فنا فی اللہ ہوتا ہے، وہ دعا اور اس کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

بزرگان دین کی حیات و ممات میں توسل جائز ہے

حضرت ابو عبد اللہ بن نعمان مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام میں تحریر فرماتے ہیں:

ان کلا من الاستغاثۃ و التوسل و التشفع و التوجہ واقع فی کل حال قبل خلقہ ﷺ و بعد خلقہ فی مدۃ حیاتہ فی الدنیا و بعد موتہ فی مدۃ البرزخ و فی عرضات القیمۃ۔

ترجمہ: بذریعہ محمد رسول اللہ ﷺ کے فریاد کرنا اور آپ ﷺ کو وسیلہ اور شفیع کرنا ان سب باتوں کا وقوع ہر وقت میں ہوا ہے اور ہو گا قبل پیدائش آپ ﷺ کے اور بعد پیدائش کے زندگی میں آپ کے اور بعد وصال کے اور قیامت میں۔[1]

دوسری تائید

قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مواہب اللدنیہ میں تحریر کیا ہے:

وینبغی للزائر ان یکثر من الدعاء و التضرع و الاستغاثۃ و التشفع و التوسل بہ ﷺ فجدیر بمن ستشفع بہ ان یشفعہ اللہ تعالیٰ فیہ و اعلم ان الاستغاثۃ ھی طلب الغوث فالمستغیث یطلب من المستغاث بہ ان یحصل لہ الغوث منہ فلا فرق بین ان یعبر بلفظ الاستغاثۃ او التوسل او التشفع او التجوہ او التوجہ ثم ان کلا من الاستغاثۃ او التوسل او التشفع او التوجوہ او التوجہ بالنبی ﷺ ـــــــــــــــــ واقع فی کل حال قبل خلقہ و بعد خلقہ فی مدۃ حیاتہ فی الدنیا و بعد موتہ فی مدۃ البرزخ و بعد البعث و فی عرصات القیمۃ۔

ترجمہ: اور جائز ہے فریاد کرنا اور شفیع کرنا اور وسیلہ کرنا رسول اللہ ﷺ کو، پس اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول کرے گا اس شخص کے واسطے جو ان کو شفیع کرے گا، اور ان الفاظ میں یعنی فریاد کرنے، وسیلہ پکڑنے، شفیع کرنے، وجاہت کو ذریعہ اور مرتبہ کو وسیلہ کرنے میں کوئی فرق نہیں اس واسطے کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ سے قبل پیدائش آپ کے اور بعد پیدائش کے آپ کی زندگی میں اور انتقال کے بعد برزخ میں اور بعد اُٹھائے جانے لوگوں کے قبر سے اور قیامت میں ثابت ہیں۔[2]

[1] (الانوار المحمدیۃ، ص/۶۰۴، بیروت)
[2] (زرقانی شرح المواھب اللدنیۃ، ج/۸، ص/۳۱۷، بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توسل کے قائل ہیں

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ حضرت ابن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بہ قد اجاب اللہ ادم اذ دعا ونجی فی بطن السفینۃ نوح

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا رسول اللہ ﷺ کے توسل سے قبول فرمائی، اور حضرت نوح علیہ السلام کو شکم کشتی میں آپ ﷺ کے نور کی برکت سے نجات ملی۔

وماضرت النار الخلیل لنورہ ومن اجلہ نال الفداء ذبیح

یعنی اور آپ ﷺ ہی کے نور کی وجہ سے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ نے ضرر نہ پہنچایا، اور حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اسی نور کی برکت سے ذبح ہونے سے نجات پائی اور ان کے بدلے فدیہ قبول ہوا۔

روضہ پاک میں توسل کا مشروع طریقہ

علامہ سامری رحمہ اللہ تعالیٰ مستوعب میں تحریر فرماتے ہیں:

ثم یاتی حائط القبر فیقف ناحیتہ و یجعل القبر تلقاء وجھہ والقبلۃ خلف ظھرہ والمنبر عن یسارہ و ذکر السلام والدعاء ومنہ " اللھم انک قلت فی کتابک العزیز لنبیک علیہ السلام وَ لَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (النساء ۶۴) و انی اتیت نبیک مستغفرًا فاسئلک ان توجب الی المغفرۃ کما اوجبتھا لمن اتاہ فی حیاتہ' اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: زیارت روضہء نبوی کے وقت روضہ کی دیوار کے پاس آکر اس کی ایک طرف کھڑا ہو کر روضہ کو اپنے سامنے کرے اور قبلہ کو پیچھے، منبر کو داہنے طرف اور سلام کہے اور دعا کرے، اور اس قسم کی دعا ہو کہ "اے اللہ! تو نے اپنے کلام پاک میں اپنے نبی ﷺ کو یہ کہا ہے کہ وَ لَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (النساء ۶۴) (جب لوگ اپنے نفس پر ظلم کریں اور تمہارے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہیں اور رسول ﷺ ان کے واسطے بخشش چاہے تو البتہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے) اور تحقیق میں تیرے نبی ﷺ کے پاس آیا ہوں بخشش چاہنے والا، پس میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے واسطے مغفرت کو واجب کر جیسا کہ تو نے ان کے واسطے واجب کیا جو تیرے نبی ﷺ کے پاس ان کی زندگی میں آئے تھے۔ اے اللہ! میں تیری طرف تیرے نبی ﷺ کے ذریعے متوجہ ہوتا ہوں"۔

ایک مشہور اعتراض کا جواب

اعتراض

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

ولا تتَّخِذوا قَبري عيدًا۔

یعنی میری قبر کو عید نہ بناؤ۔[1]

عید اس دن کو کہتے ہیں جس میں دعا و سلام کے لئے آنے کی عادت ہو، جب رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر جانے کی ممانعت ثابت ہوئی تو دوسری قبروں پر جانے کی بدرجہ اولیٰ ممانعت ہو گی۔

جواب:

اول تو یہ حدیث معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی عبد اللہ بن نافع مجروح ہے، چنانچہ اول تو **مسالک الحنفا الی شارع الصلوۃ علی النبی المصطفی ﷺ** میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقال البخاری فی حفظہ شیی۔

ترجمہ: اور کہا امام بخاری نے اس کی قوت حافظہ میں کسر ہے۔

وقال احمد لم یکن بذالک فی حدیث۔

ترجمہ: اور امام احمد نے کہا وہ حدیث میں کچھ ایسا لائق نہیں ہے۔

وقال ابو حاتم ھو لین فی حفظہ۔

ترجمہ: اور ابو حاتم نے کہا وہ اپنے حافظہ میں نرم ہے۔

دوسرے نہی کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں:

چنانچہ پہلی وجہ قبر شریف کے پاس عید کا سا مجمع نہ کرو اور کھیل کود نہ کرو، جیسے یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا۔

چنانچہ مسالک الخفاء میں ہے:

ای نھی عن الاجتماع لزیارتہ لاجتماعھم کالعید کما کانت الیھود و النصاری یجتمع لزیارۃ قبور انبیائھم و یشغلون باللھو کما یفعل فی الاعباد۔

---

[1] (أخرجه أبو داود (٢٠٤٢)، وأحمد (٨٧٩٠) محمد ابن عبد الهادي (ت ٧٤٤)، الصارم المنكي ٣٢٢ • مرسل • أخرجه عبدالرزاق في «المصنف» (٦٧٢٦) الهيثمي (ت ٨٠٧)، مجمع الزوائد ٤/٦ • ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، لسان الميزان ٢/٤٣٩)

ترجمہ: لوگوں کو آپ ﷺ کی زیارت کے لئے عید کی طرح جمع ہونے سے منع فرمایا، جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لئے جمع ہوتے اور کھیلوں میں مشغول ہوتے جیسے کہ عیدوں میں کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ قبر شریف کے پاس عید کا سا مجمع نہ کرو جس میں لوگوں کو مشقت ہوتی ہے۔

چنانچہ مسالک الخفامیں ہے:

ویحتمل ان یکون نھیه فی جھة المشقة الحاصلة من الاجتماع۔

ترجمہ: اور احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی ممانعت اس مشقت کی بناپر ہو جو اجتماع سے ممکن تھی۔

تیسری وجہ قبر شریف پر آنے کی اس قسم کی عادت نہ کرو جس سے ادب دل سے جاتا رہے۔

چنانچہ مسالک الخفاء میں ہے:

ویحتمل ان یکون العید اسما من الاعتیاد یعنی لا تجعلوا قبری محل اعتیاد یعتادونه لما یؤدی ذالک الیٰ سوء الادب وارتفاع الحشمة۔

ترجمہ: اور ممکن ہے کہ عید عادت پڑنے کا نام ہو، یعنی تم میری قبر کو عادت کا مقام نہ بناؤ جس کے تم عادی ہو جاؤ، اس لئے اس کا نتیجہ بے ادبی اور زوال رعب ہو گا۔

چوتھی وجہ قبر شریف پر عید کی طرح گاہے گاہے نہ آیا کرو۔

چنانچہ مسلک الخفاء میں ہے:

ویحتمل ان یکون المراد الحث علیٰ کثرة زیارته ولا یجعل کالعید الذی لا یاتی فی العام الا مرتین۔

ترجمہ: اور ممکن ہے کہ کثرت زیارت کی تاکید مقصود ہو، اور عید کی طرح نہ کرو جو سال بھر میں صرف دو مرتبہ آتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کا توسل

شفا قاضی عیاض، مدارج النبوت اور حصن حصین میں ہے:

ان ابن عمر خدرت رجله فقیل له اذکر احب الناس الیک یزل عنک۔

ترجمہ: ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سو گیا اور بے حس و حرکت ہو گیا، کسی نے آپ کو اس کا علاج بتلایا کہ آپ کسی ایسے شخص کو یاد کیجئے جو آپ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہو فوراً یہ عارضہ جاتا رہے گا۔

فصاح یا محمداہ۔ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

آپ نے اسی وقت چلا کر کہا: **یا محمداہ**! (ﷺ)

فانتشرت۔

ان الفاظ کا زبان مبارک سے نکلنا ہی تھا کہ آپ کے پاؤں میں طاقت آگئی اور وہ درست ہو گیا۔

دیکھئے اس حدیث شریف سے رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا اور اس کا نیک نتیجہ ثابت ہوتا ہے۔

کیا ہی اچھا فرمایا ہے مولانا روم نے:

آب خواہ از جو بجو خواہ از سبو　　　کاں سبو را ھم مدد باشد زجو

ترجمہ: پانی خواہ نہر سے لے خواہ صراحی سے در حقیقت وہ پانی نہر کا ہی ہوگا کیوں کہ صراحی کی مدد بھی نہر سے ہوتی ہے۔

نور خواہ از مہ طلب خواھی زخور　　　نور مہ ھم ز آفتاب است اے پسر

ترجمہ: نور خواہ چاند سے مانگ خواہ سورج سے طلب کر اے لڑکے! چاند کا نور بھی سورج کی وجہ سے ہے۔

یہودیوں کا آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کے توسل سے فتح و نصرت طلب کرنا

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ رکوع نمبر ۱۱ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ (البقرۃ)

ترجمہ: اور وہ لوگ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں اپنی فتح یابی کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

تفسیر خازن میں اس کی تفسیر اس طرح مرقوم ہے:

وكانوا يعني اليهود من قبل أي من قبل مبعث النبي صلى الله عليه وسلم يستفتحون أي يستنصرون به على الذين كفروا يعني مشركي العرب وذلک أنهم كانوا إذا أحزنهم أمر ودهمهم عدو يقولون: اللهم انصرنا بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذي نجد صفته في التوارة فكانوا ينصرون۔

ترجمہ: یہود رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ کی برکت اور آپ کے وسیلے سے کفار پر فتح و نصرت مانگتے تھے، جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی یا غنیم چڑھائی کرتا تو وہ یہ دعا کرتے، اے اللہ! ہماری مدد کر اس نبی ﷺ کا صدقہ جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے، جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں، یہ دعا مانگتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے۔[1]

[1] (تفسیر مدارک و روح البیان و تفسیر عزیزی)

حضرت محمد ﷺ کے نام کی برکت سے درندوں کا ایذاء نہ دینا

محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ سرزمین روم میں سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی راہ بھول گئے، جنگل میں لشکر کو تلاش کرتے پھرتے تھے کہ ایک شیر سامنے آگیا، آپ نے اس سے فرمایا:

أبا الحارث، إني مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم كان من أمري كيت وكيت، فأقبل الأسد له بصبصة حتى قام إلى جنبه كلما سمع صوتا أهوى إليه، ثم أقبل يمشي إلى جنبه، فلم يزل كذلك حتى بلغ الجيش، ثم رجع الأسد۔

ترجمہ: اے شیر! میں غلام ہوں رسول اللہ ﷺ کا، میں راستہ بھول گیا ہوں، یہ سنتے ہی شیر خوشامد کرتا سامنے آیا اور آپ کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا جب کوئی کھٹکا ہوتا اس طرف متوجہ ہو جاتا، پھر آپ کے پہلو میں آجاتا، اسی طرح شیر آپ کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ لشکر میں پہنچے، پھر شیر واپس چلا گیا۔ (مشکوٰۃ)[1]

دیکھیئے غلاموں کی حکومت کہ آقا کا نام لیا جنگلی درندے بجائے تکلیف دینے کے محافظ بن گئے اور خدمت گار ہو گئے۔

میدان جہاد میں توسل بالنبی ﷺ کا کرشمہ

فتوح الشام میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنسرین سے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہزار سپاہی دے کر لڑائی کے ارادے سے روانہ کیا چنانچہ وہاں کے حاکم یوقنا سے مڈبھیڑ ہو گئی، جس کے پاس پانچ ہزار جرار سپاہی موجود تھے جب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی تو دشمن کے اور پانچ ہزار سپاہی ان کی امداد کے لئے میدان کارزار میں آگئے، غرضیکہ ایک ہزار مسلمان سپاہیوں کا دس ہزار کفار سے مقابلہ ہو گیا، ادھر اسلامی فوج خوب جان نثاری کر رہی تھی، اُدھر حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت مضطرب ہو کر یوں پکار رہے تھے: **یا محمد! یا محمد! یا نصر اللہ! انزل۔**

اے محمد! اے محمد (ﷺ)! اے اللہ تعالیٰ کی مدد آ! نزول فرما۔

خدا کی شان رسول اللہ ﷺ کو پکارنا تھا کہ امداد غیب کا نزول ہوا اور مسلمانوں نے اسلامی جوش سے سینکڑوں کو تہہ تیغ کیا، سینکڑوں گرفتار کر لئے اور کچھ بھاگ گئے، غرض کافروں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو فتح۔

جانتے ہو کہ اس فتح کی اصل وجہ کیا تھی؟ یہ محض کلمہ ءیا محمد (ﷺ) پکارنے کی برکت تھی، آپ نے غائبانہ مدد کی جس کے باعث مسلمان دشمن پر غالب آئے۔

[1] (شرح السنة ۵۱۶، ج ۱۳، ص ۳۱۳)

میرسد فیض سبک روروحاں باطراف جہاں

مے شود آفاق روشن صبح چوں خنداں شود

ترجمہ: دنیاوی آلائشوں سے پاک ہلکے روح والوں کا فیض دنیا کے تمام اطراف میں پہنچ رہا ہے صبح جب روشن ہوتی ہے تو ساری دنیا میں روشنی پھیل جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا

عن انس بن مالک قال لما ماتت فاطمة بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا و کانت ربت النبی ﷺ و ھی ام علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخل علیھا رسول اللہ ﷺ فجلس عند راسھا و قال رحمک اللہ یا امی بعد امی و ذکر ثنائہ علیھا و کفنھا ببردہ و امرھم بحفر قبرھا فلما بلغو اللحد حفرہ ﷺ بیدہ و اخرج ترابہ بیدہ فلما فرغ دخل ﷺ فاضطجع فیه ثم قال "اللہ الذی یحیی و یمیت و ھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمة بنت اسد و وسع علیھا مدخلھا بحق نبیک و الانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تربیت کی تھی، اور وہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے، پھر ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے میری ماں کی قائم مقام ماں! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، اور ان کی تعریف فرمائی اور اپنی چادر سے کفن پہنایا اور لوگوں کو ان کی قبر کھودنے کا حکم فرمایا، جب وہ لحد تک پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھ سے کھودا اور اپنے ہاتھ سے مٹی نکالی، پھر جب فارغ ہوئے، تو لحد میں داخل ہوئے، پھر اس میں لیٹ کر فرمایا: اللہ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اس کو فنا نہیں، الٰہی میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے، اور اس کی قبر فراخ کر دے۔ بحق اپنے نبی ﷺ کے اور بحق ان انبیاء علیہم السلام کے جو مجھ سے پہلے ہوئے، بیشک تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔[1]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام سے توسل کیا، جب باوصف اس عظمت کے آپ نے توسل فرمایا ہو تو پھر بھلا ہمارے لئے جواز توسل میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟

[1] (رواہ طبرانی و ابن حبان و الحاکم و ابن ابی شیبہ، جامع کبیر، مدارج النبوۃ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

دریں حدیث دلیل ست بر توسل در ھر دو حالت نسبت بآں حضرت ﷺ در حالت حیات ونسبت بانبیاء دیگر صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین بعد از وفات وچوں توسل بانبیاء دیگر صلوات اللہ اجمعین بعد از وفات جائز باشد بسید انبیاء علیہ افضل الصلوۃ و اکملھا بطریق اولی جائز باشد بلکہ اگر بایں حدیث توسل باولیائے خدا نیز بعد از وفات ایشاں قیاس کنند دور نیست مگر آنکہ دلیلے بر تخصیص حضرات رسل صلوات الرحمن علیہم اجمعین قائم شود۔

ترجمہ: اس حدیث کے اندر دونوں حالتوں میں یعنی آنحضرت ﷺ کے ساتھ حیات میں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ وفات کے بعد توسل کرنے کی دلیل موجود ہے اور جب دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ توسل وفات کے بعد جائز ہوا تو سید انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ و اکملہا کے ساتھ تو بطریق اولیٰ جائز ہو گا، بلکہ اگر اس حدیث شریف کے ساتھ توسل باولیائے خدا بھی ان کے فوت ہونے کے بعد قیاس کریں تو بعید نہیں، مگر یہ کہ حضرات رُسُل صلوات الرحمٰن علیہم اجمعین کی تخصیص پر کوئی دلیل قائم ہو۔

ایک اعرابی کا آپ ﷺ کے روبرو آپ کو وسیلہ قرار دینا

طبرانی اور شواہد النبوت میں ہے کہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا قصیدہ پڑھا جس میں یہ اشعار تھے:

واشھد ان اللہ لا رب غیرہ — وانک مامون علی کل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور اے نبی! آپ ﷺ ہر غائب کے محافظ ہیں۔

وانک ادنی المرسلین وسیلۃ — الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطائب

اور اے پاک صاف لوگوں کے صاحبزادے! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ تک تمام مرسلین سے زیادہ قریب الوسیلہ ہیں۔

فمرنا بما یاتیک یا خیر مرسل — وان کان فیما فیہ شیب الذوائب

ہم کو اے بہترین مرسلین! اس کا حکم دیجئے جو آپ کے پاس آتا ہے اگرچہ اس سے بال سفید پڑ جائیں۔

وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعۃ — بمغن فتیلاً عن سواد بن قارب

”اور اس دن میری شفاعت کیجیے جب کوئی شفیع سواد بن اقارب کو ذرہ برابر فائدہ پہنچانے والا نہیں۔“

دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسے شعر سے منع نہیں فرمایا جس میں اُس نے آپ کو وسیلہ بنایا، بلکہ سکوت فرمایا، جس سے آپ ﷺ کی وسیلہ کے لئے رضامندی ثابت ہوتی ہے، اور آپ کا وسیلہ ہونا توسل کے متقاضی ہے پس آپ سے توسل کرنا معترضین کو کیوں کھٹکتا ہے؟

علامہ شامی علیہ الرحمہ کا قول نداءواستمداد کی تائید میں

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ردالمختار میں گمشدہ چیز کے ملنے کے لئے فرماتے ہیں: کہ بلندی پر جا کر حضرت سید احمد بن علوان یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے فاتحہ پڑھے، پھر یوں نداء کرے:

یاسیدی احمد یاابن علوان۔

تو وہ گمشدہ چیز ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مل جائے گی۔

سید محمد غمری رحمہ اللہ تعالیٰ کو نداء کرنے کا واقعہ

عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ لواقح الانوار فی طبقات الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں:

"کہ محمد غمری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک مرید بازار میں تشریف لے جاتے تھے اتفاق سے ان کے جانور کا پاؤں پھسل گیا، انہوں نے باآواز بلند پکارا: یاسیدی محمد غمری! ادھر بادشاہ وقت کا ایک ملازم ابن عمر اس کے حکم سے گرفتار ہو کر جیل جا رہا تھا، ابن عمر کے کانوں میں اُس شخص کی یہ آواز آئی، اُس نے اس شخص سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ سید محمد غمری کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے شیخ اور پیشوا ہیں، وہ میری پکار کو سنتے اور میری امداد کو پہنچتے ہیں، اگر کسی کو اس سے تسلیم کرنے میں کلام ہو تو میں ابھی اس کا ثبوت دے سکتا ہوں، چنانچہ لوگوں کے کہنے پر انہوں نے باآواز بلند پکارا "یاسیدی محمد غمری لاحظنی!" یعنی اے میرے سردار! اے محمد غمری! مجھ پر نظر عنایت کیجیے۔ ابھی یہ الفاظ منہ سے نکلے ہی تھے کہ سید محمد غمری فوراً تشریف لے آئے اور ارشاد فرمایا کہ تم کو کیا تکلیف ہے تمہاری کیا حاجت ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا شیخ یہ شخص تکلیف میں ہے، آپ نے فوراً اس شخص کی تکلیف کی طرف توجہ فرمائی، اُسی وقت بادشاہ مع لشکر کے گھبراہٹ میں پڑ گیا اور ہاتف غیب سے آواز آئی کہ ابن عمر کو رہا کرو ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے، بادشاہ نے اسی وقت ابن عمر کو بلایا اور اس کو مخلصی (رہائی) بخشی اور خلعت و انعام دے کر اس کو سابقہ خدمت پر بحال کر دیا۔

مشو بمرگ ز امداد اھل دل نومید

کہ خواب مردم آگاہ عین بیداری است

ترجمہ: موت کی وجہ سے اہل دل کی مدد سے ناامید نہ ہو کیونکہ لوگوں سے واقف آدمی کی نیند عین بیداری ہے۔

خاصان حق سے ان کی حیات میں مدد مانگنے کا ثبوت

یہ بات پایہء ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے، ہر ایک مخلوق اپنے وجود اور عدم میں اسباب سے وابستہ ہے، ایک دوسرے کی مدد کے بغیر کام نہیں چلتا، چنانچہ ہم چلنے کے لئے پاؤں سے مدد لیتے ہیں، پکڑنے کے لئے ہاتھ سے، لکھنے کے لئے قلم سے، دیکھنے کے لئے آنکھ سے، سننے کے لئے کان سے، سونگھنے کے لئے ناک سے، چکھنے کے لئے زبان سے مدد لیتے ہیں، علاوہ اس کے دنیوی امور میں کامیاب ہونے کے لئے کہیں دنیاداروں کی سفارش اور ذریعہ ڈھونڈا جاتا ہے، کہیں بڑے بڑے اسلامی جلسوں میں ہاتھ پھیلا کر قوم سے بھیک مانگی جاتی ہے، ان سب امور کو کوئی عقل سلیم والا نہ تو شرک کہتا ہے اور نہ ہی کفر، مگر تعجب ہے ان لوگوں کی عقل و دانش پر جو ایسی امداد کے تو قائل ہیں مگر کسی اہل اللہ سے خواہ وہ بحالت حیات ہوں یا عالم برزخ میں مدد مانگنے کو کفر و شرک کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ رکوع نمبر ا میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (المائدہ ۲)

ترجمہ: "اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو"۔

جب خود اللہ تعالیٰ آپس میں ایک دوسرے کو مدد دینے کے لئے حکم دے رہا ہے اور وہ بھی عوام الناس کو تو انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے جو خواص الرجال ہیں مدد لینا کیونکر مورد اعتراض ہو سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ بفضل خدا ہر سائل کا سوال پورا کر سکتے ہیں

عن ربیعۃ ابن کعب قال کنت ابیت مع رسول اللہ ﷺ سل (وفی روایۃ الطبرانی یا ربیعۃ سلنی فاعطیک) قال فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال او غیر ذالک قلت ھو ذلک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود۔

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سویا کرتا تھا، ایک دن میں حسب معمول پانی اور آپ ﷺ کی حاجت کی چیزوں کو لے کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مانگ، اور طبرانی کی روایت میں ہے اے ربیعہ! مجھ سے کچھ مانگ میں تجھ کو دوں گا، ربیعہ کہتا ہے میں نے عرض کیا: آپ کے ساتھ رہنا جنت میں مانگتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کچھ اس کے سوا بھی؟ میں نے عرض کیا بس یہی، آپ ﷺ نے فرمایا: پس مدد کر تو میری اپنے ذاتی مدعا پر کثرت سجود کے ساتھ۔[1]

[1] (أبو داود (ت ٢٧٥)، سنن أبي داود ١٣٢٠• مسلم (ت ٢٦١)، صحيح مسلم ٤٨٩• صحيح)

اس حدیث شریف سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جنت میں ساتھ رکھنے کا مختار باختیار خداداد سمجھ کر یہ سوال کیا، اور آپ نے اپنی ذات مقدس کو اس امر پر قادر بقدرت حق سمجھ کر ان کے سوال پر انکار نہ فرمایا بلکہ اس سے زیادہ مانگنے پر آمادہ کیا، اور جب آپ نے ان کی آرزوئے مرافقت مستحکم پائی جو امور اس آرزو کے پورا کر دینے کے معین تھے، اور جس طریق پر آپ اس آرزو کے بر لانے پر جانب اللہ مختار تھے اس پر اس کو ہدایت کر دی، اس واسطے کہ اگر آپ اس آرزو کے پورا کر دینے کے مختار نہ تھے اور آپ کے نزدیک یہ اختیار بجز خدا کے (کسی) اور کو مطلقاً نہ تھا خواہ وہ منجانب اللہ ہی ہو تو بمقتضائے نبوت آپ پر لازم تھا کہ ضرور ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال پر انکار فرماتے، مگر آپ نے ان کے سوال مرافقت کو جائز رکھ کر اس سے زیادہ مانگنے پر آمادہ فرمایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نہ کرد بمطلوب خاص معلوم مے شود کہ کارہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ﷺ ہرچہ خواہد وہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔

فان من جودک الدنیا و ضرتھا ۔۔۔۔۔ و من علومک علم اللوح و القلم

ترجمہ: اس سوال کے اعلان سے کہ مانگو اور کسی خاص مطلوب کے ساتھ تخصیص نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کام آپ ﷺ کے دست باہمت و کرامت میں ہیں کہ جس قدر چاہیں اور جس کو چاہیں پروردگار کے اذن سے دے دیں۔

فان من جودک الدنیا و ضرتھا ۔۔۔۔۔ و من علومک علم اللوح و القلم

بے شک آپ کی بخشش سے دنیا ہے اور اس کی سوکن (عقبیٰ) اور آپ کے علم سے لوح و قلم ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث شریف کی شرح اس طرح فرماتے ہیں:

و یوخذ من اطلاقہ علیہ السلام الامر بالسوال ان اللہ تعالیٰ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق۔

ترجمہ: حضور ﷺ کے مطلقاً سوال کا حکم دینے سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزائن حق سے ہر ایسی چیز دے ڈالنے کا اختیار دے دیا تھا جو آپ چاہیں۔

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً فرمایا مانگ اور کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص کر کے نہ فرمایا کہ فلاں شے مانگ، بنابریں ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے ہر چیز کے دینے کی قدرت رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی تھی، اور آپ کو ہر چیز کا مالک بنایا ہے، آپ ہر قسم کی مدد فرما سکتے ہیں، ہر طرح کی حاجت روائی کر سکتے ہیں، دنیا و آخرت کی

سب مرادیں اور جملہ مطالب و مقاصد کا عطا کرنا آپ کے قبضہ ء قدرت اور اختیار میں ہے، ورنہ بلا تقیید و تخصیص یہ کیسے فرماتے کہ جو مانگو گے میں تم کو دوں گا تم مجھ سے مانگو جو مراد چاہو۔

امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے یہ بات ذکر کی ہے کہ جنت کی زمین اللہ تعالیٰ نے حضور کی جاگیر کر دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں اور جسے چاہیں بخش دیں۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا میں آپ ﷺ سے شفاعت کا سوال کیا

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مشرف با اسلام ہوئے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بہت سے اشعار پڑھے من جملہ ان کے ایک شعر یہ ہے:

و کن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعۃً　　　سواک بمُغن عن سواد بن قارب

یعنی یا حضرت! میری شفاعت کرنا اس روز جب آپ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کے کام نہ آئے گا۔

ابن شاہین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر سوال جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے۔

خود رسول اللہ ﷺ کا استعانت فرمانا

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ انا لا یستعین بمشرک۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روات ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کریں گے۔[1]

مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں سے مدد طلب کریں گے، اگر مسلمان سے استعانت ناجائز ہوتی تو مشرک کی کیوں تخصیص کی جاتی؟ پس جب نبی ﷺ کا دوسرے لوگوں سے استعانت کرنا روا ہے تو اس سے صراحتاً ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے دوسرے لوگوں کا مدد مانگنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام سے مدد مانگنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی کاموں کا امانت دار تھا ارشاد فرماتے ہیں:

اسلم استعن بک علیٰ امانۃ المسلمین

ترجمہ: مسلمان ہو جا تا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔

---

[1] (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

جب وہ نہ مانتا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ مشرک سے امداد مانگنا ناجائز ہے مگر مسلمان سے جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قبائل عرب کو مدد دینا

عن انس ان النبی ﷺ اتاہ رعل و ذکوان و عصیة و بنو لحیان فزعموا انھم قد اسلموا و استمدوہ علیٰ قومھم فامدھم النبی ﷺ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنو رعل، بنو ذکوان، بنو عصیہ اور بنو لحیان نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو گئے، اور انہوں نے اپنی قوم کے مقابلے میں آپ کی مدد مانگی تو آپ نے ان کو مدد دی۔ (مشکوٰۃ)[1]

غیر اللہ سے استمداد کے جواز کا ثبوت

مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

افعال عادی الٰھی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض وامثال ذالک را مشرکاں نسبت بارواح خبیثہ و اصنام مے نمایند و کافر مے شوند و موجداں از تاثیر اسماء الٰھی یا خواص مخلوقات اودیہ دانند از ادویہ و عقاقیر یا دعاء صلحاء بندگان او کہ ھم از جناب او در خواستہ انجاح مطالب مے کنانند مے فھمند و در ایمان ایشاں خلل نے افتد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے افعال عادی مثل بیٹا دینے، رزق وسیع کرنے، بیمار کو شفاء دینے وغیرہ کو مشرکین ارواح خبیثہ اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں، اور اہل توحید اللہ کے ناموں کی تاثیر یا اُس کی پیدا کی ہوئی ادویہ وغیرہ کی خاصیت یا اللہ کے نیک بندوں کی دعا کی تاثیر سمجھتے ہیں جو اللہ کی جناب میں درخواست کرکے خلق کی حاجت روائی کراتے ہیں، اس اعتقاد سے ان کے ایمان میں کچھ خلل نہیں آتا۔[2]

دیکھئے شاہ صاحب بزرگوں کی دعا سے بیٹا ملنے، رزق وسیع ہونے، بیمار کے تندرست ہونے اور دیگر ہر قسم کی حاجت روائی کے قائل ہیں، اور یہ فرق کرتے ہیں کہ موحد اگر ان چیزوں کو اہل اللہ کی دعا کی تاثیر مانے تو اس کے ایمان میں کچھ خلل نہیں

---

[1] (رواہ البخاری، مسلم، نسائی)

[2] (تفسیر عزیزی سورۃ البقرہ، ص ۴۶۰)

کیونکہ وہ ان امور میں صلحاء کو مستقل بالذات اور موثر حقیقی نہیں جانتا بلکہ وسیلہ سمجھتا ہے، اور مشرک ارواح خبیثہ یا اپنے بتوں کی طرف ان امور کی نسبت کرے تو یہ اس کا کفر ہے کیونکہ وہ ان بتوں کو مستقل بالذات اور موثر حقیقی اعتقاد کرتا ہے۔

یہ تو ہوا خاصان حق کا اپنے متوسلین کو قرب و حضور میں مدد پہنچانا، اس سے بڑھ کر حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات بعد و غیبت میں بھی اپنے متوسلین و مستمدین کو بقدرت حق اور باعُلام حق مدد دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں جس میں تمام انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام شامل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدہا میل سے مجاہدین کو مدد دی

عن نافع عن ابن عمر قال: وجه عمر جيشا و رأس عليهم رجلا يدعى سارية فبينما عمر يخطب جعل ينادي: يا سارية الجبل ثلاثا ثم قدم رسول الجيش فسأله عمر فقال: يا أمير المؤمنين هزمنا فبينا نحن كذلک إذ سمعنا صوتا ينادي: يا سارية الجبل ثلاثا فأسندنا ظهورنا إلى الجبل فهزمهم الله قال: قيل لعمر: إنک كنت تصيح بذلک و ذلک الجبل الذي كان سارية عنده بنهاوند من أرض العجم قال ابن حجر في الإصابة: إسناده حسن۔

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قوم جہاد پر بھیجی اور ایک شخص ساریہ نام کا اس کا افسر مقرر فرمایا، اس اثناء میں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دے رہے تھے وہ یوں پکارنے لگے: ”کہ اے ساریہ! پہاڑ کا خیال رکھو“ تین مرتبہ، پھر فوج کا قاصد آیا تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حال پوچھا تو اس نے کہا اے امیر المومنین! ہم کو شکست ہو گئی تھی، اسی اثناء میں ہم نے آواز سنی کہ ”اے ساریہ! پہاڑ کا خیال رکھو“ تین مرتبہ یہ آواز آئی تو ہم نے پہاڑ کو اپنا پشت پناہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی، راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد دلایا گیا کہ آپ ہی تو یہ کلمات با آواز بلند کہتے تھے۔ اور وہ پہاڑ جس کے پاس ساریہ تھا ارض عجم میں نہاوند کے پاس ہے، ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد حسن ہیں۔[1]

بعض روایات سے ظاہر ہے کہ سامعین خطبہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان بے موقع الفاظ پر تعجب ظاہر کیا تھا، اور ان سے اُس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے صاف طور پر اپنا کشف بیان فرمایا چنانچہ:

أخرج ابن مردويه من طريق ميمون بن مهران عن ابن عمر قال: كان عمر يخطب يوم الجمعة فعرض في خطبته أن قال: يا سارية الجبل من استرعى الذئب ظلم فالتفت الناس بعضهم لبعض فقال لهم علي: ليخرجن مما قال فلما فرغ

---

[1](تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۱۳)

سألوه فقال: وقع في خلدي أن المشركين هزموا إخواننا وإنهم يمرون بجبل فإن عدلوا إليه قاتلوا من وجه واحد وإن جاوزوا هلكوا فخرج مني ما تزعمون أنكم سمعتموه قال: فجاء البشير بعد شهر فذكر أنهم سمعوا صوت عمر في ذلك اليوم فعدلنا إلى الجبل ففتح الله علينا۔

ترجمہ: حضرت ابن مردویہ نے میمون بن مہران کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، پس اثنائے خطبہ میں کہنے لگے: "یا سارية الجبل من استرعى الذئب" "اے ساریہ! پہاڑ کا خیال رکھو، جو شخص بھیڑیئے کی حفاظت کرتا ہے اس نے ظلم کیا" تو لوگ ایک دوسرے کو تکنے لگے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کہا وہ اپنے اس قول سے ضرور خطبے سے نکل گئے، جب وہ فارغ ہوئے تو لوگوں نے سوال کیا، فرمایا: میرے دل میں یہ بات آئی کہ دشمنوں نے ہمارے بھائیوں کو شکست دے دے اور وہ پہاڑ کے پاس سے گزر رہے ہیں اگر اس کی طرف پناہ گیر ہو جائیں تو ان کو صرف ایک طرف سے جنگ کرنی پڑے اور اگر آگے چلے گئے تو پس جائیں گے، بس میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے جن کی نسبت تم کہتے ہو کہ تم نے سنے ہیں، راوی کہتا ہے کہ پھر ایک ماہ بعد فتح کی بشارت لانے والا آیا تو اُن سے ذکر کیا کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز اسی روز سنی تھی، اس نے بتایا کہ پھر ہم نے پہاڑ کی طرف پناہ لی تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح بخشی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان الفاظ کا کوئی قرینہ نہ تھا اس لئے سامعین خطبہ نے آپ کو مجنون و فاتر العقل کا خطاب دیا تھا چنانچہ:

أخرج أبو نعيم في الدلائل عن عمرو بن الحارث قال: بينما عمر على المنبر يخطب يوم الجمعة إذ ترك الخطبة فقال: يا سارية الجبل مرتين أو ثلاثا ثم أقبل على خطبته فقال بعض الحاضرين: لقد جن إنه لمجنون فدخل عليه عبد الرحمن بن عوف و كان يطمئن إليه فقال: لشد ما ألومهم عليك إنك لتجعل لهم على نفسك مقالا بينا أنت تخطب إذ أنت تصيح يا سارية الجبل أي شيء هذا؟ قال: إني و الله ما ملكت ذلك رأيتهم يقاتلون عند جبل يؤتون من بين أيديهم و من خلفهم فلم أملك أن قلت: يا سارية الجبل ليلحقوا بالجبل فلبثوا إلى أن جاء رسول سارية بكتابه: إن القوم لقونا يوم الجمعة فقاتلناهم حتى إذا حضرت الجمعة و دار حاجب الشمس سمعنا مناديا ينادي: يا سارية الجبل مرتين فلحقنا بالجبل فلم نزل قاهرين لعدونا حتى هزمهم الله و قتلهم فقال أولئك الذين طعنوا عليه: دعوا هذا الرجل فإنه مصنوع له۔

ترجمہ: ابو نعیم نے دلائل میں حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس اثناء میں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک خطبہ چھوڑ کر کہنے لگے: "یا سارية! الجبل" اے ساریہ! پہاڑ کا خیال رکھو! دو مرتبہ یا تین مرتبہ، پھر اپنے خطبہ کی طرف متوجہ ہوئے پس بعض حاضرین نے کہا ان کو جنون ہو گیا، بلاشبہ وہ دیوانے

ہیں، تو ان کے پاس حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور وہ ان سے بے تکلف تھے، بس انہوں نے ان سے کہا آپ اپنے متعلق لوگوں میں چرچا کرا لیتے ہیں، چنانچہ ابھی خطبہ دیتے دیتے پکار اُٹھے ساریہ! پہاڑ کو دیکھو! بھلا یہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا بخدا یہ بات میرے بس کی نہ تھی، میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ ایک پہاڑ کے پاس جنگ کر رہے ہیں، ان پر آگے اور پیچھے سے حملے ہو رہے ہیں تو بے تحاشہ میرے منہ سے نکل گیا کہ اے ساریہ! پہاڑ! تاکہ وہ پہاڑ کے ساتھ مل جائیں۔ پس کچھ دن گزرے تو ساریہ کا قاصد اس کا خط لایا کہ "دشمن کی فوج جمعہ کے روز ہمارے مقابل آئی ہم نے ان سے جنگ شروع کی یہاں تک جب جمعہ کا وقت آیا تو ہم نے کسی پکارنے والے کی یہ آواز دو مرتبہ سنی کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف! پس ہم پہاڑ سے جا ملے تو ہم برابر دشمن پر غالب آتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی اور ان کو تباہ کر دیا" اس پر ان لوگوں نے جو انہیں طعنہ دیتے تھے کہا: ان صاحب کو کچھ نہ کہو یہ ان کا قدرتی فعل تھا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں بیٹھے اپنی روحانیت سے اہل مصر کی مدد کی

قال: لما فتحت مصر أتى أهلها عمرو بن العاص حين دخل يوم من أشهر العجم فقالوا: يا أيها الأمير إن لنيلنا هذا سنة لا يجري إلا بها قال: و ما ذاک؟ قالوا: إذا كان إحدى عشرة ليلة تخلو من هذا الشهر عمدنا إلى جارية بكر بين أبويها فأرضينا أبويها و جعلنا عليها من الثياب و الحلي أفضل ما يكون ثم ألقيناها في هذا النيل فقال لهم عمرو: إن هذا لا يكون أبدا في الإسلام و إن الإسلام يهدم ما كان قبله فأقاموا و النيل لا يجري قليلا و لا كثيرا حتى هموا بالجلاء فلما رأى ذلک عمرو كتب إلى عمر بن الخطاب بذلک فكتب له: أن قد أصبت بالذي قلت و إن الإسلام يهدم ما كان قبله و بعث بطاقة في داخل كتابه و كتب إلى عمرو: إني قد بعثت إليک ببطاقة في داخل كتابي فألقها في النيل فلما قدم كتاب عمر إلى عمرو بن العاص أخذ البطاقة ففتحها فإذا فيها: من عبد الله عمر بن الخطاب أمير المؤمنين إلى نيل مصر أما بعد: فإن كنت تجري من قبلک فلا تجر و إن كان الله يجريک فأسأل الله الواحد القهار أن يجريک فألقى البطاقة في النيل قبل الصليب بيوم فاصبحوا و قد أجراه الله تعالى ستة عشر ذراعا في ليلة واحدة فقطع الله تلک السنة عن أهل مصر إلى اليوم۔

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں آئے جب عجم کے مہینوں میں ایک دن آیا تو لوگوں نے کہا: اے امیر! ہمارے اس دریائے نیل کا ایک دستور ہے کہ وہ اس سے جاری ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ وہ کیا دستور ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ جب اس مہینے سے گیارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم کسی کنواری لڑکی کو تلاش کرتے ہیں جس کے ماں باپ زندہ ہوں پھر اس کے ماں باپ کو راضی کر کے اسے اچھے سے اچھے کپڑے اور زیور پہناتے ہیں پھر اس کو اس دریا

---

[1] (تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۱۳)

میں ڈال دیتے ہیں، حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا اب اسلام میں یہ بات کبھی نہ ہو گی اور بے شبہ اسلام پہلے مراسم کو مٹا دیتا ہے تو وہ لوگ ٹھہرے رہے اور نیل تھوڑا بہت کچھ بھی جاری نہ ہوا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اس علاقے سے نکل جانے کا قصد کیا، جب حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حال دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی اطلاع بھیجی، انہوں نے جواباً لکھا تم نے جو کچھ کیا نیک کیا اور بے شک اسلام پہلے مراسم کو مٹا دیتا ہے، اور خط کے اندر ایک پرچہ بھیجا اور حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میں تمہاری طرف اس خط کے اندر ایک بھیجتا ہوں اس کو دریائے نیل میں ڈال دو، پس جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پرچہ کھولا تو اس میں یہ لکھا پایا: یہ پرچہ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف ہے، اما بعد: اے نیل! اگر تو پہلے باختیار خود جاری تھا تو بے شک جاری نہ ہو، اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ جاری کرتا تھا تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں جو واحد ہے زبردست ہے کہ تجھ کو جاری کرے چنانچہ یہ پرچہ دریائے نیل میں ستارہ صلیب کے طلوع سے ایک دن پہلے ڈال دیا، صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ گہرے پانی کے ساتھ جاری کر دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اہل مصر سے یہ رسم بد بند کر دی آج تک۔[1]

اس روایت سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں بیٹھے صدہا کوس کے فاصلے سے غیبت میں اہل مصر کے لئے دریائے نیل کو دوبارہ جاری کر دیا، اسی طرح اہل اللہ دور بیٹھے استعانت کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

(۲) یہ اعانت بصورت دعا تھی یعنی:

اسأل اللہ الواحد القھار ان یجریک۔

اے نیل! میں خداوند واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے۔

چنانچہ دعا فوراً قبول ہوئی، اور دریا جاری ہو گیا، اسی طرح باقی تمام اہل اللہ کی امداد و اعانت بھی بالاستقلال نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا بوجہ تقرب خاص قبول ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں شرک کا کون سا شائبہ ہے؟

(۳) اسمائے "الواحد القھار" کے ذکر میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ اختیار و قدرت اکیلے خداوند تعالیٰ کا حق ہے کسی مخلوق کا یہ حق نہیں، اور وہ سب سے زبردست اور سب پر غالب ہے، خصوصاً **ان کنت تجری** الخ کے لفظ نے اس توحید حق اور عجز

[1](تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۱۳)

مخلوق کو اور بھی واضح کر دیا جس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی استعانت و اعانت کی تہہ میں کمال توحید مضمر ہوتی ہے، کوتاہ اندیش لوگ اپنی تنگ نظری سے اس کو شرک سمجھ رہے ہیں۔

(۴) اگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پرزہ کاغذ کو کھولے بدوں دریا میں ڈال دیتے اور کوئی اس کے توحید آموز مضمون پر آگاہ نہ ہوتا اور دریا اس عمل کی بدولت جاری ہو جاتا تو شاید کج فہم لوگ اس فعل کو معاذ اللہ خاص حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل تاثیر و تصرف کا شبہ کرتے، اسی طرح کج فہم و کوتاہ اندیش لوگ بزرگان دین کی اعانت اور متوسلین و معتقدین کی استعانت کو اپنی نادانی سے شرک سمجھ بیٹھتے ہیں، کیونکہ ان کو نہ ان حضرات کی نیت کا پتہ ہے نہ ان کے مضمون دعا اور فحوائے سخن کی خبر ہے نہ شروع توحید اور وجوہ شرک پر نظر ہے، بس اعانت و امداد کا ذکر آیا اور جھٹ کفر و شرک کا فتویٰ جڑ دیا۔

الامام الربانی مجدد الف ثانی، کاشف الاسرار الازلیۃ، مفیض الانوار السرمدیۃ المخصوص باللطف الخفی حضرت الشیخ احمد السرھندی نے اپنے ایک مکتوب میں اس مضمون پر خوب روشنی ڈالی ہے جو اُن متوہم طبائع کے لئے جن کو ہر ذرہ کی حرکت اور ہر پتے کی جنبش میں شرک کا وہم دامن گیر ہوتا رہتا ہے نہایت سبق آموز ہے، وھو ھٰذا۔

سوال: از حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجھہ و از بعضے دیگر اولیاء اللہ نیز منقول ست کہ بعضے از اعمال غریبہ و افعال عجیبہ پیش از وجود عنصری بقرون متطاولہ ازیشان درعالم شہادت بوقوع آمدہ است، صحت آں بے تجویز تناسخ چگنہ است؟

ترجمہ: سوال۔۔۔۔ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اور بعض دیگر اولیاء اللہ سے یہی منقول ہے کہ ان سے ان کے وجود عنصری سے قرنہا قرن پہلے بعض احوال غریبہ اور افعال عجیبہ ظاہری عالم میں واقع ہوئے ہیں اس کے ثبوت کی کیا صورت ہے جبکہ اس سے تناسخ لازم نہ آئے؟

جواب: (۱) صدور آں اعمال و افعال از ارواح ایں بزرگواراں است کہ بمشیت اللہ سبحانہ خود متسجد باجساد گشتہ مباشر افعال عجیبہ گشتہ اند جسد دیگر نیست کہ بآں تعلق گیرند، تناسخ آں ست کہ روح پیش از تعلق بایں جسد بجسد دیگر کہ مبائن و مغائر آں روح ست تعلق گرفتہ باشد و چوں خود متجسد بجسد گردد تناسخ چہ بود؟

(۲) جنیاں کہ متشکل باشکال میگردند و متجسد باجساد مے شوند۔ و دریں حال اعمال عجیبہ کہ مناسب ایں اشکال و اجساد است بوقوع مے آرند ہیچ تناسخ نیست و ہیچ حلولے نہ، ہر گاہ جنیاں را بتقدیر اللہ سبحانہ

ایں قدرت بود کہ متشکل باشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند، ارواح کُمل راا گرایں قدرت عطا فرمایند چہ محل تعجب است وچہ احتیاج ببدن دیگر؟

(۳) ازیں قبیل ست آنچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل مے کنند کہ دریک آن درامکنہ متعددہ حاضر مے گردند۔ وافعال متباینہ بوقوع مے آرند۔ این جانیز لطائف ایشاں متجسد باجساد مختلفہ اند ومتشکل باشکال متباینہ۔

(۴) وھم چنیں عزیزے کہ مثلا در ھندوستان توطن دارد وازاں دیار نہ برآمدہ است۔ جمع از حضرت مکہ معظمہ مے آیند ومیگویند کہ آں عزیز را در حرم کعبہ دیدہ ایم وچناں وچنیں درمیان ماوآں عزیز گزشتہ است، وجمعے دیگر نقل مے کنند کہ ماورادر روم دیدہ ایم، وجمع دیگر در بغداد دیدہ اند۔ ایں ھمہ تشکل لطائف آں عزیز است باشکال مختلفہ۔ وگاہ ھست کہ آں عزیز راازاں تشکلات اطلاع نبود لھٰذا در جواب آں جماعت گاہ مے گویند کہ ایں ھمہ بر من تھمت است من از خانہ نہ برآمدہ ام وحرم کعبہ راندیدہ ام۔ وروم وبغدادرا نمی شناسم ونمی دانم کہ شماچہ کسانید؟

(۵) وھم چنیں ارباب حاجات از اعزہ احیا واموات در مخاوف ومھالک مددھا طلب مے نمایند ومے بینند کہ صورآں اعزہ حاضر شدہ ودفع بلیہ ازیں ھانمودہ است، گاہ ھست کہ آں اعزہ است وایں تشکل گاہ درعالم شھادت بودہ وگاہ درعالم مثال۔

(۶) چنانچہ دریک شب ھزار کس آں سرور راعلیہ وآلہ الصلوۃ والسلام بصور مختلفہ درخواب مے بینند واستفادھا مے نمایند۔ ایں ھمہ تشکل وصفات لطائف اوست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بصورت ھائے مثالی۔ وھم چنیں مریداں از صور مثالی پیران استفادھا مے نمایند وحل مشکلات میفرمایند۔ الخ

جواب (۱): ان اعمال وافعال (یعنی اعمال عجیبہ) کا صدور ان بزرگوں کی ارواح سے ہے جو اللہ سبحانہ کے ارادے سے خود مجسم باجسام ہو کر افعال عجیبہ صادر کرتی ہیں کوئی دوسرا جسم نہیں ہوتا جس کے ساتھ ان کا تعلق ہوا ہو، تناسخ یہ ہے کہ روح اس جسم کے ساتھ متفق ہونے سے پہلے کسی دوسرے جسم سے جو اس جسم سے جداگانہ اور علیحدہ ہو متعلق ہو چکی ہو اور جب وہ روح خود مجسم ہوتی ہے تو تناسخ کا احتمال ہی کیا؟

جواب(۲): جنات جو مختلف شکلیں بنالیتے ہیں اور گوناگوں جسم اختیار کر لیتے ہیں اور اس حالت میں عجیب عجیب کام جو ان شکلوں اور جسموں کے لئے مناسب ہوں وقوع میں لاتے ہیں تو یہ نہ تناسخ ہے نہ علول ہے، جب جنات کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قدر قدرت حاصل ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں نمودار ہو کر عجیب اعمال کرتے ہیں تو کاملین کی ارواح کو بھی اگر اس قدر طاقت بخشی جائے تو کون سا تعجب کا مقام ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا ضرورت ہے؟

جواب(۳): اس قبیل سے ہے ہر وہ جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آن میں مختلف مقامات کے اندر وہ حاضر ہو جاتے ہیں اور افعال گوناگوں وقوع میں لاتے ہیں، یہاں بھی ان کے لطائف مجسم باجسام مختلف ہوتے ہیں اور متشکل باشکال متفرقہ۔

جواب(۴): اسی طرح کوئی بزرگ جو مثلاً ہندوستان میں مقیم ہے اور اس ملک سے باہر نہیں نکلا، ایک جماعت جو مکہ معظمہ کی حاضری سے آرہی ہے اور کہتی ہے کہ اس بزرگ کو ہم نے حرم کعبہ میں دیکھا، اور فلاں فلاں باتیں ہمارے اور ان کے مابین ہوئیں۔ اور ایک گروہ نقل کرتا ہے کہ ہم نے ان کو روم میں دیکھا ہے، اور ایک جرگہ نے بغداد میں ان کو دیکھا ہے، یہ تمام ان بزرگ کے لطائف کی شکلیں ہیں مختلف صورتوں میں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان بزرگ کو ان تشکلات کی خبر تک نہیں ہوتی، لہٰذا وہ ان لوگوں کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں مجھ پر تہمت ہیں، میں گھر سے باہر نہیں نکلا اور نہ حرم کعبہ کو دیکھا ہے، نہ میں روم و بغداد کو جانتا ہوں، اور میں نہیں جانتا کہ تم کون لوگ ہو؟

(۵) اور اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور وفات یافتہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے مواقع میں مدد و اعانت طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتیں حاضر ہو کر ان لوگوں سے بلائیں دور کرتی ہیں، اور کبھی ایسا ہوا ہے کہ ان بزرگوں کو ان بلاؤں کے دور کرنے کی خبر ہوئی اور کبھی نہیں ہوئی، ہمارا تمہارا تو ایک بہانہ ہے، یہ ہی ان بزرگوں کے لطائف کا تشکل ہے اور یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔

(۶) چنانچہ ایک رات میں ہزار آدمی آنحضرت ﷺ کو مختلف صورتوں میں خواب کے اندر دیکھتا ہے اور استفادہ کرتا ہے یہ سب تشکل آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات کا ہے جو مثالی صورتوں میں ہے، اور اسی طرح مرید پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور وہ مشکلات حل کرتے ہیں۔ الخ۔[1]

---

[1](مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۵۸)

حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے گراں قدر سبق

اس تقریر سے ہم کو پانچ گراں قدر سبق ملتے ہیں:

قولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ''صدور آں اعمال و افعال از ارواح آں بزرگواراں است''۔ سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ارواح وجود عنصری سے پہلے بھی افعال عجیبہ کی مظہر ہو سکتی ہیں اور طرح طرح کی شکلوں میں ظاہر ہو کر امور تکوینی میں تصرفات باذن حق بجالا سکتی ہیں، پس وجود عنصری میں آکر ان کا اپنے متوسلین کی امداد و اعانت کرنا تو بطریق اولیٰ جائز ہو گا۔

(۲) ھر گاہ جنیاں رابتقدیر اللہ سبحانہ الخ''۔ سے ظاہر ہے کہ جب جنات آن واحد میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں اور کچھ کا کچھ کر دکھاتے ہیں تو کاملان مقربین بفضل خدا ان سے بڑھ کر طاقت رکھتے ہیں، ان کا ان سے زیادہ عجیب کام کر دکھانا بطریق اولی المتوقع ہے، پس اگر وہ صدہا و ہزار ہا کوس سے اپنے متوسلین کی مدد کریں، یا ان کی صورت مثالیہ پہنچ کر مدد کرے تو اس میں کیا استبعاد و استعجاب ہے؟

(۳) ''وھم چنیں ارباب حاجات از اعزہ احیاء اموات الخ''۔

اس بیان سے استمداد و استعانت کا مسئلہ روز روشن کی طرح واضح دلائح ہو گیا، منکرین، معترضین چشم بصیرت کھول کر غور کریں اور اپنی کج فہمی سے باز آئیں، مجدد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاف فرماتے ہیں کہ:

''مرید اپنے پیر کامل سے خواہ وہ زندہ ہو یا واصل بحق ہو چکا ہو غیبت میں استمداد کرے تو پیر کی صورت حقانی ہزار کوس سے اس کی مدد کو پہنچ سکتی ہے''۔

(۴) ''از ماو شما بھانہ بر ساختہ اند''۔ میں ایک اشارہ مضمر ہے کہ یہ استعانت و استمداد جو ایک فانی فی اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے در حقیقت خدا ہی سے استمداد ہوتی ہے اور اس وقت خدا ہی اس مضطر و مستعین بندے کی اعانت فرماتا ہے۔ اور وہ بحکمت تسبیب اس کے مرشد کی صورت مثالی کو اس کی مدد کے لئے بھیج دیتا ہے، چنانچہ ممکن ہے کہ اس کے مرشد کو اس سارے واقعہ کی خبر بھی نہ ہو، کیونکہ خاص خدا ہی مددگار ہے، اسی نے یہ سارے سامان امداد کئے ہیں مگر اس نے مرید کے اعتقاد کے موافق اور اس کی محبت مرشد کے تقاضے سے مرشد کی صورت کو اس کے پاس بھیج دیا جس سے مرشد کا آگاہ ہونا ضروری نہیں۔

(۵) ''مریداں از صور مثالی پیران استفادہ ھامے نمایند''۔ سے مذکورہ تقریر کی تائید کے علاوہ یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے: کہ مرید لوگ اپنے پیروں کی روحانیت سے علوم و معارف اخذ کرنے اور مقامات کی ترقی حاصل کرنے کا بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ بھی صریحاً استمداد و استعانت ہے۔

مکتوبات شریف کے ایک مقام پر راقم نے پڑھاہے (دفتر اور مکتوب یاد نہیں) کہ ایک سائل نے حضرت مجدد صاحب سے سوال کیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ تمام اولیاء سے ان کی ولایت وفات کے بعد سلب ہو جاتی ہے، مگر چار سے سلب نہیں ہوئی، اس کا مطلب کیاہے؟

حضرت مجدد اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے مگر سلب ولایت سے یہ مطلب نہیں کہ ان کے مراتب قرب سلب ہو جاتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ امور تکوینیہ میں ان کے تصرفات بند ہو جاتے ہیں۔ (او کماقال)

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بزرگان دین زندگی میں امور تکوینیہ میں تصرف کرنے کی قدرت باعطائے حق رکھتے ہیں جس سے متوسلین کا استمداد و استعانت حق بجانب ٹھہرتاہے۔

اس مقام پر مکتوبات شریف کے حاشیے میں لکھاہے: کہ وہ چار بزرگ جو وفات کے بعد بھی گوناگوں تصرفات و کرامات کے مظہر ہیں:

(ایک) غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(دوسرے) خواجہ بزرگ سید بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ ہیں۔

دو اور بزرگوں کا نام درج ہے جو اس وقت یاد نہیں۔

اسی کتاب کے حاشیئے میں ایک موقع پر حضرت مرزا جان جاناں مظہر شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے اپنے مستمدین کی مدد و اعانت فرمانے کا ذکر نقل کیاہے۔ وھو ھذا۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنے مستمدین و معتقدین کو مدد پہنچانا:

حضرت خواجہ نقشبند بحال معتقدان خود مصروف است، مغلاں در صحرا یا در وقت خواب اسباب و اسپان خود بحمایت حضرت خواجہ مے سپارند و تائیدات از غیب همراه ایشاں می شود۔ دریں باب حکایات بسیار ست۔

ترجمہ: حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے معتقدوں کے حال پر مصروف ہیں، مغل لوگ جنگلوں میں یا سوتے وقت اپنے اسباب اور گھوڑوں کو حضرت خواجہ کی حمایت کے سپرد کر دیتے ہیں اور غیب سے تائیدات ان کے شامل حال ہو جاتی ہیں، اس بارے میں بکثرت حکایات منقول ہیں۔[1]

[1] (حاشیہ مکتوب ۵۸/ دفتر دوم)

مجاز اور حقیقت کے دلائل

(۱) انبتت الربیع البقل۔ بارش نے ساگ اُگایا۔

دیکھیئے اس میں بارش کو ساگ اُگانے والا بتلایا ہے حالانکہ حقیقتاً اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو گویا یہاں بارش بطور مجاز عقلی اُگانے والی ہے۔ اس قسم کے نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں چنانچہ:

(۲) اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (البقرۃ ۶۱)

زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہمارے لیے نکالے کچھ ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔

اس میں زمین کو اگانے والا بتایا ہے، حالانکہ حقیقتاً اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو گویا یہاں زمین بطور مجاز عقلی اُگانے والی ہے۔

(۳) سورۃ المومن میں ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ (۳۶) أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا (غافر ۳۷)

"اور فرعون بولا اے ہامان میرے لیے اونچا محل بنا شاید میں پہنچ جاؤں راستوں تک کاہے کے راستے آسمانوں کے تو موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میرے گمان میں تو وہ جھوٹا ہے۔"

دیکھیئے اس میں مینار یا محل کی بناء کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی ہے، جو بطور مجاز کے ہے، اس لیے کہ وہ تو سبب اور حکم دینے والا ہے، ورنہ دراصل مینار بنانے والے تو معمار تھے۔

(۴) اللہ تعالیٰ دین حق کی تبلیغ کے لیئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کو مقرر کرتے ہوئے سورۃ القصص رکوع نمبر ۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا (القصص ۳۵)

فرمایا قریب ہے کہ ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوت دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ تم دونوں کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے ہماری نشانیوں کے سبب۔

دیکھیئے بازو کو قوت دینے کی نسبت ہارون علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ قوت دینے والا ہے مگر بطور مجاز کے ایسا فرمایا کیونکہ یہ عالم اسباب کا ایک سبب ضروری تھا۔

(۵) حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو کلمہ ء حق کی طرف پکار پکار کر تھک جاتے ہیں تو بارگاہ الٰہیٰ میں یوں عرض کرتے ہیں:

قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا (۲۱) وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا (نوح ۲۲)

"نوح نے عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کے پیچھے ہو لیے جسے اس کے مال اور اولاد نے نقصان ہی بڑھایا اور بہت بڑا داؤ کھیلے۔"

یہاں خسران و نقصان کی نسبت مال و اولاد کے ساتھ مجازی ہے کیونکہ یہ چیزیں نقصان رساں نہیں بلکہ ان کو نقصان پہنچتا ہے اور نقصان رساں اللہ تعالیٰ ہے۔

(۶) قرآن مجید کی تعلیم کی بابت سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہوتا ہے:

الرَّحْمَنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (الرحمن ۲) رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

اور سورۃ النجم میں ارشاد ہوتا ہے:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى (النجم ۵)

انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

دیکھیے بظاہر دونوں آیتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو بالکل متضاد نہیں ہیں، کیونکہ آیت اول حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ دراصل قرآن مجید کا سکھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور دوسری آیت مجاز کو ظاہر کرتی ہے، یعنی بظاہر جبرئیل علیہ السلام نے قرآن کو سکھلایا۔

(۷) ارواح کو قبض کرنے کی بابت سورۃ الزُمر، رکوع نمبر ۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (الزمر ۴۲)

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔"

اور سورۃ السجدہ میں ہے:

قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (السجدۃ ۱۱)

"تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔"

دیکھیے دونوں آیتیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں، اگر بنظر غور دیکھا جائے تو ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ آیت اول حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ دراصل مارنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آیت دوسری مجاز کو ظاہر کرتی ہے کہ بظاہر ملک الموت مارنے والا ہے۔

(۸) جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ۱۰)

"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

دیکھیے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے فعل کو اللہ تعالیٰ کا فعل اور آپ ﷺ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فرمایا گیا ہے، گویا اس میں حقیقت اور مجاز دونوں ہیں، کیونکہ بظاہر تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرتے تھے اور آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا تھا، مگر دراصل یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور خلیفۃ اللہ تعالیٰ تھے، اس واسطے آنحضرت ﷺ کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کا فعل قرار پایا۔

جب جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے کفار کی طرف کنکروں اور مٹی کی مُشت بھر کر پھینکی تو وہ ان سب کی آنکھوں، منہ اور ناک میں جا پہنچی، جس کے باعث ان (کفار) کو شکست فاش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال کے دوسرے رکوع میں ارشاد فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (الانفال ۱۷)

"اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔"

دیکھیے اس آیت میں حقیقت اور مجاز دونوں ہیں، گو آیت میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس میں بالکل اختلاف نہیں ہے، کیونکہ مارمیت (یعنی نہیں پھینکی تونے) سے حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ حقیقت میں پھینکنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اذرمیت (یعنی جب تونے پھینکی) سے مجاز کی طرف۔ کیونکہ بظاہر اس کو حضور ﷺ نے ہی پھینکا تھا۔

(۹) اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو سورۃ الشوریٰ رکوع نمبر ۵ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۵۲) صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (الشوری ۵۲-۵۳)

"اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو اللہ کی راہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔"

اور سورۃ القصص میں ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (القصص ۵۶)

"بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔"

دیکھیئے بظاہر یہ دونوں آیتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان میں بالکل اختلاف نہیں ہے، کیونکہ آیت اول مجاز کو ظاہر کرتی ہے کہ بظاہر ہدایت دینے والے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور دوسری آیت حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ دراصل ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (۴۹) أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا (الشوریٰ ۵۰)

”اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کردے۔“

دیکھیئے ان آیات میں بیٹے بیٹیاں پیدا ہونا یا بانجھ ہونا بحکم الٰہی مذکور ہے جس میں تبدیلی ناممکن ہے ایسے صریح حکم کے باوجود پھر بھی ان صورتوں کا مریض ضرور علاج معالجہ کراتا ہے۔ بعض اوقات ادویات سے کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو وہ مجازاً کہہ دیتا ہے کہ فلاں دوا یا فلاں حکیم کے علاج سے میں تندرست ہوا، اور میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ تو یہ سب مجازی صورتیں ہیں ایسا کہنا جائز ہے۔ ہاں فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو دل میں جاننا چاہیئے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (۱۶) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۷) قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْکَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (مریم ۱۸)

اور کتاب میں مریم کو یاد کرو جب اپنے گھر والوں سے پورب (مشرق) کی طرف ایک جگہ الگ گئی تو ان سے ادھر ایک پردہ کر لیا تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

مریم علیہ السلام کو تیرھواں یا پندرھواں سال تھا کہ حیض ہوا، بعد ایام معمولی نہانے کے لیے لوگوں کی طرف سے پردہ کر کے ایک پُورب رُخ جگہ جابیٹھیں تو جبرئیل علیہ السلام خوبصورت جوان مرد بن کر ان کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

مریم علیہ السلام نے اجنبی مرد کو دیکھ کر خدا کا واسطہ دیا اور نا محرم کے اپنے سامنے سے ہٹ جانے کی خواہاں ہوئیں تو جبرئیل علیہ السلام نے اپنے فرشتہ ہونے کا اظہار کر کے آنے کی وجہ ظاہر کی:

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّکِ لِأَهَبَ لَکِ غُلَامًا زَكِيًّا (مریم ۱۹)

”بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔“

دیکھیئے یہاں جبرئیل علیہ السلام نے لڑکا عطاء کرنے کی نسبت اپنی طرف کی حالانکہ دراصل لڑکا دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۱۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (آل عمران ۴۹)

"میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سپید داغ والے کو اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔"

دیکھیئے یہاں بظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اندھے اور کوڑھی کو شفایاب کر دینے اور غیب کا احوال بتادینے کی نسبت اپنے ساتھ مجازاً کی ہے ورنہ ان باتوں کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

(۱۳) حدیث شفاعت کو دیکھیئے کہ لوگ بروز حشر آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے، پھر درجہ بدرجہ دوسرے انبیاء علیہم السلام اللہ علیہ سے فریاد کریں گے، پھر محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ سے فریاد کریں گے، انبیاء علیہم السلام کا فریاد کو پہنچنا مجاز کے طور پر ہے، ورنہ حقیقی فریادرس اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ندا ریم غیـــر از تو فریادر ســـں توئی عـــاصیـــاں راخطا بخش و بـــس

ترجمہ: ہم تیرے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں رکھتے، تو ہی گناہگاروں کے گناہ معاف فرمانے والا ہے اور بس۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک گنوار رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

بما اعرف انک نبی؟

ترجمہ: میں کس دلیل سے جانوں کہ آپ نبی ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

قال إنْ دعوتُ هذا العِذْقَ مِنْ هذِهِ النخلَةِ تشهدُ أنّي رسولُ اللهِ۔

ترجمہ: میں اس کھجور کے درخت میں سے اس خوشہ کو بلاؤں اس حال میں کہ گواہی دے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

فدعاه رسولُ اللهِ - ﷺ -، فجعل ينزلُ من النخلةِ حتى سقط إلى النبيِّ - ﷺ -، ثم قال: ارجِعْ، فعاد، فأسلم الأعرابيُّ۔

ترجمہ: پس آپ ﷺ نے اس کو بلایا وہ خوشہ کھجور کا اترنے لگا، یہاں تک کہ وہ زمین پر آپ ﷺ کی طرف آگرا اور گواہی دی، پھر فرمایا چلا جا، پس وہ جہاں سے آیا تھا چلا گیا، پھر وہ اعرابی اسلام لایا۔[1]

(۱۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ایک گنوار آیا، جب وہ نزدیک ہوا تو اس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله؟

ترجمہ: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی کہ محمد ﷺ اس کا بندہ ہے اور اس کا رسول؟

گنوار نے کہا:

ومن يشهد على ما تقول؟

ترجمہ: اور کون ہے جو اس پر گواہی دے جو تم کہتے ہو؟

یعنی رسالت کا دعویٰ جو کرتے ہو کوئی چیز غیر جنس انسان سے بطور معجزے کے گواہی دے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

هذه السَّلَمَةُ، فدعاها رسولُ اللهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ وهو بشاطئِ الوادي، فأقبلَتْ تَخُدُّ الأرضَ حتى قامت بين يَدَيْهِ، فاستَشْهَدها ثلاثًا، فشَهِدَت ثلاثًا أنه كما قال، ثم رَجَعَتْ إلى مَنْبَتِها۔

ترجمہ: یہ کیکر کا درخت گواہی دے گا، آپ ﷺ نے اس کو اس حال میں بلایا کہ آپ ﷺ نالے کے کنارے پر ٹھہرے ہوئے تھے وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آیا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا آپ ﷺ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی درخت نے تین بار گواہی دی کہ واقعی میں اس طرح ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ (دارمی)

(۱۶) عن طاوس بن كيسان اليماني: منْ أحيا مَواتًا منَ الأرضِ، فهوَ لهُ، وعاديُّ الأرضِ للهِ ولرسولِهِ، ثم هي لكُم مِنِّي۔

ترجمہ: حضرت طاؤس سے بطریق ارسال کے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص بے آباد زمین کو آباد کرے وہ اس کے واسطے ہے اور قدیم زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے (یعنی اس میں تصرف کرتا ہوں جس طرح چاہتا ہوں اور اس کے آباد کرنے کا اذن دیتا ہوں) پھر وہ میری طرف سے تمہارے واسطے ہے۔[2]

---

[1] (الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٣٦٢٨•)

[2] (ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، المطالب العالية ٢/١٣٥• وأخرجه موصولاً البزار (٣٣٩٣)، والطبراني (١٣/١٧))

(یعنی آنحضرت ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے)۔

دیکھیے اس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے صاف فرمادیا کہ قدیم زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے ہے، بھلا اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہونے میں تو کسی کو شک نہیں ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی ملکیت کس طرح ہو سکتی ہے؟ یہ اختیار ان کو کس نے دے رکھا تھا؟ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (آل عمران ۱۲۹)

"اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔"

باوجود ایسے صریح حکم کے رسول اللہ ﷺ نے کس دعوے سے یہ فرمادیا کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے واسطے ہے؟ معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا بھی ہے۔

اسی واسطے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هي لكم مني۔

گویا آپ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے آپ کی تابعداری اللہ تعالیٰ کی تابعداری ہے۔

چنانچہ سورۃ النساء رکوع نمبر ۱۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ (النساء ۸۰)

"جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔"

دراصل یہ اختیار مجاز عقلی ہے، ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی مختار ہے۔

(۱۷) عن جابر بن عبدالله: إنَّ إبراهيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وإنّي حَرَّمْتُ المَدِينَةَ ما بيْنَ لابَتَيْها، لا يُقْطَعُ عِضاهُها، ولا يُصادُ صَيْدُها۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم قرار دیا اور میں نے مدینہ منورہ کو حرم بنایا ہے اس کی دوسنگلاخ زمینوں کے مابین اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ اس میں شکار کیا جائے۔[1]

اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ:

فعليه لعنةُ اللهِ وملائكتِهِ والنّاسِ أجمعينَ۔

جو کوئی ایسا کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے۔

[1] (مسلم (ت ۳۶۱)، صحیح مسلم ۱۳۶۲] صحیح)

اس حدیث شریف سے رسول اللہ ﷺ کا کس قدر اختیار ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ کو حرم بنایا جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا۔ اگر آپ کو کوئی اختیار نہ تھا تو آپ ﷺ نے ایسا کیوں کر ارشاد فرمایا۔ کیا آپ خلاف حکم خدا کوئی امر فرما سکتے تھے؟ نہیں ہر گز نہیں، بلکہ آپ ﷺ کا فرمانا عین اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے۔ غرض آپ کو اختیار مجاز عقلی ہے ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی مختار کُل ہے۔

توسل بالغیر کی قسمیں

توسل بالغیر کی چار قسمیں بتفصیل ذیل ہیں:

(۱) کسی غیر اللہ کو تمام امور عادیہ وغیر عادیہ یا بعض میں ہر وقت اور ہمیشہ یا خاص وقت میں بغیر اعطائے الٰہی قادر بالذات جان کر امر مقدور میں استعانت کرے۔

(۲) غیر اللہ سے جب استمداد کی جائے تو اس کو قادر بالذات نہ سمجھا جائے اور جو امور عادیہ عادتاً طاقت بشریہ میں داخل ہیں اور عادتاً بحسب الاسباب بندہ کو ان کا فاعل مختار کیا جائے اور شرعاً بھی وہ افعال بندے کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور باوجود طاقت بشریہ میں داخل ہونے کے جس سے استعانت کی گئی ہے اس سے استقلال قدرت کا توہم نہ ہو ایسے امور عادیہ میں استعانت کی جائے۔

(۳) کوئی نبی اعجازاً یا کرامتاً اپنی ذات کے لیے یا دوسرے نبی یا ولی کے لیئے کسی شخص خاص یا گروہ سے خاص وقت میں کسی خاص امر کی نسبت یوں فرمائے کہ فلاں شخص فلاں وقت جو چاہے، یا فلاں کام جب چاہے ہم سے یا فلاں سے چاہے تو اس کا مطلب ہو جائے گا ہم کر دیں گے۔ (اور مثل انبت الربیع کے یہ اسناد مجازی ہی ہوتی ہیں) یا کسی شخص نے بدوں اجازت اپنی حالت شوق و بے اختیاری میں کسی برگزیدہ بندے سے استعانت کی اور وہ امر مقدور تھا ہو گیا جس میں اس ولی کو کچھ نہیں بلکہ ممکن ہے اسے اطلاع بھی نہ ہو یا اطلاع بھی ہو اور دخل بھی ہو مگر وہی اعجاز یا کرامت کی صورت ہو۔ یا کسی صاحب کشف کو معلوم ہو۔ مگر یہ کام جب ہو گا کہ فلاں بزرگ کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں اس کی ہمت کی ضرورت بطور کرامت ہو گی۔ یا مرید حسب استعداد اموت تعلیمیہ ء سلوک میں اپنے شیخ سے استعانت اور استمداد کرے جیسے ظاہری علوم کے کے تلامذہ اپنے اساتذہ سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۴) کسی غیر اللہ میں حی یا میت کی طرف یہ عقیدہ ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا ہے او قدرت کاملہ تامہ عنایت فرمائی ہے کہ وہ شخص ہر قسم کی مرادات جس کو جس طرح جس وقت چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ اب وہ بعد عطائے الٰہی مستقل ہے، وہ بزرگ جب کسی شے کے عطاء کرنے کا ارادہ کسی کو فرمائے تو ملنا ضرور ہے، جس وقت کہیں سے کوئی شخص اس

کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا کسی جنگل کو ہ بیابیا آبادی میں ندا کرتا ہے وہ اس کی توجہء قلبی کو جانتا ہے اس کی آواز کو سنتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ کو یہ قدرت کاملہ عطا فرمائی تو اب سوال کرنا اور دعا مانگنا بھی اسی کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے۔

حکم اقسام مذکور:

پہلی صورت بالاتفاق کفر اور شرک ہے۔

چنانچہ شواہد الحق میں ہے:

و انت اذا نظرت الی کل فرد من افراد المسلمین عامتھم و خاصتھم لا تجد فی نفس احد منھم غیر مجرد التقرب الی اللہ تعالی لقضاء حاجتھم الدنیویۃ و الاخرویۃ بالاستغاثات و الزیارات لاولئک السادات مع علمھم بانھم عبید اللہ تعالیٰ لیس لھم من الامر شئی فقلوب المسلمین و جوارحھم و لحمھم و دمھم مجبولۃ و الحمد للہ علی توحید اللہ تعالیٰ وتکادانہ الافعال المطلق المستحق للتعظیم بالاصالۃ وحدہ لاشریک لہ وتعظیمھم لسواہ من خواص عبیدہ انما یکون بقدر منزلۃ ذلک العبد عند اللہ تعالیٰ لحسب ما علموہ۔

ترجمہ: اگر مسلمانوں کے ہر فرد خاص کو تو دیکھے گا تو ان کے دل میں (بزرگوں کے متعلق) سوائے اس کے اور کوئی بات نہ پائے گا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں اپنی قضائے حاجات کے لیے وسیلہ گردانتے ہیں اور اپنی دینی، دنیاوی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے ان کے تقرب کے طفیل مانگتے ہیں، نہ یہ کہ ان کو مستقل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ حضرات بذات خود اور بالاستقلال کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے۔ پس ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے دل کیا بلکہ اُن کے جوارح اور دل اور خون بھی ایسے ہیں کہ جن سے توحید کے قطرے ٹپکتے ہیں اور وہ باور کرتے ہیں کہ دینے والا وہی قادر مطلق ہے۔ باقی رہا دوسروں کی تعظیم تو وہ اس لئے کہ وہ خاص اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں شرعاً مستحق تعظیم ہیں۔[1]

حضرت قطب مدار ارشاد فرماتے ہیں:

فمن اعتقد ان للولی او غیرہ تاثیرا فی شئی فھو کافر باللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ولی یا غیر ولی کو کسی امر میں بالاستقلال تاثیر کرنے کا اختیار حاصل ہے پس وہ کافر ہے۔ اسی طرح چوتھی قسم بھی شرک اور کفر ہے۔ البتہ دوسری اور تیسری صورتیں جائز ہیں ان میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

---

[1] (شواھد الحق، ص ١٠٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

استعانت کی جائز وناجائز صورتیں:

السوال:طریق اربعین یعنی چلہ میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں کہ:
"استعانت واستمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ ایم"۔
استعانت واستمداد کے الفاظ ذرا کھٹکتے ہیں۔ غیر اللہ سے استعانت واستمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں؟ خالی الذہن ہونے کی تاویل کی توجیہہ بالکل جی کو نہیں لگتی ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔
الجواب: جو استعانت و استمداد بالمخلوق باعتقاد علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے۔ اور جو باعتقاد علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے۔ اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو معصیت ہے۔ اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم و قدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت ہو جائز ہے، خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت، اور جو استمداد بلاعتقاد علم و قدرت ہو، نہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق استمداد و مفید ہو تب بھی جائز ہے، جیسے:استمداد بالنار والماء والواقعات التاریخیة،ورنہ لغو ہے۔
یہ کل پانچ قسمیں ہیں۔ پس استمداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے۔ اور غیر صاحب کشف کے لئے محض ان حضرات کے تذکرہ و تصور سے قسم رابع کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کو اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفید ہے۔ اور غیر صاحب کشف کے لئے (جو مفید نہ ہو) قسم خامس ہے۔

استعانت از ارواح کے جواز پر مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ:

سوال: کسے صاحب باطن یا صاحب کشف بر قبور ایشاں مراقب شدہ چیزے اخذ مے تواند نمود یا نہ؟

سوال: کوئی شخص جو صاحب باطن ہو یا کشف والا ہو ان بزرگوں کی قبروں پر مراقبہ کرکے کوئی بات اخذ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مے تواند نمود۔

جواب: کرسکتا ہے۔

ٹھیک فرمایا حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے:

بر سر تربت ماچوں گزری ھمت خواہ　　　　که زیارت گہ رندان جہاں خواھد بود

ترجمہ: ہماری قبر کے پاس سے جب تو گزرے دعامانگ کیوں کہ دنیا بھر کے رند لوگوں کے لئے ہماری قبر زیارت گاہ ہوگی۔

صائب نے بھی خوب لکھاہے:

مشو بمرگ زامداد اھل دل نومید

کہ خواب مردم آگاہ عین بیداری ست

ترجمہ: موت کی وجہ سے اہل دل کی مدد سے ناامید نہ ہو کیوں کہ لوگوں سے واقف آدمی کی نیند عین بیداری ہوتی ہے۔

اور غنی نے خوب ہی گل کھلایاہے:

آب ورنگ مابعالم عاقبت گل میکند

برزمیں ھرچند چوں برگ حنا افتادہ ایم

ترجمہ: ہماری چمک دمک آخر کار دنیامیں اتنے پھول کھلایا کرتی ہے ہم زمین پر جس قدر برگ حنا کی طرح گرے ہوئے ہیں۔

استعانت و استمداد متنازعہ فیہ

استعانت کے تین محل ہیں:

اول: کسی انسان کی زندگی میں ہو۔

دوم: قیامت میں ہو۔

سوم: دونوں کے مابین، یعنی بعد ممات عالم برزخ میں ہو۔

پہلی اور دوسری صورت میں تو اختلاف نہیں ہے، البتہ تیسری صورت متنازعہ فیہ ہے۔

تیسری صورت یعنی بعد الممات استعانت بالغیر حق ہے، اور باستثنائے بعض فقہا باقی اہل سنت کا اس پر اعتقاد و اتفاق ہے، یہ شرعاً جائز ہے کوئی عقلی اور نقلی محذور لازم نہیں آتا۔

امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اعلم أنّه يجوز ويحسن التوسّل والاستغاثة والتّشفع بالنّبيّ صلى الله عليه وسلم إلى ربّه-سبحانه وتعالى-؛ وجواز ذلک وحسنه من الأمور المعلومة لكلّ ذي دين، المعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين وسير السّلف الصّالحين والعلماء، والعوامّ من المسلمين، والتوسل بالنبی ﷺ جائز فی کل حال قبل خلقه وبعده فی مدة حیاته فی الدنیا وبعد موته فی مدة البرزخ وبعد البعث فی عرصات القیامة والجنة۔

ترجمہ: واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں لے جانا جائز اور مستحسن ہے اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، سلف صالحین، علمائے اسلام اور عامۃ مسلمین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی وطیرہ ہے گویا یہ ایک معروف و معلوم چیز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی حیات سے پیش تر اور حیات میں اور عالم برزخ میں اور قیامت کے میدانوں میں اور جنت میں جائز ہے۔[1]

علامہ شیخ رملی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وللرسل والانبیاء والاولیاء اغاثۃ بعد موتھم لان معجزۃ الانبیاء وکرامۃ الاولیاء لاتنقطع بعد موتھم اما الانبیاء وانھم احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما وردت بہ اخبار فتکون الاغاثۃ منھم معجزۃ لھم والشھداء ایضاً احیاء شوھدوا نھارا جھارا یقاتلون الکفار واما الاولیاء فھی کرامۃ لھم۔

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے لئے بعد ممات فریادرسی ثابت ہے وجہ یہ ہے کہ انبیائے علیہم السلام کا معجزہ اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامت موت کے بعد منقطع نہیں ہوتی معجزۂ انبیائے کرام علیہم السلام تو اس لئے کہ اپنی قبروں میں وہ زندہ ہیں نمازیں پڑھتے اور حج کرتے ہیں پس ان کی فریادرسی تو ان کے لئے ایک قسم کا معجزہ ہے اسی طرح شہید بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ بظاہر روز روشن میں کفار سے جہاد کرتے ہیں اور اولیائے کرام کے لئے ایک کرامت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تکمیل الایمان میں تحریر فرماتے ہیں:

ودر استعانت واستمداد از قبور فقہاء را سخن است، ایشاں گویند کہ زیارت قبور در غیر انبیاء علیہم السلام از برائے عبرت اعتبار و تزکر موت بود یا برائے ایصال نفع و استغفار برائے موتی باشد، چنانچہ فعل آنحضرت در زیارت بقیع بصحت رسیدہ است و مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارھم گویند کہ تصرف بعضے اولیاء در عالم برزخ دائم و باقی است و توسل واستمداد بارواح مقدسہ ایشاں ثابت و موثر۔

(۱) وامام حجۃ الاسلام محمد غزالی می گویند کہ ھر کہ در حیات وے بوے توسل و تبرک جویند بعد از موتش نیز تواں جُست، وایں سخن موافق دلیل است چہ بقائے روح بعد از موت بدلالت احادیث واجماع علماء ثابت است، ومتصرف در حیات و ممات روح است نہ

[1] (الكَشْف المُبْدِي لتمويه أبي الحسن السُّبكيّ ج ا ص ۱۸۱)

بدن و متصرف حقیقی حق تعالیٰ است، وولایت عبارت از فنا فی اللہ و بقاء بدوست واین نسبت بعد از موت اتم واکمل است و نزد ارباب کشف و تحقیق مقابلہ مرات بمرات واولیاء را ابدان مکتسبہ مثالیہ نیز بود کہ بعد آں ظہور نمایند و امداد و ارشاد طالباں کنند۔ و منکراں را دلیل و برھان بر انکار آں نیست۔

(۲) یکے از مشائخ گفتہ است کہ چہار کس از اولیاء رادیدم کہ در قبر خود تصرف مے کنند مثل تصرف ایشاں در حالت حیات۔ یا بیشتر۔ ازاں جملہ شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی ودو دیگر راز اولیاء را نیز شمردہ۔ الخ۔

ترجمہ: اور قبور سے مدد و اعانت طلب کرنے میں فقہاء کو کلام ہے، وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا باقی لوگوں کی قبروں کی زیارت کرنا عبرت و نصیحت حاصل کرنے اور موت کو یاد کرنے کے لئے ہوتا ہے، یا مُردوں کے لئے ثواب پہنچانے یا بخشش طلب کرنے کے لئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا بقیع کے گورستان کی زیارت کو جانے عمل صحت کو پہنچ چکا ہے، اور مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم فرماتے ہیں: کہ بعض اولیاء کا تصرف عالم برزخ میں دائم و قائم ہے اور ان کی ارواح مقدسہ سے امداد چاہنا ثابت و مفید ہے۔

(۱) امام حجتہ الاسلام محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی زندگی میں اس کے ساتھ تبرک و توسل کیا جائے تو اس کی وفات کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور یہ بات دلیل شرعی کے موافق ہے، کیونکہ موت کے بعد روح کا باقی رہنا احادیث و اجماع علماء کی دلالت سے ثابت ہے اور زندگی و موت میں متصرف روح ہے نہ کہ بدن اور متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اور ولایت مراد فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے ہے اور یہ نسبت موت کے بعد اتم و اکمل ہے، اور ارباب کشف و تحقیق کے نزدیک زائر کی روح کا مقابلہ اہل مزارات کی ارواح کے ساتھ انوار و اسرار کے پرتو پڑنے کا باعث ہے، جیسے آئینہ کا مقابلہ آئینہ سے ہو۔ اور اولیاء اللہ کے لئے حاصل کردہ مثالی بدن بھی ثابت ہیں جن کے ساتھ وہ ظہور کرتے ہیں اور طالبوں لو امداد و ارشاد فرماتے ہیں، مُنکروں کو اس کے انکار پر کوئی دلیل و بُرہان نہیں ملتی۔

(۲) مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں نے چار ولی ایسے دیکھے جو اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں جس طرح وہ زندگی میں تصرف کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ، منجملہ ان کے شیخ معروف کرخی اور شیخ عبدالقادر جیلانی علیہما رحمہ اور دو اور اولیاء کرام شامل کئے۔ الخ۔

علامہ شیخ سید احمد دحلان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "تقریب الاصول تسہیل الوصول" میں فرماتے ہیں:

قد صرح کثیر من العارفین ان الولی بعد وفاتہ متعلق روحہ بمریدیہ فیحصل لھم ببرکتہ انوار و فیوضات قال و ممن صرح بذالک قطب الارشاد سیدی عبداللہ بن علوی الحداد فانہ قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ الولی یکون اعتنائہ بقرابتہ وملاوذین بہ بعد موتہ اکثر من اعتنائہ بھم فی حیاتہ لانہ فی حیاتہ کان مشغولا بالتکلیف و بعد موتہ طرح عنہ الاعباء و تجردو الحی فیہ خصوصیت و بشریۃ و رُبماغلبت احدھما الاخریٰ و خصوصاً فی ھذا الزمان فانھا تغلب البشریۃ و المیت مافیہ الا الخصوصیۃ۔

ترجمہ: بہت سے اولیائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ولی کی روح بعد وفات اپنے مریدوں سے متعلق ہوتی ہے جس کی وجہ سے مریدوں کو انوار اور فیوضات حاصل ہوتے ہیں اور فرمایا تصریح فرمانے والوں میں سے حضرت قطب الارشاد سیدی عبداللہ بن علوی الحداد ہیں انہوں نے فرمایا: کہ ولی اپنی موت کے بعد اپنے قرابت داروں اور پناہ گیروں کی ایسی حمایت کرتا ہے جو اس کی بحالت زندگی کی حمایت سے زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ زندگی میں مکلف تھا اور بعد موت یہ بوجھ اُٹھالیا گیا اور وہ محض مجرد ہو جاتا ہے اور زندہ میں ایک خصوصیت و بشریت ہوتی ہے جو آپس میں متغالب رہتی ہیں خصوصاً اس زمانے میں بشریت ہی اکثر غالب آتی ہے اور میت میں محض خصوصیت ہوتی ہے۔

توسل عقلاً اس لئے درست ہے کہ جب زمانہ ءحیات میں توسل جائز اور میدان قیامت میں نیز جائز تو بھلا کیوں؟ کیا انبیاء علیہم السلام ان ہر دو مقام میں خود مستقل ہو جاتے ہیں؟ اجازت الٰہی کی ضرورت اُٹھ جاتی ہے؟ نہیں ہر گز نہیں کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا، بلکہ وجہ وہی ہے جو پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ توسل کے معنی ہیں "دعا کرنا" یااللہ تعالیٰ سے بذریعہ کسی بزرگ مقبول معزز کے کوئی چیز طلب کرنا" پس اس میں کوئی محذور شرعی اور فتور عقلی لازم نہیں آتا۔ لہٰذا اسی معنی پر بعد ممات توسل اور وسیلہ کیوں منع کیا جاتا ہے کیا محذور شرعی لازم ہے؟ کچھ نہیں محض جہالت ہے اور دیدہ دانستہ انصاف سے چشم پوشی ہے۔ علاوہ اس کے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ احکام شرعی میں وسیلہ ٹھہرایا ہے تو اس کے بندہ نے اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو وسیلہ ٹھہرالیا ہے تو کون سا کُفر لازم آجاتا ہے؟ بلکہ یوں کہیے کہ ان حضرات کی پیدائش ہی محض اس لئے ہوتی ہے کہ مخلوقات کے لئے وسیلہ بنیں، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر ہی منحصر نہیں بلکہ جیسا کہ اُن کی حیات میں بندے اس بات کے محتاج ہیں کہ ان کے وسیلہ سے درگاہ ایزدی میں پہنچیں ویسے ہی بعد ممات عالم برزخ میں ان کی طرف محتاج ہیں کہ اُن کے ذریعہ سے بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جائیں۔ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ مجھے اب کوئی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب بن جاؤں اور وہاں تک پہنچ جاؤں؟ ہر گز نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بلاوسیلہ تقرب ممتنع ہے، ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بعد ممات بھی وسیلہ ہیں۔

بحث مجاز

کسی کلمہ کو جب کسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے تو یا تو وہ اسی معنی میں استعمال کیا جائے گا جس کے مقابلے میں واضع نے اس کو مقرر کیا ہے، یا کسی مناسبت کی وجہ سے کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں کلمہ حقیقت معنوی کہلاتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ اپنے حقیقی اور اصل معنی میں مستعمل ہوا ہے، جیسے زید کا لفظ بول کر اس کی ذات مراد لی جائے۔

اور دوسری صورت میں کلمہ مجاز لغوی کہلاتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ اصلی معنی کے علاوہ دوسرے معنی میں بوجہ کسی مناسبت کے مستعمل ہوا ہے۔ جیسے شیر بولا اور مراد زید لیا اب شیر کے لفظ سے زید جو بوجہ مناسبت شجاعت اور بہادری کے مراد لیا گیا ہے وہ مجازی ہے۔

اس قسم کی مثالیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا (الانعام ۱۲۲) ای کافرا۔

"اور کیا وہ کہ مُردہ تھا۔"

یہاں میت سے مراد کافر ہے۔

اور دوسری جگہ وارد ہے:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ (الانعام ۹۵) ای النطفة۔

"زندہ کو مردہ سے نکالے۔"

یہاں میت سے مراد نطفہ ہے۔ علی ہذا القیاس سینکڑوں مثالیں حدیث شریف میں بھی موجود ہیں۔

اسی طرح کبھی کلمہ کو ایسی چیز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جس کا وہ فعل نہیں ہوتا، اس کو مجاز فی النسبتہ اور مجاز عقلی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں پر مجاز صرف نسبت میں ہوتی ہے کہ جس کی طرف کلمہ منسوب حقیقۃً ہونا چاہیے تھا اس کی طرف نہیں ہوا، بلکہ کسی تعلق کی وجہ سے دوسری چیز کی طرف منسوب ہوا ہے۔ چنانچہ عرب کا عام محاورہ ہے۔

استمداد و توسل کی تین صورتیں

مطلب ان سے یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایک برگزیدہ بزرگ کے ذریعے سوال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کا مقبول و محبوب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اُس محبوب کے صدقے یا برکت یا مرتبے کے ذریعے سوال پورا کر دے۔

توسل کر نہیں سکتے خدا سے   اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اس کی تین صورتیں ہیں:

کسی بزرگ کے طفیل سوال کرنا

ایک یہ کہ سوال کرنے والا اللہ تعالیٰ سے کسی بابرکت بزرگ کے وسیلے سے سوال کرے، یعنی یوں کہے کہ خداوند! فلاں بزرگ کے طفیل میری یہ حاجت پوری فرما مثلاً:

یارب بمحمد و علی و زھرا   یارب بہ حسین و حسن و آل عبا

ترجمہ: اے پروردگار! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما کے طفیل، اے پروردگار! حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت آل عبا کے طفیل۔

از لطف بر آر حاجتم ھا دو سرا   بے منت خلق یا علی الاعلیٰ

ترجمہ: اے سب سے برتر ذات! دونوں جہانوں میں مخلوق کے احسان کے بغیر میری حاجت پوری فرما۔

اس صورت میں سوال در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے کیا گیا ہے بزرگ کا محض واسطہ ہے مُعطی اور موجد تو اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ کہ بزرگ۔

کسی زندہ بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا

دوسری صورت یہ ہے کہ (اس میں بھی دو مزید صورتیں ہیں):

ایک یہ کہ سوال کرنے والا کسی زندہ بزرگ سے کہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مراقبے میں کسی متوفی بزرگ کی روحانیت سے خطاب کر کے کہے کہ: میری فلاں مراد بر لائے اور میری فلاں تکلیف دور کرے مثلاً:

نبی الوریٰ ضاقت بی الحال فی الوریٰ   و انت لما املت فیک جدیر

فسل خالقی تفریح کربی فانہ   علیٰ فرجی دون الانام قدیر

مطلب یہ ہے کہ اے خدا کے نبی ﷺ! میرا حال تنگ ہے، آپ خدا سے دعا کر کے میری تنگی دور کرائیے کیونکہ وہ اس پر قادر ہے۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند یہ لکھتے ہیں:

دعا تری مرے طلب کے ہوا گر حامی   تو بخت بد کو ملے حق کے گھر سے بھی پھٹکار

اس صورت میں بھی سوال اللہ تعالیٰ ہی سے ہے بزرگ محض دعا گو ہے نہ مُعطی و مُوجد، عطاو ایجاد صرف اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے۔

کسی بزرگ کو مستمد و مستغاث مان کر کچھ طلب کرنا

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی بزرگ کو مستمد و مستغاث کر کے خطاب کیا جائے، اور بے قراری میں عرض کیا جاتا ہے کہ عالی جاہا مجھے مصیبتوں نے ہر طرف سے آگھیرا ہے، خدا کے لیے آپ میرے حال زار پر رحم کر کے میری امداد فرمایئے، آپ اُس قادر مطلق کے پیارے محبوب ہیں۔

مثلاً مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ز مہجوری برآمد جان عالم　　　　ترحم یا نبی اللہ ترحم

ترجمہ: آپ سے ہجر اور فراق کے باعث ایک جہان کی جان نکلی جارہی ہے یارسول اللہ ﷺ! رحم کی درخواست ہے رحم فرمایئے۔

بدہ دستے ز پاافتادگاں را　　　　بکن دلداری دلدادگاں را

ترجمہ: گرے ہوؤں کی مدد فرمایئے، اپنی ذات پر فریفتہ افراد کی دل نوازی فرمایئے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا حبیب اللہ خُذ بیدی　　　　مالعجزی سواک مُستندی

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ کے پیارے! میری مدد فرماؤ آپ کے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف ﷺ فرماتے ہیں:

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ　　　　سواک عند حلول الحادث العمم

اے اشرف الخلق! آفات نازل ہونے کے وقت تیرے سوا میری کوئی پناہ نہیں ہے، مدد فرمایئے۔

غرض ان تینوں صورتوں میں کوئی محذور شرعی اور عقلی لازم نہیں آتا جس کی بناء پر یہ ممنوع ہوں۔

اہل اللہ کے تصرفات اور خداداد اختیارات

کیا انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے اعانت کے لئے پیدا کیا ہے یا نہیں؟

اولیاء اللہ اُمت نبویہ کے حقانی حکیم ہیں، جس طور سے وہ عرض و معروض کو پہچانتے ہیں کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا، اور ان امراض کی مدافعت میں جو مدد وہ دے سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی ماموریت خاص اعانت کے لئے ہوئی ہے، اور ان سے استعانت ایسے وقت میں مشروع ہے جس وقت کوئی سہارا بادی النظر میں نہ ہو۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ "الخبر الدال علی وجود القطب و الاوتادو النجبا و الابدال" میں تحریر فرماتے ہیں:

"کہ اولیاء اللہ کی تخلیق خاص اعانت کے واسطے ہے"۔

یسقی بھم الغیث۔ یعنی ان کے ذریعہ سے مینہ برستا ہے۔

تنصر بھم علی الاعداء یعنی ان کی مدد سے اعداء پر فتح کامل حاصل ہوتی ہے۔

ان کی وجہ سے عذاب ٹلا رہتا ہے، ان کی برکت سے بلا دور ہوتی ہے۔

جب اولیاء اللہ اس کام کے لئے مامور ہوئے تو پھر ان سے استمداد کرنا ناجائز کیوں ہوگا؟

زخورشید روشن تواں جست نور — کہ شد سایہ راسایہ زیں کار دور

ترجمہ: سورج سے نور کو تلاش کیا جاسکتا ہے، کہ اسی وجہ سے سایہ سے سایہ دور ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اپنے متوسلین و مستمدین کی اعانت و امداد کی پوری قوت حاصل ہے، چونکہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں اس لئے ان کا ہر فعل خدائی فعل ہوتا ہے۔

اس بنا پر مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ترجمہ: اس کا فرمان حکم باری تعالیٰ ہوتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کے حلق سے ادا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت اگر وہ یہ کہہ دے کہ خدا کی قسم یہ کام اس طرح ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح ظاہر کرکے اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

یہی معنی ہیں اس حدیث شریف کے جو ترمذی میں مروی ہے:

کم من اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لا برہ۔

یعنی بہت اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ بظاہر بال پریشان اور غبار آلود ہیں، اور اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں کہ خدا کی قسم! یہ کام اس طرح ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کام کو اسی طرح کرکے ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

اور یہی مطلب ہے اس شعر کا جو مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اولیا را ھست قدرت از الٰہ　　　تیر جستہ باز دارند از قضا

ترجمہ: اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ قدرت عطا ہوتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو رستے سے واپس کر دیتی ہے۔ اس وقت ان کی مدد حقیقتاً اللہ ہی کی مدد ہوتی ہے اور اُن سے مدد مانگنا، مراد طلب کرنا فی الواقع اللہ ہی سے مدد طلب کرنا اور مراد مانگنا ہوتا ہے، اور ان کی محبت بعینہ اللہ کی محبت ہوتی ہے اور ان کی دشمنی اللہ کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے۔

مظہر اوصاف حق ہیں اولیاء　　　ان کی ہے امداد امداد خدا

پھر اس غایت محبت کا نتیجہ جو اللہ تعالیٰ کو بندے کے ساتھ بوجہء حصول قرب نوافل کے ہوتی ہے یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ ان کو محبوب خدا سمجھ کر ان سے حاجتیں طلب کریں، مدد مانگیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے ان کی حاجتیں پوری کر کے ان کی عظمت اور ولایت کا سکہ لوگوں کے دل میں جما دے تاکہ وہ لوگ ان کی تعظیم اور محبت کے سبب اللہ تعالیٰ کو پیارے لگیں۔

مسکین حسن گوید ترا اے کار عاشق تو خوش

من گر از ایشاں نیستم در کار ایشاں کن مرا

ترجمہ: اے وہ ہستی! جس کے عاشقوں کا کام بہت اچھا ہے یہ حسن مسکین تیری بارگاہ میں عرض پرداز ہے کہ اگر میں ان سے نہیں ہوں تو مجھے ان سے کر دے۔

ابدال اقطاب اوتاد و نجباء

قرون مشہود لھا بالخیر مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بستان المحدثین میں تحریر فرماتے ہیں:

میں اور اس کے بعد ابدال کا وجود

یکبار از بصرہ بمدینہ منورہ آمد و امام مالک را خبر قدوم او رسانیدند، امام یاران خود را فرمود بر خیزید تا نزد بہترین اھل زمین برویم و بروے سلام کنیم۔ و ھر گاہ بطواف خانہ کعبہ زادھا اللہ تعظیماً و تشریفاً مشغول مے شدے گفتنہ کہ ھیچ کس افضل از قعنبی طواف ایں خانہ متبرکہ نمے کند، واو نیز مستجاب الدعوات بود۔۔۔۔۔۔۔ و اکثر اھل زمان او را از ابدال مے دانستند و بزرگی و صلاح و مجمع علیہ اھل عصر او بود۔ (ووفات او در مکہ معظمہ ۶ محرم ۲۲۱ ھجری واقع است)

ترجمہ: ایک مرتبہ وہ بصرہ سے مدینہ منورہ میں آئے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کی آمد سے مطلع کیا گیا، تو امام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ اُٹھو تا کہ ہم زمین بھر کے اچھے آدمی کے پاس چلیں اور اس کو سلام کریں، اور جب خانہ کعبہ کے طواف کرتے (اللہ تعالیٰ اس کی عظمت و شرف کو بڑھائے) تو کہا جاتا کہ کوئی شخص قعنبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بہتر اس متبرک گھر کا طواف کرنے والا نہیں، اور وہ بھی اللہ ان پر رحم کرے مستجاب الدعوات تھے، اور اکثر اہل زمانہ ان کو ابدال میں سے سمجھتے تھے، اور اہل زمانہ کا ان کی بزرگی و نیکی پر اتفاق تھا وفات ان کی مکہ معظمہ میں ٦ محرم ٢٢١ھ کو واقع ہوئی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ حدیثیں مثبت ابدال دوسری صدی میں جو زمانہ ہے تابعین و تبع تابعین کا مشہور تھیں اور لفظ ابدال مستعمل اور ان کے مصداق کا وجود محقق تھا۔

بستان المحدثین میں ترجمہ محمد بن اسلم میں ہے:

ابن خزیمہ وابو بکر وابوداؤد از وے شاگردی کردہ اند واز اجلہ علماء واز اولیاء وابدال وقت بود۔

ترجمہ: ابن خزیمہ اور ابو بکر اور ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے شاگردی کی ہے وہ بڑے علماء و اولیاء و ابدال وقت سے تھے۔

یہ تیسری صدی میں گزرے ہیں، اس سے وجود ابدال تیسری صدی میں ثابت ہے۔

بستان المحدثین میں ابن نجید نیشاپوری جو آٹھویں صدی میں ہوئے ہیں کے حال میں ہے:

او از ابدال سبعہ است۔

ترجمہ: وہ سات ابدال میں سے ہیں۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ وصیت نامہ میں ائمہ اثنا عشر کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ اقطاب تھے"۔

اس کی شرح میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

وآنچہ حضرت شیخ در اثبات قطبیت آئمہ اثنا عشر نوشتہ ایں مضمون را حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ در شرح بیت حضرت غوث نوشتہ۔

افلت شموس الاولین وشمسنا ابداً علی اُفُق العُلٰی لا تغرب

فقیر آں وھم در شمشیر برھنہ نوشتہ

ترجمہ: اور وہ جو حضرت شیخ نے بارہ اماموں کے قطب ہونے کے اثبات میں لکھا ہے اس مضمون کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث کے اس شعر کی شرح میں لکھا ہے:

افلت شموس الاولین وشمسنا　　　　ابداً علیٰ اُفُق العُلٰی لا تغرب

پہلے لوگوں کے سورج چھُپ گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے اُفق پر ہے چھُپتا نہیں۔

اور ایسا ہی کتاب شمشیرِ برہنہ میں ہے۔

ابدال کی تعداد اور جائے قیام اور ان کے فیوض وبرکات

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

شريح بن عبيد قال: ذكر أهل الشام عند علي [رضي الله عنه] وقيل العنهم يا أمير المؤمنين قال: لا إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "الأبدال يكونون بالشام وهم أربعون رجلا كلما مات رجل أبدل الله مكانه رجلا يسقى بهم الغيث وينتصر بهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب"۔

ترجمہ: حضرت شریح بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اہل شام کا ذکر ہوا، لوگوں نے کہا یا امیر المومنین! ان لوگوں پر لعنت بھیجیئے، آپ نے کہا، ''نہیں'' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ ابدال شام میں ہیں، وہ چالیس آدمی ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص مرتا ہے دوسرا شخص قائم مقام کیا جاتا ہے، انہیں کے سبب سے پانی برستا ہے، دشمنوں پر فتح ہوتی ہے، اہل شام پر عذاب نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ)[1]

ابدال کی تعداد میں اختلاف ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ نے فرمایا:

ستون رجلاً۔

یعنی وہ ساٹھ آدمی ہیں۔

لیکن ایک روایت میں ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ الابدال اربعون رجلاً و اربعون امراۃً کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلاً و کلما ماتت امراۃ ابدل مکانہا امراۃ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ چالیس مرد چالیس عورتیں ہیں، جب کوئی مرتا ہے تو مرد کی جگہ مرد، عورت کے قائم مقام عورت کی جاتی ہے۔

---

[1] (الحاوی للفتاوی للسیوطی ج۳، ص ۳۶۰/ المشکوۃ المصابیح، ج۳، ص م ۳۶۹)

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ خیار امتی فی کل قرن خمس مائة و الابدال اربعون فلا الخمس مائة ینقصون ولا الاربعون کلما مات رجل ابدل اللہ من الخمس مائة مکانه وادخل من الاربعین مکانه، قالوا یا رسول اللہ ﷺ! دلنا علیٰ اعمالھم قال یعفون عمن ظلمھم ویحسنون الیٰ من اساء الیھم ویتواسون فیما أتاھم اللہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بہترین میری امت سے ہر قرن میں پانچ سو آدمی ہیں اور چالیس ابدال، کبھی ان سے کم نہیں ہوتے، جب کوئی مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ سو سے اس کی جگہ کسی کو بدل دیتا ہے، اور چالیس میں سے اس کی جگہ داخل کر دیتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کے اعمال سے ہم کو آگاہ فرمائیے، فرمایا: وہ اس شخص کو معاف کر دیتے ہیں جو ان پر ظلم کرے، اور اس شخص سے احسان کرتے ہیں جو ان سے برا سلوک کرے، جو کچھ توفیق ان کو اللہ نے دی ہے اس سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ [1]

ان کے اماکن میں بھی متعدد روایات وارد ہیں۔

چنانچہ ابو طفیل سے مروی ہے:

الابدال بالشام، النجباء بالکوفة۔

ترجمہ: ابدال شام میں ہیں اور نجباء کوفہ میں ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے:

الا ان الاوتاد من اھل الکوفة ومن اھل الشام ابدال۔

یعنی یاد رکھو کہ اوتاد اہل کوفہ سے ہیں اور اہل شام سے ابدال ہیں۔

ایک روایت آپ سے مروی ہے:

الابدال من الشام و النجباء من اھل مصر و الاخیار من اھل العراق۔

یعنی ابدال شام سے ہیں اور نجباء اہل مصر سے اور اخیار اہل عراق سے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

البدلاء اربعون رجلاً اثنان و عشرون بالشام و ثمانیة عشر بالعراق کلما مات واحد ابدال اللہ تعالیٰ مکانه أخر فاذا جاء الامر قبضوا کلھم فعند ذالک تقوم الساعة۔

ترجمہ: ابدال چالیس ہیں، بائیس شام میں، اٹھارہ عراق میں، جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو دوسرا شخص ان کے قائم مقام کیا جاتا ہے، جب سب مر جائیں گے تو قیامت قائم ہو گی۔

---

[1] (اجابۃ الغوث، ابن عابدین شامی، ص ۲۷۰، ۲۷۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے نظام عالم موقوف رکھا ہے، جب تک یہ زندہ ہیں قیامت نہیں آئے گی، جس روز یہ سب کے سب مرجائیں گے، قیامت آجائے گی۔

ایک گاؤں میں سات سات بندے خاص بندے ایسے ہوتے ہیں جن کی بدولت گاؤں کے لوگ بلا سے پناہ میں رہتے ہیں۔

حضرت ابن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

الابدال سبعون فستون بالشام وعشرۃ بسائر الارض۔

ترجمہ: ابدال ستر ہیں، ساٹھ شام میں، دس باقی زمین میں۔

عبيد الله بن محمد العبسي قال سمعت الكتاني يقول النقباء ثلاثمائة والنجباء سبعون والبدلاء أربعون والأخيار سبعة والعمد أربعة والغوث واحد فمسكن النقباء المغرب ومسكن النجباء مصر ومسكن الأبدال الشام والأخيار سياحون في الأرض والعمد في زوايا الأرض ومسكن الغوث مكة فإذا عرضت الحاجة من أمر العامة ابتهل فيها النقباء ثم النجباء ثم الأبدال ثم الأخيار ثم العمد فإن أجيبوا وإلا ابتهل الغوث فلا تتم مسألته حتى تجاب دعوته۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن محمد سے روایت ہے کہ میں نے کتانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، اوتاد چار، غوث ایک، نُقباء دیار مغرب میں رہتے ہیں، نجباء مصر میں، اوتاد زمین کے اطراف میں، غوث مکہ معظمہ میں، جب عام مخلوق کو کوئی حاجت پیش آتی ہے تو نقباء دعا کرتے ہیں، پھر نجباء، پھر ابدال، پھر اوتاد اگر دعا قبول ہو گئی تو بہتر ورنہ غوث دعا کرتا ہے تو اس کی دعا ختم ہونے سے پہلے ہی قبول ہو جاتی ہے۔[1]

عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان بُدلاء أمتی لم یدخلوا الجنة بکثرۃ صلاتھم ولا صیامھم ولکن دخلوھا بسلامة صدورھم وسخاوۃ انفسھم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت کے ابدال کچھ روزے، نماز کی کثرت سے بہشت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ اپنے قلوب کی صفائی اور اپنے نفوس کی سخاوت کی بدولت بہشت میں داخل ہوں گے۔

عن عبادۃ بن صامت قال قال رسول اللہ ﷺ الابدال فی امتی ثلثون رجلاً بھم تقوم الارض وبھم یمطرون وبھم ینصرون۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت میں سے تیس ابدال ہیں، انہیں سے زمین قائم ہے، انہیں کے ذریعے مینہ برستا ہے، انہیں سے مدد چاہی جاتی ہے۔

---

[1] (تاریخ مدینة دمشق ج ۲۲، ص ۳۹۸، الناشر دار الفکر / تاریخ بغداد ج ۳، ص ۸۹، الناشر دار الکتب العلمیة، بیروت)

پھر فرمایا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ میں امید کرتا ہوں کہ انہیں ابدالوں میں سے حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ ما خلت الارض من بعد نوح عن سبعة یرفع اللہ بھم عن اھل الارض۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نوح علیہ السلام کے بعد سے ہمیشہ سات آدمی زمین پر رہتے ہیں جن کے سبب سے اللہ تعالیٰ زمین سے بلا دور فرماتا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ لا یزال اربعون رجلاً یحفظ اللہ بھم الارض کلما مات رجل ابدال اللہ مکانہ اٰخر وھم فی الارض کلھا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے چالیس ایسے خدا کے بندے ہمیشہ رہتے ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے زمین کو بلا سے محفوظ رکھا ہے، جب کوئی مرتا ہے تو ان میں قائم مقام کیا جاتا ہے، وہ لوگ تمام روئے زمین میں ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ابدال و اوتاد و اقطاب کے بارے میں احادیث صحابہ اور تابعین میں شائع تھیں حتیٰ کہ ان کے مصادیق کا بھی اظہار صحابہ تابعین اور اتباع و من بعد ھم نے فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر کی حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام طریقت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ابدال ہونے کی تعیین ثابت ہے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان میں امام ابو حنیفہ اور دیگر آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کو اوتاد میں سے شمار کیا ہے اور امام احمد بن حنبل، سری سقطی، بشر حافی، منصور بن عمار، جنید بغدادی اور سہل بن عبد اللہ سری رحمہ اللہ تعالیٰ م کو ان احادیث کا مصداق ٹھہرایا اور اوتاد عراق فرمایا۔

مذکورہ بالا روایات سے یہی اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقبولوں کو عالم کے انتظام اور تصرفات کونیہ کے لئے، یعنی جو جو امور عالم میں واقع ہوتے ہیں جیسے مینہ کا برسنا، بادشاہوں کا اقبال و ادبار، محتاج کا غنی ہو جانا اور غنی کا محتاج ہو جانا، اور بڑے چھوٹے منصب والوں کی ترقی و تنزلی، ظاہر و باطن میں لشکروں کو فتح اور شکست دینا، بیماریوں اور مصیبتوں کا ہٹانا، فریاد والے کی فریاد رسی کرنا وغیرہ غرض تمام مطالب اور حوادث عالم کے لئے وسیلہ سبب اور ذریعہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کو ٹھہرایا ہے۔

بہر صورت اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حصول مقاصد دینی اور دنیوی کے لئے واسطہ ٹھہرایا، بلکہ قیام و انتظام عالم سب انہیں کے وجود سے وابستہ ہے۔

در منثور اور روح البیان وغیرہ میں بہت سی احادیث اور آثار مرقوم ہیں جن میں سے چند ایک لکھی جاتی ہیں:

دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا۔ (الحج ۴۰)

ترجمہ: ”اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسا اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔“

اس سے یہ بات مُستنبط ہو سکتی ہے کہ عبادت خانوں کی حفاظت کسی غیبی جماعت کے سپرد ہے۔

وَلَوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤۡمِنَاتٌ لَّمۡ تَعۡلَمُوهُمۡ أَنۡ تَطَئُوهُمۡ فَتُصِيبَكُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ لِّيُدۡخِلَ اللّٰهُ فِي رَحۡمَتِهِ مَنۡ يَّشَاءُ (الفتح ۲۵)

ترجمہ: ”اور اگر یہ نہ ہوتا کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کی تمہیں خبر نہیں کہیں تم اُنہیں روند ڈالو تو تمہیں اُن کی طرف سے انجانی میں کوئی مکروہ (ناپسندیدہ شے) پہنچے تو ہم تمہیں ان کی قتال کی اجازت دیتے ان کا یہ بچاؤ اس لیے ہے کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جسے چاہے“۔

اس میں مستور الحال لوگوں کا جو ذکر ہے اس سے شاید ابدال مراد ہوں جن میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور عوام میں ملے جلے رہتے ہیں، چونکہ وہ اہل اللہ اور مامور من اللہ ہوتے ہیں اس لئے اگر کوئی جاہل اُن کو خاکسار اور غریب و مسکین سمجھ کر دکھ دیتا ہے تو اپنی سزا پاتا ہے۔

دلیر بر صف افتادگان عشق متاز
کہ جائے گردازیں خاک مردے خیزد

ترجمہ: عشق کے باعث افتادہ لوگوں کی صف کے پاس سے دلیر ہو کر مت دوڑ کیوں کہ اس مٹی سے گرد کی بجائے ایک مرد اُٹھ کھڑا ہو گا۔

اولیاء اللہ کا تصرف

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم (إن اللہ قال من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب وما تقرب إلي عبدي بشيء أحب إلي مما افترضت عليه وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وإن سألني لأعطينه۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی کا دشمن ہے اس کو میں جنگ کا پیغام دیتا ہوں، اور میرے بندے نے اس فرض کے ادا کرنے سے جو میں نے اس پر مقرر کیا ہے بڑھ کر اور کسی شے سے جو میرے نزدیک زیادہ عزیز ہے مجھ تک تقرب حاصل نہیں کیا، اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل

کے ساتھ مجھ تک تقرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو دوست بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں۔ الخ (مشکوٰۃ)[1]

غرض اولیاء اللہ کی یہ کیفیت ہے کہ ادائے نوافل سے اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہو جاتے ہیں کہ ان کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان عین اللہ ہو جاتے ہیں، وہ لوگ اللہ تعالیٰ میں فانی ہو جاتے ہیں۔

آں دعائے بیخوداں خود دیگر است   آں دعا او نیست گفت داور است

ترجمہ: بے خود لوگوں کی دعا اور ہی قسم کی ہوتی ہے وہ دعا نہیں بلکہ فرمان باری تعالیٰ ہوتی ہے۔

آں دعا حق مے کند چوں او فنا است   آں دعا و آں اجابت از خدا است

ترجمہ: وہ دعا (بندے کی زبان پر) خدا کرتا ہے کیوں کہ وہ فنا فی اللہ ہوتا ہے وہ دعا اور اس کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

قرب نوافل

مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

گفت اورا من زبان و چشم تو   من حواس و من رضا و خشم تو

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا کہ میں تیری زبان اور آنکھ ہوں، میں تیرے حواس اور تیری خوشی و ناخوشی ہوں۔

رو کہ بی یسمع و بی یبصر توئی   سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی

ترجمہ: چلو تم مجھ سے سنتے اور دیکھتے ہو سر تم ہی ہو چہ جائے کہ سر والے ہو۔

مولانا عبد العلی بحر العلوم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شرح مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں:

ایں مرتبہ قرب نوافل ست و حق دریں مرتبہ باطن عبد مے گردد و عبد ظاھر و قوائے او کہ باطن اند در حق فانی مے شوند و باقی بقاء حق میشوند پس شنیدن و دیدن و بطش و مشی و نطق کہ از قوی مے شود ھمہ از حق است۔

---

[1] (باب التواضع، صحیح البخاری، ج۵، ص ۲۳۸۴، الناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ-بیروت)

ترجمہ: یہ قرب نوافل کا مرتبہ ہے اور حق تعالیٰ اس میں بندے کا باطن بن جاتا ہے اور بندہ ظاہر اور اس کی قوتیں جو باطن ہیں حق میں فانی ہو جاتی ہیں اور باقی بقاء حق ہو جاتی ہیں، بس سُننا اور دیکھنا اور پکڑنا اور چلنا اور بولنا جو قوتوں سے وقوع پاتا ہے سب حق تعالیٰ سے ہے۔ پس جو حضرات اللہ تعالیٰ کے ایسے مقرب ہیں ان کو کسی حاجت کا ذریعہ ٹھہرانا ناجائز نہیں ہو سکتا۔

اولیائے کرام میں تکوین اور کن فیکون کی طاقت

جب اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے تو اس میں تکوین (پیدا کرنے کی قوت) اور کن فیکون (یعنی ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے) کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتوح الغیب مقالہ سادس/۶ میں ارشاد فرماتے ہیں:

افن عن الخلق بحکم اللہ۔

ترجمہ: مخلوق سے فانی ہو جا خدا کے حکم سے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

فتنبو عن الاخلاق البشریۃ فلن یقبل باطنک شیئا غیر ارادۃ اللہ فحینئذ یضاف الیک التکوین و خرق العادات۔

ترجمہ: پس تو بشریت کی خصلتوں سے دور ہو جائے گا تیرا باطن سوائے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے اور کوئی شے ہر گز قبول نہیں کرے گا، پس اس وقت تیری طرف موجودات کا پیدا کرنا اور خرق عادات منسوب ہوتا ہے۔

فیری ذالک منک فی ظاھر العقل و الحکم۔

پھر وہ (فعل اور تصرف) تجھ سے ظاہر عقل و حکم میں دیکھا جاتا ہے (لیکن باطن اور نفس الامر میں خدا کا فعل ہوتا ہے)۔ کیونکہ معجزہ اور کرامت فعل خدا ہے کہ بندے کے ہاتھ پر بوجہ اس کی تصدیق اور تکریم کے ظاہر ہوتا ہے خود بندہ کا فعل نہیں کہ اور افعال کی طرح اس سے صادر ہو۔

جیسا کہ آگے فرماتے ہیں:

و ھو فعل اللہ و ارادتہ حقا فی العلم۔

ترجمہ: حالانکہ علمی نگاہ اور باطنی یقین میں وہ تکوین و خرق عادات اللہ تعالیٰ کا فعل و ارادہ ہے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ فی بعض کتبہ یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الا انا اقول لشئی کن فیکون و اطعنی اجعلک تقول لشئی کن فیکون۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا کہ اے ابن آدم! میں خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں شے سے کہتا ہوں "ہو جا" "وہ ہو جاتی ہے" اور تو میری اطاعت کر میں تجھے ایسا کروں گا کہ تو کسی شے سے کہے گا ہو جا تو ہو جائے گی۔

وقد فعل ذالک بکثیر من انبیائہ و خواصہ من بنی آدم۔

ترجمہ: اور بلاشبہ اس نے اپنے بہت سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور خواص بنی آدم سے ایسا کیا ہے۔[1]

دیکھئے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ولی اللہ کے لئے تصرف تکوین اور کن فیکون وغیرہ ثابت کرتے ہیں، کیا آپ بھی ترک کی تعلیم دیتے تھے، آپ ہی غنیۃ الطالبین کے مصنف ہیں جن کو منکرین بھی بڑی وقعت[2] کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، آپ کی کتاب فتوح الغیب بھی ہے، اس کا بھی مطالعہ کر کے اپنے اعتقاد کو درست کیجیئے۔

اولیاء اللہ کو تصرف کی طاقت عطا ہونا

مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر عزیزی میں زیر آیت اذا السمآء انشقت کے تحریر فرماتے ہیں:

وبعضے از خواص اولیاء اللہ کہ آلہ جارح تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنھا بجہت کمال وی ست تدارک آنھا مانع توجہ ایں سمت نمے گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از نہا مے نمایند و ارباب حاجات و مطالب

[1] نوٹ: فتوح الغیب میں یہ عبارت نہیں مصنف کی کے طرف سے تبصرہ معلوم ہوتا ہے۔

[2] وہابیہ غنیۃ الطالبین کو محض اس لئے وقعت دیتے ہیں کہ اس میں ایک جگہ گمراہ فرقہ مرجیہ کا ذکر ہے، اور اس فرقہ کی شاخوں میں ایک شاخ حنفیہ کے نام مذکور ہے، جس سے درحقیقت مرجیہ فرقہ کے وہ لوگ مراد ہیں جو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس فقہ میں شامل ہو جاتے تھے اس لئے وہ حنفیہ کہلاتے تھے، جس طرح بعض وہابی مولوی شیخ الہند اور سید انور رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث پڑھنے کے سبب سے فاضل دیوبند کہلاتے ہیں حالانکہ ان کو علمائے دیوبند سے دور کی نسبت بلکہ حنفی درسگاہ میں تعلیم پانے کے باوجود وہی وہابی کے وہابی ہی ہیں اسی طرح ان مذکورہ حنفیہ کے شرذمہ قلیلہ کو بلحاظ عقائد حنفیہ کے سواد اعظم سے پوری مناسبت نہیں، جیسے کہ غنیۃ الطالبین کے اسی مقام پر اس گروہ حنفیہ مرجیہ کے مندرجہ عقائد سے ظاہر ہے، مگر چونکہ وہابیہ کو اس سند سے عامہ حنفیہ کو بدنام کرنے کا خاص موقع مل گیا اس لئے اس کتاب کو جگہ جگہ اٹھائے پھرتے ہیں، حالانکہ اس میں صدہا مسائل ایسے بھی مندرج ہیں جن کے خود وہابی خلاف ہیں، مثلاً نیت نماز بالفاظ اور بیس تراویح وغیرہ مگر ان لوگوں کو اس سے کیا سروکار وہ تو صرف ان چند سطور پر فدا ہیں جس کی بناء پر ان کو حنفیہ کو مرجیہ کہہ کر بدنام کرنے کا موقع میسر ہے، سچ ہے۔

هنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست ۔۔۔ گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

ترجمہ: دشمنی کی نظر میں ہنر بہت بڑا عیب ہوتا ہے، سعدی اگرچہ پھول ہے لیکن دشمنوں کی آنکھ میں کانٹا ہے۔

پھر اور بھی تماشے کی بات یہ ہے کہ وہابیہ پنجاب نے جو حنفیہ کو چڑانے کے لئے غنیۃ الطالبین مترجم چھاپی ہے اس کے حاشیہ پر فتوح الغیب چڑھی ہے، مگر شاید بھلے لوگوں کو فتوح الغیب کے یہ الفاظ نظر نہیں آئے کہ بندہ بھی کن فیکون کا مظہر ہو سکتا ہے، حضرت یہ بات تو وہابیہ کے خرمن عقائد کے لئے برق خاطف ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

حل مشکلات خود از نہا مے طلبند و مے یابند و زبان حال آنہا دراں وقت ھم مترنم بایں مقالات ست۔ مصرع:

من آیم بجاں گر توآئی بہ تن

بعض خاص اولیاء اللہ کو جنہیں اپنے بنی نوع کی تکمیل و ارشاد کے لئے خاص مدد گار بنایا گیا ہے اس حالت میں بھی دنیا میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہے اور ان کا استغراق ان کے تدارک کے کمال کے باعث اس طرف توجہ کرنے کا مانع نہیں ہوتا، اویسی انہی سے تحصیل کمالات باطنی کرتے ہیں اور اہل حاجات و مطالب اپنی مشکلات کا حل ان سے چاہتے ہیں اور پاتے ہیں ان کی زبان حال اس وقت بھی ان الفاظ سے مترنم ہے۔

من آیم بجاں گر توآئی بہ تن

اگر تو جسم کے ساتھ آئے گا تو میں روح کے ساتھ آؤں گا۔

نیک روحیں ان فرشتوں میں جاتی ہیں جو مدبر عالم ہیں

اللہ تعالیٰ سورۃ النازعات رکوع/اول میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (النازعات ۵)

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پیریں (چلیں) پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں پھر کام کی تدبیر کریں

تفسیر بیضاوی میں ہے:

أو صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فإنها تنزع عن الأبدان غرقاً أي نزعاً شديداً من إغراق النازع في القوس، وتنشط إلى عالم الملكوت وتسبح فيها فتسبق إلى حظائر القدس فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات۔

ترجمہ: یاان کلمات (نازعات ناشطات) وغیرہ سے مراد ارواح فاضلہ کی صفات ہیں، جبکہ وہ اجسام سے جدا ہوتی ہیں، چنانچہ وہ اجسام سے بطور عرق کشید کی جاتی ہیں یعنی شدت سے کھینچی جاتی ہیں عالم ملکوت کی طرف اور اس میں وہ تسبیح پڑھتی ہیں پھر فرشتوں کے مقام کی طرف عروج کرتی ہیں اس کے بعد وہ اپنے شرف اور قوت سے انتظام کرنے والے فرشتوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔[1]

[1] (تفسیر بیضاوی، ج۵، ص ۲۸۲، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

جب ارواح مقدسہ کو اس قسم کا شرف حاصل ہوا کہ ان کو تدبیر عالم میں دخل دیا گیا تو ان سے توسل کئے جانے میں کیا قباحت ہے؟

تائید اول از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ

اس بیان کی تائید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

وان لارواح افاضل الادمیین دخولا فیھم ولھو قابھم کما قال اللہ تعالیٰ:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰)

وقال رسول اللہ ﷺ رایت جعفر بن ابی طالب ملکا یطیر فی الجنت مع الملئکۃ بجناحین وانا ھنالک ینزل القضاء ویتین الامر المشار الیہ بقولہ تعالیٰ فیھا یفرق کل امر حکیم، وان ھنالک یتقر الشرائع بوجہ من الوجود۔

ترجمہ: افضل لوگوں کی ارواح کو فرشتوں میں داخل ہونے اور ان میں شامل ہو جانے کا حق ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰)

اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنّت میں آ۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میں نے جعفر بن ابی طالب کو فرشتہ بنا ہوا دیکھا جو جنت میں فرشتوں کے ساتھ دو پروں کے ساتھ اُڑ رہا تھا" اور یہاں قضائے الٰہی نازل ہوتی ہے، اور وہ امر متعین ہوتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ "اس رات میں ہر معاملہ جو حکمت پر مبنی ہے فیصلہ پاتا ہے" اور یہاں شرائع کی قسم کے وجود سے تقرر ربانی ہے۔ الخ۔[1]

اس تقریر سے واضح ہے کہ افاضل بشر کی ارواح ایک ایسے مہتم بالشان مقام میں پہنچتی ہیں جہاں مصالح کائنات کا انصرام، معاملات ارض و سماء کا انتظام، قضائے الٰہی کا نزول اور شرائع کا تقرر ہوتا ہے۔

دیکھئے جب عدالت کے لئے ادنیٰ چپڑاسی متوسلین کے بڑے بڑے کام بنا دیتے ہیں تو پھر اتنی بڑی سرکار کے اس عظیم الشان دربار میں اس کے ان ارکان عظمیٰ سے توسل کرنا کیوں لا حاصل ہونے لگا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

در میر و وزیر و سلطاں را　　　بے وسیلت مگرد پیرامن

[1] (حجۃ اللہ البالغت جلد اول صفحہ ۱۲/)

ترجمہ: بادشاہ، وزیر اور امیر کے دروازے کے ارد گرد بغیر وسیلے کے نہ پھر۔

سگ ودرباں چو یافتند غریب　　　این گریبانش گیرد آں دامن

ترجمہ: کتا اور دربان جب کسی اجنبی کو دیکھ لیتے ہیں تو یہ گریبان سے اسے پکڑ لیتا ہے اور وہ دامن سے۔

تائید دوم از امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ثُمَّ الْأَرْوَاحُ الْبَشَرِيَّةُ الْخَالِيَةُ عَنِ الْعَلَائِقِ الْجُسْمَانِيَّةِ الْمُشْتَاقَةُ إِلَى الِاتِّصَالِ الْعُلْوِيِّ بَعْدَ خُرُوجِهَا مِنْ ظُلْمَةِ الْأَجْسَادِ تَذْهَبُ إِلَى عَالَمِ الْمَلَائِكَةِ، وَمَنَازِلِ الْقُدْسِ عَلَى أَسْرَعِ الْوُجُوهِ فِي رَوْحٍ وَرَيْحَانٍ، فَعَبَّرَ عَنْ ذَهَابِهَا عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ بِالسِّبَاحَةِ، ثُمَّ لَا شَكَّ أَنَّ مَرَاتِبَ الْأَرْوَاحِ/فِي النَّفْرَةِ عَنِ الدُّنْيَا وَمَحَبَّةِ الِاتِّصَالِ بِالْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ مُخْتَلِفَةٌ فَكُلَّمَا كَانَتْ أَتَمَّ فِي هَذِهِ الْأَحْوَالِ كَانَ سَيْرُهَا إِلَى هُنَاكَ أَسْبَقَ، وَكُلَّمَا كَانَتْ أَضْعَفَ كَانَ سَيْرُهَا إِلَى هُنَاكَ أَثْقَلَ، وَلَا شَكَّ أَنَّ الْأَرْوَاحَ السَّابِقَةَ إِلَى هَذِهِ الْأَحْوَالِ أَشْرَفُ فَلَا جَرَمَ وَقَعَ الْقَسَمُ بِهَا، ثُمَّ إِنَّ هَذِهِ الْأَرْوَاحَ الشَّرِيفَةَ الْعَالِيَةَ لَا يَبْعُدُ أَنْ يَكُونَ فِيهَا مَا يَكُونُ لِقُوَّتِهَا وَشَرَفِهَا يَظْهَرُ مِنْهَا آثَارٌ فِي أَحْوَالِ هَذَا الْعَالَمِ فَهِيَ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا أَلَيْسَ أَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ يَرَى أُسْتَاذَهُ فِي الْمَنَامِ وَيَسْأَلُهُ عَنْ مُشْكِلَةٍ فَيُرْشِدُهُ إِلَيْهَا؟ أَلَيْسَ أَنَّ الِابْنَ قَدْ يَرَى أَبَاهُ فِي الْمَنَامِ فَيَهْدِيهِ إِلَى كَنْزٍ مَدْفُونٍ؟ أَلَيْسَ أَنَّ جَالِينُوسَ قَالَ: كُنْتُ مَرِيضًا فَعَجَزْتُ عَنْ عِلَاجِ نَفْسِي فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ وَاحِدًا أَرْشَدَنِي إِلَى كَيْفِيَّةِ الْعِلَاجِ؟ أَلَيْسَ أَنَّ الْغَزَالِيَّ قَالَ: إِنَّ الْأَرْوَاحَ الشَّرِيفَةَ إِذَا فَارَقَتْ أَبْدَانَهَا، ثُمَّ اتَّفَقَ إِنْسَانٌ مُشَابِهٌ لِلْإِنْسَانِ الْأَوَّلِ فِي الرُّوحِ وَالْبَدَنِ، فَإِنَّهُ لَا يَبْعُدُ أَنْ يَحْصُلَ لِلنَّفْسِ الْمُفَارِقَةِ تَعَلُّقٌ بِهَذَا الْبَدَنِ حَتَّى تَصِيرَ كَالْمُعَاوِنَةِ لِلنَّفْسِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِذَلِكَ الْبَدَنِ عَلَى أَعْمَالِ الْخَيْرِ فَتُسَمَّى تِلْكَ الْمُعَاوَنَةُ إِلْهَامًا؟ وَنَظِيرُهُ فِي جَانِبِ النُّفُوسِ الشِّرِّيرَةِ وَسْوَسَةٌ، وَهَذِهِ الْمَعَانِي وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَنْقُولَةً عَنِ الْمُفَسِّرِينَ إِلَّا أَنَّ اللَّفْظَ مُحْتَمِلٌ لَهَا جِدًّا۔

ترجمہ: آدمیوں کی ارواح جو جسمانی مخلوق سے علیدہ ہو جاتی ہیں اور عالم علوی کی طرف جا ملنے کی مشتاق ہوتی ہیں بعد اس کے کہ وہ اجسام کی اندھیری کوٹھری سے نکل جاتی ہیں عالم ملائکہ کی طرف روانہ ہوتی ہیں اور نہایت جلدی منازل قدس کی جانب جاتی ہیں نہایت خوشی اور راحت کے ساتھ، اور ان کی اس حالت میں اس روانگی کو سیاحت کہتے ہیں، ان ارواح کے مراتب آپس میں مختلف ہوتے ہیں، بعض ارواح کو از بس دنیا سے نفرت ہوتی ہے اور عالم علوی سے ملنے کا شوق انتہاء درجہ کا ہوتا ہے، بعض ارواح میں یہ دونوں امور کم ہوتے ہیں بعض میں متوسط، الحاصل جس روح میں یہ دونوں حالتیں کمال درجہ کو پہنچی ہوتی ہیں ان کی سیر منازل قدس میں سب سے بڑی ہوتی ہے، جن کی حالت کم ہوتی ہے ان کی سیر بھی کم ہوتی ہے، جن کی حالت متوسط ہوتی ہے وہ سیر بھی متوسط ہوتی ہیں، جن کی سیر سب سے بڑی ہوتی ہے وہ سب سے اشرف ہیں، اس لئے ایسی ارواح کی قسم کھائی گئی، ان ارواح شریفہ کو بسبب اپنی قوت وشرافت کے عالم دنیا کے احوال میں ایک خاص قسم کا تعلق ہے، اس وجہ سے وہ

مدبرات سے سمجھی جاتی ہیں، چنانچہ شاگرد کبھی اپنے استاد کو خواب میں دیکھتا ہے اور کسی مشکل مسئلے کا سوال کرتا ہے اور استاد سے جواب شافی پاتا ہے، بیٹا کبھی اپنے باپ کو خواب میں دیکھتا ہے اور باپ اسے خزانہ بتادیتا ہے، جالینوس نے کہا میں مریض تھا اپنے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے علاج کی کیفیت بتائی جس سے مجھے صحت ہوئی، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ارواح طیبہ جب ابدان سے علیحدہ ہوتی ہیں اور اپنی مماثل کوئی ایسی روح پاتی ہیں جس کا تعلق ایسے بدن سے ہوتا ہے جو مماثل اسی بدن کے ہے جس کے ساتھ اس مبارک روح کو تعلق تھا تو ممکن ہے کہ اس مبارک روح کو اس بدن سے خاص تعلق پیدا ہو جائے جس سے یہ مبارک روح اس بدن کی روح کو اعمال خیر میں مدد دے۔ اسی معاونت کو الہام کہتے ہیں، اور اس کی نظیر شریر ارواح میں وسوسہ ہے اور یہ امور اگرچہ مفسرین سے منقول نہیں مگر لفظ سے نکلتے ہیں۔[1]

تائید سوم از حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ فتوحات مکیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ان اللہ سبحانہ اذا قبض الارواح من ھذہ الاجساد الطبیعیۃ حیث کانت و العنصریۃ اودعھا صوراً جسدیۃ فی مجموع ھذا القرن النوری فجمیع مایدرکہ الانسان بعد الموت فی البرزخ من الامور انما یدرکہ بعین الصورۃ التی ھو فیھا فی القرن و بنورھا وھو ادراک حقیقی ومن الصور ھنالک مھی مقیدۃ عن التصرف ومنھا ما ھی مطلقۃ کارواح الانبیاء کلھم وارواح الشھداء و منھا مایکون لھا نظر الیٰ عالم الدنیا فی ھذہ الدار و منھا مایتحلی للنائم فی حضرۃ الخیال التی ھی فیہ وھو الذی تصدق رؤیاہ ابداً و کل رویا صادقۃ لاتخطی فاذا اخطات الرویا فالرویا مااخطات ولکن العابر الذی یعبرھا ھو المخطی حیث لم یعرف ماالمراد بتلک الصورۃ؟

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب ارواح کو ان کے اجسام طبعی سے جس حیثیت سے ہوں یا اجسام عنصری سے قبض کرتا ہے تو اس قرن نوری کے مجموعہ میں ان کو صور جسدیہ عنایت فرماتا ہے، پس انسان موت کے بعد برزخ میں جو امور ادراک کرتا ہے وہ اس صورت کی آنکھ سے ادراک کرتا ہے اور اس کے نور سے وہ ادراک حقیقی ہے، یہاں ان صورتوں میں سے بعض صور مقید ہوتی ہیں، انہیں کسی تصرف کا اختیار نہیں ہوتا، بعض آزاد ہوتی ہیں انہیں تصرف کا اچھی طرح اختیار ہوتا ہے، تمام انبیاء اللہ علیہم السلام کی ارواح طیبہ اور شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارواح اسی قسم میں داخل ہیں، بعض ارواح کی عالم دنیا کی طرف توجہ ہوتی ہے، بعض ارواح خواب میں نظر آتی ہیں، اس قسم کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے، رؤیائے صادقہ میں خطا واقع نہیں ہوتی، البتہ تعبیر کہنے

---

[1] (تفسیر کبیر، ج/۳۱، ص/۳۰، ۳۱، مطبوعہ مصر)

والے جب مطلب خواب کا نہیں سمجھتے کچھ کا کچھ کہہ دیتے ہیں تو یہ خطا معبر کی طرف منسوب ہو گی اصل خواب غلط نہیں سمجھا جائے گا۔[1]

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام و شہداء عالم میں تصرف کرتی ہیں اور ان کے عالم دنیا کی طرف توجہ ہوتی ہے ارباب حاجات و اصحاب مشکلات کی فریاد رسی کے واسطے، تو جس طرح زندگی میں ان کی طرف رجوع کرنا اور مدد مانگنا اور مصیبت و مشکل کا حل چاہنا جائز اور مستحب تھا اسی طرح بعد وفات کے جائز اور مستحب رہے گا، بلکہ اس وقت ان کا ادراک اور توجہ بہ نسبت زندگی کے روشن اور زیادہ ہوتا ہے، قوت تصرف حالت حیات سے بڑھ کر بوجہ مزید تجرد کے ہوتی ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرشتوں کے ساتھ دنیا میں آنا

حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن عساکر، ابن اسحاق سے روایت ہے کہ مجھ سے حسین ابن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا:

"کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کے بعد فرمایا کہ ایک رات جعفر میرے پاس ہو کر گزرے اور وہ فرشتوں کی ایک جماعت کے پیچھے جاتے تھے اور ان کے دو پر تھے کہ جس کا اگلا حصہ خون سے رنگین تھا اور ان سب کا قصد "بیشہ" میں جانے کا تھا جو یمن کا ایک شہر ہے۔"

"ابن عدی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہم نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کی جماعت میں پہچانا اور وہ سب "بیشہ" کے لوگوں کو پانی برسنے کی خوشخبری دینے جاتے تھے۔" (حاکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے قریب تھیں کہ اچانک آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اے اسماء! یہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو جبرئیل اور میکائیل کے ساتھ ہیں، یہ سب چلے جا رہے تھے انہوں نے مجھ کو سلام کیا اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو خبر دی کہ وہ مشرکوں سے فلاں فلاں روز لڑے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے بدن پر نیزہ اور تلوار کے تہتر زخم پہنچے تھے، پھر میں نے علم کو داہنے ہاتھ میں لے لیا، میرا وہ ہاتھ کٹ گیا پھر میں نے اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا وہ بھی کٹ گیا، اللہ تعالیٰ

[1] (فتوحات مکیہ، ج ۱، ص ۳۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نے ان دونوں ہاتھوں میں دو پر دیئے کہ ان سے میں جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ اُڑتا ہوں اور جنت سے اترتا ہوں جس جگہ چاہتا ہوں اور اس کا پھل کھاتا ہوں جو چاہتا ہوں۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوشی ہو کیا اچھی روزی اللہ تعالیٰ نے ان کو دی، لیکن ہم کو یہ خوف ہے کہ لوگ اس بات کا یقین نہ کریں گے پس آپ ﷺ منبر پر چڑھ کر اس حال سے لوگوں کو خبر دے دیں، آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر خدا کی تعریف کی، پھر کہا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ چلے جارہے تھے اور ان کے دو پر تھے جو اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کے عوض میں دیئے ہیں، انہوں نے مجھے سلام کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے وہ خبر بیان کی جو پہلے بیان کی تھی۔

اس حدیث شریف سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شہید ہونے کے بعد دنیا میں آنا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنا اور جس جگہ وہ چاہیں وہاں سیر کرنا ثابت ہوتا ہے۔

شہیدوں کی اعانت اپنے متعلقین کو

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مظہری میں زیر آیت **"ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات"** تحریر فرماتے ہیں:

وقدتواتر عن کثیرامن الاکابر انھم ینصرون اولیائھم ویذمرون اعدائھم۔

ترجمہ: اور بڑے بڑے فضلاء سے متواتر منقول ہے کہ اولیاء اللہ وفات کے بعد اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں۔

قاضی صاحب **تزکرۃ الموتیٰ والقبور** میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

اولیاء اللہ دوستاں ومعتقداں را در دنیا و آخرت مددگاری مے فرمایند و دشمناں را ھلاک مے نمایند۔

ترجمہ: اولیاء اللہ دنیا و آخرت میں دوستوں اور معتقدوں کی مدد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

شہداء کا شعور وادراک

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالی تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں:

مگوئید در حق کسے کہ کشتہ شود درراہ خدا در جھاد کہ ایشاں مردہ اند، وح چنانچہ تر، زیراکہ تدبیر بدن وتوجہ بامور سفلانیہ اوراز صفائی ادراک مانع مے شد، چوں از بدن جدا شد آں مانع مرتفع گشت، پس

در حقیقت حیات ایشاں اتم حیات دنیوی است ولکن لاتشعرون لیکن شما شعور ندارید کہ ایشاں در ترقی اعمال ودر تمتعات در تلذذات بدنی باشما شریک اند بلکہ از شما زیادہ تر وافزوں تر بایں جہت کہ آں ابدان ایشاں از نظر شما غائب اند ودر عالم دیگر ورائے عالم شما رزق ایشاں را وسیر مقرر است مانند کسے کہ در ولایت میوہ ھا میخورد وسیر گلزار مے نماید وقحل ھندوستان چو اورا نہ بینندہ مردہ انگارند۔

ترجمہ: اس شخص کے حق میں جو جہاد کے اندر راہ خدا میں کام آیا یہ نہ کہو کہ مارا گیا، روح جس طرح پہلے قوتوں کی مالک تھی اب بھی ہے، اور شعور اور ادراک جو پہلے رکھتی تھی اب بھی رکھتی ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہے، کیونکہ پہلے بدن کی تدبیر اور امور سفلیہ کی طرف توجہ اس کو صفائی ادراک سے مانع ہوتی تھی جب اس بدن سے جدا ہوئی تو مانع مرتفع ہا گیا، پس در حقیقت ان کی زندگی دنیاوی زندگی سے زیادہ مکمل ہے ولکن لا تشعرون (لیکن تم شعور نہیں رکھتے) کہ یہ ترقی اعمال اور بدنی نفع اٹھانے اور لذتیں پانے میں تمہارے ساتھ شریک ہیں بلکہ تم سے زیادہ تر اور بڑھ کر ہیں اس لحاظ سے کہ ان کے وہ بدن تمہاری سے غائب ہیں اور ایک اور عالم میں جو تمہارے اس عالم سے جدا گانہ ہے ان کا رزق اور سیر و گردش مقرر ہے، اس شخص کی طرح جو ولایت میں میوے کھاتا ہے اور گلزار کی سی رکرتا ہے اور اہل ہند جب اس کو دیکھتے نہیں تو مردہ سمجھتے ہیں۔

مرد ھمت گرچہ میر دزاں نکو ترمے شود

ابر گر برداشت آب از بحر گوھر مے شود

ترجمہ: ہمت والا مرد اگرچہ مر جاتا ہے لیکن پہلے سے اس کی حالت بہتر ہو جاتی ہے بادل اگر سمندر سے پانی اٹھائے تو وہ گوہر بن جاتا ہے۔

چند شہیدوں کی ملاقات اپنے ایک زندہ رفیق سے

عن عمير بن الحباب السلمي قال أسرت أنا وثمانية معي في زمان بني أمية فأدخلنا على ملك الروم فأمر بأصحابي فضربت رقابهم ثم إني قدمت لتضرب عنقي فقام إليه بعض البطارقة فلم يزل يقبل رأسه ورجليه ويطلب إليه حتى وهبني له............ثم انه جعل ابنة له من اجمل النساء تعويه و تفتنه عن دينه فلم تقدر عليه فدعتني إبنته ذات ليلة إلى بستان لها فقالت ما يمنعك مما عرض عليك أبي فقلت ما أترك ديني لإمرأة ولا لشيء قالت فتحب المكث عندنا أو اللحاق ببلادك فقلت الذهاب إلى بلادي قال فأرتني نجما في السماء وقالت لي سر على هذا النجم بالليل و اكمن بالنهار فإنه يبلغك إلى بلادك ثم زودتني و انطلقت فسرت ثلاث ليال أسير بالليل وأكمن بالنهار فبينما أنا اليوم الرابع مكمن فإذا الخيل فقلت طلبت فأشرفوا علي فإذا أنا بأصحابي المقتولين على دواب ومعهم آخرون على دواب شهب قالوا عمير قلت عمير فقلت أوليس قد قتلتم قالوا بلى ولكن الله بشر الشهداء وأذن لهم أن

يشهدوا اجنازة عمر بن عبد العزيز فقال لي بعض الذين معهم ناولني يدك يا عمير فناولته يدي فأردفني ثم سرنا يسيرا ثم قذف بي قذفة وقعت قرب منزلي۔

ترجمہ: محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ عمی بن الحباب سلمی نے کہا کہ ہم آٹھ آدمی زمانہ بنی امیہ میں قید کئے گئے، پھر ہم کو شاہ روم کے پاس لایا گیا، بادشاہ نے ہمیں قتل کرنے کا حکم دیا، اسی وقت میرے ساتھی قتل کئے گئے پھر میں قتل کے واسطے لایا گیا تو ایک پادری نے کھڑے ہو کر بادشاہ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دیا اور مجھے اپنے واسطے مانگا حتیٰ کہ بادشاہ نے مجھے اس کو بخش دیا، اور پھر اس نے اپنی ایک لڑکی کو جو نہایت خوبصورت تھی مجھ پر تعینات کیا کہ وہ مجھے بہکائے اور مجھے دین اسلام سے پھیرے، لیکن وہ اس پر قادر نہ ہوئی، ایک رات اُس لڑکی نے مجھے اپنے باغ میں بلایا اور کہا کہ کس چیز نے تجھے اس بات کے قبول کرنے سے منع کیا ہے جو تجھ کو کہا جاتا ہے؟ بس میں نے کہا کہ میں اپنے دین کو عورت کے طمع یا اور کسی چیز کے لالچ سے نہیں چھوڑوں گا، پھر اس نے کہا کہ تو ہمارے پاس رہنا پسند کرتا ہے یا اپنے شہر کو جانا؟۔۔۔ میں نے کہا کہ اپنے شہر کو جانا،۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں پھر اس۔۔۔۔۔۔۔۔ نے ایک ستارہ مجھے دکھلایا اور یہ کہا کہ اُسی ستارے کے رُخ پر رات کو چلنا اور دن کو چھپ رہنا، یہ ستارہ تجھے تیرے شہر پہنچادے گا، پس میں تین رات تک چلتا اور چوتھے روز چھپا ہوا بیٹھا تھا کہ میں نے اچانک گھوڑوں کو دیکھا تو میں نے سمجھا کہ اب میں پکڑا گیا، پس وہ سب میرے پاس کھڑے ہوئے، دراصل وہ سب سوار میرے وہ ساتھی تھے جو شہید ہوئے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ سرخنک گھوڑوں پر تھے، عمیر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ کیا تم لوگ قتل نہیں کئے گئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو روانہ کیا ہے اور یہ اجازت دی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کے جنازہ پر حاضر ہوں، پھر ان میں سے بعض نے مجھے کہا کہ اے عمیر! اپنا ہاتھ مجھے دو، میں نے اپنا ہاتھ اس کو دیا اور انہوں نے مجھے ساتھ بٹھایا، پھر ہم تھوڑا چلے، پھر انہوں نے مجھے یکبارگی اتار دیا تو میں اپنے گھر کے پاس اترا۔ (ابن عساکر)[1]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا جنازہ پڑھنے کے واسطے آئے اور ان مقتولوں میں سے ایک نے اپنے گھوڑے پر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چڑھا کر اُن کے گھر پہنچا دیا۔

[1] (شرح الصدور، ص ۸، ۹)

انبیاء علیہم السلام کی دعوات مستجابہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

للأنبياء عليهم السلام دعوات كثيرة مستجابة، وكذا استجيب لنبينا صلى الله عليه وسلم في مواطن كثيرة، لكن لكل نبي دعوة واحدة منبجسة من الرحمة التي هي مبدأ نبوته، فإنها إن آمنوا كانت بركات عليهم، وانبجس في قلب النبي أن يدعو لهم، وإن أعرضوا اصارت نقمات عليهم، وانبجس في قلبه أن يدعو عليهم، واستشعر نبينا صلى الله عليه وسلم أن اعظم مقاصد بعثته أن يكون شفيعا للناس، واسطة لنزول رحمة خاصة يوم الحشر، فاختبأ دعوته العظمى المنبجسة من أصل نبوته لذلک اليوم۔

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے لئے بہت سی مقبول دعائیں ہیں اور اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کی دعائیں بہت سے مقامات میں قبول ہوئیں لیکن ہر نبی کی دعا ایک ہی ہے، جس کی مظہر وہ رحمت ہے جو نبوت کی مبدا ہے، کیونکہ اگر وہ ایمان لائیں تو وہ ان کے لئے بمنزلہ برکات ہو گی، اور نبی کے قلب میں یہ تحریک ہو گی کہ ان کے حق میں اپنی دعا کرے، اور اگر روگردانی کریں تو وہ ان کے لئے بمنزلہ غضب ہو گی اور نبی کے دل میں یہ تحریک ہو گی کہ ان کے خلاف بد دعا کرے، اور ہمارے نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے شفاعت کریں تاکہ نزول رحمت کا ذریعہ ہوں خصوصاً قیامت کے روز، پس آپ ﷺ نے اپنی بڑی دعا جو آپ کی اصل نبوت سے ہے اس دن کے لئے مخفی رکھی۔[1]

اس تقریر سے انبیاء علیہم السلام کی تاثیر دعا کا ثبوت ملتا ہے، پس ایسے مستجاب الدعوات حضرات علیہم السلام سے توسل کیوں ناجائز ہو؟

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

لكل نبي دعوة قد دعا بها فاستجيب فجعلت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة۔

ترجمہ: ہر نبی کے لئے دعا ہے جو دنیا میں مستجاب ہوئی ہماری وہ دعا جو جزماً مقبول ہوئی وہ شفاعت ہے۔ (مشکوٰۃ)[2]

اس میں شک نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی اکثر دعائیں مقبول ہوئیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بے شمار دعائیں مقبول ہوئی ہیں۔

---

[1] (حجۃ اللہ البالغۃ، ج۲، ص ۲۰، الناشر: دار إحياء العلوم-بيروت لبنان)

[2] (الصحيح البخارى، ج۵، ص ۲۳۲۳، دار ابن كثير، اليمامة—بيروت) (صحيح مسلم كتاب الايمان باب اثبات الشفاعة قديمى كتب خانه كراچى ۱ /۱۱۳)

ہر نبی کے لئے ایک دعا خاص ہے نبی کی مبدءِ نبوت سے جوش زن ہوتی ہے جس نبی کی امت ایمان لائی اس کے لئے بھلائی کی دعا کی جاتی ہے اور جس نے نافرمانی کی ان کے حق میں عذاب کی، دونوں حال میں یہ دعا تیر بہدف ہوتی ہے، ادھر زبان قلب سے نکلی ادھر مقبول ہوئی، لیکن رسول اللہ ﷺ کی خاص دعا یہی تھی کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت کے شفیع ہوں پھر اس کے مقبول ہونے میں کسی طرح کا شبہ نہیں۔

حضرت ﷺ کا فریاد رس ہونا، جانوروں کا آپ ﷺ سے فریاد کرنا

عن أم سلمة: كان النبي صلى الله عليه و سلم في صحراء، فنادته ظبية، يا رسول الله، قال: ما حاجتك؟ قالت: صادني هذا الأعرابي، و لي خفشان في ذلك الجبل، فأطلقني حتى أذهب فأرضعهما و أرجع. قال: و تفعلين؟ قال: نعم. فأطلقها، فذهبت و رجعت، فأوثقها، فانتبه الأعرابي و قال: يا رسول الله، ألك حاجة؟ قال: تطلق هذه الظبية فأطلقها فخرجت تعدو في الصحراء، و تقول: أشهد أن لا إله إلا الله، و أنك رسول الله۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحرا میں تھے، ایک ہرنی نے نداء کی یا رسول اللہ ﷺ!، فرمایا: کیا حاجت ہے؟ عرض کیا مجھے ایک اعرابی نے پکڑ لیا ہے اور اس پہاڑ میں میرے دو چھوٹے بچے ہیں مجھے کھول دیجئے کہ میں انہیں دودھ پلالوں، پھر میں واپس آجاؤں گی، فرمایا: "تو ایسا کرے گی؟ عرض کیا ضرور، آپ نے اس کو کھول دیا وہ گئی اور دودھ پلا کر واپس آگئی پھر اس کو باندھ دیا، اب اعرابی بیدار ہوا، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کچھ حکم ہے؟ فرمایا: اس ہرن کو چھوڑ دے، اس نے ہرنی کو کھول دیا، وہ کلمہء شہادت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله پڑھتی ہوئی جنگل میں دوڑ گئی۔[1]

غرض رسول اللہ ﷺ ہر ایک مصیبت زدہ کے کام آتے ہیں اور ہر ایک کی فریاد سنتے ہیں۔

چنانچہ روز النظیف میں ہے:

فالله اقسم ما اتاك منكسر　　　الا و اصبح منه الكسر ينجبر

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی شکستہ حال نہیں پہنچا کہ اس کی شکستگی کی اصلاح نہ کی گئی ہو۔

و لا احتمى بحماك المحتمي فزعاً　　　الا و عاد بامن مله خضر

ترجمہ: اور نہ کسی پناہ لینے والے نے گھبرا کر آپ ﷺ کے دربار میں پناہ لی مگر امن و امان کے ساتھ واپس ہوا کہ اب اس کو کسی بدرقہ کی ضرورت نہیں۔

و لا اتاك فقير الحال ذو امل　　　الا و فاض من الاثر له نهر

[1] (الشفا بتعريف حقوق المصطفى للقاضي عياض، ج ۱، ص ۲۱۷)

ترجمہ: اور نہ آپ ﷺ کے پاس کوئی فقیر حال امیدوار حاضر ہوا مگر اس کے نشان قدم ہی سے اس کے لئے نہر حوائج کی جاری ہو گئی۔

ولا اتاک امراء من ذنبہ وجل الا وعاد بعفو وھو مغتفر

ترجمہ: اور نہ آپ ﷺ کے پاس کوئی شخص اپنے گناہ سے ڈوبا ہوا آیا مگر وہ عفو کے ساتھ بخشا ہوا گیا۔

ولا دعاک لھیف عند نازلۃ الا ولباہ منک العون والیسر

ترجمہ: اور نہ کسی مغموم نے کسی حادثہ کے وقت آپ کو پکارا مگر آپ ﷺ نے جان بسے عون اور آسانی نے اس کو لبیک کہا۔

یارب صل وسلم دائما ابداً علی حبیبک زانت بہ العصر

ترجمہ: اے پروردگار! اپنے حبیب ﷺ پر جس سے کہ زمانوں نے زینت پائی ہمیشہ ابدلآباد تک درود بھیج۔

انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام و صلحاء عالی مقام سے غائبانہ استمداد کرنے کا جواز

(۱) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اذا انفلتت دابۃ احدکم فلیناد اعینونی یا عباد اللہ! رحمکم اللہ۔ (رواہ البزار)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب کسی کا چوپایہ بھاگ جائے تو چاہئے کہ یوں پکارے:

اعینونی یا عباد اللہ! رحمکم اللہ۔

مدد کرو میری اے خدا کے بندو! اللہ تم پر رحم کرے۔ (حصن حصین)

(۲) عن عتبۃ بن غزوان: عن نبي اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال: (اذا أضل أحدکم شیئا أو أراد أحدکم عونا و هو بأرض لیس بها أنیس فلیقل یا عباد اللہ أغیثوني یا عباد اللہ أغیثوني فان للہ عبادا لا نراهم) و قد جرب ذلک۔

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور مدد چاہے اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے کہ یوں پکارے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، کیونکہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے (وہ اس کی مدد کریں گے) طبرانی کہتے ہیں کہ یہ بات بارہا آزمائی گئی بالکل صحیح نکلی۔ (حصن حصین)

(نامی نے ایک دفعہ آزمایا اور صحیح پایا)۔

(۳) عن عبد اللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: إذا انفلتت دابۃ أحدکم بأرض فلاۃ فلیناد: یا عباد اللہ احبسوا علي یا عباد اللہ احبسوا علي فإن للہ في الأرض حاضر سیحبسہ علیکم۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب کسی کا جانور جنگل میں بھاگ جائے تو یوں ندا کرے کہ اے اللہ کے بندو! روک دو، اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق زمین میں ہوتی ہے وہ اسے تمہارے لئے روک دے گی۔ (ابن السنی)[1]

(۴) عن بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اعینونی یا عباد اللہ!۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، مدد کرو اے اللہ کے بندو۔[2]

اگر انبیاء علیہم السلام و اولیاء اللہ (رجال الغیب) کو غائب میں پکارنا شرک ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کبھی بھی ایسا نہ فرماتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجال الغیب کو پکارنا جائز ہے ہاں باطل معبودوں اور بتوں کو پکارنا البتہ ممنوع اور شرک ہے۔

دیکھئے خود رسول اللہ ﷺ نے ندائے غیبیہ سے پکارنے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کی کیسی صاف طور پر تعلیم فرمائی، کیا اب بھی کوئی ناسمجھ ایسے کلمات کو شرک کہہ سکتا ہے، کیا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر آیت ایاک نستعین نہ تھی، حقیقت یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سے مدد مانگنا اور ان کو غائب میں خطاب حاضر کرنا شرک ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کبھی بھی ایسی تعلیم نہ دیتے۔ غرض ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا اور ان کو غائب میں خطاب حاضر کرنا شرک نہیں ہے بلکہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ہے۔

اولیاء اللہ کی برکت سے عذاب کا ٹلنا، فتح پانا، بادلوں کا آنا

مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

الأبدال یکونون بالشام وھم أربعون رجلا کلما مات رجل أبدل اللہ مکانہ رجلا فیسقي بھم الغیث وینتصر بھم علی الأعداء ویصرف عن أھل الشام بھم العذاب۔

ترجمہ: ابدال ملک شام میں ہوتے ہیں وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ایک قائم مقام کر دیتا ہے، انہی کی وجہ سے بادل لائے جاتے ہیں، انہی کی بدولت دشمنوں پر نصرت دی جاتی ہے، انہی کی برکت سے اہل شام سے عذاب دفع کئے جاتے ہیں۔[3]

---

[1] (المعجم الکبیر، ج ۱۰، ص ۲۱۷)

[2] (ابن شیبہ، بزار)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۱۸، ص ۱۶۰)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقات المفاتیح میں ایک حدیث ابن عساکر سے بروایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بهم يدفع البلاء عن هذه الأمة۔

ترجمہ: ان کی برکت سے اس امت سے بلا دفع کی جاتی ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ قصیدہ اطیب النعم میں ارقام فرماتے ہیں:

وانت مجير من هجوم ملمة اذا انشبت في القلب شر المخالب

ترجمہ: یعنی آپ ﷺ مصیبت کے حملہ آور ہونے کے وقت پناہ دینے والے ہیں جب وہ اپنے سخت پنجے قلب میں گاڑھ دے۔

حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء اللہ کو ندا اور اُن سے استمداد جائز ہے

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علی الاعلان ارشاد فرماتے ہیں کہ تکالیف و مصائب کے وقت مجھ کو پکارو اور میرا توسل پکڑو تو تمہاری تکالیف اور حاجات بر آئیں گی۔

چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ زبدۃ الآثار میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

من استغاث بی فی کربة کشفت عنه ومن نادی باسمی فی شدة فرجت عنه ومن توسل بی الی الله عزوجل فی حاجته قضیت له ومن صلی رکعتین یقرء فی کل رکعة بعد الفاتحه سورة الاخلاص احدی عشرة مرة ثم یصلی علی رسول الله ﷺ بعد السلام و یسلم علیه ثم یخطو الی جهة العراق احدی عشرة خطوة یذکر فیها اسمی ویذکر حاجته فانها تقضی۔

ترجمہ: جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف دفع ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو اور جو کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے اور جو دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیر کر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر عراق کی طرف گیارہ قدم چلے ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے اس کی وہ حاجت پوری ہو جائے گی۔[2]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۱۸، ص۱۲۰)

[2] (بهجة الاسرار ذکر فضل اصحابه وبشراهم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲)

اس نماز کا نام صلوٰۃ غوثیہ اور صلوٰۃ اسرار ہے یہ روایت ایسی صحیح اور مستند ہے کہ اس پر بڑے بڑے آئمہ و محدثین نے گواہی دی ہے اور اپنی اپنی تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ:

(۱) شیخ مجد الدین شیرازی فیروزآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف قاموس نے روض الناظرین میں۔

(۲) شیخ محمد سعید زنجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نزہۃ الخواطر میں۔

(۳) شیخ شہاب الدین قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روض الزاھر میں۔

(۴) امام عبد اللہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاصۃ المفاخر میں۔

(۵) شیخ محمد یحیٰ التنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلائد الجواہر میں۔

(۶) شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے زبدۃ الاسرار زبدۃ الآثار (مختصر بھجۃ الاسرار) میں۔

(۷) شاہ ابو المعالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحفہ ء قادریہ میں۔

(۸) ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نزھۃ الخاطر الفاتر میں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس وظیفہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وقد جرب ذالک مراراً افصح۔

یعنی اور تحقیق یہ وظیفہ بارہا آزمایا اور تجربہ کیا صحیح اور درست نکلا۔

همہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند

آں سگے کیست کہ بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ: دنیا کے سارے شیر اس زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں ایسا کتا کون ہو سکتا ہے کہ اس زنجیر کو توڑ سکے؟

انبیاء علیہم السلام کی قبروں کا فیض

حضرت دانیال علیہ السلام کے تابوت سے توسل

إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان میں ہے:

قال: حدثنا أبو العالية، قال: لما فتحنا تُسْتَر وجدنا في بيتِ مال الهُرْمُزان سريرًا عليه رجل ميت، عند رأسه مصحف له، فأخذنا المصحف، فحملناه إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه، فدعا له كَعبًا، فنسخه بالعربية، فأنا أولُ رجل من العرب قرأه، قرأته مثل ما أقرأ القرآن، فقلت لأبي العالية: ما كان فيه؟ قال: سيرتُكم وأموركم ولحُون (2) كلامكم، وما هو كائن بعدُ، قلت: فما صنعتم بالرجل؟ قال: حفرنا بالنهار ثلاثة عشر قبرًا متفرقة، فلما كان الليلُ دفنّاه

وسوينا القبور كلها، لنُعَمِّيَه على الناس لا يَنْبشونه، فقلت: وما يرجون منه؟ قال: كانت السماء إذا حُبست عنهم أبرزوا السرير فيُمْطَرون، فقلت: من كنتم تظنون الرجل؟ قال: رجل يقال له: دانيال، فقلت: مُنْذُ كَمْ وجدتموه مات؟ قال: منذ ثلاث مئة سنة، قلت: ما كان تغير منه شيء؟ قال: لا، إلا شُعيرات من قَفاه، إن لحوم الأنبياء لا تُبليها الأرض، ولا تأكلها السباع۔

ابن اسحاق نے مغازی میں روایت کیا ہے کہ ابی العالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"جب ہم لوگوں نے شہر تستر کو فتح کیا تو ہرمز کے گھر میں ایک تخت ملا جس پر ایک مردہ تھا اور اس کے سرہانے ایک مصحف تھا، ہم اس مصحف کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے، انہوں نے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور اس کتاب کو عربی میں لکھوایا، پہلے میں نے اس کتاب کو پڑھ کر ابو العالیہ سے پوچھا کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کتاب میں تمہاری خصلتیں اور تمہارے حالات اور تمہاری گفتگو کے لہجے اور جو آئندہ ہونے والا ہے وہ سب لکھا ہوا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ تم نے اس مردے کو کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے دن کو تیرہ قبریں جدا جدا کھودیں، جب رات ہوئی تو ہم نے اس کو ایک قبر میں دفن کر دیا اور سب قبروں کو برابر کر دیا، اور یہ اس واسطے کیا کہ لوگ اصلی قبر سے ناواقف رہیں اور کفن نہ چرائیں، پھر میں نے پوچھا کہ اس مردے کو کس امید پر رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ جب پانی نہیں برستا تھا تو اس تابوت کو باہر نکالتے تھے تو پانی برستا تھا، پھر میں نے پوچھا کہ وہ مردہ کون تھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام تھے، پھر پوچھا کہ ان کو لوگ کب سے رکھے ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ تین سو برس سے، پھر پوچھا کہ ان کے جسم میں کچھ تغیر تو نہیں ہوا تھا؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں صرف چند بال سر کے پیچھے سے خراب ہو گئے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو زمیں بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی درندہ کھاتا ہے۔[1]

اس روایت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں اور بعد از وصال حصول مطالب کے لئے ذریعہ کرنا ایک قدیم دستور تھا اسی واسطے حضرت دانیال علیہ الاسلام کی نعش کو تین سو برس تک رکھے رہے اور ان کی وساطت سے طلب باراں کرتے رہے، اگر یہ فعل شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاف فرمادیتے کہ یہ شرک ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی برکت

تفسیر مظہری میں ہے کہ جب فرعون نے مصر میں بنی اسرائیل کو تنگ کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا کہ سب بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ، موسیٰ علیہ السلام سب کو لے کر چل دیئے، جب دریائے نیل پر

[1] (إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان، ج ۱، ص ۳۶۹، الناشر: دار عالم الفوائد-مكة المكرمة)

پہنچے تو راستہ بھول گئے، بڑی کوشش کی گئی مگر پتہ نہ لگا، آپ نے پکار کر کہا کہ جو شخص اس بھید سے واقف ہو وہ آکر بتلائے، ایک بڑھیا نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ جب یوسف علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا تھا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر کسی وقت تم لوگ مصر کا رہنا چھوڑ دو تو میرا تابوت جس میں میری لاش ہو گی اپنے ہمراہ لے جانا ورنہ راستہ نہیں ملے گا، آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں دفن ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس شرط پر بتلاتی ہوں کہ میری ایک بات کو مان لیا جائے، آپ نے پوچھا، وہ کیا ہے، کہنے لگی کہ وہ یہ ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور بہشت میں جہاں آپ کو جگہ ملے وہیں میں بھی ہوں، آپ نے بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس سے اس کا اقرار کر لو ہم اس کی آرزو پوری کریں گے، چنانچہ آپ نے اس بڑھیا سے اقرار کر لیا، اس نے اسی وقت تابوت کا پتہ بتلا دیا کہ دریا کے بیچ اس جگہ دفن ہے، انہوں نے وہاں سے فوراً تابوت نکال لیا اور اس کی برکت سے راستہ کا پتہ چل گیا۔[1]

اس روایت سے تین مفید نتیجے نکلتے ہیں:

(۱) تابوت یوسف نبی علیہ السلام سے استمداد کرنے کی مشروعیت۔

(۲) خود حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے تابوت سے استمداد کرنے کی وصیت کرنا۔

(۳) بڑھیا کی حق پسندی کہ اپنے لئے کوئی دنیاوی مراد طلب نہیں کی بلکہ عقبیٰ کی نعمت چاہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبر سے نکل کر سائل کے لئے دعا کرنا

علامہ احمد شہاب الدین حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاوٰی حدیثیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

نقل الیافعی وغیرہ عن الشیخ الکبیر ابی عبداللہ القرشی انه وقع بمصر غلاء کبیر فتوجه للدعاء برفعه فقیل لا تدع فلا یسمع لاحدمنکم فی ھذا الامر دعاء فسافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب من ضریح الخلیل علیه وعلی نبینا افضل الصلاۃ والسلام تلقانی فقلت یا رسول اللہ اجعل ضیافتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعالھم ففرج اللہ عنھم۔

ترجمہ: امام یافعی وغیرہ نے شیخ کبیر ابو عبداللہ قرشی سے نقل کیا کہ مصر میں بڑی گرانی واقع ہوئی تو شیخ دعا کے لئے متوجہ ہوئے اس پر آپ سے کہا گیا کہ تم دعا نہ کرو، اس باب میں تم میں سے کسی کی نہ سنی جائے گی، شیخ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے شام کی طرف سفر کیا، جب میں ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کے قریب پہنچا تو آپ نے مجھ سے

---

[1] (التفسیر المظھری، سورۃالبقرۃ، ج ۱، ص ۲۹، ناشر: مکتبۃرشدیہ، باکستان)

ملاقات فرمائی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ میری میزبانی وضیافت میں اہل مصر کے لئے دعا فرمائیں، آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے وہ گرانی رفع کر دی۔ [1]

اس روایت سے ثابت ہوا کہ انبیاء زندہ ہیں اور وہ زائرین کو بظاہر بھی ملتے ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں اور ان کی برکت سے کشائش رزق بھی ہوتا ہے۔

عام موتیٰ کے لئے انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کے مزاروں کے پاس دفن ہونے کی برکت

انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام جہاں مدفون ہوتے ہیں وہ جگہ متبرک ہوتی ہے، اس لئے عوام وخواص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہم ان کے مزار کے قریب دفن ہوں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے ہم گناہ گاروں کو بخش دے، یہ بھی ایک طرح سے استمداد باولیاء اللہ ہے، بہر کیف جس طرح زندگی میں ان کی صحبت مفید ہوتی ہے اسی طرح عالم برزخ میں بھی۔

دیکھئے جب رسول اللہ ﷺ زیارت کرنے والوں کی شفاعت کے بھی ضامن ہوتے ہیں، بھلا جو شخص آپ ﷺ کے قریب دفن ہو گا وہ کس طرح آپ ﷺ کی شفاعت سے محروم رہ سکتا ہے، یہی برکت اولیائے کرام کے مزارات کی ہے م بنا بریں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے قریب دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لئے آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔

شیخ جمال موصلی کی آرزو روضہ ء مقدسہ کے پاس دفن ہونا

جمال موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے روضہ ء مبارک کے پاس جگہ پانے کے لئے بہت سا روپیہ خرچ کیا، جب جگہ مل گئی تو آپ نے وصیت کی کہ میری قبر پر یہ لکھنا کہ ایک کتا دہلیز پر پڑا ہے جو چند قدم تیرے دوستوں کے ساتھ چلا ہے تو اپنی اس نظر عنایت سے جو ان پر ڈال رہا ہے محروم نہ کرنا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

فوت شدہ بزرگان دین ک قبور سے استمداد اور اس کی اجابت کے واقعات

ان واا قعات و نظائر کو بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہتا ہے کہ پلے چند اکابر ملت کے بیانات استمداد و اعانت کی تائید میں نقل کئے جائیں۔

[1] (الفتاویٰ الحدیثیۃ، ج ۱، ص ۲۱۳، دار النشر: دار الفکر، بیروت)

نداء الاولیاء کا جواز

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ تعالیٰ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے جواہر خمسہ کے تمام عملوں کی اجازت شیخ ابو طاہر مدنی اور شیخ محمد سعید لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ ماسے حاصل کی، یہ جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیاری رحمہ اللہ تعالیٰ جو اکابر اولیاء اللہ سے ہوئے ہیں کی تصنیف سے ہے، یہ کتاب بڑی مستند اور معتبر ہے، اسی واسطے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے اکابر محدث نے اس کے عملیات کی اجازت حاصل کی ہے، اگر اس کے عملیات وغیرہ غیر مشروع ہوتے تو آپ ہرگز اجازت حاصل نہ کرتے، دیکھئے اس کتاب میں ذیل کا عمل مرقوم ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امداد طلب کی گئی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں ناد علی سات بار، یا تین بار، یا ایک بار پڑھے اور وہ ناد علی یہ ہے:

نادعلیا مظھر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب، کل ھم وغم سینجلی بولیتک یاعلی یاعلی یاعلی!

جس کا ترجمہ یہ ہے: ”پکار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو عجائب امور کے مظہر ہیں، تم ان مصیبتوں میں اپنے مددگار پاؤ گے، ہر ایک فکر اور غم اے علی! اے علی! اے علی! آپ کی ولایت کی برکت سے عنقریب جاتا رہے گا۔“

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روضہ رسول ﷺ پر جا کر اپنے مصائب کی شکایت کرنا

عن علی ابن ابی طالب قال لما مات رسول اللہ ﷺ و دفن جاءت فاطمۃ فاخذت قبضۃ من تراب القبر فوضعتہ علی عینیھا و بکت:

ماذا علی من شم تربۃ احمد	**عن لا یشم مدیا لزمان غوالیا**
صبت علی مصائب لو انھا	**صبت علی الایام عدن لیالیا**

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا اور وہ دفن کئے گئے تو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے روضے پر تشریف لائیں اور قبر مبارک سے ایک مٹھی خاک لے کر اپنی آنکھوں پر رکھی اور روئیں اور یہ شعر پڑھے:

ماذا علی من شم تربۃ احمد	**عن لا یشم مدیا لزمان غوالیا**
صبت علی مصائب لو انھا	**صبت علی الایام عدن لیالیا**

ترجمہ: اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے جس نے قبر احمد کی خوشبو کو سونگھا کہ وہ کبھی کسی خوشبو کو سونگھے، مجھ پر وہ مصیبتیں گریں کہ اگر وہ دنوں پر گرتیں تو وہ رات بن جاتے۔ (وفا ابن جوزی)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں پر جا کر اظہار مصائب کرنا جائز ہے، بلکہ مسنون ہے۔[1]

قبور اکابر سے استفادہ جمہور کے نزدیک مشروع ہے

المدخل لابن الحاج میں ہے:

فمن اراد حاجۃ فلیذھب الیھم ویتوسل بھم فانھم الواسطۃ بین اللہ تعالیٰ و خلقہ و قد تقرر فی الشع و علم ماللہ تعالیٰ بھممن الاعتناء و ذالک کثیر مشھور و مازال الناس من العماء و الاکابر کابرا عن کابر مشرقاً و مغرباً یتبرکون بزیارۃ قبورھم و یجدون برکۃ ذالک حسا و معنی۔

ترجمہ: جو شخص اپنی حاجت روائی چاہتا ہو اسے چاہئے کہ بزرگان دین کی قبروں پر جائے اور ان سے توسل کرے اس لئے کہ بزرگان دین اللہ تعالیٰ اور بندے میں واسطہ ہیں، اور شریعت میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی توجہ خاص ہے، یہ امر کثیر الوقوع و مشہور ہے، ہر زمانے کے علماء کا یہی دستور چلا آتا ہے عام ازیں کہ علماء مشرق ہوں یا مغرب بزرگان دین کی قبروں کی زیارت سے فیض و برکت حاصل کرتے اور اس کی برکت ظاہراً و باطناً محسوس کرتے رہے ہیں۔[2]

تشفع و توسل آئمہ دین کا معمول ہے

المدخل لابن الحاج میں ہے:

قد ذكر الشيخ الإمام أبو عبد الله بن النعمان رحمه الله في كتابه المسمى بسفينة النجاء لأهل الالتجاء في كرامات الشيخ أبي النجاء في أثناء كلامه على ذلک ما هذا لفظه تحقق لذوي البصائر و الاعتبار أن زيارة قبور الصالحين محبوبة لأجل التبرک مع الاعتبار فإن بركة الصالحين جارية بعد مماتهم كما كانت في حياتهم و الدعاء عند قبور الصالحين و التشفع بهم معمول به عند علمائنا المحققين من أئمة الدين انتهى۔

ترجمہ: ارباب بصیرت کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بزرگان دین کی قبور کی زیارت برکت و عبرت کے لئے بہتر ہے کیونکہ اولیاء اللہ کی برکت ان کے انتقال کے بعد اسی طرح جاری رہتی ہے جیسے عالم حیات میں تھی، صالحین کی قبور کے پاس جا کر دعا کرنا اور ان کی شفاعت چاہنا، علمائے محققین اور ائمہ دین کا معمول ہے۔(رواہ فی مدخل)[3]

---

[1] (رواہ ابن الجوزی فی الوفا)

[2] (المدخل لابن الحاج، ج ۱، ص ۲۵۵، الناشر دار الفکر، بیروت)

[3] (المدخل لابن الحاج، ج ۱، ص ۲۵۵، الناشر دار الفکر، بیروت)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر اہل روم استمداد و استسقاء کرتے ہیں

وَشَهِدَ أَبُو أَيُّوبَ بَدْرًا، وأُحُدًا، وَالْخَنْدَقَ وَالْمَشَاهِدَ كُلَّهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُوُفِّيَ عَامَ غَزَا يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ فِي خِلَافَةِ أَبِيهِ مُعَاوِيَةَ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ وَخَمْسِينَ، وَقَبْرُهُ بِأَصْلِ حِصْنِ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ بِأَرْضِ الرُّومِ فِيمَا ذُكِرَ يَتَعَاهَدُونَ قَبْرَهُ، وَيَزُورُونَهُ وَيَسْتَسْقُونَ بِهِ إِذَا قَحَطُوا۔ (رواہ الحاکم)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں ان کے بیٹے یزید کے ہمراہ قسطنطنیہ میں جہاد کو گئے تھے اور وہیں شہید ہوئے، مسلمانوں نے ان کو شہر پناہ کی جڑھ میں دفن کر دیا، راوی کہتا ہے کہ ہمیشہ روم کے آدمی ان کی قبر کی زیارت کو جاتے ہیں اور جب قحط پڑتا ہے تو ان کی قبر پر جا کر پانی مانگتے ہیں۔[1]

اس روایت سے ثابت ہوا کہ روم کے رہنے والے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے قحط کے دنوں میں بارش مانگا کرتے تھے۔

اہل اللہ کی قبر پر منہ رکھنے کا ثبوت

أَقْبَلَ مَرْوَانُ يَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ، فَأَخَذَ بِرَقَبَتِهِ وَقَالَ: أَتَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ فَإِذَا هُوَ أَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: جِئْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَا تَبْكُوا عَلَى الدِّينِ إِذَا وَلِيَهُ أَهْلُهُ، وَلَكِنِ ابْكُوا عَلَيْهِ إِذَا وَلِيَهُ غَيْرُ أَهْلِهِ۔

ترجمہ: مروی ہے کہ ایک روز مروان روضہ ٕرسول ﷺ پر گیا وہاں اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا منہ قبر مبارک پر رکھے ہوئے ہے، مروان نے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ پھر ان کے آگے آیا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ہیں نہ کہ پتھر کے پاس (اور یہ بھی فرمایا) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم دین پر نہ رؤو جبکہ اس پر وہ شخص حاکم ہو جو اس کے قابل ہو، لیکن تم دین پر اس وقت رؤو جبکہ اس پر وہ شخص حاکم ہو کہ جو اس کے قابل نہیں ہے۔[2]

اس روایت سے تین باتیں ثابت ہوئیں:

اول: رسول اللہ ﷺ یا بزرگان دین کے مزار مبارک پر جانا گویا خود ان کے پاس جانا ہے، گویا مزار ایک ظاہری چیز ہے، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے روضہ ٕمبارک پر جانے کو ایسا ہی تعبیر فرمایا ہے۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۵۷۴، دار المعرفۃ، بیروت)

[2] (المستدرک للحاکم، ج۴، ص۵۱۵، دار المعرفۃ، بیروت)

دوم: اہل اللہ کے مزاروں پر بوسہ دینا یا منہ رکھنا جائز ہے کیونکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے روضہء مبارک پر اپنا منہ رکھا تھا، لہٰذا صحابہ کا فعل حجت ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

ترجمہ: یعنی میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کسی کی تم پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

سوم: اگر کوئی انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزاروں پر منہ رکھنے کو تعجب یا کراہت کی نظر سے دیکھے تو ایسے شخص کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق رونا چاہیے جیسا کہ انہوں نے مروان کو فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام کے مزارات سے استعانت عام شائع ہے

ابن حاج مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ مدخل میں تحریر فرماتے ہیں:

وَأَمَّا عَظِيمُ جَنَابِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ -صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ فَيَأْتِي إلَيْهِمْ الزَّائِرُ-------------ثُمَّ يَتَوَسَّلُ إلَى اللهِ تَعَالَى بِهِمْ فِي قَضَاءِ مَآرِبِهِ وَمَغْفِرَةِ ذُنُوبِهِ وَيَسْتَغِيثُ بِهِمْ وَيَطْلُبُ حَوَائِجَهُ مِنْهُمْ وَيَجْزِمُ بِالْإِجَابَةِ بِبَرَكَتِهِمْ وَيُقَوِّي حُسْنَ ظَنِّهِ فِي ذَلِكَ فَإِنَّهُمْ بَابُ اللهِ الْمَفْتُوحِ، وَجَرَتْ سُنَّتُهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي قَضَاءِ الْحَوَائِجِ عَلَى أَيْدِيهِمْ وَبِسَبَبِهِمْ وَمَنْ عَجَزَ عَنْ الْوُصُولِ إلَيْهِمْ فَلْيُرْسِلْ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِمْ وَذِكْرِ مَا يَحْتَاجُ إلَيْهِ مِنْ حَوَائِجِهِ وَمَغْفِرَةِ ذُنُوبِهِ وَسَتْرِ عُيُوبِهِ إلَى غَيْرِ ذَلِكَ، فَإِنَّهُمْ السَّادَةُ الْكِرَامُ، وَالْكِرَامُ لَا يَرُدُّونَ مَنْ سَأَلَهُمْ وَلَا مَنْ تَوَسَّلَ بِهِمْ، وَلَا مَنْ قَصَدَهُمْ وَلَا مَنْ لَجَأَ إلَيْهِمْ۔

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی یہ کیفیت ہے کہ زیارت کرنے والے ان کے مزار پر آتے ہیں اپنی قضائے حاجات میں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو وسیلہ بناتے ہیں، ان کے ذریعے سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں، ان سے استغاثہ کرتے ہیں، اپنی حاجات ان سے چاہتے ہیں، اور یقیناً یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی برکت سے کامیاب ہوں گے کیونکہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے کھلے ہوئے دروازے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ لوگوں کی حاجتوں کو ان کے ہاتھ پر اور ان کے سبب سے پوری کرتا ہے، اور جو ان کے مزار مبارک پر حاضر نہیں ہو سکتا وہ ان کی درگاہ میں سلام بھیجتا ہے اور اپنی حاجت عرض کرتا ہے، مغفرت کی دعا کرتا ہے، ستر عیوب کا آرزومند ہوتا ہے، کیونکہ وہ لوگ بڑے بزرگ ہیں، بزرگ سائل کے سوال کو رد نہیں کرتے، جو ان سے توسل کرتا ہے وہ ناکام نہیں رہتا، جو ان کی خدمت میں التجا کرتا ہے خالی نہیں جاتا۔[1]

[1](المدخل لابن الحاج مکی ج ۱ ص ۲۵۸)

ایک بھوکے نابینا کو روضہ پاک پر شکایت کرنے سے روٹی ملی

وقال أبو العباس بن نفيس المقري الضرير جعت بالمدينة ثلاثة أيام فجئت إلى القبر فقلت يا رسول الله جعت ثم بت ضعيفا فركضتني جارية برجلها فقمت معها إلى دارها فقدّمت إليّ خبز بر وتمرا وسمنا وقلت كل يا أبا العباس فقد أمرني بهذا جدي صلى الله عليه وسلم ومتى جعت فأت إلينا۔

ترجمہ: حضرت ابو العباس بن نفیس المقری نابینا فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں تین روز بھوکا رہا، پھر قبر مبارک کے پاس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں بھوکا ہوں، پھر ناتواں ہو کر سو رہا کہ ایک عورت نے پاؤں کی ٹھوکر سے مجھے جگایا میں اٹھ کر اس کے ساتھ اس کے مکان تک گیا، وہ گیہوں کی روٹی اور خرما اور گھی میرے پاس لائی اور کہا کھاؤ اے ابو العباس! مجھے میرے نانا ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، جب تم کو بھوک لگے تو ہمارے یہاں آیا کرو۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار پر ایک مظلوم کی دادرسی

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب "المستقصی فی فضائل المسجد الاقصیٰ" میں لکھا ہے:

يا نبي اللهَ إني متوجه بک إلى ربي في حوائجي لتقضي لي الىٰ ان قال ثم يتوجه الى اللهَ تعالى ما سأل وأضعف له وذلک فوق سألته لكرامة إبراهيم -عليه السلام- وحدث أبو الحسن موسى بن الحسين التاجر قال: حدثني رجل من أهل بعلبک قال: زرنا قبر إبراهيم الخليل -عليه السلام- وكان معنا رجل مغفل من أهل الجبل فسمعنا وقد زار القبر وهو يبكي وهو يقول: حبيبي إبراهيم سل ربک يكفيني فلانًا وفلانًا فإنهم يؤذياني ونحن نضحک منه ونتعجب من قوله، ثم رجعنا بعد مدة إلى يافا فوصل قارب من بيروت وفيه رجل من أهل بعلبک فحدثنا أن الثلاثة الذين سماهم ماتوا۔

ترجمہ: یا نبی اللہ ہم متوجہ ہوتے ہیں بذریعہ آپ ﷺ کے اپنے رب کی طرف اپنی حاجتوں میں تاکہ تو میری حاجت پوری کر دے ھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو بذریعہ جمیع انبیاء علیہم السلام کے خصوصاً سردار اولین و آخرین سردار ہمارے محمد ﷺ کے ذریعے سے اور کعب نے کہا کہ جو کوئی ابراہیم علیہ السلام کو وسیلہ پکڑتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے جو وہ مانگتا ہے بلکہ دوچند اس سے بہ سبب زیادہ ہونے بزرگی ابراہیم علیہ السلام کی کے، اور حسن بن موسیٰ بن حسن تاجر نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک شخص نے جو بعلبک کا رہنے والا تھا کہا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت کو گئے تھے اور ہمارے ساتھ ایک اور معزز شخص بعلبک کا تھا، میں نے اس کو ابراہیم علیہ السلام کے مزار کی زیارت کرتے وقت رو کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے میرے پیارے ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے سوال کیجیے کہ تین اشخاص نے مجھے بہت ستایا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بدلہ لے وہ

[1](خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، ج ۱، ص ۵۰)

کہتا ہے کہ میں وہاں سے یافہ تک پھرا اور بیروت کے قریب پہنچا وہاں مجھے معلوم ہوا کہ وہ تینوں شخص جن کا اس نے نام لیا تھا مر گئے۔[1]

حضرت دانیال علیہ السلام کے جسم سے توسل

حدثنا أبو العالية قال: "لما فتحنا تستر وجدنا في بيت مال الهرمزان سريرا عليه رجل ميت، عند رأسه مصحف له، فأخذنا المصحف، فحملناه إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه، فدعا له كعباً، فنسخه بالعربية. فأنا أول رجل من العرب قرأه، قرأته مثل ما أقرأ القرآن. فقلت لأبي العالية: ما كان فيه؟ قال سيرتكم وأموركم ولحون كلامكم. وما هو كائن بعد. قلت: فما صنعتم بالرجل؟ قال: حفرنا بالنهار ثلاثة عشر قبراً متفرقة، فلما كان الليل دفناه وسوينا القبور كلها، لنعميه على الناس لا ينبشونه، فقلت: وما يرجون منه؟ قال: كانت السماء إذا حبست عنهم أبرزوا السرير فيمطرون. فقلت من كنتم تظنون الرجل؟ قال: رجل يقال له: دانيال، فقلت: مُذ كم وجدتموه مات؟ قال: مذ ثلاثمائة سنة، قلت: ما كان تغير منه شيء؟ قال: لا، إلا شعيرات من قفاه، إن لحوم الأنبياء لا تبليها الأرض، ولا تأكلها السباع۔

ترجمہ: ابی العالیہ نے کہا کہ جب ہم لوگوں نے تستر کو فتح کیا تو ہرمز کے گھر میں ایک تخت ملا جس پر ایک مردہ تھا اور اس کے سرہانے ایک مصحف تھا، ہم اس مصحف کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے انہوں نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور اس کتاب کو عربی میں لکھوایا، پہلے اس کتاب کو میں نے پڑھا، پھر میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہوا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ اس میں تمہاری خصلتیں اور تمہارے حالات اور تمہاری گفتگو کے لہجے اور جو آئندہ ہونے والا ہے وہ سب لکھا ہوا تھا، پھر میں نے پوچھا کہ تم نے اس مردے کو کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ دن کے وقت ہم نے تیرہ قبریں علیحدہ علیحدہ کھودیں، رات کو اسے ایک قبر میں دفن کر دیا اور باقی تمام قبروں کو برابر کر دیا، یہ اس واسطے کیا کہ لوگ اصلی قبر سے ناواقف رہیں اور اس کو نہ کھودیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ لوگ اس مردے سے کیا امید رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ جب پانی نہیں برستا تھا تو اس تخت کو باہر نکالتے تھے اسی وقت پانی برسنا شروع ہو جاتا تھا، پھر میں نے پوچھا کہ وہ مردہ کون تھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام تھے، پھر میں نے پوچھا کہ ان کو لوگ کب سے رکھے ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ تین سو برس سے، پھر میں نے کہا کہ ان کے جسم میں کوئی تغیر تو واقع نہیں ہوا تھا؟ انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں صرف چند بال سر کے پیچھے سے خراب ہوئے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے گوشت کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ ان کو درندہ کھاتا ہے"۔[2]

---

[1](إتحاف الأخِصا بفَضَائل المسجد الأقصى، ج ٢، ص ٦٢، ٦٣، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتب)

[2](الكتاب: إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، ج ١، ص ٢٠٣، الناشر: مكتبة المعارف، الرياض، المملكة العربية السعودية)

اس روایت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو حین حیات میں اور بعد ممات کے حصول مطالب کے واسطے ذریعہ کرنے کا ایک قدیم دستور تھا اور لوگ ہمیشہ سے کیا کرتے تھے، تب ہی تو حضرت دانیال علیہ السلام کی نعش مبارک کو تین سو برس تک رکھے رہے اور جب پانی نہیں برستا تھا تو اس نعش مبارک کو نکال کر اس کے ذریعہ سے بارش مانگا کرتے تھے اسی وقت بارش ہو جایا کرتی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ فرمانا کہ جب پانی نہیں برستا تھا تو وہ لوگ تخت کو نکالتے تھے اور پانی برس جاتا تھا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں کا ایسا کرنا جائز تھا کیونکہ اگر ان لوگوں کا یہ فعل شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس قصے کو ذکر کر کے ضرور ایسے کاموں سے منع کرتے۔

قبولیت دعا کی تریاق بزرگوں کی قبریں ہیں

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ **اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ** میں چار ایسے بزرگوں کے اسمائے مبارک لکھتے ہیں جو اپنی بروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح وہ زندگی میں کیا کرتے تھے، چنانچہ ان کے اسماء یہ ہیں:

(۱) شیخ معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۲) شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۳) شیخ طفیل نجمی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۴) شیخ حیات بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت بشر بن حارث تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر مبارک اجابت دعا کے لئے اکسیر ہے۔

وقال أحمد بن الفتح فما فعل معروف الكرخي فحرك رأسه ثم قال لي هيهات حالت بيننا وبينه الحجب إن معروفا لم يعبد الله شوقا إلى جنته ولا خوفا من ناره وإنما عبده شوقا إليه فرفعه الله إلى الرفيع الأعلى ورفع الحجب بينه وبينه ذاك الترياق المقدس المجرب فمن كانت له إلى الله حاجة فليأت قبره وليدع فإنه يستجاب له إن شاء الله تعالى۔

ترجمہ: حضرت احمد بن الفتح نے کہا کہ میں نے معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ افسوس ہمارے اور ان کے درمیان میں پردہ حائل ہو گیا، معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خدا کی عبادت جنت کے شوق یا جہنم کے خوف سے نہیں کی تھی بلکہ خدا کی عبادت خدا کے شوق میں کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام اعلیٰ میں اٹھا لیا، پس جس کسی کو کچھ حاجت ہو تو اس کو چاہیئے کہ ان کے مزار مبارک پر جا کر دعا کرے، ان شاء اللہ اس کی دعا قبول ہو جائے گی۔[1]

---

[1](صفۃ الصفوۃ، ج۲، ص ۳۲۴، الناشر: دار المعرفۃ-بیروت)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تابعین میں سے ہیں اور جن کے جنازے پر علی بن مدنی محدث رحمہ اللہ تعالیٰ پکار کر یہ کہتے تھے کہ یہ دین اور دنیا میں بزرگ ہیں۔ یہ اجازت دی کہ جس کسی کو کچھ حاجت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر مبارک پر جائے اور اپنا مطلب کہے، اس کا کام ہو جائے گا، تو پھر بھلا ایسا فعل کیونکر شرک ہو سکتا ہے اور کون بدبخت ایسے علامہ تابعی کو مشرک کہہ سکتا ہے۔

(۲) شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لمعات میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ در قبر خود مثل احیاء تصرف مے کند۔

ترجمہ: حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔

(۳) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک دعا قبول ہونے کے لئے مثل تریاق ہے۔

(۴) علامہ ابن حجر خیرات الحسان میں ارشاد فرماتے ہیں:

لم یزل علماء و ذوو الحاجات یزورون قبر الامام ابی حنیفة یتوسلون الی اللہ فی قضاء حوائجھم ویرون نجح ذلک۔ منھم الامام الشافعی یقول لانی اتبرک بابی حنیفة و اجیء الیٰ قبرہ زائراً فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت الیٰ قبرہ۔

ترجمہ: بڑے بڑے علماء و فضلاء اور حاجت مند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر مبارک پر آتے اور اپنی حاجتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ پکڑتے اور بانیل مرام واپس جاتے، چنانچہ ان میں سے ایک امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جو فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی قبر مبارک سے برکت حاصل کرتا ہوں اور جب ضرورت پیش آتی ہے تو امام صاحب کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر دو رکعت نماز نفل گزارتا ہوں، اللہ تعالیٰ صاحب قبر کی برکت سے میری حاجت پوری کر دیتا ہے۔

اہل اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنانے اور ان سے روحانی استمداد کا جواز

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں:

وقیل إقسام بالنفوس الفاضلة حالة المفارقة لا بد أنها بالموت فإنها تنزع عن الأبدان غرقا أي نزعا شديدا من أغرق النازع في النفوس إذا بلغ غاية المد ينتهي إلى النصل لعسر مفارقتها أياها حيث الفنه وكان مطية لها لاكتساب الخير ومظنة لازدياده فتنشط شوقا إلى عالم الملكوت وتسبح به فتسبق به حظائر القدس فتصير لشرفها وقوتها من

المدبرات أي ملحقة بالملائكة أو تصلح هي لأن تكون مدبرة كما قال الإمام أنها بعد المفارقة قد تظهر لها آثار وأحوال في هذا العالم فقد يرى المرء شيخه بعد موته فيرشده لما يهمه وقد نقل على جالينوس أنه مرض مرضا عجز عن علاجه الحكماء فوصف له في منامه علاجه فأفاق وفعله فأفاق وقد ذكره الغزالي ولذا قيل وليس بحديث كما توهم تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور أي أصحاب النفوس الفاضلة المتوفين ولا شك في أنه يحصل لزائرهم مدد روحاني ببركتهم وكثيرا ما تنحل عقد الأمور بأنامل التوسل إلى الله تعالى بحرمتهم۔

ترجمہ: کہا گیا ہے: اس سورت پاک کے ان ابتدائی جملوں میں موت کے وقت نیک لوگوں کی ارواح کی جسموں سے جدائی کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور ارواح کی انہی مختلف کیفیات کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ یہ ارواح بدنوں سے کھینچ کر نکالی جاتی ہیں، کیوں کہ ان بدنوں کے ساتھ مانوس ہونے کی وجہ سے وہ جدا ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ نیکیاں کمانے کیلئے بدن سواری کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی بدولت نیکیاں بڑھنے کا امکان و گمان زیادہ ہوتا ہے۔ پھر وہ ارواح عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرتی ہیں اور تیرتے ہوئے حریم قدسی تک پہنچ جاتی ہیں، اور اپنی شرافت وقوت کی وجہ سے کارکنانِ قضاء وقدر کے ساتھ مل جاتی ہیں یعنی فرشتوں میں شامل ہو جاتی ہیں، یا انتظام وتصرف کی صلاحیت حاصل کر لیتی ہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے: جب تمہیں مشکلات پیش آئیں تو اہل مزارات سے مدد طلب کیا کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے ان محبوب ومقبول بندوں سے جو نفوس قدسیہ کے مالک ہیں، اور وصال فرما گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کے مزارات پر حاضری دے، اسے ان کی برکت سے روحانی مدد حاصل ہوتی ہے، اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی حرمت کا وسیلہ پیش کرنے سے مشکلات کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

وقيل إقسام بالنفوس حال سلوكها وتطهير ظاهرها وباطنها بالأجتهاد في العبادة والترقي في المعارف الإلهيو فإنها تنزع عن الشهوات وتنشط إلى عالم القدس فتسبح في مراتب الأرتقاء فتسبق إلى الكمالات حتى تصير من المكملات للنفوس الناقصة۔

ترجمہ: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان جملوں میں ان پاک سرشت لوگوں کی قسم اٹھائی گئی ہے، جو میدان سلوک میں قدم رکھتے ہیں اور عبادت وریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے ظاہر وباطن کو پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور معرفت خداوندی حاصل کر لیتے ہیں۔ (ان قدسی لوگوں پر ان جملوں کا انطباق یوں ہوگا کہ) یہ حضرات خود کو نفسانی خواہشات

سے روکتے ہوئے عالم قدس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے کمالات کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں، تا آنکہ یہ ناقص وناکارہ لوگوں کو کامل وکارآمد اور مقبول بنانے کے قابل بن جاتے ہیں۔"[1]

انبیاء اور اولیاء اللہ کو وسیلہ بنانا اور ان سے مدد مانگنا جائز ہے

قال شیخ الاسلام محمّد غزالی رحمۃ اللہ علیہ: "وقال احمد ابن رزوق شارح کتاب الحکمۃ وھو من الفقھاء العظام و علماء الصّوفیہ من دیار المغرب، قال الشیخ ابو العباس الحضرمی یوما ھل امداد الحی اقوی ام امداد المیّت؟ قلت انھم یقولون امداد الحی اقوی و انا اقول المیّت اقوی فقال نعم انہ فی بساط الحق و النقل فی ذالک کثیر من ھذہ الطائفۃ و لم یعرف فی الکتاب و السُنۃ و اقوال السلف ماینافی ذالک کیف و قد ثبت فی الدّین ان الروح باقیۃ و لھا علم و شعور بالزائرین۔ سیما الارواح الکمل قرب و مکان من جانب الحق تعالیٰ کما کان فی الحیاۃ و اتم من ذالک و انما اطبنا الکلام فی ھذ المقام رغم انف المنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرزمۃ ینکرون الاستمداد من اولیاء الذین نقلوا من ھذہ الدار الفانیۃ الذین احیاء عند ربّھم و لکن لا یشعرون الخ۔

ترجمہ: حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جس شخص سے اس کی زندگی میں مدد مانگ سکتے ہو بعد الوفات بھی مانگ سکتے ہو، احمد بن رزوق شارح کتاب الحکمت، جو اعظم فقہاء اور ملک مغرب کے صوفیاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہا یک دن شیخ ابو العباس الحضرمی نے پوچھا کہ زندوں کی امداد قوی ہے یا مردوں کی؟ میں نے کہا باقی لوگ تو زندوں کی امداد کو قوی مانتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ مردے کی امداد قوی ہے، انہوں نے فرمایا کہ بیشک میّت سے دنیوی علائق (تعلق) منقطع ہو گئے اور قربِ الٰہی کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں اور اس میں ان طائفہ سے بہت سی نقلیں موجود ہیں اور کتاب و سنت اور اقوال سلف میں اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دینی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ ارواح باقی ہیں اور ان کو اپنے زائرین کا علم وشعور حاصل ہے اور خصوصاً کاملین کی ارواح جن کو اللہ تعالیٰ کے حضور دنیاوی زندگی سے زیادہ قرب اور مرتبہ حاصل ہے اور اسی وجہ سے ان کی امداد بھی قوی ہے۔ صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں کہ استمداد کے مسئلہ میں زیادہ بحث اس لئے کی کہ موجودہ دور میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو کراماتِ اولیاء اللہ بعد الموت کے منکر ہیں، حالانکہ اولیاء اللہ عند اللہ زندہ ہیں لیکن یہ لوگ شعور نہیں رکھتے۔[2]

---

[1] (روح المعانی ج۸ص۲۷-۳۰)

[2] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۴۶، اعلام المؤمنین علی الحق المبین للعلّامہ احمد شاہ اخون کلے سوات، البصائر ص ۴۲، للعلامہ حمد اللہ جان دیوبندی مردان، اشعۃ اللمعات ص ۷۶۲، اثبات الاغراض ص ۸۳، للعلّامہ شائستہ گل رحمہ اللہ تعالیٰ، الرسائل الستہ فی مسائل الستہ ص ۴۸، للعلّامہ عبد المتین دیوبندی، سیف القدیر للعلامہ عبد الحنان کاٹلنگ مردان، تحفۃ المؤمنین للعلّامہ سید احمد علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ، تحفۃ الاحباب ص ۱۵۶، الذخائر للعلامہ کفایت اللہ ڈاگئی مردان، نور العقائد، نور الایمان بزیارت اثار حبیب الرحمٰن ص ۲، للعلامہ احمد اللہ بدخشانی دیوبندی، جاء الحق ص ۱۹۷ للعلامہ احمدیار خان رحمہ اللہ تعالیٰ، حاشیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۴، حاشیہ ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۵، قطب الارشاد ص ۳۹۵)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ دہلوی حجۃ البالغہ میں فرماتے ہیں: اولیاء کرام جب فوت ہوتے ہیں تو دنیاوی علائق ان سے منقطع ہو جاتے ہیں اور اپنے اصل یعنی عالمِ ارواح کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، یہ لوگ ملائکہ کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں گویا ملائکہ ہو جاتے ہیں، ان کو بھی ملائکہ کی طرح الہام ہوتا ہے اور ملائکہ جو کام کر سکتے ہیں ویسے یہ بھی کر سکتے ہیں، اعلاء کلمۃ اللہ میں مشغول ہوتے ہیں اور کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد کرتے ہیں۔

کتاب الروح میں ہے:

واما بعد مفارقة البدن شان أخر وقد تواتر الزوايات من اضاف بنى أدم على افعل الارواح بعد موتها ما لا يقدر على مثله حال اتصالها بالبدن من هزيمة الجيوش كما روى نبى الله ﷺ فى النوم و معه ابوبكر و عمر رضى الله عنهما وقدهزمت ارواحهم عساكر الكفر و الظلم۔

ترجمہ: اولیاء کی ارواح کو مفارقتِ بدن کے اور ایک عظیم شان حاصل ہوتی ہیں تواتر سے ایسی بہت سی روایات موجود ہیں کہ اولیائے کرام کے ارواح بدن سے جدا ہونے کے بعد وہ کام کرتے ہیں جس پر دنیاوی زندگی میں قدرت نہیں رکھتے، جیسے کہ لشکروں کو شکست دیناء اور بہت دفعہ حضور ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ خواب میں دیکھے گئے کہ کافروں کے لشکر کو شکست دی۔"[1]

مشارق الانوار میں ہے:

الولى بعد موته اشد كرامة منه فى الحال الحياته لانقطاع تعلقه بالمخلوق و تجدد روحه للخالق فيكرمه الله تعالىٰ۔ بقضاء حاجته المتوسلين الخ۔

ترجمہ: اولیائے کرام کی کرامت بعد الوفات دنیاوی زندگی سے کئی درجہ زیادہ ہوتی ہے کیونکہ دینا میں ان کا تعلق مخلوق کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور بعد الوفات ان کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مرتبہ زیادہ فرماتا ہے، ان کے وسیلہ سے جو حاجات مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے۔[2]

البصائر میں ہے:

قال الامام الشافعى رحمةالله عليه قبرِ موسىٰ كاظم ترياق مجرب لاجابته الدعاء۔

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک اجاباتِ دعا کے لئے تریاق و مجرّب ہے۔[3]

---

[1] (کتاب الروح ص ۱۲۶)

[2] (مشارق الانوار ص ۱۰۵، شواھد الحق ص ۲۹ تنویر الایمان فی اتباع مذھب النعمان ص ۱۲ المسائل المنتخبہ للعلامہ حبیب الحق پر مولی دیوبندی)

[3] (حاشیہ مشکوۃ شریف ص ۱۲۸)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

پہلے ذکر ہوا کہ جن سے زندگی میں مدد مانگ سکتے ہیں، بعد الوفات بھی مدد مانگ سکتے ہیں تو ان دو اقوال سے مردوں سے مدد مانگنا جائز ہے، زندہ استمداد کرے گا اور مردہ امداد کرے گا۔

جیسا کہ یہ حدیث مبارک ہے:

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور۔

ترجمہ: جب تم کو کسی کام میں پریشانی ہو تو اہلِ قبور سے مدد مانگا کرو، اس کام کے ہونے میں۔[1]

قال الامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انّی لاتبرک بابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و اجیٔ الی قبرہ فاذا اعرضت لی حاجتہ صلیت رکعتین و سألت اللہ تعالیٰ عند قبرہ فتقضی سریعاً۔

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر مبارک پر آتا ہوں، دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، تو میری حاجت جلدی پوری ہو جاتی ہے۔" اگر اہل قبور سے استمداد شرک ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرک کیا؟ **العیاذ باللہ!**[2]

غوثِ اعظم محبوب سبحانی سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"و من استغاث بی فی کربۃ کشفت عنہ و من نادیٰ باسمی فی شدۃٍ فرجت عنہ و من توسل بی الی اللہ عزوجل فی حاجۃ فضیۃ لہ"۔

ترجمہ: جو تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے تو تکلیف ختم ہو جائے گی اور جو سختی میں میرا نام لے اس کی سختی ختم ہو جائے گی اور جو کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو حاجت پوری ہو جائے گی۔[3]

مشارق الانوار میں ہے:

و قد نقل العارف الشعرانی عن بعض مشائخہ انّ اللہ تعالیٰ یوکل بقبر کل ولی ملکا یقضی حوائج الزّائرین۔

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مشائخ سے نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ولی کے مزار پر ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو زائرین کی حاجت پوری فرماتا ہے۔[4]

---

[1] (مجموعۃ فتاویٰ للعلامہ عبد الحیٔ، تحفۃ المؤمنین مرقاۃ، تنبیہ الضمائر علی رد ذخائر ص ٦٩، للعلامہ حافظ کفایت اللہ، اعلام المؤمنین علی الحقّ المبین)

[2] (شامی ج ١ ص ٣٩، ثم البصائر للعلّامہ حمد اللہ دیوبندی ص ٣٨)

[3] (بہجۃ الاسرار، خلاصۃ المغافر، نزھتہ الخاطر، تحفۃ قادریہ، زبدۃ الآثار)

[4] (مشارق الانوار، ص ١٠٨)

بریقہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

"ویجوز التوسل بالانبیاء والاولیاء والصّالحین بعد موتھم والکرامۃ لاتنقطع بعد الموت وعن الامام الرملی ایضا قول بعدم انقطاع الکرامۃ بالموت وعن امام الحرمین ولاینکر الکرامۃ بعد الموت الارافضی وعن الاجھوری الولی فی الدنیا کاالسیف فی غمدۃ فاذامات تجردعنہ فیکون اقویٰ فی التصرف۔ [1]

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ:

"کرامات الاولیاء باقیۃ بعدموتھم ایضاًومن زعم خلاف ذالک فھو جاھل متعصب" الخ۔

ترجمہ: کراماتِ اولیاء بعد الممات باقی ہیں اور جو اس کے خلاف شک کرتا ہے وہ جاہل اور متعصب ہے جیسا کہ دورِ حاضر کے جہلاء منکر الکرامات بعد الممات ہیں۔

امداد الارواح اور کراماتِ اولیاء موت کے بعد زیادہ قوی ہوتے ہیں، رسالت ولایت اور ایمان موت سے ختم نہیں ہوتے، اولیاءاللہ کے مزاروں پر فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو حاجت مندوں کی حاجت پوری فرماتے ہیں۔

قطب الارشاد اور تمہید ابو شکور سالمی میں ہے:

وصف الرسالۃ والنبوۃ لایزول عن الرسول والنبی بموتہ وقد ذکر فی کتب العقائدان وصف الولایۃ لایزال عن الولی بموتہ وکذاوصف الایمان لایزول عن المؤمن بموتہ۔

ترجمہ: رسالت اور نبوت رسول اور نبی سے موت کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی، جیسا حیاتِ دنیاوی میں رسول و نبی ہیں، اہلسنّت والجماعت کے عقائد کی کتب میں ہے کہ ولی سے ولایت موت کے آنے سے زائل نہیں ہوتی، جیسے دنیا میں ولی ہیں بعد الممات بھی ولی ہیں، انتھی عبارتہ۔

متن اعلام المؤمنین

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وَلَاتُتْرَکُ (أي زيارة القبور) لِمَایَحْصُلُ عِنْدَھَامِنْ مُنْکَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ کَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَیْرِ ذَلِکَ لِأَنَّ الْقُرُبَاتِ لَاتُتْرَکُ لِمِثْلِ ذَلِکَ، بَلْ عَلَی الْإِنْسَانِ فِعْلُھَا وَإِنْکَارُ الْبِدَعِ، بَلْ وَإِزَالَتُھَا إنْ أَمْکَنَ، قُلْت: وَیُؤَیِّدُ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْکِ اتِّبَاعِ الْجِنَازَۃِ، وَإِنْ کَانَ مَعَھَا نِسَاءٌ وَنَائِحَاتٌ تَأَمَّلْ۔

ترجمہ: مزارات میں مفاسد اور منکرات کی وجہ سے زیارۃ القبور کو نہیں چھوڑا جائے گا جیسے مرد وعورت کا اختلاط وغیرہ ذلک۔ کیونکہ اس طرح کے مفاسد سے قربات (ثواب کے اعمال) چھوڑے نہیں جائیں گے بلکہ بدعات کا ازالہ کیا جائے گا اور

[1] (بریقہ ج ا ص ۲۰۳، بحوالہ تنویر الایمان ص ۱۵)

حتی الامکان اچھا کام کیا جائے گا۔ اور اس کی تائید وہ عبارت کرتی ہے کہ جو گزر چکی ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے کو ترک نہیں کیا جائے گا اگرچہ جنازہ کے ساتھ رونے والی خواتین ہوں۔[1]

مولوی مفتاح الدین کی چالاکی کو دیکھو کہ شامی کی عبارت کا مفہوم کیسے بدل دیا اپنے مطلب اور مقصد کے لئے اور ان مفاسد اور اوہام کا تذکرہ کیا کہ جن کا فقہاء نے کوئی اعتبار نہیں کیا۔ حالانکہ قانون و قاعدہ یہ ہے کہ یقینی چیز کو وہم و شک والی چیز کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان یقینی چیزوں کو وہمی چیزوں کی وجہ سے ترک کرنا ظلم ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وإذا قسم الميراث بين الغرماء والورثة فإنه لا يؤخذ منهم كفيل ولا من وارث وهذا شيء احتاط به بعض القضاة وهو ظلم، لأن حق الحاضر ثابت قطعًا وظاهر افلايو خذ لحق موهوم وهو وجود وارث غائب أو غريم غائب، إلخ۔

ترجمہ: جب قرض خواہوں اور ورثاء میں میراث تقسیم ہو رہی ہو تو قرض خواہوں اور ورثاء سے کفیل نہیں لیا جائے گا اور یہ وہ چیز ہے کہ جس میں بعض قضاۃ (قاضیوں) نے احتیاط برتی ہے۔ جبکہ یہ ظلم ہے، کیونکہ حاضر شخص کا حق قطعی ثابت ہے، لہٰذا ایک وہمی چیز و حق کے لئے کفیل نہیں لیا جائے گا۔ اور وہ وہمی چیز غائب وارث کا وجود ہے یا غائب قرض خواہ کا وجود ہے۔[2]

دوسری بات یہ ہے کہ زیارۃ القبور مستحب ہے جس کو گناہ کے شبہ سے ترک نہیں کیا جائے گا، یا کسی اور کے گناہ کے شبہ سے ترک نہیں کیا جائے گا، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جنازے کے ساتھ جانا سنت ہے، جس کو کسی اور کے گناہ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

وَإِنْ كانَ مع الْجِنَازَةِ نَائِحَةٌ أو صَائِحَةٌ زُجِرَتْ فَإِنْ لم تَنْزَجِرْ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُتَّبَعَ الْجِنَازَةُ وَلَا يَمْتَنِعَ لِأَجْلِهَا لِأَنَّ الِاتِّبَاعَ سُنَّةٌ فَلَا تُتْرَكُ بِبِدْعَةٍ من غَيْرِهِ، اهـ۔

ترجمہ: اگر جنازے کے ساتھ رونے، چیخنے والی عورت ہو تو اس کو زجراً روکا جائے گا۔ اور اگر نہ روکا گیا تو اس کے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے آنے سے جنازہ کے ساتھ جانا ترک نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جنازہ کے ساتھ جانا سنت ہے تو کسی اور کی بدعت (خلافِ شرعی کام) سے اس سنت کو نہیں چھوڑا جائے گا۔[3]

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص۲۴۲، الناشر: دار الفکر-بیروت)

[2] (الهداية شرح بداية، ج۳، ص۱۱۲، الناشر المكتبة الإسلامية)

[3] (البحر الرائق، ج۲، ص۲۰۷، الناشر دار المعرفة، خلاصة الفتاویٰ، ص۱۸۱، فتاویٰ قاضیخان، ص۹۲، کراهیت هدایه، ص۴۵۲)

تو وہ شرعی امور کہ جن میں عوام نے بعض منکرات ملائے ہیں تو علماء کرام کو عوام کی اصلاح کرنی چاہیئے نہ کہ عوام کو امورِ شرعی کے عمل سے روک دیں۔ کیونکہ امورِ شرعیہ پر عمل کرنا باعثِ حصولِ ثواب ہے۔ جس سے منع کرنا مناسب نہیں ہے، ایک جوں کے لئے کمبل نہیں جلانا چاہیئے، بلکہ جوں کو نکال پھینکنا چاہیئے۔

اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۸۵ میں لکھا ہے کہ دعا کی مقبولیت قبروں کے پاس جانے پر منحصر نہیں ہے، یعنی قبور کے پاس جانا ممنوع ہے۔ (انتھی عبارتہ)

دعا کی مقبولیت قبروں کے پاس جانے پر منحصر نہیں

ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی مانتے ہیں کہ دعا کی مقبولیت قبور کے پاس جانے پر منحصر نہیں ہے مگر شریعت میں قبولیتِ دعا کے خاص مقامات ہیں، جن میں سے ایک صالحین کی قبور ہیں۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

وللدعاء اماکن یظن فیھا الاجابۃ مثلا عند رؤیۃ الکعبۃ وعلی الصفا والمروۃ وجرب استجابۃ الدعاء عند قبور الصالحین۔

ترجمہ: دعا کی مقبولیت کے خاص مقامات ہیں جیسے کہ کعبہ پر نظر پڑتے وقت، صفا و مروہ کے درمیان، اور قبورِ صالحین کے پاس بھی دعا کی مقبولیت مجرب (تجربہ شدہ) ہے۔[1]

قبورِ صالحین کے پاس بھی دعا کی مقبولیت مجرب ہے پر

حاشیہ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

الدعاء مستجاب عند قبور الصالحین بشروط معروفۃ

شیخ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب) وشعآئر اللہ ھی الاشیاء التی تشعری ای تعلم بہ تعالیٰ کالعلماء والصالحین احیاء وامواتا فکیف لا ینبغی للمؤمنین احترام قبورھم وتعظیمھا وزیارتھا والتبرک بھا وھم یعلمون ان الروحانیات الکاملۃ الفاضلۃ متصلۃ بتلک الاجساد الطیبۃ الطاھرۃ۔[2]

---

[1] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2] (کشف النور عن اصحاب القبور ص ۱۲)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی لکھتے ہیں کہ:

وجوب استجابۃ الدعاء عند قبور الصالحین بشروط معروفۃ۔[1]

حضرت شیخ القرآن والحدیث مولانا عبد الهادی شاہ منصوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فاعلموا ایها الاخوان ان الاولیاء والصلحاء یدعون فی حالة الحیاة والممات فیقبل اللہ تعالیٰ دعائهم حال حیاتهم فاذا ماتوا فمن یأتی الی قبورهم ویدعوا لهم ولانفسهم فیستجاب لهم فیها ولهذا یذهبون الناس الی قبور الاولیاء فیستجاب اللہ تعالیٰ دعائهم۔[2]

علامہ اسماعیل نبہانی نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

وما زال الناس من العلماء والاکابر کابرا عن کابر امشرقا ومغربا یتبرکون بزیارة قبورهم ویجدون برکة ذلک حسا ومعنی۔

تحقیق لذوی البصائر والاعتبار ان زیارة قبور الصالحین محبوبة لاجل التبرک مع الاعتبار فان برکة الصالحین جاریة بعد مماتهم کما کانت فی حیاتهم والدعاء عند قبور الصالحین والتشفع بهم معمول به عند علمائنا المحققین من ائمة الدین وکل من یتبرک بمشاهدته فی حیاته یتبرک بزیارة بعد موته۔[3]

العلامہ المحدث شیخ عبد الحق محدث دہلوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وأثبته المشايخ الصوفية قدس اللهَ أسرارهم، وبعض الفقهاء رحمة اللهَ عليهم، وذلك أمر مقرر عند أهل الكشف والكمال منهم، لا شك في ذلك عندهم، حتى إن كثيرًا منهم حصل لهم الفيوض من الأرواح، وتسمى هذه الطائفة أويسية في اصطلاحهم قال الإمام الشافعي رحمة اللهَ عليه: قبر موسى الكاظم ترياق مجرب لإجابة الدعاء، وقال حجة الإسلام محمد الغزالي: كل من يستمد به في حياته يستمد به بعد وفاته، وقال أحد من المشايخ العظام: رأيت أربعة من المشايخ يتصرفون في قبورهم كتصرفهم في حياتهم أو أكثر، الشيخ معروف الكرخي، والشيخ عبد القادر الجيلي -رضي اللهَ عنهما-، وذكر رجلين غيرهما، وقال سيدي أحمد بن زروق شارح (كتاب الحكم)، وهو من أعاظم الفقهاء وعلماء الصوفية من ديار مغرب قال: قال لي شيخي أبو العباس الحضرمي يومًا: هل إمداد الحي أقوى أم إمداد الميت؟ فقلت: إنهم يقولون: إمداد الحي أقوى، وأنا أقول: إمداد الميت أقوى، فقال: نعم، لأنه في بساط الحق، والنقل في ذلك كثير عن هذه الطائفة، ولم يعرف في الكتاب والسنة وأقوال السلف ما ينافي ذلك ويرده، كيف وقد ثبت في الدين أن الروح باقية، ولها علم وشعور بالزائرين، ولأرواح الكاملين قرب ومكانة

---

[1] (تحفۃ الذاکرین ص ۵۰)

[2] (تفسیر البرهان فی مشکلات القرآن ص ۶۴)

[3] (شواهد الحق ص ۶۵)

من جناب الحق تعالى، كما كان في الحياة أو أتم من ذلك، وهم يثبتون الكرامات، و التصرف في الأكوان للأولياء، وليس ذلك إلا لأرواحهم المقدسة، وهي باقية، و المتصرف الحقيقي ليس إلا اللّٰہ سبحانه، و الكل بقدرته، وهم فانون في جلال الحق في الحياة وبعد الممات، فلو أعطى لأحد بوساطة أحد من أوليائه ومكانته عنده شيئًا كما كان في حالة الحياة لم يبعد، وليس الفعل و التصرف في الحالتين إلا للّٰه تعالى وتقدس، وليس في الحالتين ما يوجب الفرق، ولم يدل عليه دليل في الشرع۔[1]

امام قسطلانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ولما صلى عليه ووضع في حفرته فاح من تراب قبره رائحة طيبة كالمسک وجعل الناس يختلفون إلى قبره مدة يأخذون من قبره ويتعجبون من ذلك قال بعضهم رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ومعه جماعة من أصحاب وهو واقف فسلمت عليه فرد عليه السلام فقلت ما وقوفک هنا يا رسول الله قال أنتظر محمد بن إسماعيل قال فلما كان بعد أيام بلغني موته فنظرت فإذا هو قدمات في الساعة التي رأيت النبي صلى الله عليه وسلم فيها۔

اور اس کے بعد سند کے ساتھ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا واقعہ نقل فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو الفتح نصر بن الحسن السمرقندي قدم علينا بلنسية عام أربعة وستين وأربعمائة، قال: قحط المطر عندنا بسمرقند في بعض الأعوام فاستسقى الناس مرارًا فلم يسقوا، فأتى رجل صالح معروف بالصلاح إلى قاضي سمرقند وقال له إني قد رأيت رأيًا أعرضه عليک قال وما هو؟ قال أرى أن تخرج ويخرج الناس معک إلى قبر الإمام محمد بن إسماعيل البخاري وتستسقي عنده فعسى الله أن يسقينا، فقال القاضي نعم ما رأيت فخرج القاضي ومعه الناس واستسقى بهم وبكى الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبه، فأرسل الله تعالى السماء بماء عظيم غزير أقام الناس من أجله بخرتنک سبعة أيام أو نحوها لا يستطيع أحد الوصول إلى سمرقند من كثرة المطر وغزارته، وبين سمرقند وخرتنک ثلاثة أيام۔[2]

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی برکات میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انی لاتبرک بابی حنیفة وأجی الی قبره فی کل یوم یعنی زائرا فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت الی قبره وسئلت اللّٰہ تعالیٰ الحاجة عنده فماتبعد عنی حتی تقضی۔[3]

---

[1] (لمعات التنقیح، ج ۴، ص ۲۱۶)

[2] (ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶، مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۵۷)

[3] (الخیرات الحسان فی مناقب الامام العظم ص ۹۴، خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۲۳، ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۱)

الشیخ العلامہ علی بن سلطان محمد القاری لکھتے ہیں:

قال شيخ مشايخنا علامة العلماء المتبحرين شمس الدين محمد الجزري في مقدمة شرحه للمصابيح المسمى بتصحيح المصابيح إني زرت قبره (ای ابی الحسين، مسلم بن الحجاج القشيری) بنيسابور وقرأت بعض صحيحه على سبيل التيمن والتبرک عند قبره ورأيت آثار البركة ورجاء الإجابة في تربته۔[1]

الشیخ العلامہ علی بن سلطان محمد القاری لکھتے ہیں:

وأغرب من هذا ما حكى بعض المريدين أنه وشيخه كانا يتدارسان وقت السحر في تلاوة القرآن عشرا عشرا فلما توفي الشيخ رحمه الله تعالى أتاه المريد وقت السحر على عادته عند قبره وأراد أن يقرأ ورده فلما تم العشر سمع من القبر صوت شيخه أنه قرأ عشرا وسكت وهكذا كان الأمر مستمر إلى أنه حكى المريد القضية لبعض أصحابه فوقع تحت حجابه ونظيره سماع سعيد بن المسيب صوت الأذان من الضريح الأنور أيام فتنة يزيد في المدينة المعظمة حيث لم يبق في المسجد أحد إلا سعيد وكانوا يقولون إنه شيخ مجنون۔[2]

أولياء الله أحياء فی قبورهم

يقول الامام عبدالوهاب الشعراني:

وكان يقول: من أدب المريد إذا زار شيخاً في قبره أن لا يعتقد أنه ميت لا يسمعه، بل الأدب أن يعتقد "حياته البرزخية" لينال بركته، فإن العبد إذا زار ولياً وذكر اللّٰه عند قبره، فلا بد أن ذلک الولی يجلس فی قبره ويذكر اللّٰه معه، كما شهدنا ذلک مراراً مع الإمام الشافعي، ومع ذی النون المصری، ومع جماعة من مشايخ القرافة، فإن لم يشهد ذلک فأقل مراتبه الإيمان بحياتهم المذكورة۔[3]

وكان سيدي ابراهيم الدسوقي رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يقول: اذا صدق المريد مع شيخه ونادى شيخه من مسيرة الف عامٍ اجابهٗ حيا او كان ميتا فليتوجه الصادق بقلبه الی شيخه فی كل امر دهمه فی دار الدنيا، فانه يسمع صوت شيخه ويغيثه مما هو فيه، ومهما ورد عليه من مشكلات سره يطبق عينيه ويفتح عين قلبه فإنه يری شيخه جهاراً فإذا رأه فليسأله عما شاء وأراد۔[4]

يقول الشيخ عبدالحق المحدث الدهلوی: وقد يكون خاطر الشيخ، فهو إمداد همة الشيخ يصل إلى قلب المريد الطالب مشتملاً على كشف معضل وحلِّ مشكل حصل للمريد في الواقعات والواردات الربانية، وهذا الخاطر إنما يرد على قلب المريد عند اشتكشافه ذلک باستمداده من ضمير الشيخ، فينكشف ويتبين الحال، سواء

---

[1] (مرقاۃ المفاتيح، ج ۱، ص ۲۰)
[2] (مرقاۃ المفاتيح، ج ۹، ص ۲۳۸)
[3] (الانوار القدسية، ج ۱، ص ۹۸)
[4] (الانوار القدسية، ج ۲، ص ۱۶)

كان الشيخ حاضرًا أو غائبًا، حيًّا أو ميتًا، يدل عليه ما قال الشيخ العارف بالله علي بن حسام الدين المتقي -أسكنه الله بحبوحة جنته، وتغمده بلفطه ورحمته-: يا عبد الوهاب إذا أشكل عليک شيء من الواقعات والواردات فاعرضها عليَّ بقلبک، واستکشف ذلک باستمدادک مني ولو بعد موتي، فجرَّبت ذلک فوجدته كما قال.

وهذا الخاطر أيضًا في الحقيقة داخل تحت خاطر الحق سبحانه؛ لأن قلب الشيخ بمثابة باب مفتوح إلى عالم الغيب، وهو واسطة بين المريد وبين الحق سبحانه، فيصل إمداد فيضه على قلب المريد بواسطته، انتهى كلامه قدس سره۔[1]

ایک اور عجیب واقعہ ملاحظہ فرمائیں

اولیاء کرام کا بعد الوفات توجہ اور تصرف اور مقامات طے کروانا:

قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ حاجی محمد فضل اللہ مجددی لکھتے ہیں:

خدمت ایشان بعد وصال والد صاحب کمال پنجاہ و شش سال بر مسند ارشاد و اکمال اتکاداشتند و از ان جملہ شش سال بکسب زوائد فوائد چنانچہ ایما برآن رفتہ بخدمت حضرت عروۃ الوثقیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلوک نمودند از نسبت ہائے مخصوص ایشان بھرہ ورشدہ فقیر از زبان مبارک حضرت شاہ عطاء اللہ قدس سرہ کہ والد والدہ فقیر اند شنیدہ ام وخدمت ایشان از اکابر مسموع داشتند کہ روزی جناب حضرت عروۃ الوثقی رحمۃ اللہ علیہ بحضرت وحدت قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمودند کہ وعدہ بتومی نمایم کہ چھل توجہ بتو عنایت نمایم و بھر توجہ آن قدر ترقی در حال تو خواھد شد کہ در مدت مدید حصول آن بدشواری باشد ازان جملہ سی وچھار توجہ عنایت شدہ بود کہ مقدمہ انتقال حضرت عروۃ الوثقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعام رخ نمود پس ازاین واقعہ جان کاہ روزی حضرت وحدت قدس اللہ تعالیٰ سرہ بر قبر متبرکہ ایشان رفتہ معروض داشتند کہ از جملہ توجہ ہائے موعود شش عدد توجہ باقی است امید از الطاف حضرت آنکہ بوفا انجامد بایشان چنان ایما شد کہ بر قبر متوجہ شدہ بنشین تاآنچہ معدود و موعود جود ایفا رود خدمت حضرت وحدت عرض نمودند

[1] (لمعات التنقیح، ج ۱، ص ۳۳۴، الناشر: دار النوادر، دمشق-سوریا)

کہ وعدہ در حالت حیات بود الحال نیز بہ ہیئت حیات شدہ توجہ عنایت شود معلوم ایشان شد کہ در خلوت آمدہ باش یعنی وقتیکہ دیگرے بر قبر حاضر نہ باشد ایشان وقت رامراعت نمودہ بر قبر مبارک می رفتند و حضرت عروۃ الوثقی بہ ہیئت حیات شدہ از قبر مبارک خروج می فرمودند و توجہ می دادند روز ششم کہ اتمام موعود بود حضرت وحدت قدس سرہ سیاہی و قلم ہمراہ داشتند بعد از فراغ توجہ عرض نمودند کہ بد ستخط مبارک نوشتہ عنایت شود کہ آنچہ بعبد الاحد وعدہ رفتہ بود کہ چھل توجہ خواہم داد از آنھا سی و چہار توجہ در حالت حیات دادہ شدہ بود شش توجہ باقی رابہیئت حیات شدہ ایفائ موعود ا داشد خدمت حضرت عروۃ الوثقی قدس سرہ العزیز رابد ستخط مبارک خود عبارتے کہ قرین این مدعا بودہ باشد نوشتہ دادند حضرت وحدت قدس سرہ آن نوشتہ را بسائر بنی اعمام خود نمودند ہمہ مخدوم زادہ گان دستخط والد شریف خود راشناختہ و حضرت حجۃ اللہ رضی اللہ عنہ بر پشت آن کہ کاغذ نوشتند۔ ھذا ھو الحق الیقین بلی الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار۔

ترجمہ: آپ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد ۵۵ سال تک مسند ارشاد پر تشریف فرمارہے۔ اور ان میں سے چھ سال کے لئے آپ کے حکم پر مزید فوائد کے حصول کے لئے روانہ ہوئے۔ اور حضرت خواجہ عروہ وثقیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور مخصوص نسبت سے بہرہ ور ہوئے۔ فقیر نے آپ کے متعلق اپنے نانا حضرت شاہ عطاء اللہ رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے انہوں نے یہ اپنے اکابر سے سنا تھا کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ رحمہ اللہ نے حضرت وحدت قدس اللہ سرہ سے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے اوپر چالیس توجہات کروں گا کہ جس سے تمہارے احوال میں اتنی ترقی ہوگی کہ ایک لمبی مدت میں اتنی ترقی حاصل کرنا محال ہے اس وعدہ کے مطابق ابھی ۳۴ توجہات کی تھیں کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ قدس سرہ کا وصال مبارک ہوگیا۔ اس واقعہ جانکہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ وحدت قدس سرہ آپ کی قبر مبارک پر گئے وہاں جا کر عرض کیا کہ حضور آپ نے مجھ سے چالیس توجہ کا وعدہ کیا تھا ابھی ان میں سے ۳۴ مکمل ہوئی تھیں اور چھ رہتی تھیں کہ آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اور وعدہ مکمل نہ ہوا۔ امید ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو مکمل فرمائیں گے۔ آپ کو اشارہ ہوا کہ اس فقیر کی قبر کی

طرف توجہ کر کے بیٹھو تا کہ وعدہ مکمل ہو جائے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہ وعدہ حالت حیات کا تھالہذا اب بھی حالت حیات میں یہ وعدہ مکمل ہونا چاہیئے۔ تو آپ کو پھر بتایا گیا کہ ہمارے پاس اس وقت آنا جب کوئی اور نہ ہو۔ تو حضرت نے اس وقت پر نظر رکھی اور جانا شروع کیا، وہاں جا کر دیکھا کہ آپ اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لاتے ہیں اور توجہ فرماتے ہیں، چھ دن وعدہ کے مطابق ایسا ہی ہوتا رہا اور وعدہ مکمل ہو گیا۔

آخری دن آپ قلم سیاہی ساتھ لے گئے تھے فراغت کے بعد گزارش کی کہ آپ اپنے ہاتھ سے یہ تحریر فرمائیں کہ عبد الاحد کے پاس چالیس توجہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جن میں سے ۳۴ حالت زندگی میں اور باقی چھ وصال کے بعد حالت زندگی میں آکر مکمل چالیس کی ہیں۔ اور وعدہ مکمل کیا ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس اللہ سرہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے مطابق عبارت لکھ کر دستخط بھی کئے حضرت وحدت قدس سرہ نے اپنے تمام چچازادوں کو یہ لکھا ہوا دکھایا، سب اپنے والد محترم کے خط کو جانتے تھے۔ حضرت حجۃ اللہ رحمہ اللہ نے اس کاغذ کی پشت پر یہ لکھا: یہ حق الیقین ہے کیوں نہیں اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔[1]

الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وللدعاء أماكن يظن فيها الإجابة مثلاً عند رؤية الكعبة والمساجد الثلاثة وبين الجلالتين من سورة الأنعام وفي الطواف وعند الملتزم وفي البيت وعند زمزم وعند شرب مائه وعلى الصفا والمروة وفي السعي وخلف المقام وفي عرفات والمزدلفة ومنى وعند الجمرات الثلاث وعند قبور الأنبياء عليهم السلام۔ وجرب استجابة الدعاء عند قبور الصالحين بشروط معروفة عند أهلها اللهم أفض علينا من بركات الصالحين۔[2]

محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي:

قد زرته مرَارًا كَثِيرَة وَمَا حلت بِي شدَّة فِي وَقت مقَامي بطوس فزرت قبر عَليّ بن مُوسَى الرِّضَا صلوَات الله على جده وَعَلَيهِ ودعوت الله إزَالَتهَا عَنى إِلَّا أستجيب لي وزالت عَنى تِلْكَ الشدَّة وَهَذَا شَيْء جربته مرَارًا فَوَجَدته كَذَلِكَ أماتنا الله على محبَّة الْمُصْطَفى وَأهل بَيته صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الله عَلَيْهِ وَعَلَيْهِم أَجْمَعِينَ۔[3]

[1] (عمدۃ المقامات، ص ۳۶۰)

[2] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸)

[3] (الثقات ج۸ ص ۴۵۷)

عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي

وَأخرج ابْن عَسَاكِر عَن كَعْب قَالَ: مَكْتُوب فِي التَّوْرَاة إِن الشَّام كنز الله عز وَجل من أرضه بهَا كنز الله من عباده يَعْنِي بهَا قُبُور الْأَنْبِيَاء إِبْرَاهِيم وَإِسْحَق وَيَعْقُوب۔ [1]

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ الْأَلْهَانِيِّ قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ أَبِي عِنَبَةَ الْخَوْلَانِيِّ الشُّهَدَاءُ فَذَكَرُوا الْمَطْعُونَ، وَالْمَبْطُونَ، وَالنُّفَسَاءَ، فَغَضِبَ أَبُو عِنَبَةَ وَقَالَ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُ نَبِيِّنَا - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَنْ نَبِيِّنَا - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّ شُهَدَاءَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أُمَنَاءُ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا"۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔ [2]

حدّث أَبُو الحَسَنِ رَحِمَهُ اللهُ مِنْ أُصولٍ صحيحَةٍ, سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي المَنَامِ, فَتَبِعْتُهُ حَتَّى دَخَلَ, فَوَقَفَ عَلَى قَبْرِ يَحْيَى بنِ يَحْيَى وتقدّم وصفّ خَلْفَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ, وَصَلَّى عَلَيْهِ, ثُمَّ التَفَتَ فَقَالَ: هَذَا القَبْرُ أَمَانٌ لأَهْلِ هَذِهِ المَدِيْنَةِ۔ [3]

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْد الرَّحْمَنِ إسماعيل بن أحمد الحيري الضّرير قال أنبأنا أَبُو عَبْد الرَّحْمَن مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن السلمي بنيسابور قال سمعت أبا بكر الرازي يقول سمعت عَبْد الله بْن مُوسَى الطلحي يقول سمعت أَحْمَد بْن الْعَبَّاسِ يقول: خرجت من بغداد فاستقبلني رجل عليه أثر العبادة. فقال لي: من أين خرجت؟ قلت: من بغداد، هربت منها لما رأيت فيها من الفساد؛ خفت أن يخسف بأهلها. فقال: ارجع ولا تخف؛ فإن فيها قبور أربعة من أولياء الله هم حصن لهم من جميع البلايا. قلت: من هم؟ قَالَ: ثم الإمام أَحْمَد بْن حَنْبَل ومعروف الكرخي. وبشر الحافي. ومنصور بْن عمار. فرجعت وزرت القبور. ولم أخرج تلك السنة۔ [4]

وأنا أحمد بن أبي جعفر قال سمعت عبد العزيز غلام الزجاج يقول سمعت أبا الفرج الهندبائي يقول كنت أزور قبر أحمد بن حنبل فتركته مدة فرأيت في المنام قائلا يقول لي لم تركت زيارة قبر إمام السنة) أنا الفضل بن محمد قال سمعت أبا الحسن علي بن محمد بن فورك وكان شيخا صالحا يقول سمعت أبا بكر محمد بن القاسم المعدل المديني يقول سمعتأبا بكر ايرويه وكان من الأبدال يقول رأيت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ومعه أحمد بن حنبل فقلت يا رسول الله من هذا فقال هذا أحمد بن حنبل ولي الله وولي رسول الله الحقيقة وأنفق على الحديث ألف دينار فقال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يا أبا بكر الله ينظر في كل يوم سبعين ألف نظرة في تربة أحمد بن حنبل رحمة الله عليه ومن يزوره غفر الله له ومن يحبه أحبه الله ومن يبغض أحمد فقد أبغضني ومن أبغضني فقد أبغض الله قال أبو بكر فانتبهت واغتسلت وصليت ركعتين شكرا لله تعالى وخلعت ثيابي وتصدقت على الفقراء والمساكين لرسول الله

---

[1] (الدر المنثور ج۳ ص ۴۵۷)

[2] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج۵ ص ۲۹۷)

[3] (سیر أعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۲۲۹)

[4] (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي ج1 ص ۱۳۳)

ولهذا الأمين الثقة الإمام أحمد بن حنبل رحمة الله عليه ثم حججت بعد ذلک وسافرت إلى قبر أحمد بن حنبل ببغداذ وزرت وجلست مقيما عند القبر مدة أسبوع۔[1]

قال بِشْر بن الحَكَم: حزرنا في جنازة يحيى بن يحيى مائة ألف رجل. وقال الحاكم: سَمِعْتُ الحافظ أبا عليّ النَّيسَابوريّ يقول: كنت في غمٍّ شديد، فرأيت النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي الْمَنَامِ، كأنّه يقول لي: صِر إلى قبر يحيى بن يحيى واستغفر، وسَلِ الله حاجتک فأصبحت ففعلت ما أمرني به، فقُضِيَت حاجتي۔[2]

يحكى الشيخ العلامة المحدث عبد الحق الدهلوى فى لمعاة التنقيح:

قال الشيخ العارف باللّٰه علي بن حسام الدين المتقي -أسكنه اللّٰه بحبوحة جنته، وتغمده بلفطه ورحمته-: يا عبد الوهاب إذا أشكل عليک شيء من الواقعات والواردات فاعرضها عليّ بقلبک، واستكشف ذلک باستمدادک مني ولو بعد موتي، فجرَّبت ذلک فوجدته كما قال۔

وهذا الخاطر أيضًا في الحقيقة داخل تحت خاطر الحق سبحانه؛ لأن قلب الشيخ بمثابة باب مفتوح إلى عالم الغيب، وهو واسطة بين المريد وبين الحق سبحانه، فيصل إمداد فيضه على قلب المريد بواسطته، انتهى كلامه قدس سره۔[3] انتهى عبارته۔

متن اعلام المؤمنین

اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۹۴ میں لکھا ہے کہ مال کو زمین پر گرانا یا قبر کو مال کا مالک سمجھنا شریعت کے خلاف ہے۔ (انتهى عبارته)

ہم کہتے ہیں کہ مطلقًا یہ حکم لگانا کتبِ معتبرہ کے مخالف ہے، کیونکہ مال میں چادریں اور غلاف بھی ہیں جو قبور پر ڈالے جاتے ہیں۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

"فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم امر جائز إذا كان القصد بذلک التعظيم فی أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد حسن"۔

---

[1] (تاريخ دمشق ج۵ ص ۳۳۳)

[2] (تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام ج۱۶ ص ۲۶۷)

[3] (لمعات التنقيح فی شرح مشكوة المصابيح ج ۱ ص ۳۳۴)

ترجمہ: علما، اولیا اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف (چادر) اور عمامہ اور کپڑا چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔ اسی طرح اولیائے کرام کے قبروں کے پاس قندیل اور شمع روشن کرنا بھی اولیا کے لیے تعظیم و اجلال کا ایک طریقہ ہے۔ اور اس طرح کا مقصد اچھا کام ہے۔[1]

قبر پر چادریں ڈالنے پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

رد المحتار میں ہے:

كَرِهَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ وَضْعَ السُّتُورِ وَالْعَمَائِمِ وَالثِّيَابِ عَلَى قُبُورِ الصَّالِحِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ قَالَ فِي فَتَاوَى الْحُجَّةِ وَتُكْرَهُ السُّتُورُ عَلَى الْقُبُورِ اهـ.

وَلَكِنْ نَحْنُ نَقُولُ الْآنَ إذَا قَصَدَ بِهِ التَّعْظِيمَ فِي عُيُونِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُوا صَاحِبَ الْقَبْرِ، وَلِجَلْبِ الْخُشُوعِ وَالْأَدَبِ لِلْغَافِلِينَ الزَّائِرِينَ، فَهُوَ جَائِزٌ لِأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنْ كَانَ بِدْعَةً فَهُوَ كَقَوْلِهِمْ بَعْدَ طَوَافِ الْوَدَاعِ يَرْجِعُ الْقَهْقَرَى، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ الْمَسْجِدِ إجْلَالًا لِلْبَيْتِ حَتَّى قَالَ فِي مِنْهَاجِ السَّالِكِينَ إنَّهُ لَيْسَ فِيهِ سُنَّةٌ مَرْوِيَّةٌ وَلَا أَثَرٌ مَحْكِيٌّ وَقَدْ فَعَلَهُ أَصْحَابُنَا اهـ كَذَا فِي كَشْفِ النُّورِ عَنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ لِلْأُسْتَاذِ عَبْدِ الْغَنِيِّ النَّابُلُسِيِّ قُدِّسَ سِرُّهُ.

ترجمہ: "بعض فقہائے کرام نے صالحین اور اولیاء کی قبور پر چادریں ڈالنے اور عمامے رکھنے کو مکروہ کہا ہے، "فَتَاوَى الحُجّة" میں کہا گیا: "اور قبروں پر چادریں ڈالنا مکروہ ہے"، لیکن اب ہم کہتے ہیں: جب (قبور پر چادریں ڈالنے کا) مقصد عام لوگوں کی نظر میں قبروں کی تعظیم ہو، تاکہ وہ صاحبِ قبر کو (معمولی اور) حقیر نہ سمجھیں اور (ان کے مقام سے) غافل زائرین کو ادب اور خشوع کی طرف مائل کرنا ہو، تو یہ جائز ہے، کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، اگرچہ (اپنی اصل کے اعتبار سے) یہ بدعت ہے (کیونکہ یہ سنّت سے ثابت نہیں)، یہ ایسا ہی ہے جس طرح فقہاء نے کہا ہے: (بیت اللہ کا) طواف کرنے کے بعد ادباً الٹے پاؤں واپس لوٹے، حتیٰ کہ بیت اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے مسجد الحرام سے نکلے۔

"منھاج السالکین" میں کہا: "اس کی بابت نہ کوئی سنّت مروی ہے اور نہ کسی صحابیؓ کا اَثر بیان کیا گیا ہے، البتہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ شِعار اختیار کیا ہے۔

[1] (روح البیان، ج۳، ص ۴۰۰، الناشر: دار الفکر - بیروت)

یعنی صالحین کی قبور پر چادر ڈالنا جواز کے درجے میں ہے، سنّت و مستحب نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے یہ مسئلہ ''کَشْفُ النُّوْرِ عن أصحاب القبور'' اور ''اَلْعُقُوْدُ الدِّرِیَّۃفِی تَنْقِیْحِ الْحَامِدِیَّۃ'' سے نقل کیا ہے۔[1]

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لِأنَّ قُلُوبَهُمْ نافِرَةٌ عِنْدَ الحُضُورِ فِي التَّأَدُّبِ بَيْنَ يَدَيْ أوْلِياءِ اللّٰهِ تعالی المَدْفُونِينَ فِي تِلْكَ القُبُورِ كَما ذَكَرْنا مِن حُضُورٍ عِنْدَ قُبُورِهِمْ فَهُوَ أمْرٌ جائِزٌ لا يَنْبَغِي النَّهْيُ عَنْهُ لِأنَّ الأعْمالَ بِالنِّيّاتِ ولِكُلِّ امْرِئٍ ما نَوى''۔

ترجمہ: اس لیے کہ لوگوں کے دل قبروں میں مدفون اولیائے کرام کے بارگاہ میں حاضر ہوتے وقت ادب سے غافل ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے ان قبروں کے پاس حاضر ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے تو یہ جائز کام ہے اس سے منع کرنا مناسب نہیں کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔[2]

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو وہ جائز ہے، اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ پاک میں بھی کعبۂ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا صدیوں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے روضۂ پاک پر غلافِ سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا۔ مقامِ ابراہیم علیہ السلام یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبۂ معظمہ کی تعمیر کی اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ ان چیزوں کی عظمت کے بیان کے لئے اور احترامِ اولیاء کے لئے ان کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔

علامہ عبد الغنی النابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اخراج الشموع إلى القبور بدعة واتلاف مال كذا في البزازية وهذا كله إذا خلا عن فائدة واما إذا كان موضع القبور مسجدا أو على طريق أو كان هناك احد جالسا او كان قبر ولى من الأولياء أو عالم من المحققين تعظيما لروحه اعلاما للناس أنه ولى ليتبركوا به ويدعو الله تعالىٰ عنده فيستجاب لهم فهو امر جائز۔

ترجمہ: قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم

---

[1] (رد المحتار، ج۵، ص ۲۵۵، مکتبہ حقانیہ، پشاور، کَشْفُ النُّوْرِ عن أصحاب القبور، ص ۱۴، مکتبہ فاروقیہ، پشاور، اَلْعُقُوْدُ الدِّرِیَّۃفِی تَنْقِیْحِ الْحَامِدِیَّۃ، ج۲، ص ۵۶۱)

[2] (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، جلد ۲، ص ۵۶۱، مطبوعہ دار المعرفة)

کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کرلیں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔[1]

علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد حسن. ونذر الزيت والشمع للاولياء يوقد عند قبورهم تعظيما لهم ومحبة فيهم جائز ايضا لا ينبغى النهى عنه۔

ترجمہ: اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہٰذا جائز ہے اور اولیاء اللہ کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا کہ ان کی عزت کے لئے ان کی قبور کے پاس جلائی جائیں جائز ہے، اس سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔[2]، **انتھی عبارتہ**

متن اعلام المؤمنین

اصلاح الرسوم کے مصنف نے چند وہمی مقدمات ذکر کئے ہیں صرف اور صرف اپنی خود غرضی کے لئے۔ کہ جس سے وہ عام مسلمانوں کو زیارت القبور سے روکنا چاہتا ہے۔ صفحہ نمبر ۸۳ میں لکھا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنانا چاہتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ میرے مقاصد کو پورا کرنے میں میرا مددگار ہو جائے تو ایسا ہی عیسائی (نصاریٰ) بھی کہتے تھے۔

اور صفحہ نمبر ۸۹ میں لکھا ہے کہ بعض مسلمانوں نے تو کفار سے بھی تجاوز کیا ہے کہ دونوں حالات میں غیر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی بجائے مخلوق پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

اور صفحہ نمبر ۹۲ میں لکھا ہے کہ بندہ (انسان) سے مانگنا منع (ناجائز) ہے جیسا کہ ہمارے زمانے کے عوام کرتے ہیں۔

اور صفحہ نمبر ۹۴ میں لکھا ہے کہ آج کل عوام نے قبور کی زیارت کے حرام طریقے کو استحباب کا نام دیا ہے۔ اور قبروں پر جانے کو حج پر جانے سے افضل قرار دیا ہے اور بعض نے زیارت کے لئے جانے کو جنت میں داخلہ کا سبب قرار دیا ہے۔

اور صفحہ نمبر ۹۶ میں لکھا ہے کہ علماء کے لئے مناسب نہیں ہے کہ عوام کی اتباع کریں اور اپنے غیر مجتہد آباءواجداد کی تقلید کریں۔ **انتھی عبارتہ**۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ سارے مقدمات باطل ہیں، کیونکہ یہ بہت سی خرافات پر مشتمل ہیں۔

---

[1] (حدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ المحمدیۃ، ج۲، ص ۴۲۹، مطبوعہ مصر)

[2] (روح البیان، ج۳، ص ۴۰۰، الناشر: دار الفکر - بیروت)

پہلی خرابی یہ ہے کہ اس نے امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عیسائیوں کے مشابہ کیا ہے۔ جیسے کہ مقدمہ اولیٰ میں ذکر کیا ہے۔ اور امور مذمومہ میں تشبیہ دینا حرام ہے۔

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

إِنَّمَا الْحَرَامُ هو التَّشَبُّهُ فِيمَا كان مَذْمُومًا۔

ترجمہ: مذموم کام میں تشبیہ دینا حرام ہے۔[1]

بلکہ امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو کفار مکہ سے بھی زیادہ مذموم قرار دیا۔

امت محمدیہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کفار سے تشبیہ دینے پر

حاشیۂ

سيف المؤمنين على أعناق المنكرين

کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منح الروض میں فرماتے ہیں:

انا ممنوعون من التشبيه بالكفرة واهل البدعة المنكرة فی شعارهم لا منهيون عن كل بدعة ولو كانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة او من افعال الكفر واهل البدعة فالمدار على الشعار۔

"ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا، خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے، لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے۔

اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعاً کوئی حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔"[2]

---

[1] (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۱، البحر الرائق شرح کنز الدقائق)

[2] (فتاویٰ رضویہ، ص ۳-۵۳۴، ج ۲۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جو ہیئت، جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لئے کفر ہے، جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیئو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیئت و لباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر، اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔[1]

مفتی شاہ محمد اجمل قادری لکھتے ہیں، در مختار اور البحر الرائق میں ہے:

التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم و مایقصد بہ التشبہ۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے:

فانا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ و لو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفرۃ و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔

لہٰذا کفار کے ساتھ ہر بری بات میں اور جو ان کا شعار ہو اس میں تشبہ بقصد مشابہت ممنوع ہے۔ فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔[2]

درج بالا علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اس وقت اور ان چیزوں میں کفر یا حرام ہے جب وہ مشبہ بہ کسی کافر و گمراہ فرقے کی مذہبی یا قومی علامت ہو اور وہ ان کے منشور میں درج ہو، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو کسی اور شخص کو قیاس مع الفارق کر کے کسی پر الزام لگانا بھی کوئی کم جرم نہیں ہے، انتھی عبارتہ۔

متن اعلام المؤمنین

جیسا کہ مقدمۂ ثانیہ میں ہے۔ تو جب امورِ مذمومہ میں تشبیہ حرام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی امت کہ جن کو خیر امت کا خطاب دیا گیا ہے کو نصاریٰ اور مشرکین مکہ سے تشبیہ دینا یہ عالمِ دین کے شایانِ شان نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

دوسری بات یہ کہ مولوی مفتاح الدین نے لکھا کہ یہ لوگ خالق کی بجائے مخلوق پر بہت اعتماد کرتے ہیں، امت پر محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ مولوی مفتاح الدین کسی کی نیت پر عالم نہیں۔ بلکہ یہ خاصہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ کسی کی کیا نیت ہے؟

قرآن کریم میں ہے:

وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ (آل عمران ۱۵۴)

---

[1] (مرعاۃ شرح مشکوٰۃ، ص ۱۱۰، ج ۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

[2] (فتاویٰ جمیلیہ ص ۵، کتاب الخطر و الاباحۃ، شبیر برادز)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، جیسے کہ حدیث میں ہے کہ:

الناس یبعثون علی نیاتھم و أیضًا لکل امرئ ما نوی۔

ترجمہ: لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق مبعوث کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔

ہاں اگر مولوی مفتاح الدین علم غیب اور کشف القلوب کا دعویدار ہے اور تمام مخلوق کے ارادوں اور نیتوں سے باخبر ہے تو پھر وہ اپنے دعویٰ میں صادق و سچا ہے، مگر اس کا یہ علم و کشف صرف اور صرف اس پر حجت ہے نہ کہ کسی اور پر۔ بلکہ اس کا یہ دعویٰ ہی صریح البطلان ہے کیونکہ کسی مسلمان پر بدگمانی یہ مولوی مفتاح الدین ہی کر سکتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ یہ جرأت اور سینہ زوری صرف اسی کی ہے اور اس کی ذات بابرکات کے ساتھ خاص ہے۔ اور پھر تمام امت پر اگر کوئی شخص اپنی لاعلمی اور جہالت کی بناء پر ایسے خیالات و شکوک رکھتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کی لاعلمی ہے، اس کا عقیدہ نہیں ہے کہ اس طرح کا کلی حکم ان پر لگایا جائے۔

اور پھر مولانا مفتاح الدین پر افسوس ہے کہ ایک طرف تو انتہائی احتیاط کی بناء پر زیارتِ قبور سے لوگوں کو منع کرتا ہے اور دوسری طرف اتنی بے احتیاطی کہ ساری اُمت پر فاسق بلکہ نصرانی (عیسائی) یا مشابہ بالکافر کا حکم لگاتا ہے۔ تو مولوی مفتاح الدین کے فتاویٰ اور حکم لگانا ایسے ہیں کہ ان سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خانه. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد۔

ترجمہ: جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے اور جس نے کسی مسلمان کو ایسے کام کا مشورہ دیا کہ وہ جانتا تھا کہ ہدایت کسی اور کام میں ہے تو اس نے اس مسلمان کے ساتھ خیانت کی۔ [1]

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۱، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

کسی بھی مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یا فتویٰ دیتے ہوئے احتیاط کا بیان پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

اصول الافتاء:

اخرج ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ بسندہ الی عقبۃ بن مسلم قال صحبت ابن عمر اربعۃ و ثلاثین شھرا فکثیرا ما کان یسئل فیقول: لا ادری ثم یلتفت الی فیقول: اتدری ما یرید ھو لاء؟ یریدون ان یجعلوا ظھورنا جسرا لھم الی جھنم۔

ترجمہ: ابن عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ کے ساتھ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چونیتس ماہ صحبت اختیار کی تو بہت مرتبہ ان سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو آپ فرماتے تھے کہ مجھے علم نہیں تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری پیٹھ ان کیلئے جہنم کا پل بن جائے۔[1]

فائدہ: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اتنی جلیل القدر ہستی صحابی رسول ﷺ ہونے کے باوجود بہت دفعہ پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرماتے کہ مجھے (اس کا) علم نہیں۔

اخرج الخطیب بسندہ عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: لقد رأیت ثلاثمائۃ من اھل بدر ما منھم من احد الا و ھو یحب ان یکفیہ صاحبہ الفتوی۔

ترجمہ: خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو بدری صحابہ کرام کو دیکھا ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ کوئی اور انکی جگہ فتویٰ دیکر انکی خلاصہ کروادیں۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بدری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علم کے بارے میں کتنی احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

عن عطاء بن السائب قال: ادرکت اقواما ان کان احدھم یسال عن الشیء فیتکلم و انہ یرعد۔

ترجمہ: عطاء بن سائب سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی قوم پائی کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا تو وہ بات کرتے ہوئے کانپنے لگتے تھے۔

---

[1] (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۶۱۳ رقم ۸۹۹)

وعن الاشعث عن محمدابن سیرین قال: کان اذا سئل عن شیءمن الفقه، الحلال و الحرام تغیر لونه وتبدل حتی کانه لیس بالذی کان۔

ترجمہ: اشعث محمد ابن سیرین سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ جب ان سے فقہ کے حوالے سے حلال اور حرام کے متعلق پوچھا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور بدل جاتا یہاں تک کہ وہ گھریا وہ، وہ نہیں رہا۔

عن احد تلامذۃ الامام مالک رحمة الله علیه قال: و الله ان کان مالک اذا سئل عن مسالة کانه واقف بین الجنة و النار۔

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم امام مالک سے جب کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا تو ان کا حال یہ ہوتا گویا کہ وہ جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا ہو۔

عن محمدبن واسع قال: اول من یدعی الی الحساب یوم القیامة الفقهاء۔

ترجمہ: محمد بن واسع سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ بروز قیامت جس کو سب سے پہلے حساب کیلئے بلایا جائے گا تو وہ علماء ہونگے۔

وعن سفیان بن عیینة رحمة الله علیه قال: یغفر للجاهل سبعون ذنبا قبل ان یغفر للعالم ذنب واحد۔

ترجمہ: سفیان بن عینیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاہل کے ستر گناہ بخش دیئے جائیں گے اس سے پہلے کہ عالم کا ایک گناہ بخشا جائے۔

ذکر النووی رحمة الله علیه عن ابن مسعود و ابن عباس رضی الله عنهم قالا: من افتی عن کل مایسال فهو مجنون۔

ترجمہ: امام نووی نے ذکر فرمایا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے آپ دونوں فرمایا کرتے تھے کہ جس نے فتویٰ دیا ہر اس مسئلے کا جو اس سے پوچھا جائے تو وہ دیوانہ ہے۔[1]

قال ابن مهدی: سأل رجل مالکاًعن مسالة و ذکر انه ارسل فیها من مسیر ستة اشهر من المغرب۔ فقال له: اخبر الزی ارسلک انه لا علم لی بها۔ قال و من یعلمها قال من علمه الله و ساله رجل عن مساله استودعه ایاها اهل المغرب فقال ما ادری ما ابتلینا بهذه المسالة فی بلدنا و لا سمعنا احدا من اشیاخنا تکلم بها و لکن تعود فلما کان من الغد جاءه و قد حمل ثقله علی بغلة یقودها، فقال مسالتی! فقال ما ادری ما هی؟ فقال الرجل: یا ابا عبد الله ترکت خلفی من یقول لیس علی وجه الارض اعلم منک فقال مالک غیر مستوحش اذا رجعت فاخبرهم انی لا احسن۔

ترجمہ: ابن مہدی کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا اور انہوں نے ذکر کیا کہ اس کو اس مسئلے میں مغرب سے بھیجا گیا ہے جو کہ چھ ماہ پیدل کی مسافت پر ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے آپ

[1] (سنن الدارمی المقدمة باب ۱ : ۱۲۱ ۵)

کو بھیجا اس جاکر خبر دے دیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اس مسئلہ کے بارے میں علم نہیں تو اس شخص نے کہا کہ اگر آپ کو علم نہیں تو کس کو علم ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے اور ایک شخص نے سوال کیا کسی مسئلے کے بارے میں جس کو اہل مغرب والوں نے یہ مسئلہ دے کر بھیجا تھا تو امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں اور اس شہر میں یہ مسئلہ درپیش نہیں آیا اور نہ ہی ہم نے اپنے مشائخ میں سے کسی شیخ سے اس مسئلے کے بارے میں کچھ سنا تو واپس لوٹ جا۔ جب کل کا دن آیا تو یہ شخص دوبارہ آیا اپنے سامان کو خچر پر سامان رکھ کر چلتے ہوئے امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ میرا مسئلہ ؟ تو امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کیا جواب ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ اے عبداللہ ! کہ میں ایسے لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں جو آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تو امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی خوف وخطر کے کہا کہ واپس جاکر ان سے کہہ دینا کہ میں اس مسئلے کے بارے میں بہتر نہیں جانتا ہوں۔

متی یحرم الافتاء: (فتویٰ دینا کب منع ہے ؟)

لا یجوز علی الافتاء الا لمن استجمع ھذہ الشروط وصار مؤھلا لذلک ثم ان المفتی المؤھل ایضا لا یجوز لہ الافتاء فی الاحوال الانیۃ۔

الاول: اذا کان المفتی اھلا للافتاء بوجہ عام ولکنہ لا یعرف حکم المسئلۃ المسئول عنھا بخصوصھا ولا یتمکن من استنباطہ او اشتبھت علیہ الادلۃ ولم یتمکن من الترجیح وذلک لقول الرسول الکریم ﷺ القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار۔ فاما الذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق وقضی بہ ورجل اعرف الحق فجاز فی الحکم فھو فی النار ورجل قفی للناس علی جھل فھو فی النار اخرجہ ابوداؤد۔

ترجمہ: فتویٰ دینا جائز نہیں ہے مگر اس عالم کیلئے جس میں یہ شرائط جمع ہوں اور وہ اس کا اہل بن چکا ہو اور وہ مفتی جو افتاء کی اہلیت رکھتا ہو اس کیلئے بھی فتویٰ دینا جائز نہیں ہے آنے والے احوال میں۔

ا۔ مفتی جب افتاء کی اہلیت رکھتا ہو عام طریقے سے لیکن جس مسئلے کے بارے میں اس سے پوچھا گیا ہو خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم نہ جانتا ہو اور اس کے استنباط پر قدرت بھی نہ رکھتا ہو اور اس پر ادلہ مشتبہ ہو چکی ہوں اور ترجیح دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسے مفتی کیلئے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ قاضی تین قسم پر ہے ایک جنت میں جائیگا اور دو جہنم میں جائیں گے پس جو جنت میں جائیگا وہ آدمی ہے جو حق جانتا ہو اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے۔ دوسرا وہ آدمی جو حق کو جانتا ہو لیکن فیصلے میں دھوکہ بازی کرے تو وہ جہنمی ہے تیسرا وہ آدمی جو لوگوں کے فیصلے جہالت پر کرے پس یہ بھی جہنمی ہے۔

الرجوع عن الفتوی:(اگر غلط فتویٰ دے دیا تو کیا کرے)

يجب على المفتی ان ظهر خطا فی فتواه ان يرجع عن فتواه السابقة وان لا يخجل من ذلک وجاء فی خطاب سيدنا عمر بن الخطاب الى ابی موسى الاشعری رضی الله عنهما: لا يمنعنک قضاء قصيته بالامس راجعت فيه نفسک وهديت رشدک ان يراجع الحق فان الحق قديم وان الحق لا يبطله شيء ومراجعة الحق خير من التمادی فی الباطل۔

ترجمہ: مفتی پر واجب ہے کہ جب اسے اپنے فتویٰ میں خطا ظاہر ہو جائے تو سابقہ فتویٰ سے رجوع کرے اور اس پر شرمندہ نہ ہو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف جو خطبہ بھیجا اس میں لکھا تھا کہ ہر گز آپ کو منع نہ کرے وہ فیصلہ جو آپ نے کل کیا تھا پھر آپ کا نفس اس سے رجوع کرے اور تجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی گئی ہو کہ تو حق سے رجوع کرے اس لئے کہ حق قدیم ہے اور حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں رہنے سے بہتر ہے۔

اپنے فتویٰ سے رجوع کے بارے میں مستفتی کو خبر دینا:

اعلام المستفتی بالرجوع عن الفتوی۔

وقد اخرج الخطيب رحمة الله عليه ان الحسن بن زياد اللؤلؤی رحمة الله عليه استفتی فی مسئلة فاخطا فلم يعرف الذی افتاه فكترى منادى ينادی ان الحسن بن زياد استفتی يوم كذا وكذا فی مسئلة فاخطا فمن كان افتاه الحسن بن زياد بشيء فيرجع اليه۔ فمكث اياما لا يفتی حتى وجد صاحب الفتوى فاعلمه انه قد اخطا وان الصواب كذا وكذا۔

ترجمہ: خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کی ہے کہ حسن بن زیاد لؤلؤی سے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ان سے خطا ہو گئی تھی اور وہ اس شخص کو نہیں پہچانتے تھے جس کو انہوں نے فتویٰ دیا تھا تو انہوں نے ایک آواز لگانے والے شخص کو مقرر فرمایا کہ حسن بن زیاد سے فلاں دن فلاں مسئلہ کے متعلق جو پوچھا گیا تھا اس میں ان سے خطا ہو گئی تھی پس حسن بن زیاد نے جس کو فتویٰ دیا تھا وہ شخص ان کی طرف رجوع کر لے اور حسن بن زیاد کچھ دن ٹھہرے اور فتویٰ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ صاحب فتویٰ کو پالیتے اور اسے خبر دے دیتے کہ وہ فلاں مسئلے میں خطا ہوئے تھے اور حق مسئلہ فلاں فلاں اس طرح تھا۔[1]، انتهى عبارته۔

[1] (الفقیہ والمتفقہ ۴۲۴ رقم ۱۲۰۹ باب رجوع المفتی عن الفتوی)

متن اعلام المؤمنین

تیسری بات یہ ہے کہ اصلاح الرسوم کے تمام مقدمات مسلمانوں پر بد گمانی پر مشتمل ہیں جو کہ حرام ہے۔ اور قرآن میں اس سے صراحتاً منع فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

يستحق العقاب عليه قوله تعالىٰ: وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا (الفتح ۱۲)

پھر عذاب کا استحقاق ہوتا ہے: اور تم نے بُرا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

اسی طرح مسلمانوں پر بد گمانی سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بھی منع فرمایا ہے:

ان الله حرم من المسلم عرضه ودمه وان يظن به ظن السوء والمراد بعرضه جانبه الذي يصونه من نفسه وحسبه ويتحامى ان ينقص، اھ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر مسلمان کی عزت اور خون کی بے حرمتی حرام قرار دی ہے، اور مسلمان پر بد گمانی بھی حرام قرار دی ہے، اور عزت سے مراد وہ ہے کہ جس کی وہ حفاظت کرتا ہے اپنے نفس اور حسب کے بارے میں، اور اس کو نقص سے بچاتا ہے۔[1]

حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ كَذِبٌ۔

ترجمہ: اپنے آپ کو بد گمانی سے بچاؤ کیونکہ بد گمانی جھوٹ ہے۔[2]

مسلمان پر بد گمانی کی ممانعت

اسی طرح معتبر کتب میں بھی مسلمان پر بد گمانی کو منع فرمایا گیا ہے۔

روح البیان میں ہے:

وكظن السوء بالمؤمنين خصوصاً بالرسول عليه السلام وبورثته الكمل وهم العلماء۔

---

[1] (اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، ص ۵۵۲، باب بيان تحريم الغيبة بالقلب)

[2] (إكمال المعلم شرح صحيح مسلم- للقاضي عياض، ج۸، ص ۱۳)

ترجمہ: جیسا کہ بد گمانی کرنا مسلمانوں پر خصوصًا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ورثاء یعنی علماء کاملین پر بد گمانی۔[1]

چوتھی بات یہ کہ اصلاح الرسوم کے مقامات مسلمانوں کی پوشیدہ امور کی تفتیش اور عیوب المسلمین کی تلاش اور تفتیش پر مشتمل ہے، جبکہ یہ فرمانِ الٰہی اور اخلاقِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

وَلَاتَجَسَّسُوا (الحجرات ۱۲)

ترجمہ: اور عیب نہ ڈھونڈو۔

خذوا ماظهر ودعوا ماستر الله تعالیٰ ولا تفحصوا عن بواطن الأمور ولا تبحثوا عن عورات المسلمين وعيوبهم۔

ترجمہ: یعنی ان کے ظاہری معاملات دیکھو اور پوشیدہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے مستور فرمائی ہیں کو چھوڑ دو، اور ان کے باطنی امور کی بھی جستجو نہ کرو، اور مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں اور عیوب مت ٹٹولو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مسلمانوں کے عیوب کی تلاش اور جستجو سے اپنے آپ کو بچاتے تھے۔

جیسا کہ زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ أُتِيَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَقِيلَ هَذَا فُلَانٌ تَقْطُرُ لِحْيَتُهُ خَمْرًا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ إِنَّا قَدْ نُهِينَا عَنِ التَّجَسُّسِ وَلَكِنْ إِنْ يَظْهَرْ لَنَا شَيْءٌ نَأْخُذْ بِهِ۔

ترجمہ: ہم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کیا آپ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں کچھ جاننا چاہیں گے؟ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تجسس سے روکا گیا ہے اگر ہمیں کچھ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس کو لیتا ہوں۔[2]

حالانکہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط سخت کافر اور اسلام کا بدترین دشمن تھا، اس کے باوجود ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے تجسس اور باطنی امور کے بارے میں معلومات سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے عیوب کا تجسس تو حرامِ قطعی ہے۔

تمام مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ اقوال وافعالِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاق وعادات پر مضبوطی سے قائم ودائم رہیں، اور مسلمانوں پر بد گمانی، عیب جوئی سے اپنے آپ کو بچائیں اور

---

[1] (روح البیان، ج ۹، ص ۶۸، دار النشر/دار إحياء التراث العربي)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۴۲۳، الناشر: دار الکتاب العربي-بيروت)

مسلمانوں کی پردہ پوشی کریں تاکہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے رسوا اور شرمندہ نہ ہوں۔

مسلمانوں پر بدگمانی کرنے پر

حاشیہ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

احیاء علوم الدین میں ہے:

اعلم أن سوء الظن حرام مثل سوء القول فكما يحرم عليك أن تحدث غيرك بلسانك بمساويء الغير فليس لك أن تحدث نفسك وتسيء الظن بأخيك ولست أعني به إلا عقد القلب وحكمه على غيره بالسوء..... والظن عبارة عما تركن إليه النفس ويميل إليه القلب۔

فقد قال الله تعالى: "يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم" وسبب تحريمه أن أسرار القلوب لا يعلمها إلا علام الغيوب فليس لك أن تعتقد في غيرك سوءا إلا إذا انكشف لك بعيان لا يقبل التأويل فعند ذلك لا يمكنك إلا أن تعتقد ما علمته وشاهدته۔[1]

روح المعانی میں ہے:

"فإن من الظن ما يباح اتباعه كالظن في الأمور المعاشية"۔[2]

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

"غير أنه من ظهر منه فعل منكر فقد عرض نفسه لسوء الظن والتهمة في دينه فلا حرج على من أساء الظن به، وقد قال ابن عمر: كنا إذا فقدنا الرجل في صلاة العشاء والصبح أسأنا به الظن"۔[3]

تفسیر القرطبی میں ہے:

"وأكثر العلماء على أن الظن القبيح بمن ظاهره الخير لا يجوز، وأنه لا حرج في الظن القبيح بمن ظاهره القبح، قاله المهدوي"۔[4]، انتہی عبارتہ۔

---

[1] (احیاء علوم الدین، کتاب آفات اللسان، ج۳، ص ۱۵۰، ط، دار المعرفۃ)

[2] (روح المعانی، سورۃ الحجرات، ج۱۳، ص۳۰۷، ط: دار الکتب العلمیۃ)

[3] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الادب، باب مایکون من الظن، ج۲۲، ص۱۳۸، ط: دار احیاء التراث العربی)

[4] (سورۃ الحجرات، ج۱۶، ص۳۳۲، ط، دار الکتب المصریۃ)

متن اعلام المؤمنین

مولوی مفتاح الدین اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۹۰ میں لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو کیسے راضی کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے اور رشوت اور شکرانہ دے کر کیسے راضی کیا جاسکتا ہے اور ان اہلِ قبور نے ہم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ تم لوگ ہماری زیارت کے لئے آیا کرو اور شکرانہ نذرانہ لایا کرو تو ہم ضرور تمہاری سفارش کریں گے۔

اور صفحہ نمبر ۹۱ میں لکھا ہے کہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمومی اور خصوصی اوقات میں رابطہ کر کے دعا اور سوال نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو بھلا کر اِدھر اُدھر پریشان حال گھومتے رہیں۔

اور صفحہ نمبر ۹۴ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے ساتھ وعدہ اور اطمینان بخش رابطہ ہے اور اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر بھاگتے رہتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ جلال میں آکر ہم پر غضب نہ کرے، اور ایک مستحب کام کے لئے اپنا ایمان برباد کریں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ سارے مقدمات باطل ہیں کئی وجوہ کے اعتبار سے:

شرعی حکم میں غیر مجتہد کا قول حجت نہیں ہے

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ زیارت القبور ایک شرعی حکم ہے، اور مولوی مفتاح الدین مجتہد نہیں ہے، اور غیر مجتہد کا قول احکامِ شرعیہ میں حجت نہیں ہے۔

جیسا کہ فصول میں ہے:

و أما غير الاجتهاد فليس بحجة لأنه اما قول من عند نفسه بما يبدعا أي يظهر إليه في القلب و أنه يحتمل أن يكون من الله تعالىٰ او لا يكون منه و المحتمل لا يكون حجة۔

ترجمہ: غیر اجتہاد حجت نہیں ہے، کیونکہ یہ قول یا تو اس اس کی طرف سے ہوگا جو اس کے دل میں ظاہر ہو گیا ہوگا، یا یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہو گیا ہوگا، یہ نہیں ہوگا۔ اور جس قول میں احتمال آجائے وہ حجت نہیں ہوتا۔

اصولِ دین کے خلاف عقلی دلائل استعمال کرنا باعثِ ہلاکت ہے

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مقدمات مذکورہ عقلیہ ہیں، اور اس سے مراد اور سعی (کوشش) زیارت القبور سے لوگوں کو منع کرنا ہے، جبکہ زیارت القبور کا مسئلہ دین کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے۔ اور جو اصولِ دین کے خلاف اپنے عقلی دلائل کو پیش کرتا ہے اور اس شرعی بیان کو ترک کرتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں سخت وعید ہے۔

جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے:

هَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ مَنْ أَمْكَنَهُ بَيَانُ أُصُولِ الدِّينِ بِالدَّلَائِلِ الْعَقْلِيَّةِ لِمَنْ كَانَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ تَرَكَهَا أَوْ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ مَعَ شِدَّةِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ فَقَدْ لَحِقَهُ الْوَعِيدُ الْعَظِيمُ۔

ترجمہ: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کو دلائل عقلیہ کے ساتھ اصولِ دین کے بیان کی قدرت حاصل ہو اس شخص کے لئے جو اس کی طرف محتاج ہو اور وہ اس کو ترک کر دے یا شریعت کے احکام میں سے کوئی چھپائے تو اس کے لئے وعیدِ عظیم ہے۔[1]

تو عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دلائل شرعیہ کے ذریعے احکامِ شرعیہ کو بیان کیا کرے نہ کہ عقلی دلائل سے احکامِ شرعیہ کی نفی کرے دلائل عقلیہ کے ذریعے۔ کیونکہ یہ ایک نیا دین شریعت بنانا ہے۔

غیر مجتہد کا قول احکامِ شرعیہ میں حجت نہیں ہے اور اس کے لئے خواہشاتِ نفسانی کی تابعداری حرام ہے پر حاشیہ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

استدلال کرنے والا مجتہد ہو گا یا مقلد۔ اگر مجتہد ہو گا تو وہ استدلال کرے گا قرانِ مقدس سے یا سنتِ رسول ﷺ سے یا اجماع یا قیاس سے جو ان تمام سے مستنبط ہے اور اس کی تفصیل اصولِ فقہ شریف میں مذکور ہے اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر استدلال کرنے والا مقلد ہو تو اس کی دلیل اپنے مجتہد کا قول ہو گی۔

جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے اپنے اس قول میں لکھا ہے:

و اما المقلد فمسنده قول مجتهده. (الخ)

ترجمہ: اور جو مقلد ہے تو اس کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہو گا۔[2]

صاحبِ عمدۃ الرعایا لکھتے ہیں:

ان كان المفتي غير مجتهد: اگر مفتی مجتہد نہ تھا تو اٹکل سے جواب نہ دے گا تاکہ اللہ تعالیٰ پر افتراء واقع نہ ہو جائے۔[3]

أما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت و الواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كابي حنيفة على جهة الحكاية۔اھ۔

---

[1] (تفسیر کبیر، ج۴، ص ۱۴۰، الناشر: دار إحیاء التراث العربي-بیروت)

[2] (کشف المبھم، ص ۱۱)

[3] (قاضی خان صفحہ ۳)

وہ مفتی جس نے صرف مجتہد کے اقوال یاد کیے ہوں اور مجتہد نہیں ہو تو اس پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے کہ مجتہد کے قول بیان کریں جیسے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور حکایت اس لیے کہ یہ شرعاً مفتی نہیں۔ [1]

شرح طریقۂ محمدیہ کے مؤلف لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد الخ۔

ترجمہ: اور اس لئے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے۔ [2]

جب تمہیں مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مقلد کی دلیل صرف اور صرف اپنے مجتہد کا قول ہوتا ہے، پس جاننا چاہیئے کہ اگر تعارض تمہیں معلوم ہو جائے نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تو مقلد کی دلیل فقہاء کا قول ہے کیونکہ ان کا وہ قول نہ نص سے ہو گا اور نہ وہ اپنے علم کے مطابق نص سے استنباط کرے گا کیونکہ احکامات کا نصوص سے نکالنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا کیونکہ اگر کوئی نص ہو تو اس نص کی دوسری نص معارض ہو گی یا اس کے لئے کوئی تاویل یا تخصیص ہو گی، یا اس کے لئے کوئی ناسخ وغیرہ ہو گا اس قبیلہ سے جو خاصہ مجتہد کا اور مقلد کے خیال کی رسائی اس کی طرف ممکن نہیں ہے تو یہ نص کے مقابل میں رائے پر عمل کرنا ہے۔

جیسا کہ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ نے اپنے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد لا النصوص اذا استخراج الاحکام منھا لیس الا منصب المجتھد وقد قالوا اذا تعارض النص وقول الفقھاء یؤخذ بقول الفقھاء اذ یحتمل کون النص اجتھادیا ولہ معارض قوی وتاویل وتخصیص وناسخ وغیرھا ممایختص بمعرفتہ المجتھد وان ذالک کالرائے فی مقابلۃ النص الخ۔

ترجمہ: "اور مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا یہ مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا، اس لئے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ نص اجتہادی یا اس کے مقابل میں قوی دلیل ہو یا وہ تاویل کے باب سے ہو یا تخصیص اور ناسخ کے قبیل سے ہو وغیرہ تو اس کا جاننا مجتہد کا کام ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے اگرچہ ان کی رائے مقابل نص میں واقع ہو۔" [3]

اور اسی مؤلف بریقہ نے ذکر کیا ہے:

وکان احتجاج المعترض بالحدیث والکتب الضعیفۃ کان رایا فی مقابلۃ النص وترجیح المرجوح علی الراجح وقد کان دلیل المقلد ھو قول من قلدہ لا غیر فالاحتجاج بالنص ھو منصب الاجتھاد الخ۔

---

[1] (عمدۃالرعایہمقدمہصفحہ ۱۱)

[2] (شرح طریقہمحمدیہ، ج ۱، ص ۶۵، ایضاً ج ۱ ص ۲۵۴، ج ۱ ص ۱۴۷، ج ۲ ص ۱۰۱)

[3] (بریقۃ ج ۱ ص ۶۵)

ترجمہ: ”اور جب احتجاج معترض کا حدیث سے ہو اور کتب ضعیفہ سے اور رائے نص کے مقابلہ میں ہو اور مرجوح کی راجح پر ترجیح ہو تو مقلد کی دلیل اسی کی ہو گی جس کی وہ تقلید کرتا ہے کیونکہ احتجاج نص کے ساتھ اجتہاد کے قبیل سے ہے۔[1]

آگے لکھتے ہیں:

وان ادلۃ المقلد لیست الا قول المجتہد لہذا اذا ظہر التعارض بین اقوال الفقہاء و بین آیات و حدیث فیقدم قول الفقہاء لان معرفۃ علی وجہ التحقیق المجتہد فلعل لتلک الآیۃ مثلاً معارضاً او مخصصا او تاولاً او ناسخاً اطلع علیہ المجتہد و لم تطلع انت۔

ترجمہ: اور کیونکہ مقلد کے دلائل مجتہد کے دلائل کی طرح نہیں ہو سکتے بلکہ وہ مجتہد کا قول ہوتا ہے اس لئے جب اقوال فقہاء اور آیات و حدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو فقہاء کے قول کو مقدم رکھو گے کیونکہ اس کا جاننا اور تحقیق مجتہد کے لئے ہے تو شاید وہی آیت معارض ہو گی یا مخصص یا اس میں تاویل ہو گی یا اس کے لئے ناسخ ہو گی جب کہ مجتہد کو اس پر اطلاع مل گئی ہو گی اور تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو۔“[2]

اور مقلد اپنے مجتہد کے قول سے خروج نہیں کرے گا۔

جیسا کہ اس کو امام شعرانی نے اپنی میزانِ شعرانی میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

و من شان المقلد ان لا یخرج عن قول امامہ۔

ترجمہ: مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے نہ نکلے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ اپنے مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے اور اس پر جزماً یقین رکھے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[3]

اور اسی بات کو امام شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھا ہے:

فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتھد الی ان قال و کذالک یجب علیہ الاعتقاد الجازم بان ذالک الامام علی ھدی من ربہ فی ذالک۔

تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے آگے لکھا ہے کہ اور اس طرح اس چیز پر پختہ یقین رکھنا واجب ہے کہ وہ امام اس مسئلہ میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[4]

---

1 (بریقہ ج ۲ ص ۱۰۱، وایضاح ج ۱ ص ۱۴۷، ص ۹۱)
2 (بریقہ ج ۱ ص ۲۵۴)
3 (میزان شعرانی ص ۱۳)
4 (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۹)

آگے امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے:

"فاعتقادک یا اخی الصحۃ فی کلام ائمۃ الھدی واجب علیک الخ۔"

ترجمہ: تو اے میرے بھائی، ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تم پر واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے۔[1]

اور اسی بات کو مؤلف تفسیرات احمدیہ لکھتے ہیں:

ولیس للمقلد ان ینازع المجتھد فی حکمہ۔

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے۔[2]

اور کسی مقلد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور نہ ان کے کلام میں طعن کرے کہ وہ اللہ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولوالامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو اس نے گویا شارع علیہ السلام کی طرف خطاء کی نسبت کی کیونکہ شارع نے اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔

اور اسی بات کو صاحبِ میزان شعرانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" میں یوں لکھا ہے:

لا ینبغی لاحد قط ان یخطئ مجتھدا او یطعن فی کلامہ لان الشرع الذی ھو حکم اللہ تعالیٰ قد قدر حکم المجتھد فصار شرع للہ تعالیٰ بتقریر اللہ تعالیٰ ایاہ فکل من خطأ مجتھدا بعینہ فکانہ خطأ الشارع فیما قررہ حکماً الخ۔

ترجمہ: کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ وہ شرح اللہ کا حکم ہوتا ہے تو مجتہد کا قول قرار پایا گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر شرع اللہ کا ہوا خاص اس لکے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاءوار سمجھا اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔[3]

خواہشات کی پیروی نہ کرو

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (النساء ۱۳۵)

ترجمہ: توخواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

---

[1] (میزان الکبریٰ ج ص ۶۲)

[2] (تفسیراتِ احمدیہ ص ۲۰۹)

[3] (میزان، ص ۲۶)

تحقیق بغیر علم کا انجام

(۲) وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ (انعام ۱۱۹)

ترجمہ: اور بہت لوگ بہکاتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق، تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔

خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے والوں کا انجام

(۳) وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (ص ۲۶)

ترجمہ: اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔

خواہشات کو اپنا خدا بنانا

(۴) أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (الفرقان ۱۹)

ترجمہ: کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لوگے۔

خواہشاتِ نفسانی کی تابعداری کرنے والا چوپایوں سے بھی بدتر ہے

(۵) أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (الفرقان ۴۴)

ترجمہ: یا یہ سمجھتے ہو کہ ان میں بہت کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ۔

خواہشات کی تابعداری سب سے بڑی گمراہی

(۶) فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (القصص ۵۰)

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارا فرمان قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو۔

اپنی خواہشات کی تابعداری کرنے والا گمراہ ہے اور اس کا کوئی مددگار نہیں

(۷) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ (روم ۲۹)

ترجمہ: بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہو لئے بے جانے تو اسے کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

ھوا پرست ظاہراً سنتے ہیں مگر دل سے نہیں:

(٨) أُولَئِکَ الَّذِینَ طَبَعَ اللہُ عَلَی قُلُوبِھِمْ وَاتَّبَعُوا أَھْوَاءَھُمْ (محمد ١٦)

ترجمہ: یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اور اپنی خواہشوں کے تابع ہوئے۔

(٩) ھوا پرست آیتوں سے اعراض کرنے اور اپنے ہوائے نفسانی کے تابع ہیں۔

وَکَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَھْوَاءَھُمْ وَکُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ (القمر ٣)

ترجمہ: اورانہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پا چکا ہے۔

اہل ہویٰ گمراہ ہیں:

(١٠) أَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَھَهُ ھَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللہُ عَلَی عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَی سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَی بَصَرِهِ غِشَاوَۃً فَمَنْ یَھْدِیهِ مِنْ بَعْدِ اللہِ أَفَلَا تَذَکَّرُونَ (الجاثیہ ٢٣)

ترجمہ: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں رکھتے۔

مذمت متبعین ہوا:

(١١) أَفَمَنْ کَانَ عَلَی بَیِّنَۃٍ مِنْ رَبِّهِ کَمَنْ زُیِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَھْوَاءَھُمْ (محمد ١٤)

ترجمہ: تو کیا جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر اس جیسا ہو گا جس کے برے عمل اسے بھلے دکھائے گئے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔

اہل ہواء کی تابعداری جائز نہیں:

(١٢) ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلَی شَرِیعَۃٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَلَا تَتَّبِعْ أَھْوَاءَ الَّذِینَ لَا یَعْلَمُونَ (الجاثیۃ ١٨)

ترجمہ: پھر ہم نے اس کام عمدہ راستہ پر تمہیں کیا تو اسی راہ پر چلو اور نادانوں کی خواہش کا ساتھ نہ دو۔

اپنے آپ کو ہوائے نفسانی سے منع کرنے والوں کا مقام و مرتبہ:

(١٣) وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوَی (٤٠) فَإِنَّ الْجَنَّۃَ ھِيَ الْمَأْوَی (النازعات ٤١)

ترجمہ: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشوں سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

اہل ہویٰ کی متابعت سے پرہیز کرو:

(١٤) وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوَاهُ وَکَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (الکھف ٢٨)

ترجمہ: اوراس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیااوروہ اپنی خواہش کے پیچھے چلااوراس کا کام حد سے گزر گیا۔

اہل ہوا کی تابعداری ہلاکت کا باعث ہے:

(۱۵) فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَى (طه ۱۶)

ترجمہ: توہر گز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اوراپنی خواہش کے پیچھے چلا تو ہلاک ہو جائے۔

گمراہ پرستوں کے اہویٰ کا تابع نہ ہونا:

(۱۶) وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدہ۷۷)

ترجمہ: اورایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ اور سیدھے راہ سے بہک گئے۔

اہل تکذیب کی ہویٰ کا تابع نہ ہونا:

(۱۷) وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (الانعام ۱۵۰)

ترجمہ: اوران کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں۔

اہل ہویٰ کی متابعت سبب ضلالت:

(۱۸) قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (الانعام ۵۶)

ترجمہ: تم فرماؤمیں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلتاہوں یوں تو میں بہک جاؤں اورراہ پر نہ رہوں۔

اہل ہویٰ کی تابعداری ممنوع شرعاًاور مضر فی نفسہ ہے:

(۱۹) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (البقرۃ ۱۲۰)

ترجمہ: اوراگرتو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا اس کے بعد کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہو گا نہ مددگار۔

اہل ہوا کی تابعداری انسان کو ظالم بناتی ہے:

(۲۰) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ (البقرۃ ۱۴۵)

ترجمہ: اوراگرتو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور ستم گر ہو گا۔

اور تفسیر مظہری سے تبصرہ سن لیجئے:

والمقصود من الاية نهى الامة وتهديدهم عن اتباع الأهواء على خلاف العلم الذي جاء من الله تعالى بأبلغ الوجوه حيث أورد الله سبحانه الشرط مؤكدا بالقسم المقدر واللام الموطئة وتعليق الفعل بكلمة ان فانه يدل على انه

ایّ جزء یوجد من الاتباع فھو ظلم- والخطاب الی النبي صلی اللہ علیہ وسلم مع کونہ حبیبا للہ تعالی فغیرہ اولی بالتھدید- والتفصیل بعد الإجمال في قولہ ما جاءک من العلم- وتعظیم العلم بذکرہ معرفا باللام والجزاء بانّ المؤکدۃ- واللام في خبرھا- والجملۃ الاسمیۃ- والتعبیر بإذن- وکلمۃ من فان قولک زید من العلماء ابلغ من قولک زید عالم- وتعریف الظالم المستلزم لنسبۃ کمال الظلم الیہ لان المطلق محمول علی الکامل- وتعمیم الظلم حیث حذف متعلقۃ۔

ترجمہ: اس آیت سے امت کو تہدید اور تادیب مقصود ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف اہل کتاب کی خواہشوں کا اتباع کریں اور تہدید بھی نہایت مبالغہ کی اور مبالغہ بھی بہت سی وجوہ سے چناںچہ اول قسم مقدر سے اس مضمون کو مؤکد فرمایا دوسرے لام تمہید قسم کا لائے، تیسرے فعل کو ان (اگر) کے ساتھ معلق کیا کیوں کہ یہ تعلق اس پر صاف دال ہے کہ اگر کچھ بھی اتباع پایا جائے گا تو یہ بھی ظلم ہی شمار ہوگا۔ چوتھے رسول ﷺ کو باوجود حبیب ہونے کے یہ خطاب فرمایا تو اس سے اوروں کو نہایت بلیغ دھمکی ہوگئی (جیسے کوئی حاکم اپنی رعایا کے سنانے کے لیے کسی اپنے مطیع و فرماں بردار سے کہے کہ دیکھو اگر تم بھی ایسا کروگے تو سزا پاؤگے) پانچویں مِنۡ بَعۡدِ مَا جَاءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ سے اس کی تفصیل اجمال ہے کہ اول ماموصولہ سے علم کو مجمل ذکر فرمایا مِنَ الۡعِلۡمِ سے اس کی تفصیل فرمادی ظاہر ہے کہ تفصیل بعد اجمال میں زور ہی ہوتا ہے۔ چھٹے علم کو معرف باللام ذکر فرمایا۔ ساتواں جزا کو ان اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کیا (یہ در حقیقت نو ہوئے) آٹھواں کلمہ اذا (اس وقت) کہ یہ بھی مفید مبالغہ کو ہے لائے۔ نواں من تبعیضیا لائے کہ اس سے نہایت ہی مبالغہ ہو گیا کیوں کہ جملہ زید علماء میں سے ہے یہ بہ نسبت زید عالم ہے کہ زیادہ بلیغ ہے دسویں الظلمین کو معرفہ باللام لائے کہ کمال ظلم کو مقتضی ہے گیارھویں ظلم کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اس سے فائدہ تعمیم کا ہوا اس وجہ سے کہ متعلقہ کو حذف کیا۔ ترجمہ از تفسیر مظہری مترجم از مولانا سید عبد الدام الجلالی مطبع دار الاشاعت کراچی (گیارہ جمع دو کل تیرہ وجوہات بنتی ہیں)۔[1]

اہل ہوا کی تابعداری حق سے پھیرنا ہے:

(۲۱) وَلَا تَتَّبِعۡ أَھۡوَاءَھُمۡ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الۡحَقِّ۔ پارہ ۶ المائدہ آیت نمبر ۴۸

ترجمہ: اور اے سننے والے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر۔

(۲۲) وَأَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَا أَنۡزَلَ اللہُ وَلَا تَتَّبِعۡ أَھۡوَاءَھُمۡ وَاحۡذَرۡھُمۡ أَنۡ یَفۡتِنُوکَ عَنۡ بَعۡضِ مَا أَنۡزَلَ اللہُ إِلَیۡکَ، الخ (المائدۃ ۴۹)

[1] (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۴۵)

ترجمہ: اور یہ کہ اے مسلمان! اللہ کے اتارے پر حکم کر اوران کی خواہشوں پر نہ چل اوران سے بچتا رہ کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا۔

اہل ہویٰ کی تابعداری کرنے والا عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکے گا:

(۲۳) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَمَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ (الرعد ۳۷)

ترجمہ: اے سننے والے! اگر تو ان کی خواہشوں پر چلے گا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ کے آگے نہ تیرا کوئی حمایتی ہو گا نہ بچانے والا۔

اہل ہوا کے بجائے حکم الٰہی کی متابعت ضروری اور لازمی ہے:

(۲۴) وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ (الشوری ۱۵)

ترجمہ: اور ثابت قدم رہو جیسا تمہیں حکم ہوا ہے اوران کی خواہشوں پر نہ چلو اور کہو کہ میں ایمان لایا جو کوئی کتاب اللہ نے اتاری۔

اس پر حضرت علامہ قاری صاحب کا اقرار اور شہادت بھی ملاحظہ ہو:

وَمَا ضَلَّ مَنْ ضَلَّ مِنَ الْكَفَرَةِ وَالْحُكَمَاءِ وَالْمُبْتَدَعَةِ وَأَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا بِمُتَابَعَةِ الْعَقْلِ الخ۔

یعنی کفار، حکماء، مبتدعین اور اہل ہواء جو صرف عقل کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔[1]، انتہی عبارتہ۔

متن اعلام المؤمنین

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ زیارت القبور مستحب ہے، اور مولوی مفتاح الدین اس سے عوام کو روک رہا ہے۔ جیسا کہ یہ اس کی کتاب کے مقدمات وعبارات سے معلوم ہو رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے مستحبات کے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (۳۹) وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ (ق ۴۰)

ترجمہ: اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے، اور کچھ رات گئے اس کی تسبیح کرو اور نمازوں کے بعد۔

---

[1] (مرقاۃ ج ۲ صفحہ ۸۵ قبیل باب التیمم امدادیہ ملتان)

روح البیان میں ہے:

وفي الآية بيان فضيلة النوافل, اهـ۔

ترجمہ: آیت میں نوافل کی فضیلت کا بیان ہے۔[1]

یا فرمان الٰہی ہے:

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (البقرة ۱۵۸)

ترجمہ: اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبر دار ہے۔

أي مجاز بعلمه عليم به۔

ترجمہ: یعنی عمل کا بدلہ دینے والا اور عمل کو جاننے والا ہے۔

روح البیان میں ہے:

وفي الآية حث على نوافل الطاعات كما على فرائضها فمن أتى بنافلة واحدة فإن الله شاكر عليم فكيف بأكثر منها۔

ترجمہ: اس آیت میں نفلی طاعات کی ترغیب دی گئی جیسا کہ فرائض کی ترغیب ہے تو جو ایک بھی نفی عبادت ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ عمل قبول کرنے والا جاننے والا ہے تو جو زیادہ ادا کرے گا تو کیا شان ہو گی۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

إن النافلة هدية المؤمن إلى ربه فليحسن أحدكم هديته وليطيبها۔

ترجمہ: نفلی عبادت مؤمن کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو ہدیہ ہے تو تم کو چاہیئے کہ اپنا ہدیہ اچھا اور پاک پیش کرو۔[3]

دوسری بات یہ ہے کہ مولوی مفتاح الدین نے اس باب کے شروع میں زیارت القبور کو مشروع اور مستحب مانا ہے تو اب زیارت القبور سے منع کرنا مولوی صاحب کی معصیت ہے اور حکمِ شرعی کا مذاق اُڑانا ہے، اور بعض گناہوں اور حکمِ شرعی کے استخفاف کو شارع نے تکذیب کی علامت قرار دیا ہے۔

جیسا کہ شرح العقائد میں ہے:

أن من المعاصي ما جعله الشارع أمارة للتكذيب كسجود للصنم وإلقاء المصحف في القاذورات, والتلفّظ بكلمات الكفر ونحو ذلك كالإستهزاء باسم من الاسماء الالهية وحكم من الأحكام الشرعية انه كفر, اھ۔

---

[1] (روح البیان، ج ۹، ص ۱۱۴، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)
[2] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۱۲، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)
[3] (روح البیان، ج ۳، ص ۳۵۹، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

ترجمہ: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بعض گناہوں کو شریعت وشارع نے تکذیب کی علامت قرار دیا ہے، جیسا کہ بت کے سامنے سجدہ، قرآن مجید کو نجاست میں گرانا، کلمات کفر پر تلفظ کرنا وغیرہ جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کا مذاق اڑانا یا احکامِ شرعیہ کا مذاق اڑانا کہ یہ کفر ہے۔[1]

هكذا في النبراس، ص ۴۵، والطريقة المحمدية، ج ۱۰، ص ۱۵۸۔

اسی طرح نبراس، ص۴۵ اور الطریقۃ المحمدیۃ، ج۱۰، ص۱۵۸ میں ہے۔

اصلاح الرسوم، صفحہ نمبر ۹۶ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ بغیر سندِ شرعی کے اپنے بڑوں کی اتباع کرو، اور مجدد کے قول کو نظر انداز کرو، انتهى عبارته۔

اس آخری بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی مفتاح الدین کی یہ ساری ابحاث اس لئے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مجدد ظاہر کروانا چاہتا ہے۔ باقی تو ویسے حیلے بہانے ہیں، مولوی صاحب شروع سے یہ بات بتادیتے تو ہم اس کو منصبِ مجددیت کی مبارکباد دیتے اور بعد میں پوچھتے کہ مجدد سے مراد ان کی ذات ہے یا کسی اور کی؟

اور دوسرا سوال ہم یہ کرتے کہ مجدد سے مراد مجددِ دین ہے یا مجدد فی الدین ہے؟ اگر کسی اور کو مجدد کہتے تو اس کے لئے چاہیئے تھا کہ ان کا نام لیتے اپنی کتاب میں، تاکہ اور لوگ بھی مستفید ہو جاتے۔ اور اگر مجدد سے مراد اس کی اپنی ذات ہے تو بھی اچھا ہے، کوئی بری بات نہیں ہے، کیونکہ امت میں اور بھی بہت سارے مجدد گزرے ہیں اور اس کی خبر مخبرِ صادق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی اس قول سے دی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال بعد ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا۔[2]

ہم کہتے ہیں کہ اگر مولوی مفتاح الدین مجدد فی الدین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو صحیح ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔ مگر مجدد کا کام احکامِ شریعت کی تجدید کرنا ہے، سنت کی اقامت کرنا ہے، رسومات وبدعات کو ختم کرنا ہے، اور لوگوں کے اقوال وافعال کو سدھارنا ہے۔ مطلب یہ کہ مجدد کا کام شریعتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو جاری کرنا ہے۔ لیکن مولوی مفتاح الدین کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کتاب وسنت اور مذہب کی کتابوں کے مخالف ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چلا ہے تو ایسے گندم نما جو فروش مجدد کو دور سے سلام۔

---

[1] (شرح العقائد، ج ۱، ص ۲۴۵، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كرهـ، الهند)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۱۷۸، الناشر: دار الكتاب العربي- بيروت)

الحاصل یہ کہ زیارتِ قبور میں زائرین کے لئے بہت فوائد ہیں جو عبرت لینا، موت کا یاد آنا، دل کی نرمی وغیرہ ہے جس کا تذکرہ ہوچکاہے۔ اور اہل قبور کے لئے بھی فوائد ہیں جیسے ایصالِ ثواب وغیرہ وغیرہ۔

روح البیان میں ہے:

إن الله تعالى ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال وإن هدية الأحياء إلى الأموات الاستغفار لهم۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ مردوں کے پاس اہل زمین کے زندوں کی دعا پہاڑوں کی مثل داخل فرماتاہے ، اور زندوں کی طرف سے مردہ کاتحفہ ان کے لئے استغفار کرناہے۔[1]

شرح العقائد میں ہے:

وكرامات الأولياء حقّ أي: ثابت بالكتاب والسنّة ولا عبرة بمخالفة المعتزلة وأهل البدعة في إنكار الكرامة, والوليّ هو العارف بالله تعالي وصفاته حسب ما يمكن, المواظب علي الطاعات, المجتنب عن المعاصي, المعرض عن الانهماك في اللذّات والشهوات, وكرامته ظهور أمر خارق للعادة من قبله, غير مقارن لدعوي النبوّة۔

ترجمہ: اور اولیاء کرام کی کرامات قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔ اہل بدعت معتزلہ کی مخالفت کا اعتبار نہیں ہے اگر وہ کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ اور ولی اس عارف باللہ وصفات اللہ کو کہاجاتاہے جو عبادات وطاعات پر دوام کرنے والا، گناہوں سے اجتناب کرنے والا، دنیا کی لذات وشہوات میں انہماک سے اعراض کرنے والا ہوتاہے۔ اور کرامات ولی کی طرف سے عادت کے مخالف امور کے اظہار کو کہاجاتاہے اور وہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا نہ ہو۔[2]

متن اعلام المؤمنین بحث زیارۃ القبور پر

حاشیۂ

سیف المؤمنین علی أعناق المنکرین

زیارۃ القبور روایات صحیحہ سے بھی ثابت ہے

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، وَحَمَّادٍ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْقُبُورِ أَنْ تَزُورُوهَا، فَزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا: هَجْرًا"۔

---

[1] (روح البیان، ج۳، ص ۱۳۱، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2] (شرح العقائد، ج ۱، ص ۳۰۵، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كرهـ، الهند)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کے زیارت سے۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی لیکن بری بات زبان سے نہ کہو۔[1]

عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ، قَالَ: «السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قبرستان میں تشریف لے جاتے تو فرماتے (یہ الفاظ دعائیہ زبان مبارک پر ہوتے) السلام علی اهل الدیار الخ: کہ قبروں میں رہنے والے مسلمانو! سلامتی ہو تم پر ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کے خواستگار ہیں۔[2]

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا، فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت کرنے سے۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی کہ یہ دنیا میں زاہد (دنیا سے بے رغبت) بناتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔[3]

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے تم لوگوں کو (ابتداء میں) قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا (بوجہ قرب زمانہ جاہلیت کے کہ کفار اپنے بزرگوں کی زیارت پر کلمات قبیحہ وشرکیہ کہتے تھے اور ان کو نافع اور ضار حقیقۃً سمجھتے تھے کہ یہ اصحاب القبور جو بھی کرنا چاہیں تو بغیر اذن الٰہی کرسکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان امور جزئیہ میں محتاج نہیں اور ماذون مطلق ہیں) مگر اب اجازت ہے جاسکتے ہو۔ اس میں تمہاری بہتری اور خیر کا پورا سامان ہے۔ (کیونکہ احکام شرعیہ واضح طور سے بیان ہوگئے ہیں توحید ورسالت کی حقیقت اور اس کی تعلیم قوم کے سامنے کھل کر بیان ہوگئی ہے عالم الغیب اور نافع وضار، مالک خیر وشر، حیی قیوم اور ظاہر وباطن کا جاننے والا مطلقاً ہر آن وہر زمان اور ہر مکان میں وہی ذات وحدہ لا شریک له ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی ان صفات کمالیہ میں شریک نہیں۔ یہی اس میں مستقل اور فاعل ومختار ہے اور مخلوق میں بعض صرف ذرائع اور وسائل ہیں جن کے ذریعہ سے فیضان وجود وقضاء حاجات اور دافع بلاء وغیرہ فرماتے ہیں تو اصحاب القبور اور ان میں اصحاب

[1] (مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي كتاب الصلاة، ص ١٠٦، الناشر: نور محمد، كراچی)
[2] (مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي كتاب الصلاة، ص ١٠٦، الناشر: نور محمد، كراچی)
[3] (سنن ابن ماجه ج ا ص ١٠٥ بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ)

نبوت وولایت شفیع اوروسیلہ فیضان الٰہی ہیں اوران کی صحبت وزیارت سے تورقت قلب اوردنیاسے بے رغبتی اورآخرت کی یادحاصل ہوتی ہے تواب تمہارے جانے میں کوئی خطرہ نہیں اب توبوجہ مکمل مسلمان اوراحکام شرعیہ سے واقف ہونے کے ایسا قول اور فعل نہ کروگے جس سے عادت جاہلیت کی بوآتی ہوبلکہ اس سے اپنے آپ کوبچاؤگے۔)چونکہ پھر بھی عادت قدیمہ کی وجہ سے تقاضابشری کے ماتحت خطرہ تھاکہ کچھ خلاف شرع بات زبان سے نہ نکالیں توفرمایا(وَلَا تَقُولُوا: هَجْرًا)کہ باطل اوربری بات زبان سے نہ نکالو۔وہی بات کہنی چاہیئے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہواورصاحب قبرکوبھی تکلیف نہ ہو۔

استحباب زیارۃ القبور

روایات سے معلوم ہواکہ زیارت القبورمیں کوئی ممانعت نہیں بلکہ مستحب ہے اگرچہ قاعدہ اصولیہ(ان الامر بعد الحظر للحظر للاباحۃ) کی روسے مباح ہونی چاہیئے مگرجناب رسول اللہ ﷺ کابارباربارجنت البقیع میں زیارۃ القبورکیلئے جانااوراسی طرح شہداءاحد کی زیارت کے لئے میدان احد کی طرف تشریف لے جاناجوروایات صحیحہ سے ثابت ہے اس بات پردلیل واضح ہے کہ یہ مستحب اور سنت ہے اگرچہ بعض نےواجب فرمایاہےلیکن جمہور محققین کامسلک استحباب ہے۔واتفقوا علی ندبها للرجال في قبور المسلمين وإن بلوا[1]، زیارۃالقبور مستحب ہے۔[2] کمافی البحرعن المجتبیٰ۔

اورہفتہ میں ایک بارزیارۃ القبورہونی چاہیئے۔ کمافی مختارات النوازل مگرجمعرات، جمعہ اورہفتہ،پیراورپھربقول محمدبن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ جمعہ کادن بہترہے۔

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوِيهِ: وَلَا تُتْرَكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ كَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ، بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَإِنْكَارُ الْبِدَعِ، بَلْ وَإِزَالَتُهَا إنْ أَمْكَنَ۔اھ۔

علامہ ابن حجررحمہ اللہ تعالیٰ نے تویہاں تک فرمایاکہ زیارۃالقبورکوبوجہ منکرات ومفاسدکے جووہاں ہوتی ہیں مثلاًمردوں اورعورتوں کااختلاط یااس قسم کے اورمفاسداورمنکرات (قماربازی ،رقص اورہیجڑوں وغیرہ کے گانے بجانے،غنڈوں اورفساقوں کے جمگھٹے) ترک کرنانہیں چاہیئے کیونکہ جواعمال صالحہ ہوں اللہ تعالیٰ کاقرب حاصل کرنے کے وہ ایسے منکرات یااقوال وافعال کی وجہ سے جو بوجہ جہالت زائرین سے صادرہوتے ہیں نہیں چھوڑے جاسکتے بلکہ اگراس کی قدرت میں روک

[1] (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج۵ ص ۹ ۱ باب استحباب زیارۃالقبورللرجال)
[2] (شامی ردالمحتارج ۱ ص ۸۴۳)

ٹوک نہیں تو ان افعال واقوال کو برا سمجھتے ہوئے اور انکار کرتے ہوئے زیارۃ القبور کا شرف حاصل کرے اور اگر ممکن ہو اور اس کے بس میں ہو تو ان منکرات کا ازالہ بھی کرے۔[1]

معلوم ہوا کہ زیارۃ القبور سے کسی کو روکنا اور منع کرنا نہیں بلکہ اہل علم اور زیارۃ القبور کے آداب سے واقف حضرات کو چاہئیے کہ عوام کو آداب زیارت سے مطلع کریں اور عملاً بھی آداب کی تعلیم دیتے ہوئے مزارات کا شرف حاصل کریں۔

فرض کریں کہ ایک شخص ہے کہ وہ دو رکعت نماز نفل یا فرض مسجد میں ناپاک کپڑوں کے ساتھ پڑھ رہا ہے یا وہ نماز میں دائیں بائیں اوپر نیچے بغیر کسی تردد کے دیکھ رہا ہے یا وہ قومہ، جلسہ، رکوع، سجود مسنون طریقہ سے نہیں ادا کر رہا تو کیا اس شخص کو ہم یہ کہیں گے کہ نماز حرام ہے۔ نماز مت پڑھو اور تمہیں مسجد میں نہیں آنا چاہیئے یا اس کو نہایت نرمی اور حکیمانہ رنگ میں (جب مخاطب جلالی طبیعت یا اس کی عمر کا اکثر حصہ جہالت اور اسی عادت غیر مشروعہ میں گزرا ہے) سمجھائیں گے۔ برادر، دوست، مہربان اور بزرگ وغیرہ جیسے اچھے اور مہذب الفاظ میں اس سے خطاب کریں گے اور اس کو بتائیں گے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد اور دین کی نشرواشاعت فرض کیا ہے اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے قولاً وفعلاً ہمیں اس کی تعلیم دی ہے اور اس کا طریقہ سکھلایا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم نماز ادا کرنے کیلئے آؤ تو وضو کرو اور اس طرح کرو۔ پھر نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو اور اس میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ ادا کرو تو اس طرح سے ادا کرو اور نماز کو سکون اور وقار، خشوع اور حضور سے ایسے پڑھا کرو۔ علی هذاالقیاس۔ تو تمام آداب اور واجبات اور سنن بمعہ فرائض کے ہم اس کو بتائیں گے تاکہ آئندہ وہ نماز صحیح اور مسنون طریقے سے ادا کرے۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء وشہداء عظام رحمهم اللہ تعالیٰ کے مزارات اور مشاہد پر جانا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ مستحب اور مسنون ہے۔ اب اگر کوئی اس مستحب اور مسنون فعل کو غلط اور منکر طور سے ادا کرے تو ہم اس کو سمجھائیں گے کہ دوست! زیارت اور مشاہد مبارکہ پر حاضری تو بہتر ہے باعث برکت وفیض اور تذکرہ آخرت ہے مگر جس طرح تم حاضری دیتے ہو اور جو اقوال وافعال زیارت کرنے کے وقت تم سے صادر ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جو اسی صاحب قبر بزرگ نے بھی نہیں کئے بلکہ اس کی ممانعت فرمائی ہے اگر ہمیں کچھ فیض وبرکت حاصل کرنا ہے یا اللہ تعالیٰ سے اسی پیغمبر ﷺ یا ولی علیہ الرحمۃ کے وسیلہ سے سوال کرنا ہے تو اسی عقیدہ اور طریقہ کو اختیار کرنا پڑے گا جو ہمارے لئے مفید ہو اور اس پیغمبر ﷺ یا ولی علیہ

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار باب مطالب فی زیارۃ القبور ج ۲ ص ۲۴۲۔)

الرحمۃ کیلئے باعث خوشی اور رفع درجات ہو لہٰذا زیارۃ القبور کے آداب جناب رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور فقہاء و محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی زبانی یہ ہیں اور اس کی روشنی میں ہم سب برکات اور دنیا و آخرت کی خوشی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حاصل کر سکتے ہیں۔ آداب زیارۃ القبور کو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی رسالہ کے آخر میں عرض کر دوں گا۔

زیارۃ القبور کی اقسام:

زیارۃ القبور کی غرض وغایت کے لحاظ سے علماء نے کئی اقسام بیان کی ہیں۔

علامہ محمد بن الصدیقی المکی نے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ زیارت اگر محض تذکر موت و آخرت کیلئے ہو تو کسی شخص کی قبر دیکھنا کافی ہے۔(مسلم دون مسلم کی کوئی تخصیص نہیں)۔[1]

اگر اس کے علاوہ دعا بھی مقصد ہو کہ صاحب قبر کے حق میں دعائے مغفرت بھی کی جائے تو اس کیلئے کسی مسلمان کی قبر میسر آئے تو کافی ہے کیونکہ دعا مسلمان ہی کے حق میں ہو سکتی ہے مردہ کافر کے حق میں منع ہے یا مقصد اس کے علاوہ تبرک بھی ہو کہ زیارت پر جاکر دعا اور یاد موت کے علاوہ صاحب قبر سے برکات اور فیوضات بھی حاصل کروں تو اس کو اہل خیر اور اولیاء اللہ کی زیارت پر جانا چاہیئے۔

فی من لاھل الخیر لان لھم فی برازخھم تصرفات و برکات (باذن اللہ تعالیٰ) لایحصیٰ مددھا۔

کیونکہ اولیاء اللہ کو عالم برزخ میں وہ برکات اور تصرفات اللہ تعالیٰ کے حکم اور فضل سے حاصل ہیں جن کا کوئی شمار و اندازہ نہیں۔

آگے علامہ کی عبارت صرف طلبہ کی خاطر لکھی جاتی ہے لہٰذا مطلب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں:

و العقل ایضاًیقتضی ذلک کماقال العلامۃالتفتازانی۔

من الجزءالثانی منہ فی الرد علی الفلاسفۃ لما کان ادراک الجزئیات مشروطاعندالفلاسفۃ بحصول الصورۃ فی الآلات فعندمفارقہ النفس وبطلان الآلات لاتبقی مدرکۃ للجزئیات ضرورۃ انتفاءالمشروط بانتفاءالشرط ،وعندنالمالم تکن الآلات شرطافی ادراک الجزئیات امالانہ لیس بحصول الصورۃ لافی النفس ولافی الحس واما لانہ لایمتنع ارتسام صورۃالجزئی فی النفس۔

---

[1] (شرح ریاض الصالحین للنووی ج۵ ص ۱۹)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

بل الظاھر من قواعد الاسلام انہ یکون للنفس بعد المفارقۃ ادراکات جزئیۃ واطلاع علی بعض احوالہ الاحیاء سیما الذین کان بینھم وبین المیت تعارف فی الدنیا ولھذا ینتفع بزیارۃ القبور والاستعانۃ بنفوس الاخیار من الاموات فی استنزال الخیرات واستدفاع الملمات فان للنفس بعد المفارقۃ تعلقاً ما بالبدن وبالتربۃ التی دفن فیھا فاذا زار الحی تلک التربۃ وتوجھت نفسہ تلقاء نفس المیت حصل بین النفسین ملاقاۃ واضافات انتھی۔[1]

فیاایھا الطالب اللبیب قد علمت ان الاھل الخیر فی برازخھم تصرفات وبرکات ینتفع بھا الزائر ومثل ھذا العالم المحقق یعتقدھا ویبینھا فعلیک باتباعہ۔

اور یا مقصد ادائے حق ہو کہ جا کر اپنے والد یا دوست کا حق بھی ادا کروں تو اس کو خاص والد یا دوست کی قبر پر جانا چاہئے۔

لخبر ابی نعیم من زار قبر والدیہ او احدھما یوم الجمعۃ کان کحجۃ ولفظ البیھقی غفر لہ وکتب لہ براءۃ۔

کیونکہ ابو نعیم کی روایت ہے کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی تو اس کو ایک حج کی مانند (ان شاء اللہ تعالیٰ) تو ثواب ملے گا اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش اور جہنم سے بری ہو لکھ دے گا۔

وفی روایۃ ابن عدی عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من زار قبر والدیہ او احدھما یوم الجمعۃ فقرأ یس غفر لہ۔

ایک دوسری روایت میں بھی ہے کہ جو ملا علی القاری نے ذکر کی ہے کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی اور سورہ یٰس پڑھ کر اس کا ثواب بخش دیا تو اس کی بخشش کی جائے گی۔[2]

مقصد تانیس وانس اور رحمت ہو تو اس کو دوست اور محب کی قبر پر جانا چاہئے

شرح الشفا میں ہے:

لخبر انس مایکون المیت فی قبرہ اذا رأی من کان یحبہ فی الدنیا (وفی شرح الشفاء للشھاب الدین الخفاجی ج۳ص ۵۱۱، ان المیت انس مایکون اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا وَفِي الْأَرْبَعِين الطائیۃ رُوِيَ عَن النَّبِي صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم أَنہ قَالَ آنس مَا یکون الْمَیِّت فِي قَبرہ إِذا زَارَہُ من کَانَ یُحِبهُ فِي دَار الدُّنْیَا۔)

کیونکہ روایت میں ہے کہ جب میت کی قبر پر اس کا دوست اور محب آجائے تو اس کے دیکھنے سے اس کو زیادہ انسیت اور محبت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔[3]

---

[1] (شرح المقاصد وھو من امھات کتب اصول الدین، ج۲، ص۴۳، الناشر دار المعارف النعمانیۃ)

[2] (شرح عین العلم للملا علی القاری ج ۱ ص ۳۹۶)

[3] (شرح الصدور ص ۸۵، شرح الشفاء للشھاب الدین الخفاجی ج۳ص ۵۱۱)

اولیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنے رفقاء کی امداد بھی کرتے ہیں

تفسیر مظہری میں ہے:

ولایسن سفر الرجل لاجل الزیارۃ الاقبر النبی ﷺ اوعالم اوصالح لانھم احیاءفی قبورھم ویعطی اللہ لارواحھم قوۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعدائھم ان شاءاللہ تعالیٰ ومن اجل ذلک الحیاۃ لاتأکل الارض اجسادھم ولا اکفانھم۔

اور کسی کو سفر کی زحمت کسی قبر کی زیارت کی وجہ سے نہیں اٹھانی چاہیئے سوائے قبر نبی ﷺ۔ یاعالم اور صالح کے کیونکہ یہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اوراللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسمانی قوت کی طرح قوت عطافرمادیتاہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت جس کی وجہ سے جہاں بھی جاناچاہیں تو جاسکتے ہیں۔ آسمان، زمین اور جنت ہر جگہ جاسکتے ہیں اوراگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تواپنے دوستوں کی امداد بھی کرتے ہیں اور دشمن کو شرمندہ، ذلیل اور برباد کرلیتے ہیں چونکہ ان کی حیات بہت قوی ہے لہذاان کے کفن اوراجسام محفوظ رہتے ہیں اورزمین نقصان نہیں پہنچاتی۔[1]

عورتوں کا قبروں پر جانا

عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا گیاہے اس حدیث کے پیش نظر جوابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَحَسَّانَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَعَنَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ»۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے۔[2]

کیونکہ خواتین ضبط و تحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اس لئے قبروں پر جاکر جزع فزع کرنے لگتی ہیں اوراکثر حد اعتدال سے بڑھ کر گستاخی بھی کرلیتی ہیں اور یہ سب ناجائز ہے۔ لہذاہمارے فقہاء روایات کے اختلاف کی وجہ سے اس میں تفصیل کرتے ہیں۔ایک منع مطلقاً للحدیث المذکور ہے اوردوسرا جواز مطلقاً ہے۔

لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا الحدیث کماذکرت۔

کیونکہ ابتدائے اسلام میں مرد عورت دونوں کو منع کیاگیاتھا۔جب منع منسوخ ہواتواجازت مردوں عورتوں سب کوحاصل ہوگئی۔

---

[1] (تفسیر مظہری ج ا ص مکتبۃ رشدیہ ۱۵۲)

[2] (السنن الصغیر للبیھقي باب زیارۃ القبور ج ۲ ص ۳۷)

تفصیل سوم **منع من وجه** اور **جواز من وجه** یعنی ایک لحاظ سے جائز اور دوسرے لحاظ سے منع، اگر مقصود زیارت سے ندبہ ونوحہ اور رونا پیٹنا وغیرہ کرنا ہو تب حرام ہے اور اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے اور اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو تو جائز اور یہ محمل ہے حدیث **فزوروها** کی جس میں عام اجازت ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو اور خوف، فتنہ وفساد نہ ہو تو جائز ورنہ نہیں۔ پس بڑھیا عورتوں کے لئے جائز ہے کیونکہ ان میں خوف فتنہ نہیں اور جوان عورتوں کے لئے ناجائز۔ جیسا کہ مساجد وجماعات میں آنا ناجائز ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ:

أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر دیکھتے ان منکرات وغیر شرعی امور کو جو عورتوں نے آپ ﷺ کے بعد ایجاد کئے ہیں اور وہ اس میں مبتلا ہوئی ہیں تو ضرور ان کو منع فرماتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا۔[1]

اس زمانہ میں جب خیرون القرون کا زمانہ تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی کم اعتدالی اور کم ضبطی کا اپنی فقاہت اور خداداد ذکاوت سے اندازہ لگایا کہ اگر یہ حالت جناب رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوتی تو ضرور عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع فرماتے تو آج جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اور تعلیم سے اس قدر دوری ہے اور مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی زندگی دن بدن تنزل میں جارہی ہے تو ایسے نازک اور پر فتن دور میں مستورات کو کس طرح زیارۃ القبور کی اجازت دی جائے۔ ہاں اگر علمائے کرام جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں مستورات کو اس حدیث کی بناء پر کہ:

"من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني"۔

"جو حج بیت اللہ کو آئے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔[2]

"من زار قبري وجبت له شفاعتي"۔

---

[1] (صحيح مسلم، بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ إِذَا لَمْ يَتَرَتَّبْ عَلَيْهِ فِتْنَةٌ، وَأَنَّهَا لَا تَخْرُجُ مُطَيَّبَةً، ج ۱ ص ۳۲۸)

[2] (شفاء السقام الحديث الخامس مطبوعه مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد ص ۲۹)

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہو گئی"۔

اجازت دیں تو مناسب ہے کیونکہ حضور ﷺ کے مزار اقدس کی وہ خصوصیات و برکات ہیں جو اور میں نہیں آپ کے حرم کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے ملا ہوا ہے وہ بیت اللہ اور عرش معلی سے بھی بہتر ہے اور صرف آپ ﷺ ہی کی زیارت کی خاطر سفر کرنا وسیلۂ شفاعت سے مشرف ہونا ہے۔ "فكأنما زارني في حياتي" کے شرف سے مشرف ہونا ہے۔

قَالَ فِي شَرْحِ اللُّبَابِ: وَهَلْ تُسْتَحَبُّ زِيَارَةُ قَبْرِهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لِلنِّسَاءِ؛ الصَّحِيحُ نَعَمْ بِلَا كَرَاهَةٍ بِشُرُوطِهَا عَلَى مَا صَرَّحَ بِهِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ. أَمَّا عَلَى الْأَصَحِّ مِنْ مَذْهَبِنَا وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَنَّ الرُّخْصَةَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ ثَابِتَةٌ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ جَمِيعًا فَلَا إشْكَالَ. وَأَمَّا عَلَى غَيْرِهِ فَكَذَلِكَ نَقُولُ بِالِاسْتِحْبَابِ لِإِطْلَاقِ الْأَصْحَابِ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ شرح اللباب میں ہے کہ کیا مستورات کا جانا جناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر مستحب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جائز اور مستحب بلا کراہت ہے جب اپنی شرائط کے ساتھ ہو جو بعض علماء نے بیان کی ہیں اور بنابر اصح ہمارے مذہب حنفی کے (جو علامہ کرخی وغیرہ نے فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اجازت زیارۃ القبور میں مرد اور عورت دونوں کو ثابت ہے) تو کوئی اشکال نہیں اور اس کے بغیر بھی ہم استحباب کے قائل ہیں بوجہ اطلاق اصحاب کے۔[1]

بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضری ان لوگوں کے اوپر واجب ہے جن کی استطاعت اور توفیق زادراہ ہو اور یہ بعض فقہاء کا مسلک ہے۔

اہل قبور سے خطاب اور ان کا اُنس ورَدِّ سلام

اہل قبور اپنے عزیز اور مسلمان بھائیوں کے قبر پر آنے سے مانوس بھی ہوتے ہیں۔

شرح الصدور میں ہے:

اخرج ابن ابی الدنیافی کتاب القبورعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھاقالت قال رسول اللہ ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا یستانس ورد علیه حتی یقوم۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے عزیز بھائی مسلمان کی قبر پر جاکر سلام کہے اور اس کے پاس بیٹھ جائے تو میت اس کو سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کی رخصت تک اس سے مانوس بھی ہوتا ہے۔

[1] (ردالحمتار ج ۲ ص ۳۵۳)

نیز:

واخرج ایضاً البیہقی فی الشعب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام وعرفہ واذا مر بقبر لا یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنی جان پہچان والے کی قبر پر گزرے اور اس کو سلام کرے تو وہ صاحب قبر اس کو سلام کا جواب دیتا ہے اور پہچانتا ہے اور اگر صاحب قبر جان پہچان والا نہ ہو اور اس نے سلام کیا تو صرف سلام کا جواب دیتا ہے۔

واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمہید عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔ صححہ عبدالحق۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے مسلمان بھائی ، جان پہچان والے کی قبر سے گزرے اور اس کو سلام کرے تو وہ صاحب قبر اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔[1]

فتح الملہم میں ہے:

وفی فتح الملہم علی ان الصواب ان المیت اہل للخطاب مطلقا لما سبق من الحدیث مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔

پس معلوم ہوا کہ اہل قبور اپنے زائرین سے جس وقت بھی جائیں مانوس ہوتے ہیں اور ان کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں مگر ہم عوام الناس نہیں سنتے۔[2]

واخرج الحاکم وصححہ والبیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ وقف علی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین رجع من احد فوقف علیہ وعلی اصحابہ فقال اشہد انکم احیاء عنداللہ فزوروہم وسلموا علیہم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلم علیہم احد الا ردوا علیہ الی یوم القیامۃ۔

فی شرح الصدور وفی الباب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الطبرانی وفی الاوسط واخرج الحاکم وصححہ والبیہقی فی الدلائل من طریق العطاف بن خالد المخزومی قال حدثنی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن ابی بکر عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ زار قبور الشہداء باحد فقال اللہم ان عبدک ونبیک یشہد ان ہؤلاء شہداء وان من زارہم الی یوم القیامۃ ردوا علیہ۔

---

[1] (شرح الصدور، ج ۱، ص ۲۰۱، الناشر: دار المعرفۃ-لبنان)

[2] (فتح الملہم ج ۲ ص ۵۰۸)

ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ احد سے واپسی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم خدا کے نزدیک زندہ ہو پس اے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام کہو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت تک جو شخص ان کی قبور کو آئے اور ان کو سلام کہے تو یہ سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

شہداء اور صلحاء کی قبور کو جب کوئی جائے اور سلام عرض کرے تو وہ جواب دیتے ہیں ایک اور روایت صحیحہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ شہداء احد کی قبور کو تشریف لے گئے تو فرمانے لگے کہ اے باری الہ بے شک تیرا بندہ و رسول گواہی دیتا ہے کہ یہ سب شہید ہیں اور جو قیامت تک ان کے مزارات پر آئے اور ان پر سلام کہے تو یہ جواب دیتے رہیں گے۔[1]

سماع موتی

ان روایات سے جس طرح خطاب، انس، رحمت اور جواب سلام ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح معرفت، فہم۔ رویت اور سماع بھی ہوتا ہے کہ اہل قبور اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں۔ پہچانتے ہیں ان کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور ان کے سلام کو سن کر جواب دیتے ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل اس کے افہام و تفہیم سے عاجز ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوی عزیزی ص۲۲۴ پر اس مسئلہ میں (کہ انسان کا ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے یا نہیں یا جس قدر ادراک و شعور زمانۂ حیات میں رہتا ہے اس قدر ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اور جو شخص زیارت کیلئے جائے اس کو میت پہچانتا ہے اور اس کا سلام و کلام سنتا ہے یا نہیں) مثبت پہلو اختیار کر کے تحقیق فرمایا ہے کہ انسان کا ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے۔ اس امر میں شرع شریف اور قواعد فلسفی میں اتفاق ہے اور ادراک و شعور اہل قبور کا بعد موت کے بعض امور میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ تفصیل کیلئے فتاویٰ عزیزی ملاحظہ فرمائیں۔

[1] (شرح الصدور، ج ا، ص ۲۰۲، الناشر دار المعرفۃ)

شرح الصدور میں ہے:

اخرج الشیخان وغیرھما من طریق قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم۔ الحدیث و اخرج الطبرانی فی الاوسط و ابن مردویہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شھدنا جنازۃ مع رسول اللہ ﷺ فلما فرغ من دفنھا و انصرف الناس قال انہ الاٰن یسمع خفق نعالکم ۔ الحدیث ۔ واخرج ابن ابی شیبۃ والطبرانی فی الاوسط و ابن حبان فی صحیحہ و الحاکم و البیھقی فی حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ و الذی نفسی بیدہ ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایاہے کہ مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے (اور دفن وغیرہ کرکے) سب اعزہ واپس اس سے روانہ ہو جاتے ہیں تو یہ صاحب قبر ان کی جوتیوں کی آواز سنتاہے۔ یہ مضمون بہت احادیث میں بیان ہوا ہے۔ غرض یہ ہے کہ پہلی روایات اوران روایات دونوں کو ملا کر یہ نتیجہ نکلتاہے کہ اہل قبور کو سماع ہے اور یہ کسی وقت پر خاص نہیں سوائے اذن اللہ تعالیٰ کے۔ کہ اس کی مشیت اوراذن پر ضرور مخصوص ہے۔ ان شاء کان و ان لم یشالم یکن۔ اوراسی عالم میں بھی یہی حال ہے کہ بغیر مشیت ایزدی کے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا، ہر مخلوق اپنی نوعیت میں اپنی ضرورت کے مطابق اس کی محتاج ہے۔[1]

و قال ابن القیم الاحادیث و الآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المزور و سمع کلامہ و انس بہ و رد سلامہ علیہ و ھذا عام فی حق الشھداء و غیرھم و انہ لا توقیت فی ذلک قال و ھو الاصح من اثر الضحاک الدال علی التوقیت ، قال وقد شرع ﷺ لامتہ ان یسلموا علی اھل القبور سلام من یخاطبونہ ممن یسمع و یعقل۔

علامہ ابن قیم نے کہاہے کہ احادیث وآثار سے معلوم ہوتاہے کہ اہل قبور کے پاس جب بھی کوئی آئے تو یہ اس کو پہچانتے ہیں اوراس کے کلام کو سنتے ہیں اوراس سے مانوس ہوتے ہیں اور سلام کے جواب بھی دیتے ہیں اور یہ شہداء وغیرہ سب کے حق میں ہے نہ ان کی اورنہ اس میں کسی وقت کی تخصیص ہے پس جس اثر یا قول صحابی سے کچھ تخصیص معلوم ہوتی ہے تووہ صحیح نہیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کیلئے جائز رکھ کر حکم فرمایاہے کہ تم اہل قبور پر اسی طرح کرو جس طرح تم ذی عقل اور سننے والوں کو کرتے ہو۔[2]

---

[1] (شرح الصدور و بشری الکئیب لخاتم المحدثین الحافظ جلال الدین سیوطی ص ۵۴، ۵۸)

[2] (شرح الصدور ص ۹۳، ۹۴)

ایک غلط فہمی

انور شاہ کشمیری دیوبندی کہتے ہیں کہ سماع موتیٰ کے باب میں احادیث تقریباً تواتر تک پہنچ چکی ہیں تو اس سے انکار بے محل ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سماع موتی سے منکر ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے ائمہ میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا اور ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ اس مشہور کا کوئی اصل نہیں بلکہ بعض کو باب الایمان میں ایک مسئلہ کی وجہ سے یہ دھوکہ ہوا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا۔ زید مر گیا مرنے کے بعد یہ شخص اس کی قبر پر جا کر اس سے ہم کلام ہوا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص حانث نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے تو اس سے بعض نے یہ اندازہ لگایا کہ امام صاحب کے نزدیک مردہ سنتا نہیں اس وجہ سے وہ حانث نہیں ہوا حالانکہ یہ وجہ نہیں بلکہ عدم الحنث اس وجہ سے ہے کہ ایمان اور قسم کا دارومدار عرف پر ہے اور اہل عرف ایسے کلام کو کلام نہیں کہتے (بلکہ دیہاتی اور ناخواندہ سماع موتیٰ کو جانتے بھی نہیں۔ وہ تو کلام اس کو کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا جائے جو سامنے نظر آتا ہو اور کلام کرنے کے وقت یہ محسوس ہو کہ سن رہا ہے۔ اگر ناموافق بات ہوئی ہو تو اس کی ناراضگی کی علامات بھی نظر آجاتی ہیں اور اگر جواب دیتا ہے تو یہ کلام والا سنتا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ سب اس کلام میں جو صاحب قبر سے ہوتا ہے مفقود ہے لہذا عرف عام میں چونکہ یہ کلام نہیں تو کلام کرنے والا زید سے حانث بھی نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ صاحب قبر سنتا نہیں۔ سنتا تو ہے مگر جواب ایسا نہیں دے سکتا جو ہر ایک ہر وقت سن سکے یا مردہ کو دیکھ سکے۔)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بات بالکل محقق اور ثابت شدہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سماع موتیٰ سے انکار نہیں کرتے۔ اگر کوئی طالب علم حضرت علامہ محدث انور شاہ صاحب کی رائے اور اس مسئلہ میں ان کی تحقیق اور منکرین سماع کے ادلہ سے جواب ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔ تو کم از کم فیض الباری ص ۴۶۹ج ۲ ص ۴۶۷ ص ۴۶۷ ص ۴۶۸ پر ملاحظہ فرمادیں۔ اس کے علاوہ سماع موتی کے متعلق تحقیق موافق مانحن فیہ بلوغ الامانی شرح مسند الامام احمد ص ۱۷۶-۱۷۷ فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۲ قسطلانی ج ۶ ص ۲۰۷ عمدۃ الرعایۃ ص ۲۲۴ ج ۲ روح المعانی کی اپنی تحقیق بعد از نقل اقوال بمعہ بعض رد کے ص ۷۵ ج ۲ اور تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۵۳ اور مکمل تحقیق بمعہ جوابات منکرین سماع و توسل وغیرہ کے مشکوۃ کی شرح اشعۃ اللمعات شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قابل ملاحظہ ہے۔ ج ۳ ص ۴۲۰ سے ص ۴۲۳ تک اس کے علاوہ بھی

متفرق مقامات اور کتابوں میں ذکر ہے مگر منصف غیر متعصب کے اطمینان کیلئے یہ حوالہ جات کافی شافی ہیں ۔باقی رہا منکر و متعصب اس کے لئے ہزاروں کی تعداد پر مستند کتابیں اور روایات صحیحہ بھی کافی نہیں۔

یهدی به من یشاء الی صراط مستقیم۔

قبر میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی نماز اور تلاوت قرآن شریف

"أخرج أبو يعلى والبيهقي وصححه عن أنس رضي الله عنه۔أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون"۔وأخرج الإمام أحمد ومسلم في "صحيحه" والنسائي عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "مررت ليلة أسري بي على موسى قائما يصلي في قبره"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز (تلذذاً) پڑھتے ہیں ۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب شب معراج تشریف لے جارہے تھے تو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر پر گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے ہیں اور قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔[1]

یہ روایت بہت سے بزرگوں اور محدثین نے نقل کی ہے۔میں نے عربی حصہ میں صرف طلبہ کی خاطر سب راویوں کا بمعہ حوالہ کے ذکر کیا تاکہ تسلی ہو جائے۔

شرح الصدور میں ہے:

وقال ابن منده رواه حجاج بن منهال ویونس بن محمدابونصر التمار،وجنان ،وغیرهم عن حماد سلیمان التیمی وثابت عن انس،ورواه سفیان ویحیی بن سعیدوعمربن حبیب وجریربن عبدالحمیدومعتمربن سلیمان ویزیدبن هارون وعیسیٰ وغیرهم عن سلیمان التیمی ،ورواه ابوهریرة وعبدالله بن جرادوغیرهماعن النبی ﷺ ،واخرج ابونعیم فی الحلیةعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهماان النبی ﷺ مربقبر موسیٰ صلوات الله علیه وهو قائم یصلی فیه وقال ابن سعدفی الطبقات وابن شیبة فی المصنف والامام احمدفی الزهدمعااخبرناعفان بن مسلم قال حدثناحمادبن سلمة عن ثابت البنانی قال اللهم ان کنت اعطیت احدالصلوة فی قبره فاعطنی الصلوة فی قبری واخرج ابونعیم عن یوسف عن عطیة قال سمعت ثابتایقول لحمیدالطویل هل بلغک ان احدایصلی فی قبره الاالانبیاءقال لاقال ثابت اللهم ان اذنت لاحدان یصلی فی قبره فاذن لثابت ان یصلی فی قبره۔

---

[1] (مسندابی یعلیٰ، ج۶، ص۱۴۷، الناشر: دارالمأمون للتراث-دمشق)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حجاج بن منہال یونس بن محمد، ابو نصر التمار، حبان، وغیرہ نے یہ روایت حماد عن سلیمان وثابت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے روایت کی ہے۔اسی طرح سفیان ۔یحیی بن سعید، عمر بن حبیب ۔ جریر بن عبدالحمید، معتمر بن سلیمان، یزید بن ہارون عیسیٰ وغیرہ نے بھی سلیمان تیمی سے نقل کی ہے۔اور جناب رسول اللہ ﷺ سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، حضرت عبد اللہ بن جرادوغیر ہم نے نقل فرمایاہے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے بھی روایت نقل کی ہے۔حضرت حماد بن سلمہ ثابت البنانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعاکرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی پر آپ نے یہ عنایت کی ہو کہ وہ قبر میں نماز پڑھے (تو حضرت البنانی فرماتے ہیں)تو مجھ پر بھی یہ عنایت اور مہربانی فرما کہ مرنے کے بعد میں قبر میں نماز پڑھوں ۔دوسری روایت میں ہے کہ حمید الطویل کو حضرت ثابت فرماتے تھے کہ تمہیں معلوم ہے کہ سوائے انبیاء علیہم الصلوات والسلام کے کسی نے قبر میں نماز پڑھی ہے؟تو اس نے فرمایا کہ نہیں حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالی فرمانے لگے کہ یااللہ اگر تونے کسی کو اجازت دی ہو قبر میں نماز پڑھنے کی تو ثابت البنانی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق واجازت مرحمت فرما۔[1]

واخرج ایضاًعن جبیر قال اناو اللہ الذی لاالہ الاھو دخلت ثابت البنانی لحدہ ومعی حمید الطویل فلماسوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فاذاانابہ یصلی فی قبرہ وکان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیت احدامن خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا، فما کان اللہ لیرد دعاءہ (کماورد لواقسم علی اللہ الابرہ۔)

حضرت جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے نہیں کہ جب میں اور حمید الطویل دونوں مل کر حضرت ثابت البنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قبر میں اتارنے لگے اور لحد کے اوپر اینٹوں کو برابر کرکے لحد کو بند کیا تو یکدم ایک اینٹ گرگئی کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔اور آپ زندگی میں اپنی دعامیں یہ پڑھ رہے تھے۔

اللھم ان کنت اعطیت احدامن خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا۔

یااللہ اگر تونے کسی کو اجازت دی ہو قبر میں نماز پڑھنے کی تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق واجازت مرحمت فرما۔[2]

---

[1] (شرح الصدور، ج ۱، ص۱۸۷، الناشر دار المعرفۃ)

[2] (شرح الصدور، ج ۱، ص۱۸۷، الناشر دار المعرفۃ)

پس اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو رد نہیں کیا بلکہ قبول فرما کر نماز پڑھنے کا شرف عالم برزخ میں بھی عطا فرما دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض بزرگوں کو قرآن شریف پڑھنے کی توفیق بھی قبر میں عنایت فرمائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ کے زمانہ میں جن اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ بوجہ لاعلمی کے نصب کیا۔ یعنی اس کو معلوم نہ تھا کہ یہاں کسی بزرگ یا صحابی کی قبر ہے۔ ایک وقت کیا دیکھتا ہے کہ قبر سے آواز آرہی ہے سورہ ملک پڑھنے کی یہاں تک کہ اس نے سورت کو ختم کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سب قصہ سنایا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ منجیہ اور مانعہ ہے اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ حضرت ابوالقاسم سعدی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ بالکل صاف طور سے معلوم ہوا کہ اہل قبور عالم برزخ میں اپنے قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک قصہ سنایا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی اور انکار نہیں فرمایا (آج کل اگر اس طرح کا قصہ پیش آئے تو کم فہم یا مغربی تہذیب زدہ یا بزرگوں کے فیض سے محروم ضرور یہ کہدیں گے کہ تم پاگل ہو گئے ہو، تم پر وہم سوار ہے یا نعوذ باللہ کوئی شیطان تھا جو تم کو گمراہ کرتا تھا اور تمہاری توجہ اہل قبور کی طرف پیدا کرتا تھا یا اور کوئی جن یا روح خبیث تھی جو تمہارے ایمان کو لوٹنے کے واسطے آئے تھے جیسا کہ بزرگوں کی کرامت اور ایسے خرق عادات کے متعلق تمسخر اڑانے والے عوام میں کیا خواص میں بھی (ابتلاءً) موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

علامہ امام کمال الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب العمل المقبول فی زیارۃ الرسول میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صاف دلالت کر رہی ہے اس بات پر کہ میت ہی قبر میں سورہ ملک پڑھتا تھا اور اس روایت میں ایک ایسے امر کا ذکر ہوا جو اللہ تعالیٰ نے بعض اولیاء پر اس کا احسان فرمایا تھا، اسی طرح بعض پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان واکرام فرمایا ہے کہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور تھے وہ اسی کی دعا مانگنے والے اپنی حیات میں (جس طرح کہ ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ آپ نے سن لیا) جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو عالم برزخ میں اپنی طاعت وعبادت سے متمکن فرمایا تو انبیاء علیہم الصلوات والسلام بطریق اولیٰ اس نعمت اور اکرام سے متمکن اور سرفراز ہوں گے۔

وَأخرج التِّرْمِذِيّ وَحسنه وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ ضرب بعض أَصْحَاب النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خباءه على قبر وَهُوَ لَا يحْسب أَنه قبر وَإِذا فِيهِ إِنْسَان يقْرَأ سُورَة الْملك حَتَّى ختمها فَأتى نَبِي الله فَأخْبرهُ فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم هِيَ المنجية هِيَ الْمَانِعَة تنجيه من عَذَاب الْقَبْر۔[1]

قَالَ أَبُو الْقَاسِم السَّعْدِيّ فِي كتاب الرّوح هَذَا تَصْدِيق من النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِأَن الْمَيِّت يقْرَأ فِي قَبره فَإِن عبد الله أخبرهُ بذلك وَصدقه رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم

وَقَالَ الإِمَام كَمَال الدّين بن الزملكاني فِي كتاب الْعَمَل الْمَقْبُول فِي زِيَارَة الرَّسُول هَذَا الحَدِيث وَاضح الدّلَالَة على أَن الْمَيِّت كَانَ يقْرَأ فِي قَبره سُورَة الْملك وَقد وَقع فِي هَذِه الرِّوَايَة ذكر إكرام الله بعض أوليائه بذلك وإكرام بَعضهم بِالصَّلَاةِ وَكَانَ يَدْعُو الله فِي حَيَاته بذلك فَإِذا كَانَ من كَرَامَة الله لأوليائه تمكينهم من الطَّاعَة وَالْعِبَادَة فِي الْقَبْر فالأنبياء بطرِيق الأولى۔[2]

وَقَالَ الْحَافِظ زين الدّين بن رَجَب فِي كتاب أهوال الْقُبُور قد يكرم الله بعض أهل البرزخ بِأَعْمَالِهِ الصَّالِحَة فِي البرزخ وَإِن لم يحصل لَهُ بذلك ثَوَاب لانقطاع عمله بِالْمَوْتِ لكنه إِنَّمَا يبْقى عمله عَلَيْهِ ليتنعم بِذكر الله وطاعته كَمَا تتنعم بذلك الْمَلَائِكَة وَأهل الْجنَّة فِي الْجنَّة وَإِن لم يكن على ذَلِك ثَوَاب لِأَن نفس الذّكر وَالطَّاعَة أعظم نعيما عِنْد أَهلهَا من جَمِيع نعيم أهل الدُّنْيَا ولذتها فَمَا تنعم المتنعمون بِمثل ذكر الله وطاعته۔[3]

وفی باب القراءۃ والتزاور والتعلم للشہداء والصلحاء روایات وأثار اخرجہا الحسن بن البراء فی کتاب الروضۃ وابن رجب والخلال فی کتاب السنۃ وابن مندہ وابو احمد والحاکم والنسائی والبیہقی فی شعب الایمان وابن ابی الدنیا والحارث بن ابی اسامۃ فی مسندہ والعقیلی والوایلی وابن ابی شیبۃ وابن عدی والخطیب فی التاریخ والترمذی وابن ماجۃ ومحمد بن یحیی الہذیلی فی صحیحہ وابن الجوزی فی کتاب عیون الحکایات بسندہ والحافظ الذہبی فی تاریخہ وابن عساکر وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ فافہم۔

ایک سوال

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز یا تلاوت قرآن مجید وغیرہ تو عبادات ہیں اور عبادات کیلئے دار العمل والجزاء جس کی وجہ سے عامل مستحق اجر و ثواب ہوتا ہے دنیا ہے عالم برزخ تو دار العمل نہیں نہ وہاں عمل کار آمد ہے تو بیکار ایک مصیبت اور غم میں اپنے آپ کو مبتلاء کرنے سے کیا فائدہ۔ تو اس اشتباہ کے دور کرنے کیلئے علامہ حافظ زین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو بعض اولیاء پر عالم برزخ میں طاعت وعبادت کرنے کا احسان فرمالیتا ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں اگرچہ ان کو اس

[1] (سنن الترمذی ج۴ ص ۱۶۴ بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ سُورَةِ المُلْكِ۔ شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۷۹)
[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۷۹۔ مشکوۃ شریف ص ۱۸۷۔ تنویر الایمان فی اتباع مذہب النعمان ص ۲۰۔ حیات الاموات ص ۶۴)
[3] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۷۹)

عبادت کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ بوجہ موت کے جزائے عمل کا سلسلہ منقطع ہوا مگر یہ عمل جزا اور ثواب کی غرض سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام محض اس لئے ان پر فرمایا کہ یہ اس عالم میں اس سے لذت حاصل کریں کیونکہ اللہ والوں کو عبادت کرنے میں ایک عجیب قسم کا مزہ اور لذت ملتی ہے جو اور کسی چیز میں میسر نہیں آتی۔ جس طرح کہ ملائکہ اور اہل جنت کو جنت میں تسبیح وتقدیس اور عبادت سے لذت ملتی ہے اور یہ عبادت اہل اللہ کے نزدیک تمام دنیوی نعمتوں سے بہت بڑی نعمت ہے اس سے مقصود ان کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں بھی بغرض ثواب نہیں بلکہ محض رضائے الٰہی وتعمیل حکم خداوندی کی خاطر عبادت میں مشغول رہتے ہیں جو مقام مقربین کا ہے کہ تیر کھاکر اور سخت مقام خوف وخطر میں بھی اپنی عبادت میں مصروف اور بے خطر رہتے ہیں۔

فیض الباری میں ہے:

وقال انور الکشمیری ثم الدیوبندی لأنَّ المحقَّق عندي أنْ لا تُعطَّل في القُبور بل فيها قراءة القرآن والصَّلاة والأذان وغيرها من العبادات، وليراجع لها شرح الصدور للسيوطي رحمه الله۔ والأفعال الأخر أيضًا ثابتة عند أهل الكشف وهم أَدْرَى به فلا ننكره ما لم يرد الشرع بإنكاره صراحة۔ والوجه عندي: أَنَّ الأَحْوالَ في القبور مختلفةٌ حسب اختلافِهم في الدنيا، فكما أَنَّ عمل واحد لا يوازي عمل آخر في الحياةِ، فليس عليه اختلاف الأحوالِ بعد الوفاة، نعم مَنْ تَرَكَ الأعمال في الدنيا يتركها في القبور أيضًا، فإنَّه قد تركها إذا كان أحق بها فلا حق له بعد ما لَحِقَ بالأموات وصار ترابًا، وأمَّا مَنْ أحيا ليله وصام نهارَه فله أَنْ يُقِرَّ عينهُ بعبادةِ ربه في القبور أيضًا، وذلك فَضْلُ الله يُؤْتيه مَنْ يشاء، فواحدٌ ينامُ كنومةِ العَرُوس حتى إذا نُفِخ في الصُّور يَمْسح عن عينيه ويقول: مَنْ بعثَنا مِنْ مَرْقَدِنا هذا، والآخَر تُعرض عليه النَّار غُدُوًّا وعشيًا والعياذ بالله۔

وقال انور الکشمیری ثم الدیوبندی فی موضع آخر فان قلت ان الاموات اذا ثبت لهم السماع فهل لهم الانتفاع به ایضاً او مجرد سماع الصوت فقط۔

قلت من مات علی لخیر فانه ینتفع به ایضا و اما من مات علی الشر (العیاذ بالله) فاین له ان ینتفع اذا لم ینتفع به فی الدنیا و لیس له الا سماع الصوت۔

و ذکر هذه العبارة کان فی بیان سماع الموتیٰ انسب الا انه لا یخلو من فائدة۔

انور شاہ کشمیری کا قول

جو دیو بند کے بڑے محدث اور اپنے زمانہ میں علوم دینیہ میں یکتا تھے فرماتے ہیں (کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اہل قبور مرنے کے بعد کسی کام کے نہیں رہے نہ کچھ کرسکتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں بلکہ مرکر دفن ہوئے اور خاک میں مل کر مٹی ہوگئے تو یہ حکم

مطلقاً صحیح نہیں بلکہ) میرے نزدیک تو یہ بات بالکل ثابت شدہ ہے کہ تعطل قبور میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں نماز، تلاوت قرآن ،اذان وغیرہ من العبادات سب کچھ ہے اگر کسی کو مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو وہ شرح الصدور جو جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اہل کشف حضرات نے تو بہت کچھ دیکھا اور وہ اس کے قائل ہیں اور اس کو خوب جانتے ہیں کیونکہ صاحب البیت ادری بمافی البیت گھر والے اوروں سے اپنے گھر کے حالات اور اساس البیت سے خوب واقف ہوتے ہیں) تو جب تک شریعت میں اس کا صاف انکار نہ ہو تو ہمیں اس سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ۔اہل قبور کے متعلق میری ایک رائے ہے وہ یہ کہ ان کے احوال میں جو اختلاف ہے (کہ بعض اہل قبور نماز، تلاوت قرآن وغیرہ کرتے ہیں اور بعض اس سے محروم ہیں) یہ مبنی ہے دنیا کے حالات پر چونکہ دنیا میں بھی ایک کا عمل دوسرے کے برابر نہیں ہوتا تھا اور بعد الوفات بھی ایسا ہی ہے۔ پس جس نے دنیا میں اعمال صالحہ نہیں کئے وہ قبر میں بھی نہیں کریں گے۔ دنیا میں جب عبادت کرنے کا حق اس کو تھا اور اس پر لازم کیا گیا تھا اور ادا کرنے کا یہ اہل تھا اس نے ادا نہیں کیا اور فضولیات میں اپنا عزیز وقت گزار لیا تو اب جب دار العمل سے بوجہ موت کے عالم برزخ آیا تو کوئی حق نہیں اس مردہ دل اور مردہ جسم کا کہ اس کو عبادت اور تلاوت سے نوازا جائے یا اس کو اس سے کچھ لذت محسوس ہو اب تو واقعی یہ مردہ ہے اور اس کا بدن خاک میں مل کر خاک ہو جائے گا۔)

ہاں جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وقت گزارا ہے۔ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا دھیان رہتا تھا۔ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيايَ وَمَماتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعالَمِينَ (الانعام ۱۶۲) پر پورے عامل تھے تو ان کیلئے (کرامۃ واحسانا وفضلا) یہ ہے کہ عبادت خداوندی سے اب بھی ان کی آنکھیں ٹھنڈی کی جائیں اور قیامت تک اس سے لذت اور لطف اٹھائیں۔(ذلک فَضْلُ اللہ یُؤْتیہ مَنْ یشاء)۔

یہی وجہ ہے کہ قبر میں ایک تو اس قدر بے غمی سے وقت کٹتا ہے جس طرح کہ دلہن ابتدائی ایام اپنی بے غمی سے خواب اور آرام میں گزارتی ہے۔ قیامت کے دن جب اٹھے گا تو آنکھیں ملتا ہوا کہے گا کہ کس نے مجھے اس میٹھی نیند سے جگا دیا۔ میں تو ابھی سویا تھا اور دوسرا اس قدر مصیبت اور عذاب میں مبتلا رہتا ہے کہ صبح وشام نار جہنم اس کو پیش کی جاتی ہے اور بچھو سانپ جو اس کے اعمال دنیوی ہیں اس شکل میں آکر اس کو ڈستے رہیں گے اور جہنم کی بدبو گرم ہوا اس کو ملتی رہے گی۔ العیاذ باللہ۔[1]

---

[1] (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶)

حضرت شاہ صاحب چونکہ سماع موتی کے بھی قائل تھے اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے تو آپ نے اچھی تحقیق سے سماع موتیٰ ثابت کر کے مخالفین کے اعتراضات کورد کیا۔ قرآن اور حدیث کا صحیح مطلب بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب سماع موتی ثابت ہوئی تو کیا ان کو اس سماع سے کچھ فائدہ بھی ہے یا صرف سماع ہی سماع ہے کہ آواز سننے کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں تو جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ بھائی جو بالخیر اور ایمان کامل سے رخصت ہو گئے وہ تو ہر لحاظ سے خیر وبرکت میں ہیں اور متنفع بھی ہوتے ہیں اور جو بدبخت بد اعمالی کی وجہ سے بے ایمان رخصت ہوا تو اس نے دنیا میں قرآن اور وعظ سننے سے فائدہ نہیں اٹھایا تو اب قبر میں کیا فائدہ لے سکے گا۔ سوائے سماع صوت کے اور کوئی فائدہ نہیں بلکہ باعث مزید حسرت اور عذاب ہے۔[1]

حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام وشہداء واولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ

مضمون سابق سے انبیاء علیہم السلام اور شہداء وصلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قبر میں زندہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ نماز، تلاوت وغیرہ بغیر جسد کے نہیں ہوتی۔ یہ اجسام کی صفات میں سے ہیں جو کہ عنقریب علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان اور دارالعلوم دیوبند کے فتوے میں آجائے گا مگر پھر بھی زیادت اطمینان کیلئے حیات اجساد انبیاء علیہم السلام اور شہداء واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض روایات صحیحہ اور اکابرین ملت کے بعض ارشادات پیش کرتا ہوں۔

اخرج الحاکم وابو داؤد عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔

واخرج ابن ماجۃ عن ابی الدرداء نحوہ۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ اجساد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نقصان نہ پہنچائے۔[2]

واخرج الطبرانی عن عبد اللہ بن عَمرو، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الْمُؤَذِّنُ الْمُحْتَسِبُ كَالشَّهِيدِ الْمُتَشَحِّطِ فِي دَمِهِ، إِذَا مَاتَ لَمْ يُدَوِّدْ فِي قَبْرِهِ۔

1 (فیض الباری ص ۴۶۷-۴۶۸)

2 (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۵ باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ)

اسی طرح جو اذان محض رضائے الٰہی اور حصول ثواب کی غرض سے دیتا ہے اس کے متعلق بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اذان دینے والا فی سبیل اللہ بغیر کسی غرض دنیوی کے اس شہید کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خون آلود پڑا ہوا ہو۔ جب مر جائے تو قبر میں اس کی لاش گلنے سڑنے اور کیڑے پڑنے سے بالکل محفوظ رہے گی۔[1]

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا مات حامل القرآن أوحی اللہ إلی الأرض لأکل لحمہ قال فتقول الأرض وکیف آکل لحمہ وکلامک في جوفہ۔

حافظ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حافظ قرآن کا جب انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو القاء فرما لیتا ہے کہ اس کے گوشت کو مت کھا زمین اپنی زبان سے اس وقت عرض کرتی ہے کہ یارب میں کس طرح اس کا گوشت کھا سکتی ہوں جبکہ اس کے پیٹ میں آپ کا کلام موجود ہے۔[2]

قال ابن مندۃ وفی اللباب عن ابی ہریرۃ وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ واخرج المروزی عن قتادہ قال بلغنی ان الارض لاتسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئتہ واخرج ابو یعلی والبیہقی وابن مندۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورہم وقال الخفاجی فی شرح الشفاء ج ۱ ص ۳۹۰ قد حرم اللہ جسدہ علی الارض واحیاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیہم السلام وقا ل بعض السلف بکفر من قال بتغیر بدنہ علیہ الصلوۃ والسلام۔

حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے اور اسی حکم میں نیک عمل کرنے والے اور گناہوں سے بچنے والے بھی داخل ہیں اور جس کے دل میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کامل محبت ہو اور درود شریف کا ورد بکثرت ہو تو تجربہ اور مشاہدہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ ایسا شخص بھی قبر میں محفوظ رہتا ہے علامہ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق اور مشاہدہ الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وَأخرج مَالک عَن عبد الرَّحْمَن بن أبي صعصعة أَن عَمْرو بن الجموح وَعبد الله بن عَمْرو الأنصاريين كَانَا قد حفر السَّيْل قبرهما وَكَانَ قبرهما مِمَّا يَلِي السَّيْل وَكَانَا فِي قبر وَاحِد وهما مِمَّن أستشهد يَوْم أحد فحفر ليغيرا من مكانهما فوجدا لم يتغيرا كَأَنَّهُمَا مَاتَا بالْأَمْس وَكَانَ أَحدهمَا قد جرح فَوضع يَده على جرحه فدفن وَهُوَ كَذَلِك فأميطت يَده على جرحه ثمَّ أرْسلت فَرَجَعت كَمَا كَانَت وَكَانَ بَين أحد وَبَين يَوْم حفر عَنْهُمَا سِتّ وَأَرْبَعين سنة۔

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۳ ص ۴۵۳ باب عبد اللہ بن عمرو بن العاص)

[2] (معجم ابن عساکر ص ۱۲۱۴ ج ۲ ہبۃ اللہ بن حمد بن احمد بن الحسن)

وَأخرج الْبَيْهَقِيّ فِي الدَّلَائِل من وَجه آخر وَزَاد بعد قَوْله فأميطت يَده عَن جرحه فانبعث الدَّم فَردَّتْ إِلَى مَكَانهَا فَرد الدَّم۔

شہداء کے اجسام کا مشاہدہ:

جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جو بڑے عالم اور محدث ہو گزرے ہیں۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد کے تقریباً ۴۶ سال بعد عمرو بن جموح وعبد اللہ بن عمرو (جو انصاری تھے) کی قبر کو سیلاب نے نقصان پہنچایا اور ان کی قبر سیلابی ندی کے کنارے کے قریب تھی اور یہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے تو یہ تجویز ہوئی کہ ان کو قبر سے نکالا جائے تاکہ سیلاب کی زد سے محفوظ رہ جائیں چنانچہ ان کی قبور کھود کر ان کو باہر نکالا گیا۔ کوئی تغیر ان کے اجسام میں نہیں دیکھا گیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل انکا انتقال ہو چکا ہے۔ اس طرح تروتازہ نظر آرہے تھے۔ آپ چونکہ مجروح بھی تھے اس میں ایک نے اپنا ہاتھ زخم کے اوپر رکھا تھا اور اسی حالت میں دفن ہوئے تھے جب کسی نے ان کے ہاتھ کو زخم سے ہٹایا تو فوراً خون جاری ہوا پھر اس نے اس ہاتھ کو اپنی جگہ زخم پر رکھا تو خون بند ہو گیا۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں بھی ہوا کہ احد میں پانی کا راستہ نکال رہے تھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو وہاں مدفون تھے نکالنے کے وقت تروتازہ پائے گئے۔ روایت میں ہے کہ غلطی سے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہداء احد میں سے پھاوڑے کی چوٹ لگ گئی جس سے خون جاری ہوا۔[1]

قَالَ السُّبْكِيّ عود الرّوح إِلَى الْجَسَد فِي الْقَبْر ثَابت فِي الصَّحِيح لسَائِر الْمَوْتَى فضلا عَن الشُّهَدَاء وَإِنَّمَا النّظر فِي إستمرارها فِي الْبدن وَفِي أَن الْبدن يصير حَيا بهَا كحالته فِي الدُّنْيَا أَو حَيا بِدُونِهَا وَهِي حَيْثُ شَاءَ الله فَإِن مُلَازمَة الْحَيَاة للروح أَمر عَقْلِي فَهَذَا أَي أَن الْبدن يصير بهَا حَيا كحالته فِي الدُّنْيَا مِمَّا يجوزه الْعقل فَإِن صَحَّ بِهِ سمع اتبع وَقد ذكره جمَاعَة من الْعلمَاء وَتشهد لَهُ صَلَاة مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام فِي قَبره فَإِن الصَّلَاة تستدعي جسدا حَيا وَكَذَلِكَ الصِّفَات الْمَذْكُورَة فِي الْأَنْبِيَاء لَيْلَة الْإِسْرَاء كلهَا صِفَات الْأَجْسَام وَلَا يلْزم من كَونهَا حَيَاة حَقِيقَة أَن تكون الْأَبدَان مَعهَا كَمَا كَانَت فِي الدُّنْيَا من الإحتياج إِلَى الطَّعَام وَالشرَاب وَغير ذَلِك من صِفَات الْأَجْسَام الَّتِي نشاهدها بل يكون لَهَا حكم آخر وَأما الإدراكات كَالْعلمِ وَالسَّمَاع فَلَا شكّ أَن ذَلِك ثَابت لَهُم ولسائر الْمَوْتَى۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کے متعلق اور ان کے سماع اور علم وادراک کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تو بالکل روایت صحیح سے ثابت ہے کہ قبر میں روح اپنی جسد میں آتا ہے اور یہ مسلم

[1] (شرح الصدور ص ۱۳۲)

تک خاص نہیں بلکہ مرنے کے بعد کافر ہو مسلم عالم برزخ میں اس کے بدن کی طرف روح کا عود ہوتا ہے مگر قابل غور یہ امر ہے کہ یہ روح عود کے بعد مستمر بھی رہتا ہے اور بدن اس سے اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دنیا میں زندہ تھا۔ عقل تو اس کو جائز سمجھتی ہے اس میں کوئی استعاد نہیں کہ عالم برزخ میں روح آنے کے بعد یہ بدن اسی طرح صحیح سالم اور زندہ ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا مگر شرعی نکتہ نگاہ سے ہم دیکھیں گے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے یا نہیں ۔اگر ہمیں صحیح طور سے معلوم ہو جائے کہ شارع علیہ السلام نے حیات جسمانی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے تو امنا و صدقنا۔ جب ہم نے دیکھا اور تتبع و تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ ایک جم غفیر علماء محققین کی حیات کے قائل ہیں اور اس کیلئے سند حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز ہے قبر میں (اور باقی روایات ومشاہدات بھی ہیں)کیونکہ نماز جسمانی حیات کی مقتضی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا خیر مقدم اپنے اپنے مقام میں اور باقی واقعات جو شب معراج میں انکے درمیان پیش آئے تھے سب اجسام کی صفات میں سے ہیں۔[1]

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب جسمانی حیات حاصل ہوئی اور یہ حیات بالکل دنیوی حیات کی طرح ہے پھر تو جسمانی تقاضے بھی پورے ہونگے۔ ایک تو یہ کہ اب روح اور جسم میں ملازمہ بھی ہو گا تو روح جہاں ہو وہاں بدن ہو گا۔ و کذابالعکس۔ اسی طرح بھوک ،پیاس ،گرمی ،سردی ،کھانا ،پینا وغیرہ سب ہو گا اور حال یہ ہے کہ اس کے کوئی بھی قائل نہیں۔ بات یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس عالم پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ حیات تو ضرور ہے روح کا تعلق بدن سے انبیاء علیہم السلام اور شہداء و اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا علی قدر المراتب یقیناً ہے مگر اس عالم برزخ میں نہ وہ کھانے پینے کے محتاج ہیں اور نہ گرمی و سردی سے پریشان ہیں اور نہ وہ تعلق ایسا ہے کہ بغیر بدن کے کہیں جاسکتے نہیں بلکہ کمال نبوت اور ولایت اور تجرد کی وجہ سے باوجود تعلق بالبدن ہونے کے جہاں بھی جائیں تو جاسکتے ہیں اور اس عالم کے مطابق اپنے خاص جسمانی وجود کے ساتھ متمثل ہو کر سیر کرسکتے ہیں اور وہ بدن مرکب از عناصر اپنی جگہ میں بمعہ اپنے گوشت و پوست اور خون و ہڈی کے صحیح سالم محفوظ محتاج غذا نہیں (إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) باقی اہل قبور کے ادراکات مثلاً سماع علم یہ تو سب موتی کو حاصل ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

[1] (شرح الصدور ص ۲۰۲ ج ۱)

اکابرین دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اور عقیدہ:

علماء واکابر دارالعلوم دیوبند نے حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام اور شہداء وغیرہ کے متعلق متفقہ ایک فتوے علماء حرمین کے استفتاء پر فرمایا ہے جو ملاحظہ کیلئے پیش خدمت ہے۔

سوال: ماقولکم فی حیوۃ النبی ﷺ فی قبرہ الشریف ھل ذلک مخصوص بہ ام مثل سائر المؤمنین رحمۃ اللہ علیھم حیاتہ برزخیۃ۔

جواب: عندنا وعند مشائخنا حضرۃ الرسالۃ ﷺ حیی قبرہ الشریف وحیاتہ ﷺ دنیویۃ من غیر تکلیف وھی مختصۃ بہ ﷺ وبجمیع الانبیاء صلوۃ اللہ علیھم والشھداء لا برزخیۃ کماھی حاملۃ لسائر المؤمنین بل لجمیع النا س کمانص علیہ العلامۃ السیوطی فی رسالتہ انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء حیث قال قال الشیخ تقی الدین السبکی حیاۃ الانبیاء (صلوۃ اللہ علیھم) والشھداء (رحمھم اللہ تعالیٰ) فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیا الی اخر ماقال فثبت بھذا ان حیاتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ ولشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز فی ھذا المبحث رسالۃ مستقلۃ دقیقۃ المآخذ بدیعۃ المسلک لم یر مثلھا قد طبعت وشاعت فی الناس واسمھا آب حیات ای ماء الحیاۃ۔

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آپ ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آپ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ یہ حیات برزخی نہیں جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ **ابناء الاذکیا بحیاۃ الانبیاء علیھم السلام** (اور شرح الصدور) میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسے دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور اچھوتے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اس کا نام آب حیات ہے۔[1]

[1] (المھند علی المفند ص ۱۴)

بحث زیارۃ القبور (زیارۃ القبور کی بحث)

تفسیر مظہری میں وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (البقرۃ ۱۵۴) کے ذیل میں ہے:

فذهب جماعة من العلماء الى ان هذه الحيوة مختص بالشهداء والحق عندى عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهورا اثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد- والصديقون ايضا أعلى درجة من الشهداء والصالحون يعنى الأولياء ملحقون بهم كما يدل عليه الترتيب في قوله تعالى مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ولذلك قالت الصوفية العلية أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا- وقد تواتر عن كثير من الأولياء انهم ينصرون أولياءهم ويدمرون أعداءهم ويهدون الى الله تعالى من يشاء الله تعالى- وقد ذكر المجدد رضى الله عنه- ان ارباب كمالات النبوة بالوراثة أقلت وهم الصديقون والمقربون في لسان الشرع) يعطى لهم من الله تعالى وجودا موهوبا- ويدل على ان أجساد الأنبياء والشهداء وبعض الصلحاء لا يأكلها الأرض ما أخرجه الحاكم وابو داود عن أوس بن أوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم على الأرض ان تأكل أجساد الأنبياء- الخ۔ (كماذكرت فتذكره)-

ایک جماعت علماء میں سے اس بات کی قائل ہے کہ یہ حیات جسمانی صرف شہداء کیلئے ہے مگر میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اس کی تخصیص شہداء تک نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سے بھی زیادہ قوی ہے جس کے آثار خارج میں ظاہر طور سے پائے گئے ہیں جو شہداء میں نہیں۔ مثلاً جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح بعد وفات کے قطعاً جائز نہیں اور شہید کی بیوی کے ساتھ عدت کے بعد جائز ہے اور صدیقین و صلحاء سب شہداء کے ساتھ اس میں شریک اور ملحق ہیں اول درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اس کے بعد دوسرا نمبر شہداء کا، تیسرا صدیقین کا اور چوتھا صالحین کا ہے۔ (چونکہ حیات اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی قوی ہے لہذا فرماتے ہیں کہ ہمارے ارواح اجساد ہیں اور اجساد ارواح ہیں اور تواتر سے ثابت ہوا ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ بعد از وفات بھی اپنے احباب اور دوستوں کو باذن اللہ تعالیٰ امداد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو برباد اور گمراہوں کو راہ راست پر لگا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔)

حضرت علامہ مفسر والمحدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء و صلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی جسمانی حیاۃ پر حاکم اور ابوداوٗد شریف کی روایت دلالت کرتی ہے جو اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمائی ہے جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجساد حرام کیے ہیں۔[1]

---

[1] (تفسیر مظہری ج ا ص ۱۵۲)

تھانوی نے تفسیر بیان القرآن میں حیات انبیاء علیہم السلام و شہداء و اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق اس آیت وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرۃ ۱۵۴) کے ذیل میں لکھا ہے:

ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کا سا سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جس طرح انمد یعنی سر انگشت میں ذکاء حس آثار حیات سے ہے بنسبت عقب یعنی پاشنہ کے طباو حسا قوی ہے حتی کہ شہید کی حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کیونکہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور ان کو دوسری اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی ہے اور یہ حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں اور ان کا مال بھی میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء رحمہم اللہ پھر معمولی مردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء و صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔ سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معناً شہادت میں داخل سمجھیں گے۔ اس طور پر وہ بھی شہداء ہوئے۔ یا یوں کہا جائے کہ تخصیص شہداء کی عام مردوں کے اعتبار سے اضافی ہے۔ ان خواص کے اعتبار سے حقیقی نہیں اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے لَا تَشْعُرُونَ فرمایا گیا ہے۔

جب ان روایات اور مشاہدات متواترہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام، شہدا و اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجساد بالکل صحیح سالم اور محفوظ ہیں۔

روح المعانی میں ہے:

وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منذ مائة سنين، وأنهم إلى اليوم تشخب جروحهم دما إذا رفعت العصابة عنها فذلک مما رواه- هيان بن بيان- وما هو إلا حديث خرافة وكلام يشهد على مصدقيه تقديم السخافة۔الخ۔

بعض لوگ جو نقل کرتے ہیں کہ بعض شہداء سو سال کے بعد دیکھے گئے ہیں کہ جب پٹی ان کے زخموں سے ہٹائی گئی تو خون جاری ہوا یہ بالکل واہیات اور صحیح روایت سے ثابت نہیں۔الخ۔[1]

واجب الرد ہے کیونکہ یہ مشاہدہ متواترہ کے خلاف ہے جو جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الصدور میں اور قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مظہری میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور بیہقی وابن ابی شیبہ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔غالباً صاحب روح المعانی نے کسی صاحب کو دیکھا ہو گا کہ کسی جہاد میں یا کسی واقعہ میں ظلماً قتل کیا گیا ہو گا اور اس پر علماء نے فتوے دے کر بغیر غسل کے ازروئے شہادت نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا ہو گا اور کچھ زمانے کے بعد اس کی لاش بوسیدہ حالت میں نظر آگئی ہوگی جس کی وجہ سے انہوں فیصلہ کیا کہ یہ جو حیات جسمانی کے متعلق مشہور ہے یا روایات میں موجود ہے اس کی کوئی صحیح حقیقت نہیں اور حال یہ ہے جو مشہور ہے بالکل صحیح ہے مگر اس شخص کو (بينه وبين الله) بوجہ خرابیٔ نیت قتل کے شہادت کا رتبہ نہیں ملا۔ صاحب روح المعانی پر رد کا ذکر صاف الفاظ میں فتاویٰ امدادیہ ج ا ص۵۰۸ پر بھی آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

میرے دوستو! زیارۃ القبور بغرض تبرک کرنا، بعض اہل قبور کا نماز پڑھنا اور تلاوت کرنا اور انبیاء علیہم السلام وشہداء وصلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کا محفوظ رہنا۔ان سب واقعات سے آپ نے یہ اندازہ لگایا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے اپنے خاص بندوں پر کہ عالم برزخ میں بھی اپنی خاص نعمتوں سے ان کو نوازتا ہے اور اپنی مخلوق کو ان کے فیض وبرکت سے سرفراز فرماتا ہے اور ان کو اس عالم میں بھی عقل وعادت کے خلاف دعاوعبادت کا اہل بنا کر وسیلۂ رحمت اور مظہر عون بنایا ہے یادرہے جو کام عادت کے خلاف اور مافوق الاسباب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر اور ولی کے ہاتھ سے صادر فرمائے تو اس کو معجزہ اور کرامت شریعت کی زبان میں کہتے ہیں۔پس معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء اور معجزات انبیاء علیہم السلام حق ہیں معجزات تو ظاہر ہیں مگر حقانیت کرامات بھی مخفی نہیں۔

[1] (روح المعانی ج ا ص ۴۱۹)

آداب زیارت قبور

بزرگوں کے مزارات پر جب آپ آجائیں تو زیارت کے آداب کو ضرور ملحوظ خاطر فرمائیں تب کچھ فیض ملے گا ورنہ سب تکلیف بے کار ثابت ہوگی۔ دنیا میں بھی جب آپ کسی سے ملتے ہیں تو اس کے سب آداب اور خوشنودی کے اسباب مہیا فرما کر ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی بزرگ کامل سے آپ ملیں اور بے ادبی اور گستاخانہ کلمات اس کے سامنے کریں یا ملاقات کے وقت اس سے اپنا کمر، پیٹ وغیرہ حصہ بدن میں سے ملیں یا الفاظ کفریہ منہ سے نکالیں تو وہ بزرگ کس قدر ناراض ہوں گے۔ اگر آپ کی مہمانی کی قدر وہ نہ کریں تو کسی سے دھکے دلوا کر اپنے احاطے سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔

میرے دوستو! اسی طرح بزرگوں کے مزارات پر جاکر نہایت التزام سے آداب زیارت قبور کو جو صاحب شریعت نے تعلیم فرمائے ہیں اور سلف صالحین اور علماء ربانی کا معمول رہا ہے اپنا معمول بنائیں، ہم اس لئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اپنے برگزیدہ بندوں کے طفیل ہمارے مقاصد پورے فرمائے، یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جناب میں ہمارے لئے دعا فرمادیں کہ ہمارا فلاں کام ہو جائے تو یہ جب ہی ہو گا کہ خلاف شریعت اور جاہلیت کے زمانہ کی رسوم سے ہم اپنی جان کو بچائیں۔

پس جب آپ کسی بزرگ کے مزار پر تشریف لے جانا چاہیں تو بہتر ہو گا کہ آپ دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اور اس بزرگ کی روح پر ایصال ثواب فرمادیں اور جاتے وقت یہ عقیدہ رکھیں کہ کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی مالک ہے اور اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، وہی عالم ظاہر و باطن کا ہے وہی اگر چاہے تو ہو گا اگر نہ چاہے تو نہ ہو گا اور وہی متصرف فی الامور ہے اور یہ بزرگ جس کی مزار اقدس پر جارہا ہوں اس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزاری ہے اور اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے بزرگوں اور نیک بندوں کی صحبت کا خاص اثر ہوتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا وصال پا چکے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں اپنے بندوں پر حتی کہ ان کے ہم نشیں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے (لا یشقی جلیسھم) اور بعد الوصال بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نظر کرم ہوتی ہے اور ان کے روح کا تعلق قبر مبارک اور بدن سے مکمل ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں اور پہچاننے والوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے سلام و کلام کو سنتے ہیں لہذا میں زیارت کو جاتا ہوں اور علاوہ اور خیر و عبرت کے ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سوال کروں گا کہ فلاں کام میرا اللہ تعالیٰ ان کے طفیل اور برکت سے سرانجام فرمادے یا جاکر اس بزرگ کے مزار پر کھڑے ہو کر اس سے سوال کروں کہ اللہ

تعالیٰ عزوجل کے برگزیدہ بندے! اللہ تعالیٰ کی جناب میں میرے لئے دعا فرمایئے۔ یا فلان کام کیلئے یا فلان بن فلان کیلئے وغیرہ سوال فرمایئے کہ ایسا ہو جائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ بزرگان دین صرف وسائل اور ذرائع ہیں، کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے ہاں یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگان دین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ محض فضل و کرم سے اپنے محبوبین کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ (لو اقسم علی اللہ لابرہ کما فی الحدیث) یہاں تک اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب بندے اپنے خالق و معبود حقیقی پر بھروسہ رکھتے ہوئے جب قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ یہ کام ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے تعلق خاص کی وجہ سے ان کو اپنی قسم میں بری اور کامیاب فرماتا ہے اور ان کو رسوائے عالم نہیں فرماتا۔

اسی طرح اہل قبور کی بھی رعایت کی گئی ہے کہ اس طرح قبر کو آنا چاہیئے جس سے انکو آپ سے ملاقات کرنے میں تکلیف نہ ہو لہٰذا صاحب قبر کے پاؤں کی طرف سے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے اتنا دور کھڑے ہو جائیں جس طرح اس دنیاوی زندگی میں اپنے دوست اور ملنے والوں سے ملاقات کے وقت دور کھڑے رہتے ہیں اور کھڑے ہو کر سلام عرض کریں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَأَتَاكُمْ مَا تُوعِدُونَ غَدًا مُؤَجَّلُونَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ۔

غرض یہ کہ سلام عرض کریں اور احادیث سے مختلف الفاظ میں دعائیں منقول ہیں جو بھی میسر ہو عرض کریں (اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس کے سامنے کھڑا ہونا ہے مگر وہاں پر السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اور صلوۃ و سلام پڑھنا ہو گا۔)

قبر کے سامنے کھڑا ہونا یا بیٹھنا ہر دو جائز ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کھڑے رہیں۔ (بعض حضرات سلام کرنے کے بعد دعا کے وقت سر کی طرف قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے مگر مختار اول ہے۔)

سلام کے بعد قرآن شریف میں سے جو سورت یا آیات یاد ہوں بغرض ایصال ثواب پڑھیں۔ سورہ فاتحہ اور گیارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ یا سورۂ یسین اگر پڑھیں تو اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس بزرگ کی بخشش اور رفع درجات کیلئے دعا مانگیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے وسیلہ اور ذریعہ سے اپنے لئے اور دوستوں کیلئے دعا مانگیں دعا کر کے اپنی ضروریات و کام کاج یا واپسی کا انتظام کریں۔

قبر شریف کا طواف (جس سے صاحب قبر کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور غضب کی نگاہ سے دیکھ دیکھ کر ناراض ہوتا ہے اور عبادت کی نیت سے طواف تو پھر کفر ہے جو ہر لحاظ سے باعث خسران اور تباہی ہے) اور اس کو ہاتھ بغرض ثواب وعبادت لگانا یا اس کو بوسہ یا پشت وچھاتی کے ساتھ ملنا گستاخی اور احادیث وفقہاء احناف کے مسلک کے خلاف اور باعث ناراضگی اللہ تعالیٰ ہے اور اپنے مقاصد میں اپنے آپ کو ناکام بنانا ہے اور نہ ایسے افعال سے صاحب قبر خوش ہوتا ہے بلکہ ان کے لئے باعث تکلیف ہے۔ پس اگر عوام میں سے اس فعل کا کوئی مرتکب ہو جائے تو بغیر کسی تأمل و تحقیق کے شرک اور کفر کا فتویٰ اس پر لگانا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے بلکہ اپنے لئے اور اس کے لئے استغفار پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ کر احسن طریقہ سے سمجھانے کی کوشش فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ عزیزی میں فرماتے ہیں کہ جب عوام مؤمنین کی قبر کی زیارت کیلئے جائے تو پہلے قبلہ کی پشت کرکے اور میت کے سینہ کے سامنے منہ کرے اور سورہ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھے اور جب مقبرہ میں جائے تو یہ کہے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ۔

یعنی سلام ہے تم لوگوں پر اے اہل دیار مؤمنین اور مسلمین، بخشش فرمادے اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔[1]

اور اگر منجملہ اولیاء اور صلحاء کے کسی بزرگ کی زیارت کیلئے جائے تو چاہیئے کہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف منہ کرکے بیٹھے اور اکیس مرتبہ چار ضرب سے یہ پڑھے: سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔ اور سورۃ قدر تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کرے اور دل کو اس بزرگ کے سینہ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کی روح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچے گی (اور یہی طریقہ ان کا کمال معلوم کرنے کیلئے بھی ہے۔) کہ فاتحہ اور درود اور «سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ» کے بعد جب اپنا دل صاحب قبر کے سینہ کے سامنے کرے تو اگر اپنے دل میں راحت اور تسکین اور نور معلوم ہو تو جاننا چاہیئے کہ قبر کسی بزرگ صاحب کمال کی ہے (اور اگر صاحب قبر ایک مشہور اور صاحب کمال بزرگ ہے اور تواتر سے ان کا کمال ثابت ہوا ہے تو پھر معلوم کرنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں۔)

---

[1] (فتاویٰ عزیزی، ص ۴۲۶، ۴۲۵)

میرے دوستو! یہ طریقہ اور آداب زیارۃ القبور کے ہیں اور وہی عقیدہ صحیحہ جو پہلے عرض کر چکا ہوں ہر زائر کو رکھنا چاہیئے اور یہی مسلک اہل السنت والجماعت اور اکابر دار العلوم دیوبند کا معمول بہ اور مفتٰی بہ ہے۔

آخر میں اتنا عرض مزید کروں گا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی شان کو بہت بڑا سمجھو اور بہت ادب واحترام سے آپ کا نام لو اور آپ کے ارشادات کی نسبت کرو۔ گستاخانہ طریقہ سے غیر مہذب الفاظ میں آپ ﷺ کے ذکر سے بچو۔ آپ ﷺ ہی واسطہ ہیں مخلوق اور حق تعالیٰ کے درمیان میں۔ آپ ﷺ ہی نے خالق اور مخلوق اور عابد و معبود کا فرق بتلایا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور مخلوق الٰہی میں سب سے زیادہ کامل ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ بتلانے والے اور اس کی طرف سب کو بلانے والے اور اللہ تعالیٰ کی باتیں معلوم کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ ہی سب کیلئے بارگاہ رحمانی کا دروازہ اور دربار صمدیت میں سب کا وسیلہ ہیں جو آپ ﷺ سے مل گیا اللہ تعالیٰ سے مل گیا جو آپ ﷺ سے جدا ہوا اللہ تعالیٰ سے جدا ہوا۔ خوب جان لو کہ ہمارے نبی ﷺ حیاۃ النبی ﷺ ہیں آپ ﷺ اب بھی عالم کیلئے رحمت ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت وصال کے بعد اسی طرح باقی ہے جیسی آپ ﷺ کی حیات دنیوی میں تھی اور قیامت تک باقی رہے گی اور آپ ﷺ کا معجزہ بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ کے صحیح متبعین اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے دامن سے چمٹ جاؤ۔ نفس و شیطان کے دھوکہ میں نہ آؤ اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ پر نہ کوئی خطرہ ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ولی وہ ہے جو اللہ سے محبت رکھتا ہے اس پر ایمان رکھتا ہو اور تقویٰ پر کاربند ہو پس جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اس سے دشمنی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے کسی ولی کو ایذا دے گا میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کیلئے جب وہ ذلیل کئے جائیں یا ان کو ایذا دی جائے بہت غیرت کرتا ہے۔ ان کی خاطر ایذا دینے والوں سے انتقام لیتا ہے اور جو ان سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کیلئے اس کی حفاظت کرتا ہے اور جو ان کی پناہ میں آجاتا ہے اس کی مدد فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کی محبت کو اپنے اوپر لازم کر لو ان کا قرب حاصل کرو۔ ان کی وجہ سے تم کو برکت حاصل ہو گی ان کے ساتھ ہو جاؤ یہی اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے اور سن لو۔ اللہ تعالیٰ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔، انتھی عبارتہ۔

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

آج بروز سوموار ۱۸ نومبر ۲۰۲۴ حاشیہ سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین کی جلد اول مکمل ہوئی جو کہ ۴ مباحث: بدعت کی بحث، اسقاط الصلوٰۃ والصوم کی بحث، دعا کی بحث اور زیارت القبور کی بحث پر مشتمل ہے۔

حررہ:

السید عبد الحق شاہ الحنفی الترمذی السیفی حفظہ اللہ تعالیٰ من کل شرٍّ

ابن

سلطان الاولیاء فخر المتأخرین السید احمد علی الشاہ الحنفی الترمذی السیفی اطال اللہ حیاتہٗ